بسم اللہ الرحمن الرحیم

قَالَ رسولُ اللّٰہِ ﷺ:

أُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ. (سنن أبي داؤد حديث: ٤٩٠٠)

ذِکرِ عُثمان

(''ذکرِ رفتگاں'' جلدِ ششم)

خصوصی اِشاعت بیاد:

اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ
اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
(المتوفی: ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء)

ترتیب:

مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری
مفتی واُستاذِ حدیث ومرتب ماہنامہ ''ندائے شاہی''
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

ناشر
مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

اِشاعت کی عام اِجازت ہے۔

○ نام کتاب : ذکرِعثمان (''ذکر رفتگاں'' جلدِ ششم)
خصوصی اشاعت بیاد: اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند

○ ترتیب : مفتی محمد سلمان منصور پوری

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفر نگری

○ ناشر : المركز العلمي للنشر والتحقيق، لال باغ مرادآباد
9412635154 - 9058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی
011-23289786 - 23289159

○ اشاعتِ اول : رمضان المبارک ۱۴۴۳ھ مطابق اپریل ۲۰۲۲ء

○ صفحات : ۴۹۶

○ قیمت :

ملنے کے پتے:

○ فرید بک ڈپو دریا گنج دہلی

○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَالَّذِیْنَ جَآءُ وْا مِنْ بَعْدِهِمْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُ وْفٌ رَّحِیْمٌ ○ (الحشر:۱۰)

اور جو (دنیا میں) ان (مہاجرین وانصار اور سلف صالحین) کے بعد آئے، (یا آویں گے) جو دعا کرتے ہیں کہ: اے ہمارے رب! ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دیجئے، جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں، اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے، اے ہمارے رب! آپ بڑے شفیق ورحیم ہیں۔

حسنِ ترتیب

رفتـــــــگاں ۲۰۲۱ء	۹

روشن صفات

تعلیم وتربیت

مجاہدِ ختم نبوت

ملی خدمات

منظومات ومراثی

تبرکات واِفادات

❑❖❑

روشن صفات

''آرزوئیں ڈھونڈتی ہیں جنّتی انسان کو''

والدمحترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کی
زندگی کے چند روشن نقوش

تعزیتی بیان: ''التذکیر یوٹیوب چینل''(۳۱رمئی ۲۰۲۱ء بروز پیر) از: مفتی محمد سلمان منصور پوری
جمع وضبط: مفتی اسرار احمد دانش قاسمی نجیب آبادی

الحمد للّٰہ رب العالمین، أشهد أن لا إلٰہ إلا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ وأشهد أن سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ، صلی اللّٰہ تبارک وتعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وأصحابہ وذریاتہ أجمعین. أما بعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطان الرجیم. بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم. ﴿یٰٓاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ. ارْجِعِيْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً، فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾ صدق اللّٰہ العلي العظیم.

معزز سامعین! طبعیت بہت افسردہ اور بوجھل ہے، حضرت اقدس والد ماجد امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ – جن کو ہم ادب اور محبت کے جذبات کے ساتھ بچپن سے ''ابی'' کے نام سے پکارتے رہے – کی وفات کا غم تازہ ہے، اور کبھی بھی اس کی طرف سے خیال ہٹتا نہیں ہے، اور ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم گھنی چھاؤں سے نکل کر کھلی ہوئی دھوپ میں آ گئے ہیں، اور ایک بڑا بوجھ ہمارے سر پر رکھ دیا گیا ہے۔

یہ سب صدمہ اپنی جگہ؛ لیکن ایک حدیث پیش نظر ہے کہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی

اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں تشریف فرما تھے، اور آپ کے سامنے سے ایک جنازہ گذرا، آپ نے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے، تو حاضرین نے عرض کیا کہ یہ فلاں قبیلہ کے فلاں صاحب کا جنازہ ہے، اور اُن کی صفت بیان کرتے ہوئے عرض کیا گیا کہ "**کان یحب اللّٰہ ورسولہ ویعمل بطاعۃ اللّٰہ ویسعی فیھا**" (یعنی یہ شخص اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا تھا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اطاعت گذار تھا اور اس سلسلے میں پوری محنت کیا کرتا تھا) تو آپ نے جب یہ سنا تو اِرشاد فرمایا کہ: "**وجبت، وجبت، وجبت**" (یعنی اس کے لئے تو جنت واجب ہوگئی)......الخ۔

اور پھر اخیر میں فرمایا کہ "اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے مقرر ہیں، جو آدمیوں کی زبانی مؤمن کی بھلائی یا برائی کا اظہار کرتے ہیں"۔ (رواہ الحاکم حدیث: ۱۳۹۷ وغیرہ)

اور ایک حدیث میں اِسی طرح کے واقعہ میں یہ بھی فرمایا گیا کہ: "**أنتم شھداء اللّٰہ في الأرض**" (یعنی تم روئے زمین میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے گواہی دینے والے ہو) (صحیح البخاری/ باب ثناء الناس علی المیت حدیث: ۱۳٦۷)

حضرات شارحین لکھتے ہیں کہ ان گواہوں میں ثقہ اور متقی لوگوں کی گواہی مراد ہے، جس سے یہ پتہ چلا کہ جس شخص کے بارے میں روئے زمین پر رہنے والے دین دار متقی پرہیزگار اور ثقہ لوگ خیر کی گواہی دیں، اُس کے محاسن بیان کریں، اُس کی اچھائیاں بیان کریں تو یہ اُس کے جنتی ہونے کی دلیل ہے۔ (مستفاد: فتح الباری حدیث: ۱۳٦۷)

یہی بات آج ہم اپنے پیارے و مشفق والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں دیکھ رہے ہیں کہ دنیا کے مختلف خطوں سے مسلسل تعزیتی پیغامات کا سلسلہ جاری ہے، اور ہر شخص آپ کی دیانت وامانت، طبعی شرافت، حق نوازی، اُصول پسندی، دین داری اور ورع وتقویٰ کی شہادت دے رہا ہے، اِس لئے اُمید ہی نہیں؛ بلکہ یقین ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دین کے اس مخلص خادم اور مقرب بندہ کو اپنی خاص رحمت میں ڈھانپ لیں گے اور ان چیزوں میں سب سے افضل

عطا فرمائیں گے جو وہ اپنے نیک بندوں کو عطا کرتے ہیں۔ اور اِس بات کا بھی یقین کامل ہے کہ یہاں دنیا کی زندگی کے مقابلے میں آپ جہاں تشریف لے گئے ہیں، وہاں ہزار گنا راحت وآرام میں ہوں گے، اِن شاء اللہ تبارک وتعالیٰ۔

حضرت والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت ہی صاف شفاف اور روشن زندگی گذاری، جس طرح آپ کا ظاہری لباس صاف ستھرا اور داغ دھبوں سے پاک ہوتا تھا، اسی طرح آپ کا باطن بھی آئینہ کی طرح شفاف تھا، عبادات ہوں، معاملات ہوں، معاشرت ہو، اخلاق ہوں، ان تمام شعبوں میں آپ سوفی صد سنت وشریعت کو ملحوظ رکھتے تھے، اور اگر اس کے خلاف کوئی بات نظر آتی تو سخت ناگواری اور ناراضگی ظاہر فرماتے تھے۔

طلبۂ عزیز کے ساتھ آپ کی شفقت بے مثال تھی، خورد نوازی، دل داری، حوصلہ افزائی آپ کی رگ رگ میں بسی تھی، لوگ اس بات پر حیرت کیا کرتے تھے کہ دارالعلوم دیوبند میں سال کے اخیر میں طلبہ کی انجمنوں کے جو اختتامی اجلاس ہوتے ہیں، اُن میں آپ تشریف لے جاتے اور اخیر وقت تک تشریف فرما رہتے تھے۔ بعض مرتبہ آسامی بنگالی طلبہ کی انجمنیں ہوتی تھیں، جس میں اُنہی کی زبانوں میں بیانات ہوتے تھے؛ لیکن آپ ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ بجے تک پوری متانت اور دلچسپی کے ساتھ اُن طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لئے تشریف فرما رہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو قلب سلیم بھی عطا فرمایا تھا اور ذوقِ سلیم سے بھی نوازا تھا، ہر چیز میں آپ کو نفاست اور عمدگی پسند تھی۔ کوئی بھی کام ترتیب کے خلاف یا بے سلیقہ ہو، وہ آپ کو گوارا اور منظور نہ تھا۔ اگر ہم نے کوئی کاغذ غلط انداز میں موڑ دیا یا کوئی چادر بے ہنگم طور پر تہہ کردی، اس پر بھی آپ ناراض ہوتے تھے اور تنبیہ فرمایا کرتے تھے۔ اگر کاپی میں ورق نکالنا ہوتا تو اس میں سے بھی سلیقے کے ساتھ نکالتے تھے، اور یہی ہم لوگوں کی تربیت فرمایا کرتے تھے عربی اور اُردو تحریر نہایت شاندار تھی، اس طرح کہ ایک ایک لفظ واضح ہوتا تھا، کوئی بھی آدمی اُسے پڑھ سکتا تھا، اس میں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شمار خصوصیات سے آپ کو مالا مال فرمایا تھا، ان سب کا احاطہ تو نہیں کیا جاسکتا؛ لیکن خود اپنی یاد دہانی کے لئے اور جو حضرات آپ سے تعلق اور محبت رکھتے ہیں اُن کو متوجہ کرنے کے لئے چند صفات کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ورع وتقویٰ

سب سے پہلی صفت جو آپ کی نہایت ممتاز خوبی تھی وہ ورع وتقویٰ کی صفت تھی۔

پوری زندگی ہمارے سامنے ہے، خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی آپ ہر طرح کے گناہ سے بچنے کی پوری کوشش فرمایا کرتے تھے۔

گھر سے باہر نکلتے تو ہمیشہ نگاہ نیچی رکھتے تھے، راستے میں چلتے ہوئے یا سفر میں جاتے ہوئے صرف بقدرِ ضرورت نظر اُٹھاتے تھے، اکثر ٹرین یا جہاز کے سفر میں انہماک کے ساتھ کتب ورسائل کے مطالعہ میں مشغول رہتے۔

زبان کے اعتبار سے انتہائی محتاط تھے، بدزبانی یا ایسی گفتگو جو تہذیب اور مروت کے خلاف ہو، آپ کی زبان سے صادر نہیں ہوتی تھی۔

مالی معاملات میں حساب وکتاب صاف رکھنے کا بہت اہتمام تھا، آپ کے پاس بھائی بہنوں کی کاشت کی آمدنی کا حساب جمع ہوتا تھا، تو جس کا جو حق بنتا، پائی پائی کا حساب لگا کر اُس تک پہنچاتے تھے۔ خود اپنا ذاتی حساب بھی لکھ کر رکھتے تھے۔ ہم لوگوں سے اِس بارے میں بہت کوتاہی اور لاپرواہی ہوتی تھی؛ لیکن حضرت کا مزاج یہ تھا کہ جو بھی خرچ ہو لکھا جائے؛ تاکہ کسی کا حق اپنے اوپر باقی نہ رہے۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ورع وتقویٰ کی اعلیٰ صفت آپ کے اندر رکھی تھی، اور یہ وہ صفت ہے جو انسان کو اللہ تعالیٰ اور بندوں کی نظر میں محبوب اور مقبول بنانے والی ہے۔ قرآنِ پاک میں خود ارشاد فرمایا گیا: ﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاکُمْ﴾ [الحجرات، جزء آیت: ١٣]
یعنی اللہ کی نظر میں تم میں سب سے معزز وہ ہے جو سب سے بڑا متقی اور پرہیزگار ہے۔

رسوخ فی العلم

آپ کی دوسری نمایاں صفت ''رسوخ فی العلم'' کی تھی، آپ کسی بھی کتاب یا مضمون کا محض سطحی یا سرسری مطالعہ نہیں فرماتے تھے، اِسی وجہ سے آپ کا علم بڑا گہرا اور مستحکم تھا، اور حضراتِ اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔ قرآنِ کریم کی تفسیر اور اَحادیث شریفہ کی تشریح آپ کا خاص موضوع تھا۔ متونِ حدیث کے ساتھ عربی شروحات کی عبارات آپ کو اَز بر تھیں؛ جنہیں اپنے بیانات اور دروس میں برموقع پیش فرماتے تھے۔

ہمیں بہت سی کتابیں آپ سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، ابتدائی عربی کتابیں ''علم الصرف'' ''علم النحو'' ''القراءۃ الواضحۃ''، پھر جب دیوبند میں آگئے تو ''سلم العلوم'' ''مقاماتِ حریری'' ''نور الانوار'' ''مختصر المعانی'' ''تفسیر بیضاوی'' یہ سب کتابیں ہم نے آپ سے پڑھیں۔ آپ کا درس عام فہم، فضولیات سے پاک، کتاب کو پوری طرح حل کردینے والا ہوتا تھا۔

اسی طرح آپ کے جو عوامی بیانات ہوتے تھے، وہ بھی خالصۃً قرآن وحدیث کی روشنی میں ہوتے تھے، جن میں نہ کوئی فضول واقعات ہوتے تھے، نہ لطیفہ گوئی ہوتی تھی، بلکہ صرف قرآن وحدیث کے مضامین دل نشیں انداز میں آپ پیش فرمایا کرتے تھے۔

حقیقی تواضع

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اعلیٰ درجہ کی حقیقی تواضع سے سرفراز فرمایا تھا، آپ کی چال ڈھال، نشست وبرخواست، گفتگو ہر چیز سے یہ صفت جھلکتی تھی۔ پھر لوگوں کے ساتھ آپ کا کردار، برتاؤ، اس میں بھی متواضعانہ شان نظر آتی تھی۔

جلسوں اور پروگراموں میں آپ تشریف لے جاتے، تو جیسا جلسے والے ترتیب بناتے، اُسی کے موافق آپ بیان فرماتے تھے۔ اکثر آپ ہی کے بیان پر دعا ہوتی تھی، آپ پوری بشاشت کے ساتھ انتظار فرماتے تھے، اور اس درمیان اگر کوئی بستی اور گاؤں کا آدمی اصرار کرتا

کہ حضرت میرے یہاں کچھ دیر کے لئے تشریف لے چلیں، تو آپ اس کی دل داری کے لئے اُس کے گھر بھی تشریف لے جاتے تھے، جس سے لوگوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہتا تھا، اور آپ کی محبت واُنسیت اُن کے دلوں میں پیوست ہوجاتی تھی۔ دسیوں ایسے واقعات ہیں کہ معمولی لوگوں کی دعوت پر دور دراز دیہاتوں میں آپ تشریف لے گئے، اور ایک خاص بات یہ دیکھی گئی کہ جلسوں میں سامعین کی قلت یا کثرت کا آپ پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا، اکثر دیکھا گیا کہ جلسے میں چند لوگ موجود ہیں؛ لیکن آپ پوری بشاشت سے بیان فرمارہے ہیں، بلاشبہ یہ آپ کی تواضع کی کھلی ہوئی دلیل تھی۔

حق نوازی

جہاں آپ ذاتی معاملات میں بہت زیادہ نرم، شفیق اور مہربان واقع ہوئے تھے، وہیں دینی معاملے میں کوتاہی پر آپ کے غصہ کی کوئی تاب نہیں لاسکتا تھا، حق کے خلاف کوئی بات ہو، اہل سنت والجماعت کے نظریات کے خلاف کوئی تحریک ہو، کوئی گناہ کا کام ہو، کوئی بدعملی ہو، آپ کو ایسا جلال آتا تھا کہ سامنے والا اس کا تحمل نہیں کرسکتا تھا، زندگی میں بار بار قدم قدم پر اس کے نمونے دیکھنے میں آئے۔

چناں چہ آپ فرقِ باطلہ اور افکار زائغہ کے سلسلے میں ہمیشہ سخت رویہ اپنانے کے قائل رہے۔ اِس بارے میں ادنیٰ سی مداہنت اور مصلحت پسندی آپ کو گوارا نہ تھی، چاہے وہ ''تحفظ ختم نبوت'' کا معاملہ ہو، یا ''دفاعِ صحابہ'' یا ''رد بدعت'' کا معاملہ ہو، آپ نے کسی بھی برائی کی کوئی پرواہ نہیں کی، اور جو حق بات تھی اُس کو ڈنکے کی چوٹ پر کہا؛ حتیٰ کہ بعض مواقع پر کسی رشتہ داری کا بھی خیال نہیں کیا اور جو حق کا پیغام تھا اُسے قریہ قریہ تک پہنچایا، اس میں ذرہ برابر بھی آپ نے کوتاہی نہیں فرمائی، اور یہی مزاج آپ نے اپنے متعلقین کا بنایا۔ آپ فرماتے تھے کہ ''ہماری رشتہ داری اور قرابت کا جو بھی رشتہ ہے وہ اُسی وقت تک ہے جب تک کہ دین اور شریعت کے خلاف نہ ہو، اگر کوئی بات دین وشریعت اور نظریہ برحق کے خلاف ہوگی تو اس میں

کوئی رشتہ داری اور قرابت نہیں''۔ یہ آپ کی زندگی کا بہت ہی روشن باب ہے۔

حبِ نبی ﷺ

آپ کی ایک خاص صفت جس کو ہر لمحے محسوس کیا جا سکتا تھا، وہ سرورِ عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے عجیب وغریب انداز کی سچی اور دلی محبت تھی؛ چناں چہ جب آپ بیان فرماتے یا درس دیتے اور درمیان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نامِ نامی اسمِ گرامی آتا، تو آپ دل کی گہرائیوں سے ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' اِرشاد فرماتے تھے اور دس مرتبہ بھی اسم مبارک آتا تو پورا نام لیتے تھے، اور ہر مرتبہ یہ محسوس ہوتا تھا کہ دل کی عمیق گہرائیوں سے محبت کے جذبات کے ساتھ یہ نام زبان سے نکل رہا ہے۔ نیز آپ زندگی میں ہر ہر موقع پر سنت کی اتباع کا خاص اہتمام فرماتے تھے۔

اور ہم نے یہ بھی سنا اور دیکھا کہ اکثر بیان کے اخیر میں جب آپ دعا فرماتے تو دعا کا اختتام اِس جملے پر ہوتا تھا: ''اَللّٰهُمَّ اجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ كَمَا آمَنَّا بِهِ وَلَمْ نَرَهُ، وَلَا تُفَرِّقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُ حَتّٰى تُدْخِلَنَا مُدْخَلَهُ، وَاسْقِنَا مِنْ حَوْضِهِ مَشْرَبًا رَوِيًّا هَنِيْئًا'' جس کا ترجمہ یہ ہے کہ (ہم نے نبی اکرم علیہ السلام کو اپنی آنکھوں سے دنیا میں تو نہیں دیکھا ہے؛ لیکن آپ ہمیں آخرت میں اُن ہی کے ساتھ جمع فرما دیجئے گا، اور جب تک ہم آپ کی جگہ میں داخل نہ ہو جائیں، ہمیں آپ سے الگ مت رکھئے گا، اور آپ ہمیں آپ کے حوضِ کوثر سے بھرپور طریقے پر سیراب فرمائیے گا) آپ یہ دعا دل کی گہرائی سے فرماتے تھے۔ اور اکثر دعا کرتے ہوئے آپ کی آواز گلوگیر ہو جاتی تھی، یہ آپ کی محبتِ رسول کی کھلی ہوئی نشانی اور دلیل ہے۔

آپ نے ہندوستان میں بالخصوص ''تحفظِ ختمِ نبوت'' کے سلسلے میں جو عظیم الشان قربانیاں پیش فرمائیں، وہ دراصل اُسی عشقِ نبوی کی بنیاد پر تھیں۔ آپ ''ردِ قادیانیت'' کی محنتوں کو عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے، اور اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ اس موضوع پر جس طرح آپ کو شرحِ صدر اور بصیرت حاصل تھی، بہت کم لوگوں کو اِس طرح کی صلاحیت اِس بارے میں

میسر آتی ہے۔

نزولِ عیسیٰ، ظہورِ مہدی اور ختمِ نبوت؛ اِن تینوں موضوعات پر تربیتی پروگراموں میں جو آپ کی تقریریں ہوتی تھیں، وہ لوگوں کے سینوں کو کھول دیتی تھیں، اور ایک ایمانی تازگی اس سے محسوس ہوتی تھی۔

شروع میں بہت سے لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ تو ایک بے ضرورت موضوع ہے، اس کو کیوں اُٹھادیا گیا ہے؟ خواہ مخواہ اسے پھیلایا جارہا ہے؛ لیکن حضرت رحمۃ اللہ علیہ پورے شرحِ صدر کے ساتھ اس کام میں لگتے تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ اُن کے لئے عظیم الشان صدقہ جاریہ اور ذریعہ نجات ہے۔

اس کا ایک خوش کن پہلو آپ کی وفات کے بعد بطور بشارت اِس طرح سامنے آیا کہ دارالعلوم دیوبند کے تنظیم وترقی کے ناظم جناب مولانا محمد راشد صاحب نے وفات کے بعد خواب دیکھا کہ حضرت والا اہتمام میں تشریف فرما، اور سر پر نہایت نورانی تاج رکھا ہوا ہے، مولانا راشد صاحب فرماتے ہیں کہ خواب میں مجھے پوچھنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی؛ لیکن بار بار میں تاج کو دیکھ رہا تھا، تو کچھ دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ ''یہ دو تاج بھیجے گئے ہیں، ایک حضرت مولانا شاہ عطاء اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ہے اور ایک میرے لئے ہے''۔ یہ خواب تعبیر کا محتاج نہیں ہے، اس سے یہ پتہ چلا کہ جس طرح حضرت امیر شریعت شاہ عطاء اللہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ختم نبوت کے سلسلے میں قربانیاں اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائیں، اسی طرح حضرت والد ماجد امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ کی یہ محنت بھی عند اللہ قبول ہے اور آپ کو اس بنیاد پر بھی عزت وتکریم سے نوازا جائے گا، اور نوازا گیا ہے۔ تو یہ آپ کا عشق رسول تھا جو آپ کی ہر نقل وحرکت سے ظاہر ہوتا تھا۔

صلہ رحمی

آپ کی چھٹی اور اہم صفت جو ہم سب کے لئے قابلِ تقلید ہے وہ آپ کی ''صلہ رحمی'' ہے، رشتہ داروں کے حقوق کا آپ نہایت خیال رکھتے تھے۔

ہمیں یاد ہے کہ امروہہ کا زمانہ ہو یا دیوبند کا، ہر عید اور بقرعید کے موقع پر باقاعدہ سفر کر کے محض اعزاء سے ملاقات کے لئے منصور پور، خانجہاں پور، حسین آباد، سیکری وغیرہ تشریف لے جاتے تھے، اور اُس زمانے میں سواری کی بھی زیادہ سہولتیں نہیں تھیں، عموماً پسنجر ٹرینوں سے یا لوکل بسوں سے یا تانگوں سے سفر ہوتا تھا؛ لیکن آپ پوری بشاشت کے ساتھ ساری مشقت برداشت فرماتے اور اعزاء کے حقوق کو ادا فرماتے تھے۔

خوشی اور غمی کے مواقع پر خاص طور پر جانے کا اہتمام رکھتے تھے، اور اگر اعزاء میں سے کوئی ضرورت مند ہو، تو جس طرح بھی ہوسکتا تھا اُس کا تعاون کرنے میں دریغ نہیں فرماتے تھے، یہ بھی آپ کی زندگی کا ایک روشن باب ہے۔

دنیا وما فیہا سے بیزاری

آپ کی ساتویں صفت جو ہم جیسے دنیا داروں کے لئے بہت ہی زیادہ قابل عبرت ہے، یہ تھی کہ آپ کا دل دنیاداری سے بالکل پاک تھا، نہ تو نام ونمود کی کبھی خواہش ہوئی اور نہ آپ نے آئندہ کے لئے کوئی پلاننگ ظاہر فرمائی۔

آپ نے پوری زندگی یا تو کرائے کے عام مکانوں میں گذار دی یا مدرسہ کی طرف سے جو مکانات دئے گئے، اُن ہی میں آپ بہت خوشی کے ساتھ رہتے رہے، کسی نے اگر کہا بھی کہ آپ اپنا مکان الگ بنالیجئے، تو ہنس کر ٹال دیا کرتے تھے۔ ٹیپ ٹاپ والی یا سجاوٹ کی باتیں اُن کی زندگی میں بالکل نہیں تھیں، گویا وہ دنیا میں رہتے تھے؛ لیکن اُن کی ساری توجہ آخرت کی طرف تھی اور اِن شاء اللہ آخرت میں اُنہیں اس کا بھرپور بدلہ ملے گا، اللہ کی ذات سے یہی یقین ہے۔

فضولیات سے نفرت

آپ کی آٹھویں اور ایک اہم صفت یہ بھی ہے کہ فضول گفتگو، فضول مجالس الغرض ہر طرح کی فضولیات سے آپ بالکل دور اور نفور تھے، گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، کسی نہ کسی اچھے

کام میں مشغول رہتے تھے یا آرام فرماتے تھے، بہت مرتبہ سفر میں دیکھا کہ آرام کا تقاضا ہوا تو آرام ورنہ یا تو کتاب کا مطالعہ یا قرآنِ پاک کی تلاوت، بقدرِ ضرورت گفتگو فرماتے تھے، خواہ مخواہ کی اِدھر اُدھر کی گفتگو کسی کے ساتھ بھی نہیں سنی گئی۔

یہ صفت ہم جیسے لوگوں کے لئے بہت زیادہ عبرت اور نصیحت کے قابل ہے کہ اگر ہم اپنا جائزہ لیں تو زندگی کا بڑا حصہ فضولیات میں گذر جاتا ہے؛ حالاں کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ''. (سنن الترمذي رقم: ۲۳۱۷) (یعنی اچھے مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ آدمی لایعنی باتوں کو چھوڑ دے) یہ صفت ہم نے اپنے محسن اور مشفق والد ماجد حضرت ابی رحمۃ اللہ علیہ میں پوری طرح محسوس کی۔

حسنِ انتظام

آپ کی نویں صفت یہ ہے کہ آپ کو جو بھی ذمہ داری دی گئی، آپ نے اُس کو بخوبی نبھایا، اور حسن وخوبی کے ساتھ تمام مفوضہ اُمور انجام دئے، چاہے دارالعلوم دیوبند میں نظامت دارالاقامہ ہو، یا نیابت اہتمام ہو، یا اخیر میں ''معاون اہتمام'' کی ذمہ داری ہو، جن لوگوں کا سابقہ پڑا ہے، یا جنھوں نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہے، وہ گواہی دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے علمی رسوخ کے ساتھ ساتھ انتظام کی بھی بہترین صلاحیت آپ کو عطا فرمائی تھی۔

جمعیۃ علماء ہند کی صدارت میں بھی آپ کی یہ صفت اُبھر کر سامنے آئی، جمعیۃ کے کاموں میں بھی آپ حسن انتظام کو پسند فرماتے تھے اور کہیں بے اُصولی اور بے انتظامی کی بات آتی تو آپ کو ناگواری ہوتی تھی اور اُس پر آپ نکیر فرماتے تھے۔

حسنِ تربیت

آپ کی دسویں صفت ''حسنِ تربیت'' ہے، آپ نے اپنے شاگردوں اور گھر والوں کی بہترین تربیت فرمائی، اس میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، آپ شیخ الاسلام حضرت

مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے خانوادہ کے مربی اور اَتالیق سمجھے جاتے تھے۔ امروہہ میں ہمارے عزیز ماموں جگر گوشۂ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید اسجد صاحب مدنی دامت برکاتہم، اسی طرح برادر مکرم مولانا اخلد رشیدی صاحب، برادر مکرم مولانا سید ازہد صاحب مدنی، اور برادر مکرم مولانا سید محمود اسعد صاحب مدنی اور ہمارے خالہ زاد بھائیوں میں مولانا مفتی سید محمد حارث صاحب، عزیزم مولوی سید محمد معاذ، مولوی سید محمد سعد، مولوی سید محمد بشار، اسی طرح پھوپھی زاد بھائیوں میں سید محمد کلیم صاحب اور بھی کئی قریبی اعزاء حضرت کی مکمل نگرانی میں رہے اور ہم دونوں بھائیوں کے ساتھ بھی آپ نے اس سلسلے میں جو احسانات فرمائے ہیں، ہر وقت دل سے یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان احسانات کا بھرپور بدلہ آپ کو عطا فرمائیں اور آپ کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں، آمین۔

چند زریں نصیحتیں

ہمیں یاد ہے کہ جب ہم تدریب الافتاء سے فراغت کے بعد حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر مدرسہ شاہی کی تدریسی خدمت کے لئے جانے لگے تو حضرت ابی رحمۃ اللہ علیہ نے جاتے ہوئے نصیحت فرمائی:

پہلی نصیحت:- یہ تھی کہ جب کوئی طالب علم تم سے کتاب سمجھنے کے لئے تمہارے کمرے پر آئے تو کبھی دروازہ بند کر کے اُسے کتاب مت بتلانا، فرمایا کہ کوشش کرنا کہ سبق ہی میں سوال جواب ہو جائے۔ پھر بھی اگر کوئی آ رہا ہے تو اس حالت میں اُسے سمجھاؤ کہ کمرہ کا دروازہ کھلا رہے؛ تا کہ کسی فتنہ میں تم مبتلا نہ ہو۔

دوسری نصیحت:- یہ فرمائی کہ کبھی بھی انتظامیہ سے کسی کتاب کو پڑھانے کی طلب مت کرنا کہ میں فلاں کتاب پڑھاؤں گا، ہرگز نہیں، جو مل جائے اللہ کے بھروسہ پر پڑھانا، کتاب چھوٹی ہو یا بڑی اس کو مت دیکھنا۔

تیسری نصیحت:- یہ فرمائی کہ کبھی یہ درخواست مت کرنا کہ تنخواہ بڑھائی جائے، ہرگز

نہیں؛ بلکہ جو مدرسہ تنخواہ دے شکر کے ساتھ قبول کرنا، اور یہ سمجھنا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، ہماری محنت اس کے مقابلے میں کچھ نہیں۔

چوتھی نصیحت:- یہ فرمائی کہ کبھی بھی انتظامی معاملات میں ازخود دخل مت دینا، ہاں اگر کوئی منتظم تم سے مشورہ لینا چاہے تو خوش اُسلوبی کے ساتھ مشورہ دینا، مگر اس پر اصرار مت کرنا، قبول کرلیا جائے تو فبہا، نہ قبول کیا جائے تو بھی کوئی بات نہیں۔

آپ نے یہ چاروں نصیحتیں فرماکر روانہ فرمایا اور حضرت کی ان روشن نصیحتوں پر اللہ تعالیٰ نے عمل کی توفیق بھی عطا فرمائی، جس کی وجہ سے ہزاروں فتنوں سے اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور پھر یہ نہیں کہ ہم مرادآباد چلے گئے، یا عزیزم مفتی محمد عفان سلمہ امروہہ چلے گئے تو آپ بے فکر ہوجائیں؛ بلکہ آپ وہاں بھی ہماری نگرانی فرماتے رہے۔

ہم کہاں سے آرہے ہیں؟ کہاں جارہے ہیں؟ کس طرح کے جلسوں میں شریک ہورہے ہیں؟ کیا ہماری سرگرمیاں ہیں؟ ساری تفصیلات کے بارے میں آپ علم رکھتے تھے۔ اور ہماری طرف سے کوئی کوتاہی ہوتی تھی تو اُس پر ناراضگی کا اظہار اور تنبیہ فرماتے تھے، بعض مرتبہ تو بہت سخت تنبیہات فرمائیں۔

اور خود ہم سے بھی یہ کہتے تھے کہ بچوں کے ساتھ تنبیہات کا معاملہ برقرار رکھو، بار بار یہ حدیث سناتے تھے کہ: ''**لَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَبَدًا**''. (المسند للإمام أحمد رقم: ۲۲۰۷۵)

(یعنی اُن کو اپنے حال پر مت چھوڑو؛ بلکہ نگرانی اور تنبیہ کا سلسلہ جاری رکھو) یہی ایک محسن اور مربی کی صفت ہے۔ افسوس ہے کہ ایسا عظیم محسن، مشفق اور مربی اب ہمارے سروں پر نہیں ہے۔ **إنا لله وإنا اليه راجعون، إن لله ما أعطى وله ما أخذ، وكل شيء عنده بأجل مسمى۔**

ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں اُن کے احسانات کا اعلیٰ سے اعلیٰ بدلہ عطا فرمائیں، اُن کے درجات بے حد بلند فرمائیں، حضرات انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ اُن کا حشر فرمائیں، نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت ومعیت نصیب فرمائیں، اور ہمارا حشر بھی

اُن ہی کے ساتھ فرمائیں، آمین۔

تمام سامعین سے بھی گذارش ہے کہ حضرت کے لئے دعا خیر اور ایصالِ ثواب کا سلسلہ جاری رکھیں، ساتھ میں ہم اور ہمارے سب اہل خانہ بالخصوص برادر عزیز مولانا مفتی محمد عفان سلمہ اور والدہ محترمہ اور عزیزہ ہمشیرہ۔ سبھی ان حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ملک و بیرونِ ملک سے حضرت ابی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے تعزیت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمایا، اللہ تعالیٰ ان سب کو جزاء خیر عطا فرمائیں۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد و آله وأصحابه أجمعین.

برحمتک یا أرحم الراحمین۔

ایک مشفق ومربی استاذ

(حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ)

حضرت مولانا مفتی محمد ساجد قاسمی استاذ دارالعلوم دیوبند

عادات وخصوصیات

آپ ایک باوقار وپر تمکنت شخصیت کے مالک تھے، شرافت ووضع داری کا پیکر تھے، خوش خلقی وملنساری آپ کا نمایاں وصف تھا، آپ کے یہاں طلبہ کے ساتھ شفقت وہمدردی اوران کی تربیت کا خاص خیال تھا۔ کوئی بھی کام پورے اطمینان سے انجام دیتے تھے، عجلت پسندی اور جلد بازی بالکل نہیں تھی۔ نظم وضبط اور قاعدہ قانون کا بڑا پاس رکھتے تھے۔ کوئی بھی کام ضابطے کے دائرے میں ہی ہونا چاہیے، خود بھی ضابطے کی پابندی کرتے تھے اور دوسروں کو بھی پابند رہنے کے لیے کہتے تھے اور خلاف ورزی کی صورت میں باز پرس بھی کرتے تھے۔ چوں کہ آپ نے ایک عرصے تک دارالعلوم کے نیابت اہتمام کا عہدہ سنبھالا تھا اس لیے دارالعلوم کے معمول اوراس کی روایات سے اچھی طرح واقف تھے، کبھی کسی کے ذہن سے اگر اس کا معمول نکل جاتا تو آپ اس کو یاد دلاتے تھے۔

آپ مجالس میں اپنی رائے بڑی بے باکی کے ساتھ پیش کرتے تھے، کسی نامناسب بات اور رائے پر آپ خاموش نہیں رہ پاتے، اگر اس سلسلے میں کوئی ضابطہ ہے یا دارالعلوم کی کوئی

روایت ہے تو آپ اسے ضرور بیان کرتے تھے۔

دوسروں کی خاطر داری اور دلجوئی کا آپ ہمیشہ خیال رکھتے تھے، النادی کے پروگراموں میں دیکھا کہ اگر پروگرام رات کے ایک یا ڈیڑھ بجے بھی ختم ہوا اور طلبہ نے ناشتے کے لیے کہا، تو آپ ان کی دلجوئی کی خاطر تھوڑی دیر کے لیے ان کے ساتھ ضرور تشریف لے جاتے تھے۔ اسی طرح کوئی ملازم اپنے گھر جانے کے لیے کہتا تو آپ اس کی دلجوئی کے لیے ساتھ چلے جاتے تھے۔ دارالعلوم میں ہیں کوئی معائنہ کرنا ہوتا تو آپ خود بے تکلف وہاں پہنچ جاتے تھے۔ آپ ہمیشہ مسکرا کر سلام کا جواب دیتے تھے اور خیریت معلوم کرتے تھے۔

آپ سے تعلق کی سرگذشت

راقم الحروف کو ۱۹۹۴ء میں دورے کے سال آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، آپ سے مؤطا امام محمد پڑھنے کا اتفاق ہوا، چوں کہ آپ نے عربی زبان حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی سے پڑھی تھی جو طلبہ کے عربی لکھنے اور بولنے پر بہت حوصلہ افزائی کرتے تھے؛ اس لیے آپ بھی عربی میں پرچہ سوالات حل کرنے پر بہت خوش ہوتے تھے اور پورے نمبرات دیتے تھے۔ چنانچہ میں نے بھی دیگر کتابوں کے ساتھ مؤطا امام محمد کا پرچہ عربی میں حل کیا اور آپ نے ہمیں پورے ۵۰ر نمبر دیے (واضح رہے کہ اس وقت دارالعلوم میں آخری نمبر ۵۰ر تھا جو ابھی چند سالوں پہلے ۱۰۰ر کر دیا گیا ہے)۔

جب میں ۲۰۰۱ء میں دارالعلوم میں تقرری کے لیے انٹرویو میں شریک ہوا تو انٹرویو کمیٹی کے سامنے آپ نے ہی میرا تقریری و تحریری انٹرویو لیا۔ انٹرویو ہونے کے بعد آپ نے مجھ سے کہا کہ اب آپ جا سکتے ہیں، جیسا کچھ ہوگا آپ کو بذریعہ ڈاک اطلاع دی جائے گی؛ چنانچہ میں مراد آباد واپس چلا گیا۔ بعض احباب نے مجھے اطلاع دی کی تمھارا تقرر ہو گیا ہے۔ چنانچہ میں دیوبند آ گیا۔ ادھر حضرت قاری صاحب سفر میں جاتے ہوے مدرسہ شاہی مراد آباد تشریف لائے اور میرا تقرر نامہ اپنے ساتھ لے آئے۔ آپ نے مجھے مدرسے میں معلوم کرایا۔ لیکن میں

مدرسہ میں موجود نہیں تھا؛ کیوں کہ میں دارالعلوم آ گیا تھا۔ آپ نے وہ تقرر نامہ مفتی محمد سلمان صاحب کے حوالے کر دیا کہ وہ مجھے دے دیں؛ چنانچہ جب میں مدرسہ واپس پہنچا، تو انھوں نے وہ تقرر نامہ میرے حوالے کیا۔

دارالعلوم میں تقرری کے بعد جب مجھے کسی معاملے میں رائے مشورہ کی ضرورت ہوئی تو آپ نے اس سلسلے میں مشورہ دیا اور بھرپور رہنمائی فرمائی۔

النادی الادبی کی سرپرستی

حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی کے بعد آپ نے النادی الادبی کی مکمل سرپرستی فرمائی، جس زمانے میں آپ نے نیابت اہتمام کی ذمے داری سنبھالی اس دوران تو آپ طلبہ کو زیادہ وقت نہیں دے پاتے تھے اور تکمیل ادب کے اساتذہ طلبہ کی رہنمائی وغیرہ کا کام انجام دیتے تھے، ورنہ آپ نے ہمیشہ النادی الادبی کی سرپرستی فرمائی اور اس سے منسلک طلبہ کو بہت وقت دیا۔ پچھلے کئی سالوں سے آپ النادی کے طلبہ کی مکمل رہنمائی اور سرپرستی فرما رہے تھے۔ ہم النادی کا کوئی بھی پروگرام آپ سے وقت معلوم کیے بغیر طے نہیں کرتے تھے، اگر آپ کا قیام دیوبند میں ہوتا تو صدارت آپ کی ہی رکھتے تھے۔ آپ نہ صرف اس کو قبول فرما لیتے تھے بلکہ پروگرام میں اخیر تک تشریف فرما رہتے تھے اور آخری خطاب آپ ہی کا ہوتا تھا۔

آپ النادی کے پروگراموں میں آخری خطاب عربی ہی میں کرتے تھے۔ آپ بہت آسان اور بے تکلف عربی بولتے تھے، جتنی بے تکلفی سے اردو بولتے تھے، خواہ کیسا ہی مجمع ہو یا کیسے ہی لوگ ہوں آپ کبھی متاثر نہیں ہوتے تھے بلکہ سادگی اور بے تکلفی سے گفتگو اور خطاب کرتے تھے۔

آپ اپنے خطاب میں اور النادی الادبی کی میٹنگوں میں حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی کے حوالے سے عربی بولنے اور عربی میں تقریر کرنے کے سلسلے میں طلبہ کو بہت سی قیمتی نصیحتیں کیا کرتے تھے۔

آپ طلبہ سے فرماتے تھے کہ اگر عربی بول چال کے دوران تمھیں کسی چیز کی عربی معلوم نہیں ہے، تو وہی اردو کا لفظ بول دو، (اس طرح بولنے کی روانی متاثر نہیں ہوگی اور اس چیز کی عربی معلوم کرنے کی جستجو اپیدا ہوگی)۔

اسی طرح آپ فرماتے تھے کہ بعض طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو عربی میں زبانی رٹ کر تقریر کرتے ہیں تو یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ طالب علم کا عربی تقریر زبانی یاد کر کے ڈائس کے سامنے کھڑے ہو کر پیش کر دینا بھی بہت بڑی بات ہے۔ (یعنی اس سے طالب علم کو کھڑے ہو کر بولنے اور تقریر کرنے کی ہمت ہوگی اور اس سے اس کی جھجھک دور ہوگی اور اسی طرح وہ اس میدان میں ترقی کرے گا)۔ آپ فرماتے تھے تنقید کرنے والوں سے کہو کہ اگر یہ کام اتنا آسان ہے تو تم بھی اسی طرح زبانی یاد کر کے کھڑے ہو کر بیان کرو۔

آپ ایک بات اور فرماتے تھے کہ بعض طلبہ یہ سوچتے ہیں کہ ہم عربی سیکھ کر کیا کریں گے؟ ہمیں کہیں عرب ممالک میں تو جانا نہیں ہے، ہم یہیں رہیں گے اور یہاں اردو بولی جاتی ہے، عربی کوئی سمجھتا بھی نہیں ہے۔

آپ اس خیال کی تردید فرماتے تھے، آپ کا کہنا تھا کہ عربی زبان کے سیکھنے کا صرف یہی مقصد نہیں ہے کہ ہم عرب ممالک جائیں اور وہاں عربوں سے عربی میں بات کریں، بلکہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم اپنی درسی کتابوں کو اچھی طرح سمجھ سکیں، چنانچہ جو طلبہ عربی سیکھتے ہیں ان کی استعداد زیادہ اچھی ہوتی ہے اور کسی بھی عربی کتاب کو حل کرنے اور اس کو سمجھنے کی صلاحیت زیادہ ہوتی ہے ان طلبہ کے مقابلے میں جو عربی نہیں سیکھتے ہیں۔

النہضۃ الادبیۃ کا اجراء

اب سے تقریباً تین سال پہلے آپ نے النادی کے اجلاس کے بعد جب ہم لوگ ناشتے کے لیے دسترخوان پر بیٹھے تو آپ نے تذکرہ کیا کہ حضرت مولانا وحید الزماں صاحب عربی میں مجلّہ دعوۃ الحق نکالتے تھے جس کی زبان آسان ہوتی تھی، جس کو طلبہ بھی آسانی سے سمجھ لیتے

تھے۔ النادی کی طرف سے بھی اس قسم کا کوئی مجلّہ شائع ہونا چاہیے۔ ہم لوگوں نے بھی آپ کی رائے کی تائید کی۔

آئندہ سال آپ نے تکمیل ادب کے طلبہ سے اس قسم کے مجلّے کے اجراء کے لیے حضرت مہتمم صاحب کے نام ایک درخواست لکھوائی اور اس پر تکمیل ادب کے اساتذہ سے تائید کے لیے دستخط کروائے۔ چنانچہ یہ درخواست حضرت مہتمم صاحب کے واسطے سے مجلس شوریٰ میں پیش ہوئی۔ مجلس نے مجلّے کے اخراجات وغیرہ کا ایک تخمینہ مانگا اور اگلی شوریٰ کے موقع پر پیش کرنے کے لیے کہا۔ چنانچہ آپ نے وہ تخمینہ لے کر دوبارہ شوریٰ میں درخواست دلوائی۔ بالآخر شوریٰ نے ''النهضة الأدبية'' کے نام سے ایک سہ ماہی مجلّہ نکالنے کی منظوری دی اور اس کی تجویز آپ کے نام بھی بھیجی۔ اس کے بعد حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کر کے اس کی ادارت کے لیے راقم الحروف کا نام تجویز کرایا؛ چنانچہ اس طرح آپ کی توجہ اور کوششوں سے ''النهضة الأدبية'' کا اجراءِ عمل میں آیا، جس کے تادمِ تحریر سات شمارے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ اس کے اجراء کا اعلان ماہنامہ دارالعلوم اور الداعی میں بھی آنا چاہیے، تاکہ مدارس کے طلبہ کو اس کی اطلاع ہو اور وہ ان کے ہاتھوں تک پہنچے۔ چنانچہ رفیقِ محترم جناب مولانا مصلح الدین صاحب (استاذ دارالعلوم دیوبند) نے اس پر تبصرہ لکھا جو ماہنامہ دارالعلوم کے اپریل و مئی ۲۰۲۱ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

حضرت قاری صاحب کے تعلق سے یہ چند یادیں اور باتیں سپردِ قرطاس کردیں، ممکن ہے کہ اس میں کسی شہیدِ جستجو کو کوئی کارآمد بات مل جائے۔

(امیر الہند رابع نمبر ۱۶۵-۱۶۷)

بابصیرت منتظم، باوقار ومشفق مربی

(حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ)

مولانا مفتی عمران اللہ قاسمی اُستاذ دارالعلوم دیوبند ونگراں شیخ الہند اکیڈمی

۱۹۹۳ء یا ۱۹۹۴ء کا سن، مادرِ علمی اعزاز العلوم ویٹ میں سالانہ اجلاس کے موقع پر علماء اور اکابر کا اجتماع تھا، جانشین شیخ الاسلام فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی علیہ الرحمہ اپنے خطاب کے بعد رخصت ہورہے تھے کہ حاضرین کے جم غفیر میں ایک صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے حضرت فدائے ملت گویا ہوئے؛ اچھا! مولانا عثمان صاحب! چلتے ہیں۔ سر پر دو پلی ٹوپی، سفید کرتا پائجامہ، سادگی ووقار، شرافت وسنجیدگی کی پیکر اس شخصیت کے بارے میں بتلایا گیا کہ یہ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز استاذ جناب مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب ہیں۔ اس پہلی زیارت اور تعارف کے بعد مختلف مرحلوں اور موقعوں سے تذکرہ سنا جاتا رہا، مادر علمی اعزاز العلوم کے اجلاس، امتحانات اور اطراف کے مدارس کے جلسوں میں خطاب سننے کا موقع ملتا رہا تا آں کہ احقر جب دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوگیا تو حضرت والا سے استفادے کے مواقع سوا ہوگئے اور ربط وتعلق کا تسلسل رہا۔ ابھی چند ماہ قبل مجلس شوری منعقدہ صفر ۱۴۴۲ھ میں معاون مہتمم بننے کے بعد احقر کے لئے حضرت کے تجربات سے استفادے کی مزید راہیں دریافت ہوئیں، اس دوران احقر کو حضرت والا کی ہدایات اور حضرت کے طریقہ سے بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا، آپ کی زندگی کے متعدد نقوش بعد والوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔

طلبہ اور متعلقین سے والہانہ برتاؤ

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ مدرسہ میں زیرِ تعلیم طلبہ سے محبت فرماتے، ان کی ملاقات سے خوش ہوتے، تعلیمی احوال پوچھتے، اسباق کی پابندی، تکرار ومطالعہ کی دلچسپی پر نظر رکھتے، امتحان میں نتائج کی عمدگی پر خوشی کا اظہار کرتے، بعض طلبہ اپنے خرچ کی رقم آپ کے پاس جمع کر دیتے تھے تو اس کا صاف ستھرا اور مکمل حساب رکھا جاتا، طلبہ کے ساتھ ان کی شفقت مثالی تھی، تربیت کی خاطر طلبہ کے لئے اپنا وقت قربان کرنے میں انہیں ذرا بھی تامل نہ ہوا، طلبہ کے پروگراموں اور انجمنوں سے خصوصی دلچسپی تھی، جامع مسجد امروہہ میں عربی انجمن النادی الادبی کا وجود آپ کی ہی توجہ اور دلچسپی کا مظہر ہے اپنے زمانۂ قیام میں آپ نے ہی اس کا آغاز کیا تھا، اس کے پروگراموں میں بہت ہی مسرت کے ساتھ حاضر ہوتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کی ضلعی وصوبائی انجمنوں کی سرگرمیوں ان کے پروگراموں سے متعلق بھی آپ کا برتاو بہت ہی ہمدردانہ اور شفقت پر مبنی تھا، اس حوالے سے طلبہ کی حوصلہ افزائی، دل داری اور خورد نوازی میں آپ کے وسیع القلب ہونے کا ہر کوئی معترف ہے۔ دارالعلوم میں قائم بڑی انجمنیں مدنی دارالمطالعہ، النادی الادبی اور انجمن ترتیل القرآن کے پروگرام اور میٹنگ میں شرکت، ان کی دیگر سرگرمیوں، حساب وکتاب، ذمہ داریوں کے انتخاب، تقریری مسابقے، تحریری مسابقے، ہفتہ واری پرچوں کی تیاری تک میں دلچسپی رکھتے تھے، مظفرنگر، شاملی اور دیگر ضلعی انجمنوں کے پروگراموں میں بھی تشریف لے جاتے، یہاں تک کہ بنگال، آسام اور دیگر صوبہ جات کی ان انجمنوں میں بھی جن کا پروگرام اپنی علاقائی زبانوں میں ہوتا ہے، زبان سے عدمِ واقفیت کے باوجود تشجیع اور حوصلہ افزائی کی خاطر شرکت کرتے تھے، انجمن کے پروگراموں کی شرکت کی وجہ سے بسا اوقات اپنے دیگر پروگراموں کو تبدیل کر دینا، مصروفیت کی وجہ سے تکان کے باوجود انجمنوں کے پرگراموں میں رات ایک دو بجے دیر تک حاضر رہنا اور دعا کے بعد ہی واپس ہونا عام معمول تھا۔

مفوضہ اسباق کی تدریس میں پابندی برتتے، آپ کی ہر ممکن کوشش طلبہ کو کسی لائق بنادینے کی رہتی تھی، دوران درس عبارت کی تشریح، مضمون کی تفہیم کے بعد طلبہ سے بھی کام اور محنت لینے کا مزاج تھا، عبارت خوانی کے بعد ترجمہ اور الفاظ کی تحقیق، اعراب اور سابقہ درس سے متعلق کوئی بھی بات معلوم کر لیتے، جو طلبہ بھی آپ سے تعلق رکھتے ان کے ساتھ تو پدرانہ شفقت تھی، کوئی طالب اپنا مضمون، یا تحریر کردہ کتاب نظرِ ثانی کرانے کی نیت سے لے کر حاضر ہوتا، تو اس کو سراہتے، نظر ثانی اور اصلاح کر کے مفید مشوروں سے نوازتے، کسی طالب علم کے اندر کسی خاص موضوع سے مناسبت محسوس کرتے تو اس موضوع سے متعلق آگے بڑھنے اور مطالعہ میں وسعت پیدا کرنے کا مشورہ دیتے، موقع بہ موقع اس کے مطالعہ کی سرگرمی دریافت کرتے رہتے تھے، جن حضرات نے بھی قاری صاحب سے پڑھا وہ آپ کی شفقتوں، عنایتوں کو نہیں بھلا پاتے، آپ کے فیض یافتگان کی کثیر تعداد ملک و بیرون ملک اہم خدمات انجام دے رہی ہے معاشرے اور سماج میں ان کا اہم مقام ہے وہ حضرات آج بھی حضرت والا کی شفقتوں اور اس وقت کی تنبیہات کا بطور احسان تذکرہ کر کے پھولے نہیں سماتے۔

شاگردوں اور متعلقین کی تربیت و اصلاح کے بارے میں حضرت والا کی فکرمندی اور توجہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ راقم ۲۰۱۲ء تک مدرسہ شاہی مرادآباد میں مصروفِ تدریس رہا، ملاقات ہونے پر علمی مصروفیت کا سوال ضرور ہوتا، متعلقہ کتب اور تحریری سرگرمیوں کی تفصیل، مدرسہ کے حالات، گھر کے حالات معلوم کرتے، پھر جب احقر دیوبند منتقل ہو گیا تو عصر کے بعد کی تفصیلی ملاقات میں بچوں کی تعلیم کے متعلق سوال ضرور ہوتا، فرداً فرداً ہر بچہ کے بارے میں معلوم کرتے، احقر اپنی کوئی تحریر یا رپورٹ لے کر حاضر ہوتا، اس کو بغور پڑھ کر اصلاح و ترمیم کے مشورہ سے نوازتے، حضرت کی شفقتوں اور عنایتوں کا یہ سلسلہ صرف احقر کے ساتھ ہی نہ تھا؛ بلکہ یہ حضرت والا کا اپنے قدیم و جدید شاگردوں اور متعلقین کے ساتھ عمومی مزاج تھا، حضرت والا کے ایک شاگرد ڈاکٹر مولانا ذاکر قاسمی صاحب نے ''دربارِ نبوت کے درخشندہ

ستارے‘‘ نامی کتاب تیار کی جو حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے تذکرہ پر مشتمل تھی، انھوں نے کتاب کا مسودہ، حضرت والا کی خدمت میں برائے نظر ثانی پیش کیا حضرت والا نے اپنی مصروفیات کے باوجود چند ماہ تک مسلسل اس کا گہری نظر سے مطالعہ کیا، ترتیب وترمیم کے مشورے کے ساتھ اپنی رائے سے بھی نوازا۔ اپنے خوردوں کے کام کی اصلاح، اس کے اچھے اور عمدہ انداز سے منظر عام پر لانے کی فکر، شاگردوں اور خوردوں کے تئیں ہمدردی خلوص و شفقت سے ملی جلی رہتی تھی۔

اصلاحِ معاشرہ

عوام کی اصلاح، رسوم وبدعات سے اجتناب کی ترغیب، گناہوں سے روکنے کی کوشش وغیرہ آپ کی دلچسپی کے موضوع تھے اس مقصد سے گاؤں، دیہات کے اسفار اور مدارس کے جلسوں اور اصلاحی پروگراموں میں شرکت فرماتے۔ آپ نے جمعیۃ علما ہند کے پلیٹ فارم سے بھی اصلاحِ معاشرہ کے مشن کو از سرِ نو زندہ کیا، اس کے تحت ملک بھر میں اصلاحی پروگرام منعقد کیے گئے۔ اسی طرح گذشتہ سال جب پوری دنیا میں کرونا پھیلنے کی وجہ سے نظامِ تعلیم معطل ہوا اور دارالعلوم دیوبند میں بھی تعلیم موقوف تھی تو آپ نے اصلاحِ معاشرہ کی اہمیت کے پیشِ نظر ایک کمیٹی برائے اصلاحِ معاشرہ تشکیل کرنے کی رائے دی؛ چنانچہ آپ کی سرپرستی میں ۲۱/ربیع الثانی ۱۴۴۲ھ مطابق ۷/دسمبر ۲۰۲۰ء کو اصلاحِ معاشرہ کمیٹی کی تشکیل ہوگئی پھر آپ کے مشورے سے اصلاحی پروگرام شروع کیے گئے، دیوبند کی بیشتر مساجد میں ہفتہ واری پروگرام اور درس قرآن کا نظام بنایا گیا اور اساتذہ کرام کو متعین کیا گیا، اطراف کے دیہات وقصبات میں بھی اصلاحِ معاشرہ کے پروگرام منعقد کیے گئے؛ چنانچہ تقریباً ۲۰۰/سے زائد گاؤں میں اصلاحِ معاشرہ کے پروگراموں کا انعقاد ہوا، دیگر اضلاع وصوبہ جات میں بھی وہاں کے مطالبے پر اصلاحی پروگرام منعقد کیے گئے، حضرت قاری صاحب کی تجویز اور مشورے سے ہی متعدد عناوین پر مختصر مختصر رسائل تیار کر کے شائع کیے گئے، اب تک متعدد اصلاحی عناوین پر رسائل اردو ہندی

میں شائع کیے جاچکے ہیں، یہ رسائل پروگراموں میں تقسیم کیے جاتے؛ تاکہ ان کو پڑھ کر عوام میں اصلاح کا جذبہ بیدار ہو، حضرت قاری صاحب نے ان رسائل کو پمفلٹ کی صورت میں بھی شائع کرایا، حضرت قاری صاحب جہاں بھی پروگرام کے لئے جاتے رسائل اور پمفلٹ ساتھ لے جاتے، اپنی تقریر کے بعد اصلاحِ معاشرہ کی اہمیت اور پھر ان رسائل کے تعلق سے گفتگو کرتے، سامعین سے ان رسائل کو پڑھ کر عمل کرنے اور دوسروں کو پڑھوانے کا وعدہ لے کر ان کو تقسیم کرتے، پمفلٹ کی فوٹو کاپی کرا کر دیگر لوگوں کو پڑھوانے اور عمل کرنے کی ترغیب دیتے۔

حضرت قاری صاحب نے اصلاحِ معاشرہ کے تحت تصحیحِ قرآن کے جزوقتی حلقے بھی قائم کرائے چنانچہ شہر دیوبند کی مساجد میں تصحیح قرآن کے متعدد حلقے جاری ہوئے جن میں اساتذۂ مکاتب، اساتذۂ ناظرہ وحفظ کی ڈیوٹی لگائی گئی۔ یہ جزوقتی مکاتب شہر کی مساجد میں صرف ایک یا دو گھنٹے کے لئے جاری ہوتے اور ان میں اساتذۂ کرام بالغ حضرات کو قرآن کی تعلیم دیتے یا ان کے قرآن کی تصحیح کراتے، نیز دیوبند میں دارالعلوم کے تحت مکاتب کا ایک مزید سلسلہ پہلے سے بھی جاری ہے اور ان مکاتب کی تعداد ۱۳/ ہے اس طرح دارالعلوم کی شاخ کے طور پر دیوبند اور بیرون دیوبند چلنے والے کل مکاتب ۴۳/ ہوجاتے ہیں حضرت قاری صاحب کو ان تمام مکاتب سے بہت دلچسپی تھی ان کی کارکردگی اور رپورٹ منگا کر ملاحظہ کرتے، معلمین مکاتب اور نگراں حضرات کی میٹنگیں کرتے رہتے تھے، آپ کی توجہ اور دلچسپی کی بدولت اصلاحِ معاشرہ کا کام نہایت منظم اور مربوط انداز میں ہوا، جس کے بہت اچھے اثرات محسوس کیے گئے اور اس اقدام کی ستائش کی گئی۔

تحقیق وتالیف کمیٹی

تعلیمی نظام موقوف ہونے کے زمانے میں ہی تحقیق وتالیف کمیٹی کا قیام ہوا، جس کی ذمہ داری احقر کے کاندھوں پر ڈالی گئی، حضرت قاری صاحب کی نگرانی میں کمیٹی نے کام شروع کیا، چنانچہ اکابر کی قدیم کتب کی تسہیل وتحقیق اور جدید عناوین پر تصنیف وتالیف کا کام متعدد اساتذہ کرام کو سونپا گیا، جن میں بیشتر حضرات اساتذہ نے اپنے کاموں کی تکمیل کر کے جمع کردیا ہے،

نظر ثانی کے بعد وہ طباعت و کتابت کے مرحلے میں ہیں۔حضرت قاری صاحب کو اس شعبہ کے امور سے بھی بہت دلچسپی تھی، صبح سویرے دفتر اہتمام میں تشریف لانے کے بعد عموماً احقر کو یاد کر لیتے، پھر تحقیق وتالیف کمیٹی سے متعلق متعدد امور پر گفتگو اور مشورہ ہوتا رہتا، تحقیق وتالیف کمیٹی کی میٹنگ میں پابندی سے شرکت فرماتے، اپنی صاف شفاف رائے رکھتے، کمیٹی کی رپورٹ اور دیگر تحریرات پر غور فرماتے، رپورٹ اور تحریرات پڑھتے وقت الفاظ کے استعمال، تعبیرات وجملوں کی بندش وغیرہ پر بڑی نظر رکھتے، دفتری کارروائی اور رپورٹ وغیرہ میں تحریر اور کاغذ پر اعتماد کرتے، کسی بھی معاملہ کی دفتری کارروائی میں کاغذات کا تسلسل ان کے یہاں ضروری تھا، فائل کے درمیان سے کسی کاغذ کا نکل جانا جرم کے درجہ میں گردانا جاتا، حضرت والا کے معاون مہتمم بننے کے بعد جن میٹنگوں میں احقر کو شرکت کرنے کا موقع ملا اور حضرت والا بھی ان میں شریک ہوے ان میں ادارے کی انتظامی میٹنگوں اور تحقیق وتالیف کمیٹی میٹنگوں کی مجموعی تعداد پچیس سے متجاوز ہے، احقر نے ان میٹنگوں میں شرکت کر کے حضرت والا کے طرز، طریقۂ کار، رائے دہی کے انداز، رائے کے قبول ورد کرنے کا اصول اور فیصلہ کے لئے کسی ترجیح کو بنیاد بنانے کے طریقے کو خوب نوٹ کیا، کہ رائے دینے اور فیصلہ کرنے میں آپ کی نظر میں اپنی خواہش واصرار کا کوئی دخل نہ ہوتا؛ بلکہ اس کے لئے کوئی معقول بنیاد اور ترجیح پیش نظر رہتی، تحقیق وتالیف کمیٹی کی ہر میٹنگ میں آپ نے پوری دلچسپی سے شرکت فرمائی اور ہر ہر بات کو ملاحظہ فرما کر مفید مشوروں سے نوازا۔

جمعیۃ علما ہند

آپ کی خدمات کا ایک اہم باب جمعیۃ علما ہند بھی ہے حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمہ سے دیرینہ تعلق اور خاندانی وابستگی کے سبب آپ جمعیۃ علماء سے ابتدا ہی سے وابستہ ہوگئے، امروہہ قیام کے زمانہ میں جب جمعیۃ علماء کی طرف سے جیل بھرو تحریک چلی، تو آپ نے اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، جمعیۃ علماء کی ہر تحریک میں آپ کا نمایاں کردار رہا اس کے پروگراموں کو کامیاب

بنانے اور اس کی تجاویز کی تیاری میں تعاون فرماتے، آخر میں آپ کو جمعیۃ علما ہند کا صدر بنایا گیا، آپ کے دورِ صدارت میں جمعیۃ علما ہند نے دہشت گردی مخالف تحریک شروع کی پورے ملک میں جگہ جگہ چھوٹی بڑی کانفرنسیں کی گئیں، دہشت گردی مخالف امن عالم کانفرنس منعقدہ ۱۴؍ فروری ۲۰۰۹ء میں آپ نے پورے مجمع کو ہاتھ اٹھوا کر بطور عہد کے درج الفاظ دوہرائے، کہ ہم جمعیۃ علماء کی طرف سے منعقدہ دہشت گردی مخالف امن عالم کانفرنس کے اعلامیہ کی تائید کرتے ہیں اور دار العلوم کے دہشت گردی مخالف فتوی کو تسلیم کرتے ہوے عہد کرتے ہیں کہ اسلام کے پیغامِ امن کو عام کریں گے، ہم دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ بڑی بڑی متعدد کانفرنسوں میں لاکھوں افراد سے ہاتھ اٹھا کر اس عہد نامہ کو دوہرایا گیا، دہشت گردی مخالف کانفرنسوں کا انعقاد کر کے حکومت وقت اور پوری دنیا کے سامنے ہندوستانی مسلمانوں کا موقف رکھا گیا، جس کے وسیع پیمانہ پر مثبت اثرات محسوس کیے گئے، آپ کے زمانے میں جمعیۃ علما ہند کی سرگرمیاں پہلے کی طرح نہ صرف جاری رہیں؛ بلکہ ان میں اضافہ ہوا۔

متعلقین کی دل داری

آپ کی زندگی میں جو بات بہت زیادہ متاثر کن رہی وہ آپ کا متعلقین کے ساتھ دل داری کا معاملہ اور وقار کا برتاؤ ہے، اپنے چھوٹوں سے بھی احترام و وقار سے پیش آتے، احقر حضرت والا کا ایک ادنی شاگرد اور خادم کے درجہ کا تھا؛ احقر کو اچھی طرح یاد ہے کہ دار العلوم میں مدرس ہونے کے بعد کبھی بھی صرف نام لے کر راقم کو نہیں پکارا، ہمیشہ مولانا کا لفظ لگا کر ہی مخاطب کرتے۔ جب پروگرام میں کہیں تشریف لے جاتے اور وہاں اگر کوئی بہ اصرار اپنے گھر حاضری کی گذارش کرتا تو حتی الامکان وقت کی گنجائش کا خیال کرتے ہوے اس کی دل داری کی کوشش کرتے، اس طرح کے متعدد واقعات احقر کے علم میں ہیں۔ احتیاط و پرہیز بھی آپ کی زندگی میں مثالی تھا، معاملات حتی کہ ہر ہر چیز میں آپ کا طور وطریق احتیاط کا نمونہ ہوتا تھا، طلبہ کے معاملات اور خرچ کے لئے ان کی جمع کردہ رقم سے متعلق بہت محتاط رہتے، وفات کے بعد

آپ کے کاغذات میں ایسے بہت سارے لفافے ملے جن میں رقم اوراس کی تفصیل کاغذ پر درج تھی کہ فلاں طالب علم نے اتنی رقم فلاں تاریخ میں جمع کی اور فلاں فلاں تاریخ میں اتنے پیسے واپس لئے، اب اس قدر رقم بچی ہوئی ہے، اِس طرح برائے واپسی امانت کے جو لفافے ملے جب ان کے بارے میں ان لوگوں کو جن کے نام لکھے ہوئے تھے بتلایا، تو وہ حضرات بھی متحیر ہوئے، یہ آپ کے احتیاط کی ایک ادنی سی جھلک ہے۔

اِسی طرح اہل تعلق کی دل داری سے متعلق آپ کی زندگی کا ایک واقعہ سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ کے اجداد نے حیات ہی میں وارثین کے مابین زمینوں کی تقسیم کردی، ہر حصہ دار کو اس کے حصہ کا مالک بھی بنادیا تھا، زمین ویلوریٹ کے اعتبار سے تقسیم ہوئی، اور ہر ایک کے حصے کا پورا خیال رکھا گیا کہ کوئی اس پر معترض نہ ہوا تھا، وقت گذرتا رہا، اَجداد کا زمانہ ختم ہوگیا، پھر حضرت قاری صاحب کے والدین کا زمانہ بھی گذر گیا، والدین کے معاصرین ہم عمر بھی دنیا سے رخصت ہوگئے؛ یہاں تک کہ حضرت قاری صاحب کی زندگی کا اکثر حصہ گذر چکا تھا، تقریباً ساٹھ ستر سال سے زائد عرصہ بیت جانے کے بعد مسئلہ کھڑا ہوا کہ جو کھیت حضرت قاری صاحب اور آپ کے برادران کے حصے میں آیا تھا، اسی کے متصل دوسرا کھیت جو خاندان کے دوسرے افراد کی ملکیت میں آیا تھا، جب قاری صاحب والے حصہ کی فروختگی کا اِرادہ ہوا تو دوسرے حضرات برابر کھیت والے معترض ہوئے اور پرانی تقسیم کو غلط ٹھہرایا کہ اس وقت وہ تقسیم درست نہ ہوئی تھی، جب کہ واقعہ کے واقف کاروں کے نزدیک وہ تقسیم درست ہی تھی، اس موقع پر حضرت والا نے ایک وکیل کی مدد سے پرانے کاغذات کچہری سے حاصل کئے اور تمام اہل خاندان کو جمع کرکے اُن کے سامنے صورتِ حال واضح کی جس سے ثابت ہوا کہ وہ اَجداد کے زمانے کی تقسیم درست تھی، اس میں کسی کی کوئی حق تلفی نہیں ہوئی تھی، سب کے اعتراف کے بعد حضرت قاری صاحب نے اپنے حصہ میں سے لاکھوں کی رقم ان لوگوں کے حوالے کی کہ اگر آپ لوگ ایسا سمجھتے ہیں اور اس زمین میں اپنے حق کے مدعی ہیں تو

میں سب کی جانب سے صرف اپنے حصہ میں سے یہ رقم آپ کے حوالہ کرتا ہوں، جب کہ آپ کے برادر زادے اور دیگر اہل خانہ اس سے سخت نالاں تھے، مگر آپ نے اپنے بھائیوں اور برادر زادوں کی مرضی کے خلاف اور ان کے علی الرغم ان مدعی حضرات کو لاکھوں کی رقم حوالہ کی، اس عمل سے آپ کی متعلقین کی دل داری اور شبہات سے احتیاط کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس زمین کی تقسیم کے واقف کاروں کے نزدیک موجودہ دور میں آپ کا یہ عمل بہت ہی نادر اور شاذ واقعہ ہے، جب کہ زمین وجائیداد کے جھگڑے اور مقدمات سالہا سال تک چلتے ہیں اور کوئی فریق ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا، آپ کا ایثار ودل داری پر مشتمل یہ عمل نصیحت آموز ہے۔

حضرت کی ۷۶؍سالہ زندگی، صاف شفاف، باوقار، سنجیدہ، مصروف ترین اور گونا گوں خصوصیات کی حامل تھی، وفات کے بعد اکابر میں ایک شخصیت کا تاثر تھا: کہ حضرت کی وفات کا معاملہ ہم لوگوں کے ساتھ اس طرح ہے کہ جیسے دودھ سے کریم اور مکھن نکال لیا گیا ہو، ہر شخص کو افسردگی کے ساتھ آپ کی کمی سے ہونے والے نقصان کا تذکرہ کرتے ہوئے پایا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضرت والا کی مغفرت فرمائے، درجات عالیہ سے نوازے۔ آمین۔

(الجمعیۃ امیر الہند رابع نمبر ۱۶۸-۷۶ ملخصاً)

ایک رجال ساز شخصیت

مولانا ڈاکٹر محمد اللہ خلیلی قاسمی دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم وہ تربیت گاہ ہے جہاں تعلیم و تعلم کے سانچے سے علمائے دین تیار ہوتے ہیں، وہ کارخانہ ہے جہاں ملت اسلامیہ ہند کی لیڈر شپ پیدا ہوتی ہے، وہ چمن زار ہے جہاں بلبلان قرآن وسنت کے زمزمے گونجتے ہیں، وہ مرکز علمی ہے جہاں ملک کے گوشے گوشے سے علم کے پروانے شمع علم پر قربان ہونے کے لئے جوق در جوق چلے آتے ہیں اور پھر اس ولی اللہی نسبت اور قاسمی ورشیدی ذوق کی چاشنی سے دنیا کو شادکام کرانے کے لئے پرعزم ہو کر نکلتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں تعلیم وتربیت کا یہ نظام گزشتہ ڈیڑھ صدی سے قائم ہے اور علم ظاہر و باطن سے آراستہ رجالِ کار کی تیاری وافراد سازی ہی اس کی خدمات کا لب لباب ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ٹکسال میں یہ خالص سکے کیسے ڈھلتے ہیں، ناہموار اور کھردرے پتھروں کو کیسے ہیروں کی طرح تراشا جاتا ہے، زرِخام کو کیسے تپا کر کندن بنایا جاتا ہے اور پارس کی لمس کیسے بے قیمت فولاد کو بیش قیمت بنا دیتی ہے، اس کی ایک دلچسپ اور رشک انگیز کہانی ہے۔ وہ کہانی ہے استاذ و شاگرد کے باہمی ربط و تعلق کی، معلم و متعلم کے اخذ وفیض رسانی کی، طالب ومطلوب کی جاں سپاری وقربانی کی، سالک ومرشد کی شدت طلب اور کمال توجہ کی اور سب سے بڑھ کر ربانی نسبت اور علوم نبوت کے اعجاز و فیضان کی! یہیں سے یہ انسان کامل نکلتے ہیں جو اس کارگہہ حیات میں لاہوتی پیغام کے حامل اور ''علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل'' کے مصداق ہوتے ہیں۔

یہ زریں سلسلہ روزِ اول سے جاری وساری ہے اور یہ سنت الٰہی صبح ازل سے دائم وقائم ہے۔ انبیاء وصدیقین اور صالحین ومتقین کا ایک تسلسل ہے جو اپنی علمی وفکری وراثت یکے بعد دیگرے نسلاً بعد نسلٍ منتقل کرتے رہتے ہیں اور اس طرح خدا کی اس زمین پر ایمان وایقان، زہد وتقوی، وفا شعاری وجفا کیشی، قربانی وجان نثاری اور علم وعمل کی رونقیں باقی ہیں۔

قسام ازل کی بے پایاں عنایتوں سے دیوبند میں ڈیڑھ صدی سے ایسا میخانہ جاری ہے جہاں ساقی وقاسم جام پر جام لنڈھائے جاتا ہے اور علم وآگہی کے رندان بلانوش اپنی پیاس بجھانے کے لئے جوق در جوق حاضر ہوتے ہیں اور اپنے اپنے ظرف کے مطابق آسودگی وسیرابی حاصل کرتے ہیں۔ دارالعلوم میں بافیض معلمین کا ایک سلسلہ ہے جو روزِ اول سے قائم ہے جس میں قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب نانوتوی، حضرت شیخ الہند، حضرت محدث کشمیری، حضرت شیخ الاسلام اور حضرت شیخ الادب (رحمہم اللہ رحمۃً واسعۃً) کا مقام نہایت بلند ہے۔ عہد قریب میں اس سلسلے کے گوہر آب دار حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی رجال سازی اور افراد سازی میں 'کوہ کنی' کے مقامِ بلند پر فائز تھے، انھوں نے ایک نسل کو علم وفن، فکر وشعور اور خود شناسی وعالم آگاہی کے ہنر سے روشناس کرایا۔

حالیہ دور میں ماضی کے اسی زریں سلسلے کی اہم ترین کڑی اور نمایاں ترین شخصیت امیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری معاون مہتمم ومحدث دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ کی ذات گرامی ہے۔ حسن اتفاق ہے کہ آپ کو بھی حضرت مولانا کیرانوی کے ابتدائی عہد میں ان سے استفادہ کا موقع ملا ہے۔ دوسری طرف حضرت قاری صاحب کو شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ سے مصاہرت کا تعلق بھی ہے جس کی وجہ سے ان کے تعلیم وتدریس اور ارشاد وافادہ میں مدنی فیضان کی چھاپ بھی صاف دکھائی دیتی تھی۔

امیر الہند رابع حضرت قاری صاحب کی دارالعلوم کی زندگی پر نظر دوڑائیں تو بے پناہ تحرک اور تنوع نظر آتا ہے۔ ایک طرف آپ اعلی درجے کے مدرس ہیں اور درس وتدریس کے

جملہ فرائض پابندی اور خوش اسلوبی کے ساتھ ادا فرماتے نظر آتے ہیں، دوسری طرف کبھی آپ دارالاقامہ کے ناظم اعلی کے طور پر طلبہ کی دینی و اخلاقی تربیت کے لئے کوشاں نظر آتے ہیں۔ اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ایک طرف نیابت اہتمام اور اخیر میں معاونت اہتمام کے منصبِ عظیم پر فائز ہیں اور دوسری طرف تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلی اور دفتر محاضرات علمیہ کے سربراہ ہیں۔ ان عظیم الشان امور میں مشغولی کے ساتھ ساتھ حضرت قاری صاحب طلبہ کی خارجی علمی وثقافتی سرگرمیوں کی نگرانی وسرپرستی میں بھی پیش پیش رہتے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مابعد صد سالہ دور میں طلبہ کی سرپرستی ورہ نمائی اور تربیت وکردار سازی کے حوالے سے آپ کا کوئی شریک وسہیم نہیں نظر آتا۔

علمی وثقافتی سرگرمیوں کی سرپرستی

دارالعلوم دیوبند ایک بے مثال تعلیمی ادارہ ہونے کے ساتھ ساتھ بے نظیر علمی وثقافتی مرکز بھی ہے۔ یہاں کی سرگرمیاں صرف دائرۂ تعلیم ہی میں محدود نہیں؛ بلکہ یہاں کے مشاغل میں آفاقیت وتنوع اور مجموعی مزاج میں وسعت وکشادگی ہے۔ یہاں رہ کر ایک طالب علم صرف دریائے علم کے آبدار موتیوں سے دامنِ مراد بھرنے پر اکتفا نہیں کرتا ہے، بلکہ وہ یہاں زندگی کا مفہوم سیکھتا ہے اور معاشرہ میں رہنے کا ہنر بھی، یہاں اسے اخلاق وادب کی تعلیم بھی ملتی ہے اور علمی وفکری غذا بھی۔ یہاں طالب علم کی فطری خوبیاں اس طرح پروان چڑھتی ہیں جیسے کوئی پودا موافق موسم میں نشو ونما پاتا ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں داخل طلبہ کی نصابی سرگرمیوں کے علاوہ تقریر وتحریر اور مطالعہ کا اہم پلیٹ فارم طلبہ کی انجمنیں ہوتی ہیں جو قیام دارالعلوم کے بعد سے ہی شروع ہوگئی تھیں، لیکن بعد میں ان میں تنظیم اور وسعت پیدا ہوتی گئی۔ طلبہ کی مختلف صلاحیتوں کو پروان چڑھانے میں دارالعلوم میں قائم یہ انجمنیں اہم کردار کرتی ہیں۔ انجمنوں کے اس ماحول سے طلبہ کے اندر گوناگوں علمی وانتظامی، تقریری وتحریری اور سماجی وسیاسی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ انہی نوخیز

ونوعمر طلبہ میں انشاء پرداز بھی ہوتے ہیں، فصیح اللسان مقرر بھی، دنداں شکن مناظر بھی اور شاعر و منتظم بھی۔ انجمنوں کی مختلف سرگرمیوں سے ان کے جوہر کھلتے ہیں اور ان کے اندر ملک وملت کی خدمت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند میں انجمنوں کا نظام اس کے تعلیمی نظام کی طرح ایک مبارک ومسعود سلسلہ ہے جس سے وابستہ ہو کر طالبان علوم دینیہ استفادہ کر کے اپنی ذہنی وفکری، تقریری وتحریری اور علمی وتحقیقی صلاحیتوں کی آبیاری کرتے ہیں۔

روایات کے مطابق شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے دور صدارت میں انجمنوں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا کیوں کہ وہ انجمنوں کے قیام کے سلسلے میں طلبہ کی تحریک و تائید اور ہمت افزائی کے ساتھ تعاون بھی فرماتے تھے۔ حضرت قاری صاحب کو یہ خصوصیت بھی حضرت شیخ الاسلام سے وراثت میں ملی تھی۔ چناں چہ کل دارالعلوم پیانے کی سب سے بڑی اور اہم انجمن مدنی دارالمطالعہ کے سرپرست اور نگراں تھے۔ ابتدا سے ہی انھوں نے اس انجمن کی سرپرستی قبول کر لی تھی اور پوری ذمہ داری کے ساتھ اس فریضے کو انجام دیتے تھے۔

مدنی دارالمطالعہ جملہ طلبۂ دارالعلوم کی یہ سب سے بڑی انجمن ہے جو ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء سے قائم ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی طرف منسوب ہے۔ یہ انجمن دارالعلوم میں طلبہ کی تحریری وتقریری صلاحتیوں کو پروان چڑھانے کا سب سے بڑا پلیٹ فارم ہے۔ مدنی دارالمطالعہ کے طلبہ کی طرف سے ہفتہ واری اخباری نشریہ ''البلاغ'' اردو اور عربی میں الگ الگ شائع ہوتا ہے جس میں مضامین کے ساتھ دارالعلوم کی اہم خبریں نشر ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ، مدنی دارالمطالعہ کے طلبہ ''آزاد'' اور ''الہلال'' کے نام سے دو ماہانہ رسائل بھی نکالتے ہیں۔ سال کے اخیر میں کل دارالعلوم سطح کا سالانہ تحریری مسابقہ منعقد کیا جاتا ہے جس میں سیکڑوں طلبہ شرکت کرتے ہیں۔ ان مسابقوں میں پوزیشن لانے والے طلبہ کو گراں قدر انعامات دیے جاتے ہیں۔ مدنی دارالمطالعہ کے تحت بزم شیخ الاسلام قائم ہے جس کے پلیٹ فارم سے طلبہ تقریری سرگرمیاں انجام دیتے ہیں۔ بزم شیخ الاسلام میں ۲۰ تقریری حلقے قائم ہیں

جو ہر ہفتہ بعد نماز جمعہ درسگاہوں میں تقریری مشق کرتے ہیں۔ سال کے اخیر میں تقریری مسابقہ منعقد کیا جاتا ہے جس میں سیکڑوں طلبہ شرکت کرتے ہیں جس میں پوزیشن لانے والے طلبہ کو گراں قدر انعامات دیے جاتے ہیں۔

مدنی دارالمطالعہ کی ترقی میں سب سے بنیادی کردار سرپرست محترم کا ہی تھا۔ اجلاس صد سالہ کے بعد یہ دارالعلوم کی سب سے بڑی انجمن بن کر ابھری اور مختلف قسم کی ظاہری و باطنی ترقیات سے ہمکنار ہوئی۔ اس انجمن سے ہر دور میں ایسے طلبہ مربوط ہوتے رہے جنھوں نے اس کو ترقی کی بلندیوں تک پہنچایا اور ان طلبہ کی ذہن سازی، تربیت اور رہ نمائی حضرت قاری صاحب فرماتے تھے۔ حضرت قاری صاحب کی تربیت کا انداز ایسا تھا کہ آپ کی تحریض وتحریک سے طالب علم کو حوصلہ ملتا اور وہ اپنی ذمہ داری کو ادا کرنے میں بڑھ چڑھ کر دلچسپی لینے لگتا۔

حضرت قاری صاحب ہفتہ واری تقریری وتحریری جائزہ لیتے اور شائع ہونے والے مجلّات کی خبر رکھتے تھے۔ تحریری اور تقریری مسابقات کے عناوین طے کرتے؛ اس سلسلے میں پہلے طلبہ سے کہتے کہ اپنے طور پر عناوین تجویز کریں، پھر ان عناوین کو ملاحظہ فرما کر ان میں ضروری تغیر وترمیم کر کے اسے پاس کرتے۔ مسابقات میں جو مضامین موصول ہوتے ان کے جانچ کے نظام کی بھی نگرانی کرتے۔

دارالعلوم میں مدنی دارالمطالعہ کا سالانہ اجلاس نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوتا ہے۔ حضرت قاری صاحب اس پورے کروفر، بھاگ دوڑ، جدوجہد اور نقل وحرکت کے پس منظر میں جلوہ نما ہوتے۔ اس کی تیاریوں کا جائزہ لیتے۔ پروگرام میں پیش کی جانے والی تقاریر اور دیگر مواد کا جائزہ لیتے، طلبہ کو بلا کر تقاریر سنتے اور اصلاحات فرماتے۔ دہائیوں سے مدنی دارالمطالعہ کے افتتاحی و اختتامی اجلاسات کی رونق آپ کے دم سے قائم تھی۔ گھنٹوں کے پروگرام میں پوری پابندی اور تسلسل کے ساتھ شرکت فرماتے اور اخیر میں صدارتی تقریر کے ذریعہ جہاں حوصلہ افزائی فرماتے وہیں فروگزاشتوں پر تنبیہ بھی فرماتے، مستقبل کے خاکے بناتے اور نہایت

گُر اور کام کی باتیں بتاتے۔

اسی طرح دارالعلوم دیوبند کی ایک دوسری نمایاں انجمن ''النادی الادبی'' ہے جو طلبۂ دارالعلوم کی ایک عظیم تاریخی انجمن ہے اور جو طلبہ کی عربی زبان وادب کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے لئے حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۶۴ء مطابق ۱۳۸۴ھ میں قائم فرمائی تھی۔ حضرت مولانا وحیدالزماں کیرانوی کو عربی زبان وادب کا خاص ذوق حاصل تھا اور وہ برصغیر کے نمایاں عربی ادیب اور ماہر ترین استاذ ومربی تھے۔ حضرت مولانا کی سرپرستی اور مربیانہ خصوصیات کی بنیاد پر النادی الادبی ایک بہترین تربیت گاہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس انجمن سے وابستہ فضلائے دیوبند کی ایسی کھیپ کی کھیپ تیار ہوئی جنھوں نے علم وفکر اور زبان واَدب کی دنیا میں دارالعلوم کا نام روشن کیا۔

حضرت مولانا کیرانوی کے بعد یہ انجمن مجموعی طور پر ہمارے ممدوح حضرت قاری صاحب کی نگرانی میں سرگرم سفر رہی۔ النادی الادبی کے تحت مختلف شعبے قائم ہیں جن میں شعبۂ اجتماعات، شعبۂ نشر واشاعت اور شعبۂ لائبریری اہم ہیں۔ شعبۂ اجتماعات کے تحت عربی میں تقریری مشق کے لئے ہفتہ واری حلقہ جات لگتے ہیں۔ طلبہ ہفتہ واری پروگرام عربی زبان میں منعقد کرتے ہیں اور عربی زبان میں تقریریں کرتے ہیں۔ اختتام سال پر ایک عظیم الشان سالانہ جلسہ منعقد کرتے ہیں۔ اسی طرح النادی الادبی کے شعبۂ نشر واشاعت کے تحت طلبہ عربی زبان میں ایک درجن سے زائد جداری پرچے نکالتے ہیں اور اس طرح عربی زبان میں انشاء پردازی اور مضمون نگاری کی صلاحیت کو جلا بخشتے ہیں۔

حضرت قاری صاحب النادی الادبی کے پروگراموں میں بھی اسی طرح دل چسپی لیتے تھے۔ درمیان میں نیابت اہتمام کے امور میں مشغولیات کی وجہ سے انجمن النادی الادبی کے باضابطہ مشرف کے طور پر حضرت مولانا شوکت علی قاسمی اور حضرت مولانا محمد ساجد قاسمی صاحبان نے ذمہ داریاں انجام دیں؛ لیکن اس کے باوجود حضرت قاری صاحب النادی الادبی کی تعمیر و

ترقی میں ہمیشہ کوشاں رہے اور اس کی سرگرمیوں کی سرپرستی فرماتے رہے۔

حضرت قاری صاحب ہی کی کوششوں سے دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ منعقدہ صفر ۱۴۴۱ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۹ء نے النادی الادبی کی طرف سے سہ ماہی عربی رسالہ ''النہضۃ الادبیۃ'' جاری کرنے کی منظوری دی اور مولانا مفتی محمد ساجد قاسمی ہردوئی کی ادارت میں اسی وقت سے یہ رسالہ جاری ہونا شروع ہوا۔ یہ رسالہ بنیادی طور پر طلبہ کی عربی زبان وادب کی دل چسپی کو بڑھانے اور ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کے مقصد سے جاری کیا گیا۔

دارالعلوم میں طلبہ کی تربیت اور رجال کار کی تیاری کا ایک نہایت مہتم بالشان پلیٹ فارم ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا ہے جس کے قیام (۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۶ء) سے ہی حضرت قاری صاحب ناظم مقرر کیے گئے اور تاحیات اس عہدہ پر فائز رہے۔ اس شعبہ سے بے شمار افراد تیار ہوے اور پورے ملک میں مجلس تحفظ ختم نبوت کی صوبائی اور مقامی شاخوں کے توسط سے بے شمار افراد اس تحریک سے وابستہ ہوے اور حضرت قاری صاحب کی سرپرستی و رہ نمائی میں مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت اور صحیح عقائد وافکار کی ترویج واشاعت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔

غرضے کہ دارالعلوم دیوبند میں حضرت امیر الہند رابع کے کم وبیش چالیس سالہ عہد میں آپ کی فیضانِ نظر اور توجہ کامل سے علماء وفضلاء کی ایک نسل تیار ہوئی جو درس وتدریس، تحریر و صحافت، تقریر وموعظت اور تحفظ عقیدہ وایمان کے حوالے سے شاندار خدمات انجام دے رہی ہے۔ دارالعلوم میں مابعد صد سالہ دور میں تعلیم حاصل کرنے والے فضلاء کی ایک بڑی تعداد ہے جو کسی نہ کسی زاویہ سے حضرت قاری صاحب کے دامنِ تربیت سے وابستہ ہوئی اور ان کی مربیانہ شفقتوں کے سایے میں تعلیمی وتربیتی مراحل طے کیے۔ حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی کی بے مثال تربیتی خدمات کے بعد دارالعلوم میں اگر کسی حد تک اس کا تسلسل قائم رہا تو وہ حضرت قاری صاحب کی ذات عالی کا رہین منت ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت قاری صاحب کے

انتقال کے بعد یتیمی کا ایک احساس دامن گیر ہے کہ دارالعلوم کے احاطے میں قائم ان تعلیمی و تربیتی حلقات کو کیا اُن کا نعم البدل مل سکے گا؟ ویسے خدائی نظام ''مرَ دے از غیب بروں آید و کارے کند'' کے تحت یہ سلسلے چلتے رہیں گے؛ لیکن حضرت قاری صاحب کی انفرادیت اور دل ربائیت کا نقش اپنی جگہ قائم رہے گا۔

نمایاں تربیتی خصوصیات

اللہ تعالیٰ نے حضرت قاری صاحب کو اعلیٰ ترین تربیتی خصوصیات سے نوازا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مدنی خانوادے اور ان کے متعلقین کے زیادہ تر لوگ اپنے بچوں کو حضرت قاری صاحب کی تربیت میں دے کر مطمئن ہوجاتے تھے۔ حضرت قاری صاحب جہاں بھی رہے چاہے مدرسہ قاسمیہ گیا بہار ہو یا جامع مسجد امروہہ، ہمیشہ آپ کے ساتھ خاندانی بچوں کی ایک جماعت ہوتی تھی جو آپ کی زیرِ نگرانی تعلیمی و تربیتی مراحل طے کرتی تھی۔ حضرت قاری صاحب کے حسنِ تربیت اور کمال پرورش و پرداخت کے مظہر اتم آپ کے دونوں لائق و فائق فرزندان گرامی (حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری اور حضرت مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری) ہیں جو علم و عمل میں یکتائے روزگار ہیں۔

ضبط اوقات اور وقت کی پابندی حضرت قاری صاحب کی نمایاں خصوصیت تھی۔ مشغولیات کے بے پناہ ہجوم کے درمیان بھی وہ ہر کام کو وقت پر کرنے کے قائل تھے۔ جس طرح وہ خود وقت کی پابندی کرتے اسی طرح طلبہ کو بھی پابندئ وقت کی تاکید کرتے۔

حضرت قاری صاحب کی دوسری اہم خصوصیت حقیقت پسندی کا مزاج تھا۔ محض رسماً کسی چیز کو اختیار نہیں کرتے تھے۔ مدارس میں طلبہ کی انجمنوں کی سرپرستی عموماً روایتی ہوتی ہے، بسا اوقات سرپرست محترم کو پتہ بھی نہیں ہوتا کہ انجمن ان کی سرپرستی میں محوِ سفر ہے۔ لیکن حضرت قاری صاحب اس طرح کی ذمہ داریوں کو محض رسمی نہ رہنے دیتے بلکہ اس کا پورا حق ادا کرتے تھے، اس کے لئے وقت دیتے، نگرانی کرتے اور ضروری مشوروں سے نوازتے۔ عجلت اور جلد

بازی مزاج میں نہیں تھی، ہر کام نہایت سنجیدگی سے کرتے اور اسے منطقی انجام تک پہنچاتے تھے۔

حضرت قاری صاحب شفقت و رأفت کا مجسمہ تھے، لیکن بایں ہمہ وقار و تمکنت، ٹھہراؤ اور رعب آپ کا نمایاں وصف تھا۔ آپ کی اسی خاص تربیتی وصف کی وجہ سے طلبہ و متعلقین پر آپ کی باتوں کا خاص اثر ہوتا تھا اور اس سے اُن کی اثر پذیری میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ خاموش مزاجی اور تحمل و بردباری سے مزید اثر انگیزی کی صفت پیدا ہو جاتی تھی۔

خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحبِ ساز کا لہو

حضرت قاری صاحب نرم دم گفتگو اور گرم دم جستجو ہونے کے ساتھ اخلاص و خیر خواہی کے جذبے سے سرشار تھے۔ گویا میر کارواں کی صفات ضروریہ یعنی بلندیٔ نگاہ اور دل نوازیٔ سخن کے ساتھ پرسوزیٔ جان کی صفت سے بکمال متصف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی سرزنش اور ظاہری خفگی سے طلبہ بالکل بھی نالاں وشاکی نہ ہوتے بلکہ آپ کی زیرلب مسکراہٹ سے ان طلبہ کی شبانہ روز کی تھکن اور محنت و مشقت کا اثر یکلخت کافور ہو جاتا تھا۔ چناں چہ آپ کے طرز و انداز اور برتاؤ و سلوک میں جو عنصر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا تھا وہ آپ کا بے انتہا جذبۂ افادیت اور بے پایاں خلوص تھا۔

رنگ ہو یا خشت و سنگ، چنگ ہو یا حرف و صوت
معجزۂ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات کو قبول فرما کر انھیں ان کا بہترین صلہ عطا فرمائے اور ان کے اخلاف کو بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(الجمعیۃ امیر الہند رابع نمبر ۱۸۹-۱۹۲)

ذوالمجدین وذوالقمرین

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(ولادت:۱۲/۸/۱۹۴۴ء/۲۲/۸/۱۳۶۳ھ، وفات:۲۱/۵/۲۰۲۱ء مطابق ۸/۱۰/۱۴۴۲ھ)

مفتی محمد حبان بیگ قاسمی علی گڑھی شعبۂ ترتیب فتاوی دارالعلوم دیوبند

ایک ایک کر کے لوگ بچھڑتے چلے گئے
یہ کیا ہوا کہ وقفۂ ماتم نہیں ملا
(ساقی فاروقی)

اسی کہکشاں کا ایک روشن ستارہ تھے استاذِ محترم حضرت اقدس قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ وبرد اللہ مضجعہٗ۔ آپ علم وعمل کا پیکر، خلوص و وفا کا مجسمہ اور حق وصداقت کی جیتی جاگتی تصویر تھے، آپ اپنے پیش رو اکابر کا عکسِ جمیل اور اپنے بعد کے اصاغر کے لیے مشعلِ راہ تھے، آپ جامِ شریعت سے بھی سرشار تھے اور بحرِ معرفت کے بھی شناور تھے، میدانِ سیاست کے شہسوار بھی تھے اور شریعت وسنت کے دفاع کے لیے مردِ مجاہد بھی، درحقیقت آپ سعدی شیرازیؒ کے اس قول: ''در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق'' کا حقیقی مصداق تھے۔ اللہ جل شانہٗ آپ کو کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائیں۔ آمین

درج ذیل چند سطور میں حضرت والا سے متعلق کچھ یادیں اور کچھ باتیں لکھنے کی جسارت کر رہا ہوں، سچ تو یہ ہے کہ مجھ جیسے بے بضاعت کے لیے ایسی بابرکت ہستیوں پر خامہ فرسائی

میری حیثیت سے بہت آگے کی چیز ہے اور میری اس تحریر کی حیثیت مخمل میں ٹاٹ کے پیوند سے زیادہ کچھ نہیں؛ لیکن بس یہ سوچ کر قلم اٹھالیا کہ ہوسکتا ہے اس جماعت کے ضمیمہ کے طور پر مجھے بھی قیامت کے روز سایۂ رحمت نصیب ہوجائے تو بیڑا ہی پار لگ جائے۔

شنیدم کہ در روزِ امید وبیم
بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم
(سعدیؔ شیرازی)

لہٰذا اِسی اُمید کے ساتھ یہ چند ٹوٹے پھوٹے جملے نظرِ قارئین ہیں، التجا ہے کہ مضمون کی بے ربطی اور الفاظ کی بے مائیگی سے صرفِ نظر فرمائیں گے۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی زندگی کے تعارفی پہلوؤں، آپ کی علمی وملی خدمات اور دیگر گوشہ ہائے زندگی کو بہت سے حضرات نے بیان فرمایا اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، میں ان تمام پہلوؤں سے قطعِ نظر صرف وہ باتیں سپردِ قرطاس کرنے کی کوشش کروں گا جن کو میں نے دیکھا اور محسوس کیا، یعنی حضرت کی زندگی کے وہ نمایاں پہلو اور واضح صفات جن کو سرسری نگاہ سے دیکھنے والا بھی محسوس کرلیا کرتا تھا۔

آپ کا سراپا اور عناصر ترکیبی

متوسط قد وقامت، کھلتا ہوا سفید رنگ، کتابی چہرہ، متواضعانہ اندازِ رفتار، جھکی جھکی نگاہیں، حیاءِ عثمانی کی جھلکتی تصویر، کردار وگفتار سے واہوتی علمی ونسبی شرافت، پُر وقار لب ولہجہ، جچے تُلے الفاظ، لبوں پہ دبی دبی سی مسکراہٹ، لباس سے ٹپکتی شان وعظمت، سادگی ایسی کہ ہر ملنے والا بامراد ہو اور رعب ایسا کہ نظریں اٹھائیں تو مجمع کنارے لگ جائے، پاکیزہ فطرت، صاف ستھری نفیس طبیعت، بے داغ قیادت، بے مثال زندگی، فقیہانہ ومحدثانہ طرز وانداز، اصولی مزاج، علمی ذوق وشوق، کاموں کی ایک دُھن، اصلاح کی ہمہ وقتی فکر، بہترین اندازِ تربیت، اتباعِ سنت کی ایک مثال، دارالعلوم دیوبند کے ساتھ بے لوث محبت، جمعیت کی ہوش مندانہ خدمت اور تعلق مع

اللہ کا پیکرِ مجسم، یہ تھے ہمارے نہایت ہی قابل احترام استاذ ذی وقار حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔ کہنے والے نے سچ ہی کہا ہے:

اک مکمل فلسفہ اک نظریہ کیسے لکھیں
محوِ حیرت ہیں سراپا عندیہ کیسے لکھیں
اف کہ اک فکر ونظر کا تجزیہ کیسے لکھیں
اک جہانِ علم کا جغرافیہ کیسے لکھیں

(دانش نجیب آبادی)

آپ رحمہ اللہ سے پہلی شناسائی اور آپ کا اندازِ تدریس

تعلیمی مراحل سے گذرتے ہوئے جب ہم سالِ ہفتم میں پہنچے تو وہاں مشکوٰۃ شریف کا درس اور پھر دورۂ حدیث شریف میں موطا امام محمد کا درس حضرت والا ہی سے متعلق تھا، میانہ روی اور علمی جاہ وجلال کے ساتھ جیسے ہی طلبہ حضرت کو آتا دیکھتے سمٹ کر درس گاہ میں داخل ہوجاتے، آپ مسندِ درس پر جلوہ افروز ہوتے، نگاہیں یہاں بھی جھکی رہتیں، نورانی چہرہ اور حدیث نبوی کا نور، نورٌ علی نور کا منظر پیش کرتا، آپ عبارت خوانی کے لیے لاعلی التعیین کسی سے بھی فرما دیتے، رعب ایسا تھا کہ عبارت خوانی کا حکم صادر فرمانے کے لیے نظریں اٹھاتے تو سبھی اپنی اپنی خیر منانے لگتے، واقعی اتنی موہنی صورت کے ساتھ اتنا بارعب انسان میں نے نہیں دیکھا، پھر آپ کا عالی شان، پُر حکمت اور جوامع الکلم کا نمونہ درس شروع ہوتا، مختصر اور جامع، نکات ایسے ایسے بیان فرماتے کہ عقل دنگ رہ جاتی، بعض مرتبہ اہم نکات کو پرچے پر لکھ کر بھی لاتے تھے، ایک معمول جو بالکل ہی نرالا تھا وہ یہ کہ زیر درس حدیث کے ہم معنی یا اس سے متعلق کتاب میں دیگر جگہ جتنی روایات موجود ہوتیں سب کو کھلواتے اور پھر یکجا کر کے ان کا ایسا عمدہ جوڑ بٹھاتے کہ سر دھنتے رہ جایئے، اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کتاب پر حضرت کو کتنی مضبوط دسترس حاصل تھی اور کس قدر محنت اور تیاری کے ساتھ آپ درس کے لیے تشریف لایا کرتے تھے۔

وقت کی پابندی، الفاظ کے انتخاب میں احتیاط، اختلافی مباحث میں ائمۂ کرام کے احترام کا پہلو، حدیثوں کے درمیان باہم تطبیق، فرقِ ضالہ کے نظریات کی مضبوط تردید، یہ سب آپ کے درس کی نمایاں خصوصیات تھیں۔ واقعی آپ ایسے مثالی استاذ تھے کہ کہنے والا کہتا رہ جائے:

شاگرد ہیں ہم میرؔ سے استاد کے راسخؔ
استادوں کا استاد ہے استاد ہمارا
(راسخؔ عظیم آبادی)

آپ کا اندازِ اصلاح وتربیت

اصلاح وتربیت ایک ایسی نازک اور اہم ذمہ داری ہے جس میں جہاں دور اندیشی، خلوص وللّٰہیت، غم خواری وہمدردی، باز پرسی، دیکھ ریکھ اور عقابی نگاہ کی ضرورت ہوتی ہے وہیں نرم وگرم رویوں کا اعتدال، صحیح وقت اور طریقۂ کار کا انتخاب، حکمت ومصلحت، تجربہ کاری، علم ومعرفت اور اتباعِ سنت وشریعت کا وجود بھی لازمی ہوتا ہے۔ کامل اصلاح وتربیت ایسی ہی جامع صفات شخصیات کا حصہ ہوتی ہے۔

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو بھی اللہ جل شانہ نے اصلاح وتربیت کے منصب کے لیے ضروری تمام صفات سے خوب خوب آراستہ کیا تھا، آپ بہ حیثیت مربی اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، اس میں کام آنے والے تمام گُر آپ کو ودیعت کیے گئے تھے؛ یہی وجہ ہے کہ جن جن پر آپ کی نگاہ پڑی وہ نکھرتے چلے گئے، کتنے ہی خاک سے اٹھے ہوئے ذروں کو آپ کی تربیت نے آفتاب ومہتاب بنا دیا اور کتنے ہی خزف ریزوں کو آپ کی نگاہِ کیمیا اثر نے ہیروں میں تبدیل کر دیا۔

آپ رحمہ اللہ کی تربیت کے سب سے زیادہ اثر پذیر اور نمایاں مظہر خود آپ کے متعلقین اور اہلِ خانہ تھے جن پر آپ کڑی نگاہ رکھتے تھے، ان کو اخلاقِ حسنہ سے مزین کرنے کے لیے تمام تر تدبیریں اختیار فرماتے تھے، بُری عادتوں، لایعنی کاموں اور بُرائی کی طرف لے جانے

والے تمام راستوں سے بچانے کے لیے آپ سختی بھی فرمایا کرتے اور قابلِ تعریف کاموں پر حوصلہ افزائی بھی کرتے تھے، آپ نرم ہوں تو پھول جیسے تھے وہیں حالتِ جلال میں ہوں تو اچھے اچھوں کے پسینے چھوٹ جاتے تھے، باتوں کے ہیر پھیر سے کوئی آپ سے بچ کر نکل جائے یہ ممکن ہی نہیں تھا، ان سب کے ساتھ اولاد و متعلقین کے لیے آپ کا سوزِ دروں، آہِ سحر گاہی، خلوص واپنائیت اور جذبۂ خیر خواہی کیمیا اثر ثابت ہوتا تھا؛ یوں آپ کی اصلاح وتربیت کے اَن گِنت ثمرات ملک وبیرون ملک میں پھیلے ہوے ہیں اور ان کی تمام نیکیاں اور جملہ مساعی آپ کے نامۂ اَعمال میں ان شاءاللہ تا قیامِ قیامت اضافہ کرتی رہیں گی۔

آپ کی تربیت اور دو آفتاب ومہتاب

جن بچوں کو ایسا پاکیزہ مربی نصیب ہوا ہو ان کی خوش قسمتی رشکِ جہاں ہے، ویسے بھی والدین کی سب سے بڑی آرزو اور تمنا اپنی اولاد کو کامیاب وکامران دیکھنے کی ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ خالص دینی جذبہ بھی شامل ہو تو اس تربیت میں مزید تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔خوش نصیبی ہے کہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی تربیت کا بڑا حصہ آپ کے دونوں صاحب زادگان کے نصیب میں آیا اور قاری صاحب نے اپنی بیش تر توجہات بڑی جاں فشانی اور دور بینی کے ساتھ اپنے دونوں فرزندان پر لگائیں، زمین کی زرخیزی اور بارانِ شفقت نے اپنا اثر دکھایا اور پورا گھرانہ گل زار ولالہ زار بن گیا۔

قاری صاحب رحمہ اللہ کی تربیت کا سب سے کامیاب پہلو اور قابل رشک نمونہ یہی دو ہستیاں ہیں، جن کی ذاتی سعادت مندی اور قاری صاحب کی عرق ریزی اور جاں فشانی نے دونوں ہی حضرات کو آفتاب ومہتاب بنا دیا، آپ کے حینِ حیات ہی دونوں صاحبزادگان علم ومعرفت اور زہد وتقویٰ کے مراحل طے کرتے ہوے نیّر تاباں بن چکے تھے، آپ کی عمدہ تربیت کے حوالے سے دونوں ہی صاحبزادگان کی مثال ہر خاص وعام کی زبان زد ہے، قاری صاحب علیہ الرحمہ کو قلب ونگاہ کی ٹھنڈک ان دو انمول موتیوں کی شکل میں دنیا ہی میں نصیب ہوئی اور

آخرت کے اعتبار سے نہ جانے کس مقام تک آپ کو پہنچایا جائے گا۔ ﴿ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰهِ یُؤۡتِیۡهِ مَنۡ یَّشَآءُ﴾ [الجمعة، آیت: ٤] ﴿وَفِیۡ ذٰلِکَ فَلۡیَتَنَافَسِ الۡمُتَنٰفِسُوۡنَ﴾ [المطففین، آیت: ٢٦]

قاری صاحب علیہ الرحمہ کو اس حیثیت سے ذوالقمرین کے لقب سے یاد کیا جانا چاہیے؛ کیونکہ اولاد کی تربیت کی یہ ایسی نادر مثال ہے جو خال خال ہی نظر آتی ہے۔

آپ بہ حیثیت قائد و منتظم

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے

(علامہ اقبالؔ)

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی سب سے زیادہ مابہ الامتیاز صفت آپ کی انتظامی صلاحیت تھی۔ انتظام وانصرام اور بااثر قیادت کے لیے نگاہ کی بلندی، وسعتِ ظرفی، جذبۂ ایثار، جان کی پرسوزی، کردار کی پاکیزگی اور گفتار کی دل نوازی کے ساتھ ساتھ اصول پسندی، منصف مزاجی، احوال وکوائف پر نظر، قوتِ ارادہ، فیصلے کی پختگی اور خدائے کن کی دستگیری عناصر مرکزیہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

ایک بہترین قائد و منتظم حالات کے تغیرات سے نہ تو گھبراتا ہے اور نہ ہی حوادثات کی کثرت اس کے پائے استقامت میں تزلزل آنے دیتی ہے، وہ اپنے مشن پر ایک دھن اور لگن کے ساتھ رواں دواں رہتا ہے، منزل نگاہوں میں ہو تو راستے کی دشواریاں آنکھوں ہی آنکھوں میں کٹ جاتی ہیں۔

قیادت ایک ایسی بھاری ذمہ داری ہے جس میں مختلف المزاج لوگوں سے رابطہ، متعدد پہلوؤں سے سرگرمِ عمل شعبہ جات کی دیکھ ریکھ، مقصد ومشن تک رسائی کے لیے لائحۂ عمل کی تیاری، رخنہ اندازیوں سے بچنے کی تدابیر، مستقبل کی منصوبہ سازی، کل ملاکر فکروں اور اندیشوں

کا ایک انبار لگا ہوتا ہے؛ لیکن قائد کی جاں سوزی اور بلند ظرفی کے آگے یہ ساری پیچیدگیاں تو پسِ منظر میں رہ جاتی ہیں اور مشن و مقصد عیاں ہو کر سامنے آجاتا ہے، یہی ایک کامیاب قائد کی سب سے بڑی نشانی ہے۔

اس سلسلے میں بھی قدرتِ فیاض نے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو دل کھول کر نوازا تھا اور خوب نوازا تھا، آپ سے وابستہ تمام تحریکیں اور شعبہ جات آپ کی ان خصوصیات کے گواہ ہیں، آپ جس چیز کی بھی ذمہ داری اوڑھتے تو رسمی یا رواروی کے ساتھ نہیں؛ بلکہ اس کے تمام گوشوں، باریک باریک نکتوں اور چھوٹی چھوٹی چیزوں پر بھی آپ کی نظر جاتی، ہر چیز کی پوری چھان بین فرماتے، اصول کو سامنے لاتے، اپنے ذہن میں ایک کامیاب خاکہ تیار کرتے اور بس پھر ایک دھن اور لگن کے ساتھ کام میں لگ جاتے، ہر صبح ایک نئی امنگ اور ایک نیا جوش و جذبہ لے کر آپ اپنے مشن میں جٹ جاتے اور اپنے تمام رفقاء کو بھی اسی دھن اور امنگ کے ساتھ اس میں مشغول فرمالیتے۔

خدا نے ذوق کی سلامتی، فکر و مزاج کی میانہ روی اور رعب و دبدبہ بھی آپ کو عطا کیا تھا، جو انتظام کے چلانے میں آپ کے بڑا کام آتا تھا۔

آپ کی کارکنان کے ساتھ دل نوازئ سخن بھی بہت مشہور تھی، نرم لہجہ، الفاظ شستہ، بولتے تو پھول جھڑتے؛ لیکن ہمیشہ مقصد کی بات اور کام کے تئیں مشورے وغیرہ ہی فرمایا کرتے، اس کے علاوہ کوئی لایعنی بات، بے سبب دل لگی وغیرہ کرتے ہوئے آپ کو کبھی نہیں دیکھا گیا؛ یہی وجہ ہے کہ ماتحتوں کے اندر آپ کا رعب اور ادب اتنا تھا کہ اچھے اچھے قیل و قال کے ماہرین بھی جواب دہی سے محفوظ رہنے میں ہی عافیت سمجھا کرتے تھے۔

ایک کامیاب منتظم اور قائد کے لیے افرادِ کار کا صحیح انتخاب بھی نہایت ضروری ہوتا ہے، اس سلسلے میں بھی آپ کو خصوصی ذوق ملا تھا، آپ کافی جانچ پرکھ کے بعد معیاری افراد سے ہی کام لینے کے عادی تھے، کسی بھی کام میں سست روی، بے توجہی اور بے ڈھنگا پن آپ کی طبیعت

پر بار گذرتا تھا اور ایسے موقعوں پر برملا اور بروقت تنبیہ کرنے سے بھی آپ نہیں رکتے تھے۔

قیادت وانتظام کی کامیابی کے لیے احوالِ واقعہ اور پیش آمدہ تقاضوں پر فوری کارروائی بھی ضروری ہوتی ہے، اس ضمن میں بھی حضرت قاری صاحب کو انتہائی متحرک وفعال دیکھا گیا، کوئی بھی نئی ضرورت ہو یا کسی بھی قسم کا نیا فتنہ ہو حضرت فوراً اس سلسلے میں حساس ہو جاتے، لائحۂ عمل تیار فرماتے، اس سلسلے کے ماہرین سے رائے مشورے لیتے اور صحیح نہج پر بروقت اقدام فرما لیتے۔

آپ کی ان ہی خداداد صلاحیتوں اور خلوص و جفاکشی کے پیشِ نظر آپ کو ملک کے دو عظیم اداروں: دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علمائے ہند کی قیادت و سیادت سپرد کی گئی اور دونوں ہی ادارے آپ کی کامیاب قیادت اور اعلیٰ انتظامی صلاحیت کی وجہ سے روز افزوں ترقی کرتے ہوئے ہر بینا کو محسوس ہوئے۔

دارالعلوم دیوبند کی لائبریری کی از سر نو ترتیب، شعبۂ تصنیف و تالیف اور شعبۂ اصلاحِ معاشرہ کا قیام، عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ، عظمت صحابہ کا بچاؤ، مختلف اصلاحی موضوعات پر لٹریچر اور رسائل کی تیاری، ملکی حالات کے اعتبار سے اقوام ہند کے درمیان فرقہ وارانہ ہم آہنگی، جمعیت کے تاریخ ساز اجلاس ہائے عام، ادارۃ المباحث الفقہیہ کے فقہی اجتماعات، دینی تعلیمی بورڈ کا احیاء، ملک کے طول وعرض میں قیامِ مکاتب کی تحریک، جمعیت حلال ٹرسٹ کی توسیع، جمعیت یوتھ کلب کا قیام، جمعیت اوپن اسکول کا نظام، سیلاب زدگان کی دادرسی اور فساد زدگان کی باز آبادکاری یہ سب آپ کی فعال و متحرک قیادت اور انتظامی صلاحیت کی زندۂ جاوید مثالیں ہیں۔

دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علمائے ہند سے بہ یک وقت وابستگی اور دونوں ہی اداروں کی کامیاب سرپرستی کے پیش نظر آپ کو ذوالمجدین کا لقب دیا جانا چاہیے۔

احقر کی جمعیت سے تو وابستگی رہی نہیں؛ لیکن دارالعلوم میں آپ کی انتظامی شان کے سلسلے میں کچھ عرضِ واقعہ مناسب سمجھتا ہوں:

نیابت اہتمام سے انقطاع کے بعد جب دوبارہ آپ کو بہ حیثیت معاون مہتمم

مقرر کیا گیا اور آپ نے چارج سنبھالا تو پورے دار العلوم میں ایک بجلی سی کوند گئی، ملازمین کے اندر ایک واضح ہلچل دکھائی دینے لگی، آپ نے فوری طور پر تمام دفاتر کی لسٹ اور ملازمین کے نمبرات اپنی مسند کی زینت بنائے؛ تاکہ بروقت پوچھ گچھ کی جاسکے، کاغذات کی چھان بین شروع ہوگئی، دفاتر کے حاضری رجسٹر اہتمام کا طواف کرنے لگے، دیر حاضری یا غیر حاضری کرنے والوں سے باز پرسی شروع ہوگئی، کب خراماں خراماں آپ کون سے دفتر میں آدھمکیں اور کب کس کا رجسٹر منگوالیں کچھ خبر نہیں تھی۔

اب کیا تھا سارا کا سارا عملہ متحرک ہوگیا، دفاتر کا نظام از خود بہتر ہونے لگا، ملازمین کے اندر بروقت حاضری کا ایک ماحول سا بن گیا، اچھے اچھے سست رفتاروں کو احقر نے ہانپتے کانپتے دفاتر کی جانب تیز گام جاتے دیکھا ہے، خود احقر کو بیدار ہوتے ہی صبح کے ناشتے سے زیادہ بروقت حاضری کی فکر دامن گیر ہوجاتی۔

کمال تو یہ تھا کہ ان تمام اُمور کی انجام دہی میں لب ولہجے کی میانہ روی، متانت وسنجیدگی، عہدہ اور لیاقت کے پاس ولحاظ کا دامن بھی کبھی آپ سے چھوٹنے نہیں پاتا تھا۔ آپ کی گرفت جتنی سخت تھی اتنی ہی جلدی غلطی مان لینے والوں کو معاف بھی فرمادیا کرتے تھے اور عافیت اسی میں ہوتی کہ بس غلطی مان لی جائے ورنہ سوال در سوال کے ایسے شکنجے کستے کہ سارے حیلے بہانے ہاتھ پیر باندھے نظر آتے۔

ایک طرف تو آپ کا یہ رعب ودبدبہ تھا وہیں دوسری طرف آپ دفاتر کی ضروریات، پیش آنے والی دشواریوں کے تدارک، سہولیات کی فراہمی اور بہتر کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنے میں بھی کوئی دریغ محسوس نہیں کرتے تھے؛ البتہ کبھی بھی جلد بازی اور جذباتیت کے ساتھ فیصلہ نہیں فرماتے؛ بلکہ اچھی طرح تسلی کے بعد جب شرح صدر ہوجاتا تبھی کوئی حتمی فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔

دفاتر میں براہِ راست تشریف لاکر بھی ضروریات کے بارے میں پوچھ لیا کرتے تھے، اس کا ایک مشاہدہ احقر کو بھی نصیب ہوا:

آپ ایک مرتبہ شعبہ میں تشریف لائے، کام کی پوری تفصیل معلوم کی، پھر جگہ کو دیکھا اور اخیر میں فرمایا کہ مزید جگہ کی یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔

واقعی دار العلوم اور جمعیت نے اپنے ایک ایسے بے مثال منتظم اور بے باک قائد کو کھو یا ہے جن کا ثانی ملنا نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

ڈھونڈو گے اگر ملکوں ملکوں
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
(شادؔ عظیم آبادی)

اُصول پسندی

آپ کی زندگی کا اگر بہ غور جائزہ لیا جائے تو آپ کے ہر روپ میں جو ایک صفت خصوصی طور پر نمایاں محسوس ہوگی وہ ہے اصول پسندی، آپ کی تدریس، نظم وانتظام، سیادت وقیادت، اصلاح وتربیت، یہ تمام ہی ذمہ داریاں اصولِ شرع اور اپنے اپنے دائرۂ کار کے اصولوں کے تانے بانے سے جڑی ہوئی نظر آئیں گی۔

اصولوں پر خود بھی کار بند رہا کرتے اور متعلقین کو بھی اصولوں کا پابند بناتے، بے اصولی اور بے ضابطگی سے آپ کو سخت نفرت تھی، اگر ضابطے سے ہٹی ہوئی کوئی بھی بات محسوس ہوتی فوراً اسے رکوا دیتے اور اس سلسلے میں کسی کی بھی رورعایت نہیں فرمایا کرتے تھے۔ خود آپ کی نجی زندگی اور مفوضہ ذمہ داریاں بھی اتنی اصولی تھیں کہ کہیں سے انگلی رکھنے کی گنجائش نہیں مل سکتی تھی۔

کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے اس سے متعلقہ اصول وتجاویز کو منگواتے، ان کو بہ غور پڑھتے سمجھتے، متعلقہ کاغذات کی پوری چھان بین فرماتے، خاکہ مرتب فرماتے اور پھر پوری بصیرت کے ساتھ فیصلہ فرمایا کرتے تھے۔

اس سلسلے میں آپ کو خاص حس عطا کی گئی تھی جس کے ذریعے کسی بھی خلافِ اصول چیز کو فوراً بھانپ لیا کرتے تھے؛ لاگ لپیٹ کرنے والے ہمیشہ آپ سے نالاں رہتے؛ کیونکہ ایسے

لوگوں کی حضرت قاری صاحب کے یہاں کبھی دال نہیں گلتی تھی، آپ کی اصول پسندی کا ایک واقعہ ہمارے والد ماجد مدظلہ العالی بھی سنایا کرتے ہیں:

> والد صاحب دفتر اہتمام میں ملاقات کی غرض سے تشریف لے گئے تھے، وہاں قاری صاحب ایک صاحب کو کسی معاملہ کے سلسلے میں یہ فرمان دے رہے تھے کہ آپ جو معاملہ لے کر آئے ہیں اس سلسلے میں ایک کمیٹی بنی ہوئی ہے اور یہ تجاویز موجود ہیں، جب تک ان مراحل سے ہو کر ضابطے کی کارروائی نہ ہو جائے اس کاغذ کو پاس نہیں کیا جاسکتا۔

اس واقعہ سے آپ کی اصول پسندی اور کام کے تئیں آپ کی حد درجہ احتیاط کا پتہ چلتا ہے۔ واقعی انتظام وانصرام اور قیادت کی اعلیٰ صلاحیت جن ہزار خوبیوں کی کوکھ سے پیدا ہوتی ہے ان میں اصول پسندی اہم ترین صفات میں سے ایک ہے۔

آپ کی یہ صفت اپنے گھر بار، سفر حضر، جلسہ وجلوس اور دیگر شعبہ ہائے زندگی میں بھی واضح محسوس کی جاتی تھی۔ **تغمّده الله بغفرانه.**

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

(مرزا غالبؔ)

دینی غیرت وحمیت اور حق گوئی وبے باکی

آئینِ جواں مرداں، حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(علامہ اقبالؔ)

دین کے احیاء کی فکر جن حضرات کو نصیب ہوتی ہے اور دین میں در آنے والی خرابیوں سے جن کے دل کُڑھتے ہیں، اُن کے اندر حق گوئی اور بے باکی قدرتی طور پر پیدا ہو جایا کرتی ہے۔ وہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے سلسلے میں دوٹوک نظریہ کے حامل ہوتے ہیں، برائیوں اور غلط کاریوں کو دیکھ کر ان کی ایمانی حرارت اور دینی غیرت وحمیت جاگ اٹھتی ہے، حق کے

اثبات اور باطل کی تردید میں انہیں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا ادنیٰ خوف بھی نہیں ہوتا، وہ ﴿لایَخَافُونَ لَوْمَةَ لآئِمٍ﴾ [المائدة، آیت: ٥٤] کا مظہراور مثالی نمونہ ہوتے ہیں اور جذبۂ ''أینقص الدّین و أنا حيٌّ'' ایسے ہی افراد کا خاصہ ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ بھی اسی کاروانِ حق کے ایک بے باک سپہ سالار تھے، آپ جہاں مسلک حق کو مضبوطی سے تھامے ہوے تھے وہیں کج روی اور بدعقیدگی سے آپ کو حد درجہ تنفر تھا، اللہ کی نازل کردہ شریعت پر، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر پر یا آپ کے اصحاب پر ادنیٰ سی بھی آنچ آجانا آپ کی قوتِ برداشت سے باہر تھا، ویسے تو آپ کو جوش وجذبہ یا سخت لب ولہجہ میں نہیں دیکھا جاتا تھا؛ لیکن اگر بات دین پر آجائے تو دائرہ اعتدال میں رہتے ہوے آپ کا لہجہ بھی تیز ہو جاتا تھا، چہرے پر غیرت ایمانی کی جھلک بھی محسوس ہونے لگتی تھی، دفاعِ عظمت صحابہ کے سلسلے میں آپ کی غیرت، بے چینی اور تڑپ دیدنی تھی، سفر، حضر ہر جگہ بس یہی فکر سوار رہتی۔

اسی طرح موب لنچنگ (ہجومی تشدد) کے خلاف آپ کا ولولہ انگیز خطاب اور لب ولہجے کی حدت آپ کے جوشِ ایمانی کی ترجمانی کے لیے کافی ہے۔

غلط نظریہ یا دین وشریعت کی غلط ترجمانی پر آپ برملا ٹوک دیا کرتے تھے اور بصیرت کے ساتھ صحیح تعبیر وتشریح سے مجمع کو روشناس کراتے تھے، قرآن وحدیث سے دلائل بھی پیش فرماتے، اکابر واسلاف کی آراء کا بھی ذکر کرتے اور اطمینان بخش وضاحت فرما دیا کرتے تھے۔

تادمِ واپسیں آپ حق کی برتری کے لیے جد وجہد کرتے رہے۔ مضامین لکھتے، اسفار کرتے، تقاریر فرماتے، لٹریچر تیار کرواتے، یہاں تک کہ فتنے کی سرکوبی نہ ہو جائے آپ چین کی سانس نہیں لیا کرتے تھے، طاب اللّٰہ ثراہ وجعل الجنّة مثواہ.

مسلک اہل السنۃ والجماعۃ اور آپ کا تصلب

چونکہ آپ کی تعلیم وتربیت دار العلوم جیسے عظیم الشان ادارے میں ہوئی جو اہل السنۃ

والجماعۃ کا ایک عظیم مرکز ہے؛ لہٰذا بہ حیثیت فرزند دار العلوم آپ کو بھی اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک پر پورا تصلب تھا اور یہ تصلب وپختگی مکمل بصیرت اور پورے شرح صدر کے ساتھ تھی، اکابرین دار العلوم کی فکر ونظر اور ان کی آراء کے آپ قدر داں ہی نہیں؛ بلکہ روایاتِ اکابر کے آپ پاسبان وامین تھے، آپ کی تحریر وتقریر اور درس وتدریس سے اسلاف کی خوشبو مہکتی تھی، آپ کو کامل یقین تھا کہ اکابرینِ دیوبند دراصل اہل السنۃ والجماعۃ ہی کے سچے ترجمان اور وارثین ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ آپ نے اخیر عمر تک اپنے عظیم اکابر کا دامن تھامے رکھا، ان کے مشنوں کو پروان چڑھایا، ان ہی کے لگائے ہوئے پودوں کی آبیاری کی، یہاں تک کہ اسی باغِ قاسمی کا پیوند بنے جہاں آپ کے پیش رو اکابر پہلے سے موجود ہیں۔ غفر اللہ لہم اجمعین۔

پروردۂ صد فصل بہاراں جسے کہیے
اسلاف کے گلشن کا وہ ایسا گلِ تر تھا

(مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ)

سلوک ومعرفت اور دو نسبتوں کا فیضان

اسلاف واکابر سے اپنے روحانی سلسلے کو جوڑنے اور سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی بابرکت نبوی کیفیات سے قلب ونگاہ کو منور کرنے کے لیے آپ نے اپنے وقت کے محبوبِ اکابر شیخ طریقت حضرت مولانا شیخ محمد زکریا کاندھلوی نور اللہ مرقدہ سے رشتۂ بیعت استوار فرمایا، پھر حضرت شیخ ہی کی منشا سے حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی صحبتِ بافیض کے حوالے ہوئے، سلوک ومعرفت کے مراحل کی تکمیل کے بعد اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے اور حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ کے اجل خلفاء میں کیے گئے، ایک خلقِ کثیر نے آپ کے روحانی فیض سے سیرابی حاصل کی؛ البتہ عمومی بیعت کی طرف آپ کا میلان نہیں تھا، بس چند ہی حضرات کو آپ کی طرف سے اجازت دی گئی۔ آپ پوری زندگی حضرت فدائے ملت رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلتے رہے، آپ کی ہدایات کے ساتھ وفا فرماتے رہے، حتیٰ کہ آپ ہی کے

قدموں میں اپنے جسدِ خاکی کو سپرد کر دیا۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا
(جگر مراد آبادیؔ)

راست بازی، ورع وتقویٰ اور آپ کی دیانت وامانت

علم اور خشیت لازم وملزوم ہیں؛ بلکہ علم صحیح کی بنیادی علامت ہی اللہ کا ڈر اور خوف ہے؛ یہی وجہ ہے کہ اسلام کی روشن تاریخ میں جتنے بھی اربابِ علم وفضل گذرے ہیں اور جن کی ضو فشانیوں سے ایک عالم منور ہوا ہے، اُن سب کے اندر خشیت الٰہی اور اللہ کا ڈر ضرور پایا جاتا ہے، قرآن نے بھی علمائے ربانیین اُن ہی کو قرار دیا ہے جن کے دل اللہ کے خوف سے پُر ہوں، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [الفاطر، آیت: ۲۸]

تقویٰ ایک ایسا سرچشمہ ہے جس سے راست بازی اور امانت ودیانت جیسی خصال حمیدہ جنم لیتی ہیں، اللہ کا خوف ہی وہ کنجی ہے جس سے دلوں کے مقفل تالے کھلتے ہیں اور یہی وہ صفت ہے جو انسان کی خلوتوں کو صاف اور پاکیزہ بناتی ہے، سچ تو یہ ہے کہ تقویٰ ہی تمام خوبیوں کا مخزن ومنبع ہے۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کا پورا سراپا، معاملات کی خوبی اور خلوت وجلوت کی پاکیزگی دراصل اسی تقوی اور خوف خدا کا پرتو تھی جو اللہ جل شانہ نے علم شریعت کے طفیل آپ کو عطا فرمایا تھا، اللہ کا خوف ہی وہ کلید تھی جس نے آپ کی راتوں کو آباد کیا ہوا تھا، راتوں کو اٹھنا، اللہ کے حضور سجدہ ریز ہونا، گڑگڑانا اور اس پر مواظبت تقوی کے بغیر ممکن ہی نہیں، آپ کی نمازوں میں خشوع اور عبادتوں میں انہماک دراصل اسی خوفِ خدا کی دَین تھا، دل کے اندر جب اللہ کا خوف ہوتو ہر ہر قدم اور ہر ہر عمل حضورِ بارگاہ الٰہی کے استحضار کے ساتھ اٹھایا اور کیا جاتا ہے اور اسی صفت کی یہ دولت دیانت داری اور امانت داری انسانی زندگی کا لازمی عنصر بن جاتے

ہیں؛ یہی وجہ ہے کہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی پوری زندگی ورع وتقوی اور دیانت وامانت سے عبارت ہے۔

آپ دارالعلوم کی چھتہ مسجد سے متصل بالائی حصے میں رہائش پذیر تھے؛ اسی لیے اکثر وبیشتر نمازیں مسجد چھتہ ہی میں ادا فرماتے، نہایت خاموشی کے ساتھ مسجد تشریف لاتے اور اس خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے کہ دیکھ کر اللہ یاد آجائے، چونکہ رمضان المبارک میں جانشین شیخ الاسلام اور آبروئے ملک وملت حضرت اقدس مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت فیوضہم چھتہ مسجد میں اعتکاف فرمایا کرتے ہیں اور سحری سے کچھ قبل آپ کے یہاں دعاء کا معمول ہے، احقر نے بارہا دیکھا اور سنا بھی کہ دعا کے وقت حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ دبے پاؤں آتے اور کسی بھی کونے میں آکر بیٹھ جاتے اور دعا میں شرکت فرما کر چپ چاپ واپس تشریف لے جاتے، یہ ہے وہ اللہ سے ہم کلامی اور باریابی کا اشتیاق جس نے خاک سے بنے پتلوں کو وجہِ خلقِ کائنات بنادیا، کاش کہ ہم گناہ گاروں کو اس کا ایک ذرہ بھی نصیب ہوجائے تو نیّا پار لگ جائے۔

آپ کے احتیاط اور تقویٰ کے دو واقعے جن سے آپ کی عظمت کے ان مٹ نقوش میرے دل پر ثبت ہوئے ذکر کیے دیتا ہوں:

> دارالعلوم کے مہمان خانے میں تمام اساتذہ وملازمین کی دعوت تھی، حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے پاس جب دستخط کے لیے کاغذ آیا تو حضرت نے کسی مصروفیت کی وجہ سے دستخط نہیں فرمائے اور دعوت میں شرکت سے معذرت فرمادی، دعوت کے منتظمین نے مناسب سمجھا اور کھانا حضرت کے گھر پہنچوا دیا، چونکہ حضرت قاری صاحب اور آپ کی اہلیہ محترمہ جو آپ کے مزاج سے بہ خوبی واقف تھیں اس وقت گھر پر موجود نہیں تھے، گھر پہ موجود افراد میں سے کسی نے کھانا لے کر رکھ لیا اور حضرت قاری صاحب کے معمول کے مطابق اس میں سے کچھ حصہ اعزہ کے یہاں بھی بھجوادیا، قاری صاحب جب تشریف لائے اور اس بات کی خبر ہوئی تو ناراضگی کا اظہار

فرمایا اور کہا کہ میں نے تو دعوت میں شرکت سے انکار کر دیا تھا پھر یہ کھانا کیوں پہنچوایا گیا؛ لہٰذا اعزہ کے یہاں بھجوایا ہوا کھانا واپس منگوایا گیا اور جو گھر میں موجود تھا وہ سارا کا سارا واپس کروا دیا، وَرع واحتیاط کا یہ آخری درجہ واقعی اگر زندگیوں میں آجائے تو زندگی مثلِ آبگینہ صاف وشفاف ہوجائے۔

دوسرا ذاتی واقعہ بھی اس موقع سے یاد آتا ہے کہ احقر نے ایک مرتبہ کھانا بنوا کر مخصوص اساتذہ کے یہاں بھیجنے کا ارادہ کیا، مناسب لگا کہ پہلے اطلاع دے کر اجازت لے لوں، اس سلسلے میں قاری صاحب کے یہاں بھی حاضری ہوئی، چونکہ بہت زیادہ شناسائی نہیں تھی؛ البتہ والد ماجد مدظلہ سے کافی واقفیت تھی؛ لہٰذا مختصر تعارف کے بعد آنے کا مقصد پوچھا، میں نے عرض کیا کہ والدہ اور اہلیہ کچھ بنا رہی ہیں، اس لیے آج رات کا کھانا گھر سے لے آؤں گا، اب حضرت نے اپنی تسلی کے لیے سوالات شروع فرما دیے کہ کس مقصد سے کس مد سے اور کیوں دعوت کر رہے ہو؟ وغیرہ وغیرہ، اتنے سوالات کیے کہ مجھے لگنے لگا کہ شاید دعوت قبول نہیں فرمائیں گے، خیر اللہ کا فضل کہ حضرت کو تسلی ہوئی اور یہ کہہ کر دعوت قبول فرمالی کہ اپنی والدہ وغیرہ کو ہمارے گھر والوں سے ملانے تو لاؤ، ایسے ہی دور دور سے دعوت نہیں ہوتی ہے۔ اس واقعہ سے بھی آپ کے احتیاطی پہلو کا پتہ چلتا ہے کہ کسی کی بھی دعوت یوں ہی بنا تحقیق قبول نہیں فرمائی۔ **كثّر الله أمثاله۔**

آپ کی نفاست طبع اور نظافت پسندی

باطن کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ ظاہری صفائی ستھرائی کی بھی شریعت میں بڑی اہمیت ہے، یہی وجہ ہے کہ پاکیزگی آدھا ایمان ہے، اللہ کی محبوبیت کی نشانی ہے، اللہ جل شانہ خود بھی پاکیزہ ہیں اور پاکیزگی کو ہی پسند فرماتے ہیں۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کو بھی اللہ جل شانہ کی اس پسند کا بڑا پاس ولحاظ تھا، طہارت وپاکیزگی آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی، صاف ستھرا سفید لباس، سر پر شفاف گول

ٹوپی، کبھی کاندھے اور کبھی سر پر پڑا ہوا نفیس رومال، شیروانی اگر زیب تن فرماتے تو وہ بھی بڑے سلیقے کی، غرضیکہ آپ کی ہر ہر ادا سے نفاستِ طبع جھلکتی تھی، آپ کو گندگی اور آلودگی سے بہت کبیدگی ہوتی تھی، ہر چیز میں آپ کو صفائی اور سلیقہ مندی پسند تھی۔

یاد آتا ہے کہ معاون مہتمم بننے کے چند ہی روز بعد آپ نے اہتمام تک جانے والے راستے کو سلیقے سے برابر کروایا، کھلی ہوئی نالیوں کو بند کروایا، جہاں جہاں سے پانی وغیرہ ٹپکتا تھا اس کی مرمت کروائی اور جس جگہ ضرورت محسوس ہوئی وہاں پر قلعی کروا کر صاف ستھرا کروا دیا، یہ سب آپ کی اسی فطری اور طبعی نفاست ہی کا نتیجہ تھا جو آپ کے اندر حد درجہ موجود تھی۔

مدحِ صحابہ میں قرآن پاک نے شانِ طہارت کو بڑے اہتمام سے بیان کیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِينَ. (التوبة، جزء آیت: ۱۰۸)

ظاہر ہے کہ ہم نے صحابہ کی مبارک جماعت کو تو نہیں دیکھا؛ لیکن حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی طہارت و نظافت کو دیکھ کر گویا صحابہ کی اس صفت کی ایک ادنیٰ سی جھلک ضرور دیکھی ہے۔

دارالعلوم کے در و دیوار آج بھی آپ کی پاکیزگی اور فطری نفاست کے خاموش قصیدے کچھ اس طرح سنا رہے ہیں:

نہیں ہے پیرِ میخانہ مگر فیضان باقی ہے
ابھی تک میکدے سے بوئے عرفانی نہیں جاتی

مہمان نوازی اور ملنساری

قدیم زمانے سے مہمان نوازی، نجابت و شرافت کی کسوٹی ہے، جو جتنا مہمان نواز ہوتا اتنا ہی شرافت کے اعلیٰ معیار پر مانا جاتا، اسلام نے بھی اس خوبصورت تہذیب کو باقی رکھا اور اس کی ترغیب بھی دی؛ مگر مہمان نواز ہونا ہر کس و ناکس کے بس کا کام نہیں، اس کے لیے بردباری،

وقت اور مال کی قربانی، ایثار و ہمدردی اور طبیعت کے اندر انکسار و ملنساری جیسی خوبیوں کا مرکب مجموعہ ہونا ضروری ہے، خاص کر حضرت قاری صاحبؒ جیسی مرکزی شخصیت کے لیے کہ جن کے یہاں مہمانوں کا ایک نہ تھمنے والا سلسلہ ہو، مہمان نواز ہونا بڑے دل گردے کی بات ہے۔

لیکن حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ مہمانوں کے ساتھ بڑی خوش طبعی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے، ان کا اعزاز و اکرام فرماتے، کچھ نہ کچھ ضیافت کیے بغیر بھیج دینا آپ کو گوارا ہی نہیں تھا، آپ مہمانوں کو اپنے ہاتھوں سے کھلاتے اور کھلا کر خوش ہوتے، چہرے پر تبسم سجائے رہتے، مہمانوں سے حال احوال پوچھتے، اگر وہ کسی خاص مقصد سے حاضر ہوئے ہوں تو ان کی مراد برآری کے لیے حتی المقدور کوشش فرماتے، نہایت بشاشت اور فرحت کے ساتھ مہمانوں کو وقت دیتے۔

اتنی مصروفیات اور مہمانوں کی اس قدر کثرت کے باوجود بشاشت وانبساط کو برقرار رکھنا، آپ کی وسعتِ ظرفی، خوش طبعی اور جود وسخا کی واضح دلیل ہے۔

برتاؤ میں مراتب کا خیال اور آپ کی وضع داری

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ بڑے رکھ رکھاؤ والے سنجیدہ فطرت اور سادہ طبیعت انسان تھے، کسی غیر مناسب طور طریقہ یا کسی بھی غیر سطحی سرگرمی کا آپ کی طرف سے ہونا غیر متصور تھا، موروثی وضع داری اور خاندانی نجابت آپ کے برتاؤ سے صاف محسوس کی جاسکتی تھی۔

نسبی شرافت اور اعلیٰ تربیت ہو تو ایسے ہی نگینے وجود میں آتے ہیں، جن کی زندگیاں مہذب گفتگو، سلیقے مند کردار، لوگوں کے ساتھ مثالی رہن سہن اور ادب وتواضع سے پُر ہوتی ہیں، آپ کی دل داری اور وضع داری پورے خاندان، اہل علاقہ اور تمام ہی متعلقین میں مثالی مشہور تھی، رشتہ داروں اور اہل تعلق کے گھر تشریف لے جاتے، حال احوال دریافت فرماتے اور اس سلسلے میں کبھی آپ کی طبیعت پر بار محسوس نہیں ہوتا۔

عام لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی قاری صاحب بے مثال تھے، ہر شخص کے ساتھ اس کے رتبے، مرتبے اور عہدے کے پورے پاس ولحاظ کے ساتھ بات فرماتے، تواضع کا

دامن کبھی نہیں چھوڑتے، نہایت مہذب انداز میں لوگوں کے ساتھ پیش آتے، آپ "**أَنْـزِلُـوْا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ**" (سنن أبو داؤد، حديث: ٤٨٤٤) کی عملی تصویر تھے۔

احقر کو یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ تحفظِ ختم نبوت کے داخلوں کے سلسلے میں آپ حضرت اقدس مفتی سعید صاحب پالن پوری نور اللہ مرقدہ کے گھر پر تشریف لائے اور اس ادب واحترام کے ساتھ پیش آرہے تھے جیسے کوئی چھوٹا اپنے بڑے کے سامنے ہو، حالانکہ غالباً عمر میں بہت زیادہ تفاوت نہیں تھا؛ لیکن چونکہ حضرت اقدس مفتی سعید صاحب رحمہ اللہ اس شعبہ کے ناظم اعلیٰ تھے؛ لہٰذا حضرت قاری صاحب آپ کے عہدے کا مکمل خیال کرتے ہوئے برتاؤ فرما رہے تھے، دیکھ کر جو حیرت واستعجاب بندے کو ہوا تھا اور قاری صاحب کے تئیں جو عقیدت دل میں موجزن ہوئی تھی وہ آج بھی محسوس ہوتی ہے، جیسے کہ ابھی یہ واقعہ پیش آیا ہو۔

اس سلسلے میں اسفار میں آپ کے ساتھ رہنے والے حضرات سے آپ کے مساویانہ رویے اور حسنِ سلوک کا علم ہوا تو رُواں رُواں آپ کی عظمت میں ڈوب گیا، تعجب ہے کہ راستے میں آرام اور سونے کو بھی آدھا آدھا تقسیم فرماتے تھے اور تمام ہی ہم سفروں یہاں تک کہ اپنے ڈرائیور کا بھی پورا پورا خیال فرماتے تھے۔

سچ یہ ہے کہ ایسے اللہ والوں کی معیت اور ان کے ساتھ گذرا ہوا ایک ایک لمحہ ایسا قیمتی سبق ہوتا ہے جو پوری زندگی انسان کے کام آتا ہے اور واقعہ یہی ہے کہ کتابوں سے صرف جینے کا علم آتا ہے؛ لیکن سلیقہ اور ڈھنگ اگر سیکھنا ہو تو اللہ والوں کا دامن تھامیے، کتابیں کبھی آپ کو وہ باریکیاں نہیں سمجھا سکتیں جن کا تعلق محض عمل سے ہے۔ اللہ جل شانہ اکابرین کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائیں اور جو حضرات بہ قیدِ حیات ہیں ان سے زیادہ سے زیادہ استفادے کے مواقع عنایت فرمائیں۔

أحبّ الصّالحين ولست منهم
لعلّي أن أنال بهم شفاعة

(حضرت امام شافعیؒ)

خورد نوازی اور افراد سازی

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ اپنے چھوٹوں کی خوب حوصلہ افزائی فرمایا کرتے تھے، ان کی کوششوں کو سراہتے، ان کے عزم و حوصلے کو مہمیز لگاتے، اصلاح فرماتے اور ان کو میدانِ عمل کی راہ دکھاتے، ٹھوس اقدامات اور دیر پا نتیجوں کے حصول کے لیے آپ اپنے تجربات و مشاہدات کی روشنی میں مفید مشورے عنایت فرماتے، دعاؤں سے نوازتے، نوجوان نسل کے جوش و جذبے کو صحیح سمت دکھا کر عمل کا داعیہ پیدا فرماتے۔

یہی وہ خورد نوازی ہے جس سے افرادِ کار تیار ہوتے ہیں، بڑوں کی حوصلہ افزائی اور راہ نمائی اگر مل جائے تو صلاحیتوں میں کئی گُنا اضافہ ہوجایا کرتا ہے۔

زندہ قوموں اور ان کے قائدین کے یہاں افراد سازی مستقبل کے اہم ترین منصوبوں میں سے ایک بڑا منصوبہ ہوتا ہے؛ کیونکہ میدان میں سرگرم عمل افراد کی عمرِ رواں گذرنے کے ساتھ ساتھ ان کے قویٰ کمزور ہوتے جاتے ہیں، جسم کی طاقت جواب دینے لگتی ہے اور بہت سے حضرات سے دنیا خالی بھی ہوجاتی ہے، ایسے مواقع پر اگر منصوبہ بندی کے ساتھ افراد سازی کی گئی ہو تو گاڑی اپنی رفتار سے بدستور رواں دواں رہتی ہے؛ بلکہ بسا اوقات نئے جوش و جذبے اور قویٰ کی مضبوطی کی وجہ سے رفتار میں اضافے کا امکان بھی رہتا ہے، گویا تیار شدہ افراد اپنے بڑوں کے لیے بیساکھی اور سہارا بن جاتے ہیں۔

لیکن اگر افراد سازی کا عمل جاری نہ رکھا جائے تو بہت سی دفعہ دیکھا گیا کہ کسی تحریک، تنظیم یا ادارے نے ابتداء میں تو بڑے جوش و جذبے اور برق رفتاری کے ساتھ کام کیا؛ لیکن افرادِ کار کے مہیا نہ ہونے کی وجہ سے وہ بہت جلد سرد مہری کا شکار ہوگئے۔

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ چونکہ جہاں دیدہ آدمی تھے، قوموں کی ترقی اور زبوں حالی کے اسباب و علل سے بہ خوبی واقف تھے، روشن مستقبل کے واضح خطوط ہمیشہ آپ کی نظروں میں رہتے تھے؛ اسی لیے خورد نوازی اور افراد سازی کے سلسلے میں بھی آپ نہایت حساس تھے،

خصوصی متعلقین کے ساتھ بھی اور عمومی جلسوں اور انجمنوں میں بھی آپ کا یہ وصفِ خاص اکثر دیکھنے کو مل جاتا، طلبہ دار العلوم کی انجمنوں میں بھی تشریف لے جایا کرتے، دیر دیر رات تک بیٹھے رہتے، طلبہ کی تیاریوں کو دیکھتے اور سنتے، پھر اخیر میں پوری بشاشت واپنائیت کے ساتھ کلیدی خطاب فرماتے، جس میں اچھائیوں اور خوبیوں کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی، خامیوں اور کمیوں کی نشاندہی بھی اور آگے کیسے کام کرنا ہے اس کی طرف رہنمائی بھی۔

جمعیت کے ایک جلسے میں بھی احقر کو آپ کی اس صفت کا مشاہدہ ہوا، آپ نے فقہی سیمینار کے اختتام پر خطاب فرماتے ہوئے پہلے فقہی سیمینار کے اغراض ومقاصد اور یہاں سے پاس ہونے والی تجاویز کی اہمیت کو سمجھایا اور اخیر میں سامعین سے جن میں سے اکثر آپ کے شاگرد تھے، مشورہ بھی فرمایا کہ آپ حضرات بتلائیں کہ ان تجاویز کو کس طرح زیادہ سے زیادہ عام اور نافع بنایا جائے، اس طرح پورے مجمع کو متفکر بنا دیا اور ان کے اندر ایک جذبہ اور داعیہ پیدا فرما دیا۔

واقعی ایسی دیدہ ور اور رمز شناس ہستیاں صدیوں میں پیدا ہوتی ہیں اور صدیوں تک یاد رکھی جاتی ہیں۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا
(علامہ اقبالؔ)

قرآن وسنت سے وارفتگی

آپ کو قرآن کریم اور اس کی تعلیمات سے عشق تھا، آپ کا ظاہر وباطن انوارِ قرآنی سے منور ومعطر رہتا، اس کی تلاوت سے آپ رطب اللسان رہتے، سچ یہ ہے کہ قرآن سے شغف اور اس سے والہانہ تعلق انسان کو اللہ والا بنا دیتا ہے، اُس کے ظاہر وباطن کو سنوار دیتا ہے؛ اسی وجہ سے علامہ شاطبی رحمہ اللہ نے اہل قرآن کو اہل اللہ سے تعبیر فرمایا ہے اور اہل قرآن کی صفات کو بیان فرما کر انہیں اپنانے کی دعوت دی ہے، شاطبیؒ کا یہ کلام ملاحظہ ہو:

فما ظنّكم بالنّجل عند جزائه

أولٰئک أهل اللّٰه والصّفوة الملا

أولو البر والإحسان والصّبر والتُّقى

حُلاهم بها جاء القُران مفصّلا

عليک بها ما عشت فيها منافسًا

وبع نفسک الدُّنيا بأنفاسها العُلا

آپ نے قرآن پاک کی تفسیر کا ایک سلسلہ بھی شروع فرمایا تھا؛ مگر ذمہ داریوں اور مصروفیات کی کثرت کی وجہ سے یہ سلسلہ آگے نہیں بڑھ سکا، اس تفسیر کا کچھ حصہ رفیق محترم جناب مولانا امیر اللہ مشتاق مئوی زید فضلہ کے پاس کمپیوٹر میں محفوظ ہے، کاش کہ یہ قیمتی گوہر پارہ پایۂ تکمیل کو پہنچتا اور ہم تشنوں کے لیے سیرابی کا سامان ہوتا۔

ظاہر ہے کہ جس کو قرآن سے لگاؤ اور عشق ہو اس کو اس کی تشریحات یعنی نبوی ارشادات وتعلیمات سے بھی بے انتہا محبت ہوگی، دراصل حدیث وسنت سے محبت کلام اللہ ہی کی محبت کا ضمیمہ ہے، آپ کے عشق نبوی کو بیان کرنے کے لیے حضرت مفتی سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کا یہ اقتباس ہی کافی ہے:

> ''آپ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی سے بے انتہا عشق تھا، جس وقت درس یا بیان میں پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نامِ نامی آتا تو نہایت عقیدت ومحبت کے ساتھ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' ادا فرماتے کہ سننے والا بھی محبت کی کیفیت کا خود بخود اندازہ لگا لیتا تھا (درس میں بھی آپ کا یہی معمول تھا، حبان) اور اکثر آپ اپنے بیان کا اختتام اس دعا پر فرماتے تھے: اللّٰهم اجمع بيننا وبينه كما آمنّا به ولم نره، ولا تفرّق بيننا وبينه حتّى تُدخلنا مدخله (یعنی اے اللہ ہم نے دنیا میں تو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت نہیں کی لیکن آخرت میں آپ کے ساتھ ہمیں جمع فرمایئے اور ان سے ہمیں جدا مت فرمایئے (حتیٰ کہ ہم بھی اُن کے ساتھ جنت میں

داخل ہو جائیں، حبان) اور اکثر یہ دعا فرماتے ہوئے آپ پر رقت کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، اسی محبت کا اثر تھا کہ آپ کو شریعت، سنت اور اسوۂ صحابہؓ کے خلاف کوئی بات بھی بالکل منظور نہ تھی''۔ انتہی

آپ کے قرآن وسنت سے اسی قلبی تعلق کی بات ہے کہ آپ نے زمانۂ تعلیمی کے دوران وقت کے دو بڑے قراء کرام حضرت مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت قاری عتیق صاحبؒ سے فنِ قرأت میں مہارت حاصل کی، یہاں تک کہ قرآن سے بے پناہ لگاؤ کے باعث آپ ''حضرت قاری صاحب'' کے نام سے یاد کیے جاتے تھے اور یہ صفت آپ کے نام کے ساتھ لاحق ہو کر آپ کو امتیاز بخشتی تھی۔

اسی طرح قرآن وسنت کو کما حقہ سمجھنے کے لیے عربی زبان وادب میں بھی آپ نے باقاعدہ محنت کر کے مہارت پیدا کی، حتیٰ کہ حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے مشہور تلامذہ میں آپ کو شمار کیا گیا، دارالعلوم میں شعبۂ ادب عربی سے بھی آپ اخیر عمر تک منسلک رہے۔

سنت سے محبت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ نے عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کے لیے ردّ قادیانیت پر محاضرے تیار فرمائے اور طلبہ دارالعلوم کے سامنے اُن کو پیش بھی فرمایا کرتے تھے۔

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

اس دنیائے فانی میں ہر چیز کو فنا ہے، بقا و دوام تو صرف رب کائنات ہی کو ہے، مٹی سے بنے اس جسم وجثہ کو آخرش مٹی ہی ہو جانا ہے، نہ جانے کیسے کیسے اہل شان اور نامور آئے مگر موت نے انہیں اپنا لقمۂ تر بنا کر فنا کر دیا۔

ملے خاک میں اہل شاں کیسے کیسے
مکیں ہوگئے لا مکاں کیسے کیسے
ہوئے نامور بے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

(خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ)

حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی زندگی بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ رواں دواں تھی، آپ کی خدمات اور سرگرمیوں کو دیکھتے ہوئے یہ واہمہ بھی نہیں گذرتا تھا کہ آپ یوں اچانک سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر جنت مکیں ہو جائیں گے، بہ ظاہر کوئی ایسا عارضہ بھی نہیں تھا، لیکن آخر کار وقت موعود آ گیا تھا اور آپ نے مختصر علالت کے بعد عین جمعہ کی مبارک گھڑی میں جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

قاری صاحب علیہ الرحمہ بڑی خاموشی کے ساتھ ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئے، وہ خبر جس کو سننے کے لیے قلب و دماغ تیار نہیں تھے اب اسے صبر و رضا کے ساتھ تسلیم کرنا ہی پڑے گا، شفقتوں کے ایک سائباں اپنے سفر آخرت پر روانہ تو ہو گئے؛ مگر اپنے پیچھے ایک دنیا کو سوگوار چھوڑ گئے اور یہ سب کچھ اتنی جلدی ہوا کہ سوچنے سمجھنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔

آہٹ بھی نہ محسوس ہوئی ختم سفر تک
یہ عمر رواں کتنا دبے پاؤں چلے ہے
(کلیم عاجزؔ)

آپ کی زندگی کا پیغام

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی تقویٰ اور مجاہدہ والی مثالی زندگی سے ہم خوردوں اور شاگردوں کو یہ سبق لینا چاہیے کہ ہم اپنی زندگیوں کو قرآن وسنت سے آراستہ کریں، ناموسِ رسالت اور عظمت صحابہ کے لیے اپنی جانیں نچھاور کر دیں، اسلام کا آوازہ سارے جہاں میں بلند کر دیں، ہم رحمتِ دو عالم کے نام لیوا ہیں، سراپا رحمت بن کر زندگی گزاریں، پاکیزگی کو اپنا شیوہ بنائیں، صداقت وحق گوئی کو اپنے دامن سے مضبوط باندھیں، ہم ایک مقصد کے ساتھ اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں، آخرت ہماری منزل ہے اور وہی آخری ٹھکانا ہے، اسی کی تیاری کرتے کرتے اور اسی ڈگر پر چلتے چلتے اللہ کے حضور حاضر ہو جائیں۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

(شہید ملت احسان الٰہی ظہیرؒ)

آخری بات

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے تئیں یہ میرے دلی جذبات اور اشک ہائے فراق ہیں، جنہوں نے نقوش کا جامہ پہن لیا ہے، یہ آپ کی زندگی کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے، حقیقت یہ ہے کہ قاری صاحب کی پوری زندگی کو ورق پر اتارنا میری قدرت سے باہر ہے، بس انہیں چند معروضات پر اکتفا کرتے ہوئے اس شعر کے ساتھ رخصت ہو رہا ہوں:

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

(مرزا غالبؔ)

مثالی زندگی کی چند نمایاں خصوصیات

مولانا مفتی ابوجندل قاسمی شیخ الحدیث مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ ضلع مظفر نگر یوپی

رمضان المبارک سے تین چار روز قبل ایک اہم معاملے میں اجمالی مشورہ کرنے کی غرض سے احقر حاضر خدمت ہوا، اس کے بعد سفر میں چلا گیا، تفصیلی مشورہ عیدالفطر کے بعد کے لیے مؤخر کر دیا گیا، ۲۰؍رمضان المبارک کو واپسی ہوئی، اگلے روز فون پر گفتگو ہوئی، آواز سے کافی نقاہت محسوس ہوئی، طبیعت کی ناسازی کے سبب ۲۲؍رمضان المبارک کو حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب اعتکاف مسنون چھوڑ کر مرادآباد سے دیوبند خدمت میں حاضر ہو گئے، تب طبیعت کی زیادہ خرابی کا علم ہوا، عیادت وملاقات کی غرض سے دیوبند جانے کا ارادہ کیا، مگر کورونا رپورٹ کے پازیٹو آنے کی وجہ سے اجازت نہ مل سکی، عید کے بعد ۵؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ بروز منگل پھیپھڑوں میں شدید قسم کے انفیکشن اور بخار کی وجہ سے گڑگاؤں کے ''میدانتا ہسپتال'' میں آپ کو ایڈمٹ کرایا گیا، یقین اسی بات کا تھا کہ آپ جلد ہی صحت یاب ہو کر تشریف لے آئیں گے، امیدیں اندیشوں پر غالب تھیں، دعائیں برابر جاری تھیں، دل مسلسل آپ کی طرف ہی لگا ہوا تھا، جمعہ کی شب واٹس ایپ کے ذریعہ جب یہ معلوم ہوا کہ طبیعت زیادہ خراب ہے اور ''وینٹی لیٹر'' کی ضرورت پڑ گئی ہے، تو اب دل میں کھٹک اور اندیشہ پیدا ہوا، جمعہ کے دن قبل نماز جمعہ واٹس ایپ کے مختلف گروپس پر حضرت والا کی دعائے صحت کے لیے ایک اپیل ڈال کر بندہ جمعہ کی نماز کے لیے چلا گیا، نماز کے بعد مصلیان میں اعلان کر کے مختصر وظیفہ پڑھوا کر آپ کی صحت کے لیے دعا کرائی، سنتوں سے فراغت کے فوراً بعد واٹس ایپ کے ذریعے ہی مولانا مفتی سید محمد

سلمان صاحب اور مولانا مفتی سید محمد عفان صاحب کی تحریر کے ذریعے بالآخر وہ جانکاہ و اندوہناک خبر ملی جس کے اثر سے اب تک طبیعت میں افسردگی اور دل ودماغ صدمہ سے چور ہے اور جس حقیقت کو ماننے کے لیے ذہن آج بھی آمادہ نہیں۔

جان کر من جملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

بہرحال آج حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ کی ذاتِ گرامی قدر گو کہ ہمارے درمیان موجود نہیں، مگر آپ کی مبارک زندگی کے وہ تابندہ و پایندہ نقوش ضرور موجود ہیں جن پر چل کر علماء وطلبہ ایک عرصۂ دراز تک روشنی حاصل کرتے رہیں گے، اس لیے ہماری طرف سے آپ کی خدمتِ مبارکہ میں سب سے بڑا اخراجِ عقیدت یہ ہے کہ ہم آپ کی مبارک زندگی کے نکات کو مشعلِ راہ بنائیں اور آپ کی بلند پایہ صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

اسی وجہ سے بندہ آپ کی سوانح نگاری کے بجائے آپ کے اوصافِ حسنہ میں سے چند سبق آموز پہلو پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، تاکہ وہ ہم جیسے نااہلوں کے لیے مہمیز کا کام دیں اور نسلِ نو کے لیے وہ اوصاف رہنما خطوط ثابت ہوں۔

اتباعِ سنت

حقیقت یہ ہے کہ اتباعِ سنت کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا، ہمارے اکابر اور بزرگانِ دین کا کہنا ہے کہ ہمیں جو کچھ بھی حاصل ہوا اتباعِ سنت سے حاصل ہوا، اسی لیے کہا گیا ہے کہ: ’’اَلْاِسْتِقَامَۃُ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ کَرَامَۃٍ‘‘ (یعنی دین پر ثبات قدمی اور اتباعِ سنت ہزار کرامتوں اور خارق عادت چیزوں سے افضل ہے) حضرت استاذ مکرم رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کی کتابِ زندگی کا بھی ایک روشن ورق اپنی چال ڈھال، رفتار وگفتار، لباس وپوشاک، خورد ونوش اور عبادات، معاملات، معاشرت واخلاق وغیرہ میں ’’اتباعِ سنت‘‘ ہے، دیگر جتنی بھی صفات آپ کے اندر موجود تھیں، وہ سب اسی ایک اہم صفت ’’اتباعِ سنت‘‘ کا پرتو تھیں، مثلاً: غصہ آپ کو دیر

سے آتا اور جلد ہی اُتر جاتا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے منقول ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں بیان فرمائیں، نیز ارشاد فرمایا: ''أَلاَ إِنَّ خَيْـرَ الرِّجَالِ مَن كانَ بَطِيْءَ الْغَضَبِ سَرِيْعَ الرِّضَا وَشَرَّ الرِّجَالِ مَنْ كانَ سَرِيعَ الْغَضَبِ بَطِيْءَ الرِّضَا''. (المسند للإمام أحمد ٢٢٨/١٧ رقم: ١١١٤٣، سنن الترمذي / أبواب الفتن رقم: ٢١٩١) یعنی غصہ کرنے والوں میں سب سے اچھا آدمی وہ شخص ہے جس کو غصہ دیر میں آئے اور جلدی چلا جائے اور سب سے برا وہ شخص ہے جس کو غصہ جلدی آئے اور دیر سے جائے، جلدی سے جانے کا نام نہ لے۔ ہمارے حضرت قاری صاحبؒ اس حدیث شریف کی روشنی میں یقیناً ''خیر الرجال'' (بہترین انسان) اور پورے طور پر سنت پر عامل تھے۔

اسی طرح راہ چلتے آپ کی کمر میں ہلکا سا خم ہوتا، یہ عادت بھی سنت کے اتباع میں تھی۔ چناں چہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ''كَـانَ رسولُ الله صلى الله عـليـه وسلم اِذَا مَشىٰ تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ''. (شمائل ترمذي / باب ماجاء في مشية رسول الله صلى الله عليه وسلم رقم: ١١٨) یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چال میں آگے کو جھکاؤ ہوتا تھا، گویا آپ بلندی سے نیچے اُتر رہے ہیں۔

غرض کہ جب آپ کی زندگی کے احوال اور مصروفیات پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ آپ خود کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وسنت کے رنگ میں رنگنے کے لیے کوشاں اور فکرمند رہا کرتے تھے۔

تقویٰ وطہارت

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تقویٰ وطہارت کا اعلیٰ نمونہ تھے، آپ کی پوری زندگی ''تَـقْـوَى اللّٰـهِ فِـي السِّرِّ وَالْعَلاَنِيَةِ'' (یعنی تنہائی میں بھی اور لوگوں کے سامنے بھی اللہ کا خوف) سے عبارت تھی، ظاہر کی طرح آپ کا باطن بھی آئینہ کی طرح صاف شفاف تھا، اسی تقوی کا اثر تھا کہ آپ اپنی زبان کو حد درجہ محتاط اور نظر کی مکمل حفاظت فرماتے، گویا (حضرت ابی بن کعب رضی اللہ

عنہ کی تقوی کی تعریف کے مطابق) آپ پگڈنڈی اور کھیتوں کے درمیان کے تنگ راستے سے گزرتے ہوئے خار دار جھاڑیوں سے اپنے دامن کی حفاظت کرتے ہوئے صاف بچ کر نکل گئے۔ جو آپ کے مختلف اوصاف سے عیاں ہے، حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی دامت برکاتہم صدر جمعیۃ علماء ہند فرماتے ہیں کہ:

''حضرت قاری صاحبؒ ایسے متقی آدمی ہیں جن کے تقوی کی قسم کھائی جاسکتی ہے''۔

شب بیداری

حضرت استاذ مکرم رحمہ اللہ تہجد گذار اور شب زندہ دار بزرگ تھے، آپ کا عشاء کی نماز پڑھ کر کھانا تناول فرمانے کا معمول تھا، کھانے کے فوراً بعد آپ کو نیند کا تقاضا ہوتا، نصف شب کے قریب بیدار ہوجاتے، نوافل، تلاوت اور مطالعہ میں مشغول ہوجاتے، پھر کچھ دیر آرام فرما کر نمازِ فجر کے لیے بیدار ہوتے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أَحَبُّ الصَّلاةِ إِلَى اللّٰهِ صَلاةُ دَاوُدَ عليه السلام كَانَ يَنَامُ نِصْفَ اللَّيْلِ وَيَقُوْمُ ثُلُثَهُ وَيَنَامُ سُدُسَهُ''. یعنی سب سے زیادہ پسندیدہ نماز اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت داؤد علیہ الصلاۃ والسلام کی نماز ہے، آپ نصف شب آرام فرماتے، پھر تہائی رات عبادت خداوندی انجام دیتے اور اس کے بعد چھٹے حصے میں پھر آرام فرماتے۔ (صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، حدیث: ۳۴۲۰، صحیح مسلم، کتاب الصوم، حدیث: ۱۱۵۹) ہمیں یقین ہے کہ حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کا شب بیداری کا یہ معمول صلوٰۃِ داؤد علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے موافق تھا۔

عشقِ نبوی

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ جناب سید محمد عیسیٰ صاحب جیسے متدین اور باوقار شخصیت کے بیٹے، حضرت علامہ شیخ فخر الدین مرادآبادی شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند جیسے عظیم عالم کے تلمیذ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ اور فدائے

ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے ان بزرگوں کے سینے میں جو عشقِ نبوی کی چنگاری تھی وہ آپ کی طرف بھی منتقل ہوئی، آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ سے عشق کی حد تک محبت تھی۔

اسی عشق ومحبت کا نتیجہ تھا کہ جب دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۸۶ء کے اواخر میں ''عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت'' منعقد ہوا اور اُس موقع پر تحفظ ناموس رسالت نیز قادیانیت کے تعاقب کے لیے ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' قائم کی گئی اور حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کو اس کا ناظم بنایا گیا تو آپ نے اس ذمہ داری کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت، آپ سے تقرب کا ذریعہ اور عبادت سمجھ کر قبول کیا اور پھر اپنی پوری صلاحیتیں آقا علیہ الصلاۃ والسلام کے ناموس کے تحفظ کے لیے نچھاور کر دیں، تحفظ ختم نبوت کے کام کو دوسرے تمام کاموں پر اولیت حاصل تھی، آپ کی اکثر تقریروں میں کسی نہ کسی مناسبت سے ختم نبوت کا تذکرہ آ جاتا، بندہ بہت قریب سے جانتا ہے کہ ''تحفظ ختم نبوت'' کے عظیم کام پر آپ کو بہت زیادہ شرح صدر تھا، اس حوالے سے آپ نے پورے ملک کے دورے کیے، آپ کی توجہات اور کوششوں سے علماء اور ائمہ کی تربیت کے لیے ملک کے مختلف مقامات پر کیمپ لگائے گئے، اجلاس ہائے عام منعقد کیے گئے اور اردو وہندی زبان میں بے شمار پمفلٹ چھپوا کر تقسیم کیے گئے، آپ کی اور آپ کے معاونین کی کوششوں سے الحمدللہ اس اہم عقیدے کے تعلق سے صرف خواص ہی میں نہیں بلکہ عوام میں بھی شعور وآگاہی پیدا ہوئی۔

۱۹۹۳ء میں ہمارے افتاء کے سال بھاگلپور میں تربیتی کیمپ اور پھر آخر میں اجلاس عام منعقد ہوا، جو لوگوں کی شرکت اور اپنے اثرات کی وجہ سے بہت زیادہ کامیاب رہا، حضرت رحمہ اللہ اس کی باتیں بہت دلچسپی کے ساتھ سناتے تھے۔

تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں جن اکابر نے خدمات انجام دی ہیں آپ اپنے بہت سے بیانات میں ان کے بارے میں بعض منامی بشارتوں کا تذکرہ بھی فرمایا کرتے تھے اور اُن

بشارتوں کا ذکر کرتے ہوئے آپ پر رقت طاری ہوجاتی، بندہ کو یاد آ رہا ہے کہ ۷؍صفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴؍جون ۱۹۹۷ء بروز ہفتہ اردو پارک شاہجہانی جامع مسجد دہلی میں اس عنوان سے اجلاس منعقد ہوا، اس میں آپ کا بیان اسی موضوع پر ہوا، آپ نے مجاہد ختم نبوت امیر شریعت حضرت مولانا شاہ عطاء اللہ صاحب بخاری رحمہ اللہ کے تعلق سے حافظِ حدیث حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی رحمہ اللہ کی منامی بشارت بھی بیان فرمائی کہ: ''انہوں نے مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرفا وعظمۃ) میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: واپس جا کر عطاء اللہ سے میرا اسلام کہنا اور یہ پیغام پہنچا دینا کہ میں اپنی قبر میں تم سے خوش ہوں''، اوکما قال۔ یہ سناتے ہوئے آپ آبدیدہ ہوگئے۔

آپ کی وفات کے بعد ۱۲؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۵؍مئی ۲۰۲۱ء بروز منگل بندہ حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب اور مولانا مفتی محمد عفان صاحب کے پاس بیٹھا تھا اور بھی بعض حضرات موجود تھے، حضرت مولانا محمد راشد صاحب ناظم تنظیم وترقی دارالعلوم دیوبند نے حضرتؒ کے بارے میں اپنا خواب سنایا کہ: ''حضرت رحمہ اللہ دفتر اہتمام میں اپنی مسند پر تشریف فرما ہیں اور سر پر ایک نورانی و پر رونق تاج ہے، مولانا حیرت سے اُس کو دیکھ رہے ہیں، تو حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے ارشاد فرمایا: ''یہ دو تاج بھیجے گئے ہیں، ایک حضرت شاہ عطاء اللہ بخاری کے لیے اور ایک میرے لئے''۔

ہمیں پوری امید ہے کہ یہ خواب سچا ہے اور ''تحفظ ناموس رسالت'' کے سلسلہ کی خدمات کے صلہ میں آپ کو اس شاندار تاج سے سرفراز فرمایا گیا ہے۔

دینی حمیت وغیرت

اللہ تعالیٰ نے آپ کو جن شاندار صفات سے مزین فرمایا تھا، ان میں ''ایمانی حمیت اور دینی غیرت'' بھی ہے، آپ انتہائی خوش خلق اور نرم مزاج تھے، مگر کسی کی غلط روی اور کج فکری پر خاموش رہنا طبیعت کو گوارا نہ تھا، آپ متواضع تھے لیکن مداہنت سے کوسوں دور، آپ کی پوری

زندگی تصلب فی الدین اور اکابرِ دیو بند کے مسلک ومشرب پر ثباتِ قدمی کے ساتھ گذری۔

ضلع بجنور کی مسلک حق سے منحرف ایک معروف شخصیت سعودی شیوخ کے ذریعہ مسجدیں بنوا کر بسا اوقات اُن کے واسطے سے مسلک غیر حق کی تبلیغ کرتے ہیں، بعض مدارس کے ذمہ داران اُن صاحب کو اپنے سالانہ جلسے میں بھی مدعو کرتے ہیں، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ اس بات سے سخت ناگواری کا اظہار فرماتے اور ارشاد فرماتے:

"وہ تو ہمارے اکابر کو خرافاتی کہتے ہیں اور تم لوگ اُنہیں اپنے پروگراموں میں بلاتے ہو"۔

اسی طرح فرماتے کہ:

"اُن سے مسجدیں بنوانے کا مطلب یہ ہے کہ علاقہ میں وہ اس کے بہانے اپنے باطل نظریات کی ترویج واشاعت کریں گے، اس لیے غریب مسلمانوں سے چندہ مانگ مانگ کر مسجد بنالو، لیکن اُن کے ذریعے مت بنواؤ"۔

اسی طرح ماضی قریب میں منصور پور کے ایک مشہور عالم دین نے اہلِ بیت عظام کی محبت کی آڑ میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو مطعون کرنے کی تحریک شروع کی، جس کی وجہ سے یہ خطرہ لاحق ہوگیا کہ کہیں علاقے کے سیدھے سادے عوام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے تعلق سے بدعقیدگی کے شکار نہ ہوجائیں، تو حضرت استاذ مکرم رحمہ اللہ بے قرار ہوگئے اور اپنے صاحب زادۂ محترم حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب دام ظلہ کو اس موضوع کے حوالے سے قرآن وحدیث کی روشنی میں ایک مفید عوام وخواص رسالہ تیار کرنے کا حکم دیا، جو حضرت مفتی صاحب نے "صحابہ کرامؓ اور اہل بیتؓ کے متعلق اہل السنۃ والجماعۃ کا موقف" کے نام سے تحریر کیا، اسی طرح حضرت مولانا شاہ ابرارالحق صاحب ہردوئی رحمہ اللہ کی نگرانی میں مرتب کردہ رسالے "اسلامی عقائد" سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے متعلق عقیدے اخذ کر کے دونوں رسالوں کو اردو وہندی زبان میں حضرتؒ کی توجہ وتشکیل کے سبب ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے تقسیم کیا گیا اور حضرتؒ نے بنفس نفیس بھی علاقہ کا دورہ فرمایا، دفاع صحابہؓ

کے متعلق بیانات فرمائے، صحیح موقف کی طرف رہنمائی فرمائی اور علماء کو اس کے بارے میں بیانات کرنے کی جانب توجہ دلائی، اللہ تعالیٰ آپ کو اجرِ عظیم سے نوازے، آمین۔

حسنِ تربیت

حضرت استادِ مکرم رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ بابِ تربیت میں ''وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ أَدَبًا وَأَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ''. یعنی اپنے بال بچوں اور ماتحتوں سے ادب سکھانے کے لیے اپنی لاٹھی اُٹھا کر نہ رکھو اور اُن کو اللہ کے بارے میں ڈراتے رہو۔ (مسند احمد ۳۶/۲۹۲، ۲۹۳، حدیث: ۲۲۰۷۵) کے قائل تھے، اللہ تعالیٰ نے تربیت کے حوالے سے آپ کو جو خاص صلاحیت اور ملکہ عطا فرمایا تھا وہ شاذ و نادر ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے، آپ ایک مخلص ترین استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین مربی اور نگراں بھی تھے، آپ نے صرف اپنی آل و اولاد ہی کی تربیت کا فریضہ انجام نہیں دیا بلکہ مدنی خانوادے اور دیگر رشتہ داروں کے افراد نے بھی آپ کی زیرِ سرپرستی تعلیم و تربیت کے مراحل طے کیے ہیں، آپ بچوں کی نگرانی کے معاملے میں سخت اور تیز نظر واقع ہوئے تھے، اُن کی رفتار و گفتار، نشست و برخاست، رہن سہن، اسباق میں پابندی کے ساتھ حاضری، نماز و تلاوت کی پابندی، مطالعہ و تکرار، دیگر طلبہ سے میل جول اور کسی ضرورت سے گھر کے باہر کی آمد و رفت پر گہری نظر ہوتی، کوتاہی پر سخت باز پرس ہوتی، آپ کی عمدہ تربیت ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کے دونوں صاحب زادے (حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب اور مولانا مفتی سید محمد عفان صاحب) نہایت لائق و فائق، جید عالم دین اور علمی و عملی دنیا کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

آپ کی تربیت ہی کے حوالے سے ایک قابل ذکر اور لائق تقلید واقعہ کل ۷/ذی الحجہ ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۸/جولائی ۲۰۲۱ء بروز اتوار مفتی محمد عفان صاحب نے سنایا کہ: ''رمضان المبارک میں نمازِ تراویح میں قرآن کریم سنانے کے لیے برطانیہ و امریکہ سے کئی مرتبہ میرے بارے میں حضرت والد صاحب سے اصرار کیا گیا، لیکن حضرتؒ قطعاً اس کے لیے تیار نہیں ہوئے، اسی طرح ''مالیر کوٹلہ پنجاب'' کے عہدہ ''مفتی اعظم'' کے لیے باقاعدہ حضرت والد

صاحبؒ سے مطالبہ کیا گیا، مگر حضرتؒ اس کے لیے بھی آمادہ نہیں ہوئے''، جب کہ لوگ اس عہدے کے لیے درخواستیں دیتے ہیں، گویا آپ اپنی اولاد کے بارے میں یہ نہیں چاہتے تھے کہ اُن کا اس دنیائے فانی میں انہماک ہو۔

ذوقِ نظافت ونفاست

اسلام میں صفائی ستھرائی کی بڑی اہمیت ہے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''إِنَّ اللّٰهَ نَظِيْفٌ يُحِبُّ النَّظَافَةَ''. اللہ تعالیٰ نظیف ہیں، نظافت کو پسند فرماتے ہیں۔ (ترمذی شریف، حدیث ۲۷۹۹) حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی پر جب ہم نظر ڈالتے ہیں تو اتباعِ سنت کا یہ جذبہ بھی کما حقہ آپ کے اندر پاتے ہیں، نظافت اور صفائی ستھرائی آپ کی طبیعت بن گئی تھی، ہر کام میں نفاست اور عمدگی پسند تھی، لباس میں آپ کا ذوق نہایت اعلیٰ اور نفیس تھا کہ کپڑے پر ادنیٰ سا دھبہ بھی برداشت نہ تھا، طبیعت کی نفاست کی وجہ سے موسم گرما میں دن میں کئی دفعہ غسل فرماتے، تاکہ بدن میں معمولی سی بھی بو نہ آئے، مہمانوں کے لیے جب کھانے کے لیے دسترخوان بچھتا تو اکثر دسترخوان کے نیچے الگ سے ایک چادر بچھائی جاتی، تاکہ سالن وغیرہ کے دھبّے اصل چادر کو گندا نہ کردیں، معیاری اور عمدہ قسم کا عطر لگانے کا التزام فرماتے، بالخصوص درس اور دیگر مجلسوں میں تشریف لے جاتے وقت وضو اور عطر کا اہتمام فرماتے۔

ضیاعِ وقت سے احتیاط

اس کامل ومکمل دین میں وقت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، عربی کا ایک مقولہ مشہور ہے: ''اَلْوَقْتُ أَثْمَنُ مِنَ الذَّهَبِ'' (وقت سونے چاندی سے بھی زیادہ قیمتی ہے) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيْهِمَا كَثِيْرٌ مِنَ النَّاسِ اَلصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ''. یعنی دو عظیم نعمتیں ایسی ہیں جن کے

بارے میں بہت سے لوگ دھوکہ کھائے ہوئے ہیں: (۱) تندرستی (۲) فراغت یعنی فرصت کے لمحات۔ (بخاری شریف/ کتاب الرقاق ۲/ ۹۴۹ حدیث: ۶۴۱۲، ترمذی شریف/ ابواب الزہد ۲/ ۵۶ حدیث: ۲۲۹۷)

دنیا کے کاموں میں تو لوگ ان دونوں نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں، صحت کے وقت میں خوب محنت کرتے ہیں اور فرصت کے اوقات سے خوب فائدہ حاصل کرتے ہیں، مشغولیت کے زمانے کا خیال کرکے پہلے ہی کاموں کو نمٹاتے ہیں، مگر دین کے تعلق سے اور آخرت کی تیاری کے معاملے میں اس کا خیال نہیں کرتے؛ بلکہ معاملہ اُلٹا ہوجاتا ہے، تندرستی اور فرصت کے زمانے کو ضائع کردیتے ہیں اور پھر جب مشغولیت کا زمانہ آتا ہے تو کفِ اَفسوس ملتے ہیں۔

لیکن حضرت استاذ مکرم رحمہ اللہ چوں کہ ''عامل بالسنۃ'' تھے، اس لیے اس حدیث شریف کے پیشِ نظر ہمہ وقت کام میں لگے رہنا اور کام میں لگے ہوئے افراد سے خوش ہونا آپ کا خاص مزاج تھا، فضول مشاغل اور بے فائدہ مصروفیات سے آپ کی زندگی بالکل پاک تھی، وقت کی قدردانی آپ کی طبیعت بن گئی تھی، آپ اپنی زندگی کے لمحے لمحے کو کسی نہ کسی علمی وعملی کام میں گزارنا پسند فرماتے تھے، عصر کے بعد کا وقت بھی (جو علماء کے طبقہ میں عموماً فارغ ہوتا ہے) حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے لئے مہمانوں اور ملاقاتیوں کے علاوہ گھر کے اندر مطالعۂ کتب یا کسی دوسرے ضروری کام میں مصروفیت کا ہوتا تھا۔

صفائی معاملات

حضرت قاری صاحبؒ کی زندگی میں معاملات کی صفائی کا اہم وصف بھی نمایاں تھا، کبھی کسی نے آپ کو کسی کے ساتھ بدمعاملگی کرتے نہیں دیکھا، بلکہ معاملات کی صفائی پر زور دیتے، اپنے متعلقین کو اس کی ہدایت فرماتے، مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کے نائب ناظم مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری زید مجدہم نے بتایا کہ مجلس کے حوالے سے کوئی معمولی سا بھی صرفہ ہوتا تو باقاعدہ تاریخ سمیت بل بنواتے اور حساب کتاب بالکل صاف رکھتے، مولانا موصوف نے مجھ سے ایک دفعہ کہا کہ: حضرت قاری صاحبؒ کی معاملات کی صفائی کے پیشِ نظر بیعت کے

لیے میرا قلبی رجحان حضرتؒ کی طرف تھا، لیکن ختم نبوت کے کام کی وجہ سے (کہ اُس میں بسا اوقات حضرتؒ کی رائے کے خلاف مشورہ دینا پڑتا تھا) میں بیعت نہیں ہوا۔

بہت سے طلبہ اپنی رقم حضرت رحمہ اللہ کے پاس جمع کرتے، اس جمع شدہ رقم کے حوالے سے آپ کا معاملہ احتیاط کا نمونہ ہوتا تھا، وفات کے بعد آپ کے کاغذات میں ایسے بہت سے لفافے ملے جن میں اسی طرح کی رقم کی تفصیلات تاریخ وار درج ہیں، مثلاً: فلاں طالب علم نے اتنی رقم فلاں تاریخ میں جمع کی، فلاں فلاں تاریخ میں اتنے پیسے لیے اور اب اتنی رقم باقی ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کے ایک مسترشد مولانا فریدالدین صاحب بھاگلپوری لکھتے ہیں کہ: ''۲۰۱۹ء میں حضرت نور اللہ مرقدہ پورنیہ بہار تشریف لائے تھے، اس موقع پر میں بھی حضرتؒ سے ملاقات کے لیے پورنیہ گیا، میں حضرتؒ کی خدمت کررہا تھا، اسی دوران ایک صاحب حضرتؒ سے ملنے کے لیے آئے اور کہا کہ: حضرت مجھے پہچانتے ہیں؟ حضرتؒ نے نام پوچھا، انہوں نے ''محمود'' نام بتایا، حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے فوراً پہچان لیا اور فرمایا: بھائی جب تم دیوبند سے گھر آئے تو پھر کبھی دیوبند نہیں آئے، تم میرے پاس خرچ کے لیے رقم جمع کرتے تھے، اس میں سے کچھ پیسے باقی ہیں، وہ اپنی باقی رقم لے لو، واضح رہے کہ امانت جمع کرنے کا یہ واقعہ تقریباً سترہ سال پہلے کا ہے، اللہ اکبر۔

متانت و وقار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارکہ میں قبیلہ عبدالقیس کا وفد حاضر ہوا، ان میں مُنذر بن عائذ (رضی اللہ عنہ) بھی تھے، اُن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا: ''إِنَّ فِيْكَ خَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ اَلْحِلْمُ وَالْاَنَاةُ'' تمہارے اندر دو ایسی عادتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں: ایک بردباری اور دوسری متانت و وقار اور سنجیدگی و اطمینان سے کام کرنا۔ (سنن ترمذی، ابواب البر والصلۃ/ باب ما جاء فی التأنی والعجلۃ حدیث ۲۰۰۹)

اِس حدیث شریف کی روشنی میں جب ہم حضرت استاذ محترم رحمہ اللہ کی شخصیت کو دیکھتے

ہیں تو وہ نہایت عالمانہ شان، انتہائی وقار اور متانت وسنجیدگی کا مجسمہ نظر آتی ہے، جس کا ہر چھوٹا بڑا شخص معترف ہے۔

رائے کی پختگی

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نہایت ذکی و ذہین، فہیم وسمجھ دار، ذی شعور، صاحب الرائے اور بہت زیادہ صائب الرائے تھے، غور وفکر کے بعد دلائل کی روشنی میں جب کوئی رائے قائم کر لیتے تو پھر کوئی طاقت اُن کو اُس رائے سے نہیں ہٹا سکتی تھی، ہاں اگر کسی دوسرے کی رائے (خواہ وہ اپنے سے کتنا ہی چھوٹا ہوتا) اپنی رائے سے زیادہ مضبوط اور درست نظر آتی تو بلا کسی تردد اور بغیر کسی جھجک کے اپنی رائے سے رجوع بھی فرما لیتے، قابلِ مشورہ امور میں مشورہ فرماتے؛ لیکن اپنی رائے منوانے پر اصرار نہ ہوتا۔

تواضع وسادگی

آپ کے اندر تواضع اور کسرِ نفسی کا وصف بھی بدرجۂ اتم تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: **"مَا تَواضَعَ أَحَدٌ للّٰهِ إلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ"** جو آدمی اللہ کے لیے تواضع اختیار کرتا ہے تو اللہ اس کو سربلندی عطا فرماتے ہیں۔ (صحیح مسلم/ باب استحباب العفو والتواضع حدیث: ٢٥٨٨)

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ آپ کی رفعت وبلندی اور مقبولیت کا ایک اہم راز "تواضع" بھی ہے، چناں چہ: آپ اپنی ضروریات خود انجام دے لیا کرتے تھے، بسا اوقات اپنے لیے یا مہمانوں کے لیے چائے وغیرہ بھی خود ہی بنا لیا کرتے تھے، مہمانوں کے لیے کھانا یا ناشتہ مکان کی بالائی منزل سے نیچے لانے میں کوئی عار محسوس نہ فرماتے، بازار جا کر خود خریداری کرنے میں کوئی تکلف نہ فرماتے، مدارس اسلامیہ اور گاؤں دیہات کے چھوٹے چھوٹے مکاتب کے سالانہ جلسوں میں پوری بشاشت قلبی کے ساتھ شرکت فرما کر ذمہ داران واساتذہ کی حوصلہ افزائی فرماتے اور

تواضع وانکساری کی حد تو تب ہو جاتی جب بہت سی مرتبہ ان مکاتب کے لیے خود ہی چندے کی تشکیل بھی فرماتے، یا چندے کی تشکیل کی بخوشی اجازت عنایت فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ: ''قرآن کریم کی تعلیم کے لیے چندہ اکٹھا کرنا بھی دین میں شامل ہے''۔ تقریر کے وقت مجمع کی کمی بیشی سے متأثر نہ ہوتے؛ بلکہ قلیل مجمع میں بھی نہایت فرحت وانبساط کے ساتھ بیان فرماتے، آپ اعلی درجے کے متقی اور صاحب نسبت بزرگ تھے، مگر کوئی بیعت کی درخواست کرتا تو اپنی طبعی انکساری کی وجہ سے عامۃً دوسرے بزرگوں کی جانب رہنمائی فرما دیتے، ہاں دور دراز کے دیہات میں جانا ہوتا تو لوگوں کے اصرار پر بیعت فرما لیا کرتے تھے۔

زبان کی حفاظت

حضرت استاذ مکرم رحمہ اللہ کی ایک امتیازی صفت یہ تھی کہ آپ اپنی زبان کو حد درجہ محتاط رکھتے، آپ برائی کے ساتھ نہ کسی فرد و جماعت کا ذکر کرتے اور نہ سنتے، کسی مخالف کے لیے بھی تہذیب سے گری ہوئی کوئی بات آپ سے نہیں سنی گئی، سفر میں اکثر کتابوں اور رسائل کے مطالعہ میں یا قرآن کریم کی تلاوت میں مشغولیت رہتی، فضول، لایعنی اور بے فائدہ گفتگو سے آپ کی زندگی قطعاً پاک تھی، گویا آپ کی زندگی ارشاد مبارک **''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ''**. (صحيح البخاري / كتاب الأدب رقم: ٦٠١٨، صحيح مسلم / كتاب الإيمان رقم: ٤٧) اور **''مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْأِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ''**. (سنن الترمذي / أبواب الزهد رقم: ٢٣١٧) کا مکمل مصداق تھی، احباب کے ساتھ نشست و برخاست اور مجلس سجانا یا وقت گذاری کے لیے کہیں بیٹھنا آپ کی عادت نہیں تھی۔

مہمان نوازی

حضرت قاری صاحبؒ کا ایک نمایاں اور ممتاز وصف ''سخاوت و مہمان نوازی'' تھا، جس کا ہر وہ شخص گواہ ہے جو آپ کی زیارت و ملاقات کے لیے خدمت میں حاضر ہوا ہو، حدیث

شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**مَنْ كَانَ يُؤمِنُ بالله واليوم الآخرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ**“. (صحيح البخاري / كتاب الأدب رقم: ٦٠١٨، صحيح مسلم / باب إكرام الجار والضيف رقم: ٤٧) جو شخص اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔

چناں چہ اس حدیث شریف کے بموجب کوئی بھی مقامی یا بیرونی مہمان آپ کے پاس آئے اور بغیر ضیافت کے واپس چلا جائے ایسا نہیں ہوسکتا تھا، کھانے کا وقت ہوتا تو کھانے کا اہتمام فرماتے، ورنہ چائے اور ناشتہ سے تواضع تو ضروری تھی، پھر مہمانوں کے ساتھ بیٹھ کر تناول بھی فرماتے۔

صلہ رحمی اور تعلقات کی پاس داری

حضرت استاذ محترم رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کا ایک عمدہ وصف ”صلہ رحمی، رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور دیگر متعلقین کی زیارت وملاقات“ تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”**مَنْ عَادَ مَرِيضًا أَوْ زَارَ أَخاً لَهُ فِي اللّٰهِ نَادَاهُ مُنَادٍ أَنْ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلا**“. یعنی جو شخص رضائے الٰہی کے لیے کسی بیمار کی مزاج پُرسی کرتا ہے، یا اپنے کسی دینی بھائی سے ملاقات کے لیے جاتا ہے تو اس کو آسمان سے ایک آواز دینے والا پکار کر کہتا ہے (مسندِ احمد کی روایت میں ہے کہ خود اللہ تعالیٰ پکار کر کہتا ہے) تو مبارک، تیرا چلنا مبارک اور جنت میں تو نے ٹھکانہ بنالیا۔ (سنن ترمذی، ابوب البر والصلۃ/ باب ماجاء فی زیارۃ الاخوان، حدیث: ۲۰۰۸، مسندِ احمد، حدیث: ۸۵۳۶) حضرت قاری صاحب علیہ الرحمۃ اس حدیث شریف کے مکمل مصداق تھے۔

ایسے ہی حضرت رحمہ اللہ دیگر تعلق ومحبت رکھنے والوں سے ملاقات، ان کی چھوٹی بڑی تقریبات میں شرکت، بیماری میں ان کی مزاج پرسی اور حادثات کے موقع پر تعزیت وغیرہ کا اہتمام فرماتے تھے، اس سلسلے کے سیکڑوں سے زیادہ واقعات لوگوں کے ذہنوں میں تازہ ہوں گے۔

ایک واقعہ اپنے اوپر شفقت کا بطور یادگار ذکر کیا جاتا ہے: برخوردار عزیزم محمد عبادہ سلمہ کے ختم قرآن کریم اور عزیزم عبداللہ سلمہ کے افتتاح حفظ قرآن پاک اور عزیزم خالد سیف اللہ سلمہ کی بسم اللہ کے موقع پر ۷/ربیع الآخر ۱۴۴۱ھ مطابق ۵/دسمبر ۲۰۱۹ء بروز جمعرات دعوتِ طعام کا اہتمام کیا گیا، جس میں حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب نے شرکت فرمائی، اس موقع پر حضرت استاذ مکرم رحمہ اللہ سے بھی تشریف آوری کی درخواست کی گئی، حضرتؒ نے فرمایا: آج تو میں مشغول ہوں، پھر کسی وقت آتے جاتے آجاؤں گا، چناں چہ ۲۴/رجب ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰/مارچ ۲۰۲۰ء بروز جمعہ ''مدرسہ جامعہ میرانپور'' میں نماز کے بعد پروگرام تھا، اس موقع کو غنیمت سمجھ کر میں نے حضرتؒ کو وعدہ یاد دلایا اور درخواست کی کہ دوپہر کا کھانا بندہ کے پاس تناول فرما کر قیلولہ کر کے میرانپور تشریف لے جائیں، حضرتؒ نے اس حقیر خادم کی فرمائش قبول فرمائی اور قدوم میمنت سے نواز کر ماحضر تناول فرمایا۔

خوردنوازی ودل داری

آپ کی مبارک زندگی میں خوردنوازی، دل داری اور حوصلہ افزائی کی صفت بھی حد درجہ متأثر کن رہی، جب کسی مدرسے یا مکتب کے پروگرام میں یا کسی اور تقریب میں تشریف لے جاتے اور کوئی شخص اپنے مکان، دکان یا کارخانے وغیرہ میں محبت کے ساتھ آپ کو مدعو کرتا تو حتی الامکان وقت کی گنجائش کا خیال رکھتے ہوے اس کی دل داری کی کوشش فرماتے، اس طرح ایک اصل پروگرام کے ضمن میں بہت سے پروگرام ہو جاتے، مگر آپ نہ تھکن کا احساس ہونے دیتے اور نہ پیشانی پر شکن آتی، بلکہ وسعت ظرفی اور خوش طبعی کے ساتھ اپنائیت کا مظاہرہ فرماتے رہتے، سفر کے ساتھیوں کا حتیٰ کہ ڈرائیور کے کھانے پینے اور آرام کا پورا خیال رکھتے، اس طرح کے متعدد واقعات احقر کے علم میں ہیں۔

دارالعلوم دیوبند میں سال کے آخر میں بنگالی وآسامی طلبہ اپنی انجمنوں کے اختتامی اجلاس کی سرپرستی اور اس میں شرکت کی دعوت دیتے، تو آپ زبان نہ جاننے کے باوجود نہ صرف یہ کہ

شرکت فرماتے بلکہ ان کی حوصلہ افزائی اور دل داری کے لیے اخیر تک تشریف رکھتے تھے۔

سال گذشتہ مارچ ۲۰۲۰ء میں ایک روز حضرتؒ کا فون آیا، فرمایا: کہاں ہو؟ عرض کیا: حضرت! دہلی ہوں، فرمایا: گھر پر بچے محمد عبادہ اور عبداللہ وغیرہ تو ہوں گے؟ عرض کیا: جی ہاں، فرمایا: ٹھیک ہے، مجھے عصر کی نماز پڑھنی ہے، پھر سیکری ایک تقریب میں جانا ہے، چناں چہ میری عدم موجودگی میں ہی حضرتؒ تشریف لائے، نماز عصر پڑھ کر چائے نوش فرما کر سیکری تشریف لے گئے، واپسی میں رات کے تقریباً ساڑھے دس بجے دروازے تک تشریف لا کر شرفِ لقاء سے نواز کر دیوبند تشریف لے گئے، سبحان اللہ! یہ واقعہ تواضع میں کمال اور خورد نوازی کی اعلیٰ مثال ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی بعض صحابہ کرام (مثلا: حضرت جابر، حضرت انس، حضرت ام حرام، حضرت عتبان بن مالک، حضرت ابوالہیثم بن التیہان وغیرہ) رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھر (ان کی دعوت پر یا بلا دعوت) اُن کی دل داری کے لیے جانا ثابت ہے، گویا آپ کا یہ عمل عین اسوۂ نبوی کے مطابق تھا۔

وسعتِ ظرفی

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپ بہت زیادہ وسیع الظرف تھے، ''کسی سے انتقام لینے'' کا لفظ نہیں جانتے تھے، ''سلیم الصدر'' تھے، حسد و کینہ آپ کو چھو کر بھی نہیں گذرتا تھا، اپنے کسی شاگرد عزیز یا متعلق کو تربیت کی غرض سے اگر زجر و توبیخ کی نوبت آ گئی تو دوسرے وقت اس کا کوئی اثر آپ کے چہرے بشرے سے یا آپ کے کسی عمل سے قطعاً ظاہر نہیں ہوتا تھا، بندے کو اپنی نااہلی کی وجہ سے کئی بار اس سے سابقہ پڑا ہے، مگر دوسرے موقع پر اسی طرح محبت اور شفقت سے پیش آتے تھے۔

اسی طرح آپ کسی بھی معاملے میں مشورہ فرماتے تو اپنے خوردوں کو بھی رائے دہی کا موقع عنایت فرماتے اور بسا اوقات ان کی رائے کا احترام کرتے ہوئے اس کو تسلیم بھی فرماتے، اس سلسلے کا ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ۲۴، ۲۵ جنوری ۲۰۱۸ء کو مدرسہ قاسم العلوم تیوڑہ مظفرنگر یوپی

میں ادارے کے ذمہ دار مولانا مفتی محمد بنیامین صاحب زید مجدہٗ کی طلب پر ایک تربیتی کیمپ برموضوع ردقادیانیت منعقد ہوا، جس کا انعقاد حضرت قاری صاحبؒ کی رائے کے خلاف مولانا شاہ عالم صاحب زید مجدہٗ کی رائے سے ہوا۔

تکلیف دہی سے اجتناب

حدیث شریف میں کامل مسلمان اس شخص کو کہا گیا ہے جو اپنی زبان وغیرہ یا اپنے کسی عمل سے کسی بھی انسان کی تکلیف کا باعث نہ بنے۔ (صحیح بخاری ۱/۶، حدیث: ۱۰، عن عبداللہ بن عمروؓ)

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کا قول کہیں پڑھا ہے کہ: ''اگر کوئی شخص مجھ سے آکر یہ کہہ دے کہ میں کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتا، تو میں اس کو ولایت کی سند دے دوں گا''۔ حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے اندر کسی دوسرے کو تکلیف نہ دینے کا بلکہ آرام پہنچانے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، جس کا مشاہدہ بارہا ہوا۔

نظم ونسق اور اُصول پسندی

آپ اسوۂ نبوی کے مطابق عہدہ طلبی سے ہمیشہ دور رہے، مگر دارالعلوم دیوبند سے پہلے دیگر اداروں میں یا دارالعلوم میں جو بھی ذمہ داری آپ کے سپرد کی گئی اس کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر قبول کیا اور اس میں حتی الامکان کسی قسم کی کوتاہی روا رکھے بغیر آپ نے اپنی شاندار انتظامی صلاحیتوں اور مؤمنانہ فراست ودانش مندی کے ذریعے اُن اداروں کو خوب فائدہ پہنچایا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ:

''ہم دارالعلوم کے خادم اور ملازم ہیں، اس لیے ادارے کی طرف سے جو کام بھی ہم کو دیا جائے گا وہ ہمیں بہرحال کرنا ہے''، ظن غالب بلکہ یقین ہے کہ آپ دارالعلوم ودیگر اداروں کی خدمت عبادت سمجھ کر انجام دیتے تھے، آپ کو مبدأ فیاض سے حسنِ انتظام اور نظم ونسق کی اعلیٰ صلاحیت عطا ہوئی تھی، کسی بھی معمولی یا غیر معمولی کام میں بے اُصولی، بے ترتیبی اور کام کو وقت سے ٹالنے کے سخت مخالف تھے، آپ تمام امور مفوضہ کو مدرسہ کے دستور، مجلس شوریٰ کی تجاویز اور

مقررہ اصول وضوابط کی روشنی میں پوری دیانت داری نیز مستعدی کے ساتھ بحسن وخوبی انجام دیتے تھے۔ آپ کی انتظامی لیاقت اور اصول پسندی کی صفت کا ہر شخص معترف ہے۔

دخل اندازی سے پرہیز

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی ایک عمدہ اور لائق تقلید عادت یہ بھی تھی کہ آپ اپنے کام سے کام رکھتے، دوسرے سے متعلق ذمہ داری میں دخل نہ دیتے اور جو کام اپنے سے متعلق ہوتا اس کو پوری لگن وتن دہی کے ساتھ نیز کسی ادنیٰ فروگذاشت کے بغیر انجام دیتے اور اپنے متعلقین کو بھی اس بات کی تاکید فرماتے، بندے کی ایک دفعہ خدمت میں حاضری کے موقع پر یہی نصیحت فرمائی اور امروہہ کے زمانۂ تدریس کا اپنا ایک واقعہ سنایا، فرمایا کہ: ''جب میں امروہہ میں مدرس تھا تو بسا اوقات ذمہ داران مدرسہ میرا مشورہ نہیں مانتے تھے، ایک مرتبہ امروہہ سے دیوبند آیا، حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے مسجد قدیم کے بائیں جانب اُن کے کمرے میں حاضری ہوئی، میرے ذہن میں ذمہ داران کی طرف سے یہی کھٹک تھی، میں جا کر بیٹھ گیا، کچھ دیر کے بعد حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا:

> ''ذمہ داران مدرسہ اگر کوئی مشورہ طلب کریں تو دینا چاہیے، ازخود کوئی مشورہ دینا مناسب نہیں، پھر وہ مانیں یا نہ مانیں اپنے کام میں لگنا چاہیے، ہمیں اپنی ذمہ داری ادا کرنی چاہیے، دوسرے کے کام میں دخل دینا اچھا نہیں، اوکما قال''۔ اس کے بعد حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: ''اس کو کیا کہا جائے گا، کرامت ہی کہہ سکتے ہیں''۔

دارالعلوم دیوبند کے بعض اساتذۂ کرام نے بندے سے بیان کیا کہ: لاک ڈاؤن کے دوران تمام ہی اساتذہ حصن حصین کے ختم کے لیے ہر روز دفتر اہتمام حاضر ہوتے، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ بھی تشریف لاتے اور نہایت وقار وسنجیدگی کے ساتھ بیٹھے رہتے، کوئی مشورہ آپ سے طلب کیا جاتا تو بولتے ورنہ خاموش رہتے۔

صاحب زادۂ گرامی قدر حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب دامت فیوضہم کی

جب مدرسہ شاہی مرادآباد میں خدمت تدریس کے لیے تقرری ہوئی تو حضرت استاد محترمؒ نے چند نصیحتیں فرمائیں، جن میں سے ایک اہم نصیحت یہ بھی تھی کہ:

''کسی بھی انتظامی معاملے میں ازخود دخل مت دینا، البتہ اگر منتظم خود مشورہ لے تو جو دیانۃً صحیح سمجھو وہ بتادینا، مگر اپنے مشورے پر کبھی اصرار مت کرنا''۔

زہد واستغناء

حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ مبارکہ میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے کوئی ایسا عمل بتلا دیجیے جو مجھے اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اور لوگوں کی نظروں میں بھی محبوب بنا دے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**اِزْهَدْ فِي الدُّنْيَا يُحِبَّکَ اللّٰهُ وَازْهَدْ فِيْمَا اَيدِي النَّاسِ يُحِبَّکَ النَّاسُ**'' یعنی دنیا سے بے رغبتی اختیار کرلو تو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور لوگوں کے مال و دولت سے نظریں پھیرلو تو لوگوں کے نزدیک بھی محبت اور قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاؤ گے۔ (ابن ماجہ/ کتاب الزہد ص:۳۰۲، حدیث:۴۱۰۲)

واقعہ یہ ہے کہ زہد واستغناء سے متصف ہوئے بغیر لوگوں کے قلوب متوجہ ہو ہی نہیں پاتے، جہاں ذرا سا لالچ کا شبہ ہوا دینی منصب کی عزت داغدار ہوجاتی ہے اور جب استغناء ہوتا ہے تو یہی دنیا جس کے لیے دردر کی ٹھوکریں کھائی جاتی ہیں، زاہد کے قدموں میں آکر گرتی ہے۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ زہد واستغناء کی اس اہم صفت سے بھی بدرجۂ اتم متصف تھے، دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تدریس ایک طویل زمانے (چالیس سال سے زیادہ) کو محیط ہے، اس مدت مدید میں دیوبند میں نہ آپ کا اپنا کوئی ذاتی مکان ہے نہ زمین اور پلاٹ، جب کہ اکثر اساتذۂ کرام کے ذاتی مکانات ہیں، یہ ''**كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّکَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ**'' دنیا میں مسافر کی طرح رہو بلکہ راہ گذر کی طرح۔ (صحیح بخاری، کتاب الرقاق/ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم کن فی الدنیا الخ حدیث:۶۴۱۶، عن عبداللہ بن عمرؓ) کا بہترین عملی نمونہ ہے۔

خطابت میں اعتدال

حضرت استاذ محترم رحمہ اللہ مدارس ومکاتب کے سالانہ جلسوں میں نیز مساجد وغیرہ کے دیگر اصلاحی پروگراموں میں تشریف لے جاتے، آپ انتہائی باوقار، سنجیدہ اور نرم گفتگو فرماتے، قرآن کریم کی کوئی آیت یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فرمان مبارک پڑھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر واسلاف کے اقوال وافعال اور واقعات کی روشنی میں اس کی دل نشین تشریح فرماتے، علماء کرام کے مجمع میں حسب موقع ''ترجمہ شیخ الہند'' اور ''تفسیر بیان القرآن'' کے حوالے بھی پیش فرماتے، عربی متن کے ساتھ احادیثِ شریفہ کے ذریعہ اپنی بات مدلل فرماتے، اِدھر اُدھر کی واہی تباہی اور بے صفحے کی باتوں سے آپ کو سخت نفرت تھی، بیان کے دوران پیشہ ور خطیبوں کی سی گھن گرج، بے جا جوش وخروش اور بے تکے انداز میں دائیں بائیں ہاتھ پھینکنے سے آپ اجتناب فرماتے تھے۔

حضرت مولانا مفتی محمد ارشد صاحب بجھیڑی ضلع مظفر نگر یوپی (جن کا اپنے گاؤں ہی میں تعلیم وتربیت کے حوالے سے لائق اطمینان اور عمدہ مدرسہ ہے) نے ایک مرتبہ تقریباً سال بھر قبل بندے سے فرمایا کہ:

> ''میں اپنے مدرسے کے سالانہ اصلاحی پروگرام میں حضرت قاری صاحب کو ضرور بلاتا ہوں، کیوں کہ آپ کا بیان صرف قرآن کریم اور احادیث شریفہ کی معتبر ومستند تشریح پر مشتمل ہوتا ہے، فضول چیزوں سے آپ کا بیان پاک ہوتا ہے، نہایت محتاط گفتگو فرماتے ہیں''۔

حفاظ قرآن کریم کی دستار بندی کے اجلاس کے موقع پر آپ اکثر وبیشتر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث مبارکہ تلاوت فرماتے: ''إِنَّ اللّٰـهَ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ قَرَأَ طه ويس قَبْلَ أَنْ يَخْلُقَ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ بِأَلْفِ عَامٍ فَلَمَّا سَمِعَتِ الْمَلَائِكَةُ القرآن قَالَتْ: طُوْبىٰ لِأُمَّةٍ يَنْزِلُ هٰذا عَلَيْهَا وطُوْبىٰ لِأَجْوَافٍ تَحْمِلُ هٰذا وَطُوْبىٰ لِأَلْسِنَةٍ تَتَكَلَّمُ بِهٰذا''. (سنن الدارمي، كتاب فضائل القرآن / باب في فضل سورة طه ويس، حديث: ٣٤٥٧)

اس کے بعد اس کا ترجمہ ومطلب ارشاد فرماتے، پھر اسی حدیث شریف سے استنباط

کرتے ہوئے فرماتے کہ: یہ حفاظ تو قابل مبارکباد ہیں ہی، جو بچے حفظ کر رہے ہیں اور ابھی تک چند پارے حفظ کیے ہیں وہ بھی لائق مبارک باد ہیں، نیز مدارس کے ذمہ داران کو آپ اس طرف بھی توجہ دلاتے کہ مدارس میں جس طرح حفظ قرآن کریم کا باقاعدہ شعبہ ہے اسی طرح احادیث شریفہ کے حفظ کا بھی اہتمام ہونا چاہیے۔

نام ونمود سے پرہیز

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی ایک عجیب وغریب خصوصیت اور نمایاں وصف یہ ہے کہ ان تمام اوصاف وکمالات کے باوجود شہرت یا تعریف کے طالب نہ ہوئے، آپ کو اپنی اہمیت جتانے یا عظمت منوانے کا کوئی شوق نہ تھا، نام ونمود، پروپیگنڈہ اور سستی شہرت سے آپ کوسوں دور تھے، کسر نفسی اور تواضع زندگی میں نمایاں تھی، کسی ستائش کی تمنا کے بغیر آپ اپنی زندگی کے سفر کو جاری رکھتے؛ لیکن ہمیں یقین ہے کہ جس خالقِ کائنات کی رضا کے لیے آپ نے ان عظیم اوصاف سے اپنی زندگی کو منور کیا اور دینی خدمات انجام دیں وہ ضرور آپ سے راضی ہوگا اور آپ کے کمالات وخدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مختصر یہ ہے کہ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی زندگی کی بہت ساری ادائیں اور اوصاف ہم جیسے گنہگاروں کے لیے مشعلِ راہ اور لائق تقلید ہیں، ایسے باکمال لوگ مرتے نہیں ہیں، بلکہ اپنے کارناموں، باقیات صالحات اور فیض رسانی کے حوالے سے ہمیشہ زندہ وجاوید رہتے ہیں۔

نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائے، درجات کو بلند فرمائے، خدمات کو قبولیت سے نوازے، ہم جیسے نااہلوں کو آپ کی صفات اختیار کرنے اور آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین یارب العالمین۔

مثالی زندگی کے چند نقوش

اَمیر الہند حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ

مولانا عبید اللہ شمیم قاسمی جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ

موجودہ عالمی وبا نے بہت سی نامور شخصیات کو موت کی آغوش میں لے لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے کورونا وائرس کی ہولناکیوں نے اُمت مسلمہ کے بہت سے قیمتی افراد کو نگل لیا۔ یوں تو موت کا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہے اور ہر ایک کو ایک مقررہ زندگی گزار کر اس دنیائے فانی سے دار بقا کو جانا ہے، مگر امت کی کچھ ایسی نادر شخصیات جن کے کارنامے اور ان کی ہدایات پر عمل کرتے ہوے بہت سے افراد فائدہ اٹھاتے ہیں، ایسے افراد کی موت پر صدمہ کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ انہیں شخصیات میں حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری کا بھی شمار تھا، جو رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کے اخیر عشرے میں بیمار ہوے اور ہفتے عشرے کی علالت کے بعد اور تمام ممکنہ ظاہری تدبیروں کے اپنانے اور برتنے کے بعد بالآخر آپ کی روح کو قرار آ گیا، جب آپ نے اس دار فانی سے منہ موڑتے ہوے سید الایام میں عین نماز جمعہ کے وقت ۸/شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱/مئی ۲۰۲۱ء کو اپنے رب کے بلاوے پر لبیک کہہ دیا اور ہم جیسے ہزاروں لاکھوں اپنے چاہنے والوں کو حسرت و یاس کے عالم میں چھوڑ گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب اپنے علم و فضل، زہد و تقویٰ، عبادت و ریاضت، نجابت و شرافت اور خدمتِ قوم و ملت کے حوالے سے یکتائے روزگار شخصیت تھے۔ ان کے جانے

سے دارالعلوم اور ملتِ اسلامیہ ہندیہ کا جو نقصان ہوا ہے، دیر تک اس کی بھرپائی مشکل ہوگی۔

اَمیر الہند حضرت قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کی زندگی مثالی زندگی تھی، آپ نے اپنی عمر کا پورا حصہ طالبینِ علوم نبویہ کی خدمت میں گزارا، اس دوران آپ نے ملک کی مؤقر تنظیم جمعیت علماء ہند کے پلیٹ فارم سے ایسی لازوال خدمات انجام دیں، جو تاریخ کے صفحات میں سنہرے حروف سے لکھی جائیں گی۔

حضرت قاری صاحب کو اللہ رب العزت نے گونا گوں خصوصیات سے نوازا تھا؛ لیکن آپ کی امتیازی خصوصیت حسنِ انتظام تھا، یہ صفت آپ کی زندگی کا ایک نمایاں وصف تھا، جو زندگی کے مختلف مراحل میں اور مختلف جہات میں آپ کی خدمات اور آپ کی قربانیوں کو دیکھ کر نمایاں طور پر نظر آتا ہے اور اس کا اندازہ ہر شخص لگا سکتا ہے، جس نے چند ساعتیں بھی آپ کے ساتھ گزاری ہوں۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ انتہائی خوش مزاج، خوش پوشاک، بے مثالی مربی و مدبر، علم و عمل کے پیکر مجسم، تواضع و انکساری کی دولت سے لبریز، دور اندیش، اعلیٰ منتظم، بہترین مدرس، شاندار محدث اور مشفق عالمِ دین تھے، اصول کے پابند تھے، خودداری و بے نیازی میں ضرب المثل تھے، تقویٰ وطہارت اور خلوص وللّٰہیت اعلیٰ درجہ کا تھا۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے پوری زندگی درس وتدریس میں گزاری، تدریس کا آغاز مدرسہ قاسمیہ گیا (بہار) سے کیا پانچ سال یہاں خدمت انجام دیتے رہے، پھر مدرسہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ سے وابستہ ہوئے اور گیارہ سال تک مختلف جہات سے خدمات انجام دیتے رہے، بعدہ ۱۹۸۲ء میں اُم المدارس دارالعلوم دیوبند تشریف لائے اور تدریس کے علاوہ مختلف اُمور ذمہ داری نبھاتے رہے، چالیس سال کی طویل مدت آپ نے دارالعلوم دیوبند میں گزاری اور علمِ دین کی نمایاں خدمات انجام دیں، انتظامی امور میں آپ اپنی مثال آپ تھے، ایسے نازک وقت میں دارالعلوم دیوبند کو آپ کی اشد ضرورت تھی؛ لیکن یہ سلسلہ تمام ہوا، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ اہتمام میں آپ نے

۱۹۹۷ء تا ۲۰۰۸ء نائب مہتمم کی حیثیت سے خوب کام کئے، اِس وقت آپ دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم تھے، آپ انتظامی امور میں سچے خادم ومعاون ثابت ہوے، تربیت کا انداز نرالا تھا۔

حضرت قاری صاحب ملک کے طول وعرض میں بے شمار مدارس کے دینی اصلاحی جلسوں میں شرکت فرماتے، جن کے یہاں حضرت کا پروگرام طے ہوجاتا وہ اپنے لئے اس کو خوش نصیبی سمجھتا۔ حضرت قاری صاحب کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے غضب کی تاثیر رکھی تھی۔

تاثیر بیان کے لئے معلوم نہیں کیا کیا شرطیں واوصاف بیان کیے جاتے ہیں مگر ہم نے حضرت قاری صاحب کو دیکھا اور بارہا سننے کا اتفاق بھی ہوا کہ وہ سیدھی سادی باتیں ارشاد فرماتے، ان کی باتوں میں نہ منطق وفلسفہ بگھارا گیا ہوتا اور نہ ہی عرفِ عام کا گھن گرج والا زورِ بیان، وہ نرم دم گفتگو میں الفاظ کا نستعلیق تلفظ جگا کر سامعین کو روحانیت کے ایک جہاں سے آشنا کرادیتے اور بہت سے سننے والوں کی کایا پلٹ ہوجاتی، ان کے مواعظ کا بنیادی محور ترکِ منکرات ہوا کرتا۔ بلاشبہ حضرت قاری صاحب کے مواعظ سننے والوں کی تعداد ہزاروں ایسے لوگوں کی ہے، جنہوں نے گناہ ترک کردیے، رسومات کی زنجیریں توڑ دیں، شریعت کے سانچے میں اپنے شب وروز ڈھالے اور یوں ان کی زندگیوں کی بنجر زمین میں عملِ صالح کی فصلیں لہلہانے لگیں۔

علم وعمل، اخلاص وللّٰہیت، توکل اور استغنا کی طرح افراد سازی کا وصف بھی اکابر علماء دیوبند میں قدرے مشترک پایا جاتا ہے؛ لیکن حضرت نے افراد سازی کی طرف خاص توجہ دی، یہ دیکھے بغیر کہ کون کس کا کہاں کا ہے، ایسے بزرگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں۔ اولاد واحفاد اور خویش واقارب کی اصلاح وتربیت کا جذبہ یہ تو فطری ہوتا ہے اور کم وبیش ہر کسی میں ہوتا ہے اور وہ اپنی جگہ ضروری ہے؛ لیکن اس مخصوص دائرے سے نکل کر افراد کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے ان کے لئے پلیٹ فارم مہیا کرنے اور انہیں کام میں لگانے کی طرف بعض اکابر نے خصوصی توجہ دی، ان میں حضرت قاری صاحب کا نام نمایاں طور پر لیا جاسکتا ہے، جنہوں نے اپنی تربیت ورہنمائی میں ایک جماعت تیار کی۔

آپ دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تحفظ ختم نبوت کے ناظم تھے، اس سے متعلق افراد کی سرگرمیوں پر باریکی سے نظر رکھتے ان کی رہنمائی فرماتے اور جہاں ضرورت ہوتی ان کو وہاں بھیجتے۔ علمائے دیوبند کی جو خصوصیات ہیں حضرت قاری صاحب ان تمام خصوصیات کے جامع تھے، خاص طور پر علماء دیوبند کا نمایاں ترین وصف صحیح مسلک اور افراط وتفریط سے ہٹ کر ان کے معتدل مسلک ومزاج کی ترجمانی تھا۔

حضرت مولانا سید عبدالشکور صاحب ترمذی ایک جگہ رقم طراز ہیں: احقر کے نزدیک علماء دیوبند کا مسلک اہل السنۃ والجماعۃ کے موافق ہے اور دیوبندیت اہل السنۃ والجماعۃ ہی کا تعارفی نام ہے؛ البتہ جن حضرات کا مسلک علما دیوبند کے موافق نہ ہو، ان کی نسبت دیوبندیت کی طرف صحیح نہیں، اگرچہ انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں پڑھا ہو، ان حضرات کے خوشہ چین ہوں، کیونکہ دیوبندیت کا مدار اس مسلک کو قبول کرنے پر ہے نہ کہ خوشہ چینی اور تلمذ پر۔

یہ وجہ تھی حضرت قاری صاحب نے علمائے دیوبند کے مسلک کی صحیح ترجمانی کرتے ہوئے عقیدہ ختم نبوت کو اپنی زندگی کا سب سے بڑا مشن قرار دیا، پڑوسی ملک پاکستان میں جب قادیانی اقلیت میں قرار دیے گئے اور ان کو کافر قرار دیا گیا تو ایسے وقت میں یہ اندیشہ تھا کہ وہ وہاں سے راہِ فرار اختیار کرتے ہوئے اپنی سرگرمیوں کو دوسری جگہوں پر جاری رکھنے کی کوشش کیریں گے۔ مرد درویش حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نوراللہ مرقدہ کی نگاہ دوربیں نے اندازہ کرلیا تھا کہ اب قادیانی ہندوستان کا رخ کریں گے اور اپنی سرگرمیوں کو یہیں انجام دیں گے، چنانچہ اس خطرے کو محسوس کرتے ہوئے دارالعلوم دیوبند میں عالمی سطح کا تحفظ ختم نبوت کا اجلاس ۱۹۸۶ء میں منعقد ہوا، جس میں ملک وبیرون ملک کی عالمی شہرت یافتہ شخصیات نے شرکت فرمائی، حضرت قاری صاحب مرحوم کو اس اجلاس کا کنوینر بنایا گیا، اس وقت سے برابر ۲۰۲۱ء تک قاری صاحب نے اس پلیٹ فارم سے نمایاں خدمات انجام دیں۔

دارالعلوم دیوبند میں جب محاضرات علمیہ کا شعبہ قائم ہوا جس کا مقصد یہ تھا کہ طلبہ کو

مختلف گمراہ فرقوں کے بارے میں صحیح واقفیت ہو اور قرآن واحادیث صحیحہ کی روشنی میں ان کا اس طرح رد کیا جائے تو مختلف اساتذہ کو جو اس فن میں ماہر تھے، ان سے کتابچے تیار کرائے گئے اور پابندی سے طلبہ کو وہ محاضرے پیش کیے جاتے رہے، حضرت قاری صاحب سے متعلق رد قادیانیت کا محاضرہ تھا جسے وہ پابندی سے اپنے وقت مقررہ پر پیش فرماتے تھے، اس ناچیز کو بھی بحیثیت طالب علم آپ کے محاضرات میں شریک ہونے کا موقع ملا۔ آپ کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے آپ اس تیار کردہ محاضرے کی عبارت پڑھتے اور دلنشین اور عام فہم انداز میں اس کی تشریح کرتے، پھر قادیانیوں کے عقائد کے بارے میں بتلاتے اور ان کا دلائل کی روشن میں رد کس طرح کیا جائے؟ یہ بتلاتے، ان محاضرات سے ہمارا بہت فائدہ ہوا، اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کے درجات بلند فرمائے۔

حضرت قاری صاحب ہمارے استاذ تھے، جس سال میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا میں تو قاری صاحب ہفتم اولیٰ میں مشکاۃ شریف پڑھاتے تھے، ہفتم ثانیہ میں ہونے کی وجہ سے اس سال آپ سے استفادہ کا موقع نہ ملا، آئندہ سال دورہ میں حضرت قاری صاحب سے مؤطا امام مالک پڑھنے کی سعادت ملی، آپ کا درس جمعہ کو ہوتا تھا، آپ کا اندازِ درس ایسا ہوتا کہ ہر طالب علم خوب اچھی طرح اس کو ذہن نشین کر لیتا، کوئی اہم بات ہوتی تو آپ اسے مکرر فرماتے اور یہ بھی کہتے کہ اسے کاپی پر لکھ لو۔

لیکن جب دورۂ حدیث کے بعد تکمیلات میں بندہ داخل ہوا اور اس وقت مدنی دارالمطالعہ کا ذمہ دار بھی تھا تو ساتھیوں کے ہمراہ قاری صاحب کی خدمت میں بارہا جانے کا موقع ملا، آپ بہت دور بین تھے، آپ کی نگاہ سے چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بچ پانا بہت مشکل تھا، آپ ہر چیز کی تفصیل طلب فرماتے، مثلاً اس سال کتنے ممبر ہوئے، بزمِ شیخ الاسلام میں کتنے حلقے ہیں اور ہر حلقے میں شرکت کرنے والوں کی تعداد کیا ہے، مسابقۂ مضمون نگاری میں کتنے مقالات جمع ہوئے اور کتنے مرحلے کے بعد معاملہ کہاں تک پہنچا، اس طرح مدنی دارالمطالعہ کے جلسوں

کے موقع سے درخواست لکھنے کا حکم دیتے اور مائک وغیرہ کے بارے میں تاکید کرتے۔ سالانہ جلسے میں مہمان خصوصی کون ہوگا، اس کی آمد و رفت کی تفصیل معلوم کرتے اور سال کے آخر میں دارالمطالعہ کا پورا حساب بہت باریکی کے ساتھ دیکھتے، اس کے علاوہ بھی سال کے دوران وقتاً فوقتاً ذمہ داروں کو بلا کر اپنی قیمتی نصیحتوں سے سرفراز فرماتے، ایسا نگراں اور ذمہ دار جس کو تمام جزئیات کا علم ہو ہم نے بہت کم دیکھا۔

حضرت قاری صاحب کی پیدائش ۲۱ر اگست ۱۹۴۴ء کی تھی، وہ ضلع مظفر نگر کے مشہور گاؤں منصور پور کے خاندانی سید تھے۔ حفظ قرآن اپنے والد نواب عیسیٰ صاحب رحمہ اللہ کے پاس مکمل کرنے کے بعد عالمیت کی مکمل تعلیم دارالعلوم دیوبند سے حاصل کی۔ بخاری شریف فخر المحدثین حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سے اور عربی ادب، نابغۂ روزگار ادیب مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمہ اللہ سے پڑھا۔ ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ میں اول پوزیشن کے ساتھ دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔ پھر اگلے سال کچھ علوم پڑھے اور باقاعدہ فن قرأت اس فن کے ماہر شیخ القراء حضرت قاری حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔

دارالعلوم دیوبند کی چھتہ مسجد کے بالائی حصہ میں آپ کا مستقل قیام رہتا تھا، طلبہ کی تعلیم و تربیت میں آپ کا اہم کردار رہا، مدنی دارالمطالعہ کے عرصۂ دراز سے سرپرست تھے، النادی الادبی کے بھی سرپرست تھے، اس دوران طلبہ کو خوب فائدہ ہوا، ہم نے بھی حتی الامکان فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔

حضرت قاری صاحب کے یہاں ایک ایک چیز کی وضاحت اور معاملہ کی صفائی ضروری تھی، پائی پائی کا حساب ایک ایک حرف کی نشاندہی ہوتی تھی، آج مدنی دارالمطالعہ کی عمارت بھی اپنے آپ کو یتیم محسوس کر رہی ہوگی کہ ہمارے سرپرست ہمیشہ کے لئے ہمیں چھوڑ گئے، وہ لوگ جو مدنی دارالمطالعہ سے جڑے ہوئے تھے وہ حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کی حسنِ تربیت اور معمولی معمولی چیزوں پر روک ٹوک کی وجہ سے بہت آگے نکل گئے، یہ حضرت کی توجہِ خاص

اور رہنمائی ہی کا نتیجہ ہے۔

۲۰۰۶ء کے بعد سے جب بندہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں تدریس سے وابستہ ہوگیا تو جب دیوبند جاتا تو حضرت قاری صاحب سے چھتہ مسجد میں ملاقات کا شرف حاصل ہوتا، لیکن کوئی خاص پہچان نہیں تھی، ایک مرتبہ جمعہ کی نماز چھتہ مسجد فوقانی میں ادا کرنے کے بعد حضرت مولانا عبدالحق صاحب اعظمی نور اللہ مرقدہ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے قاری صاحب سے خاص طور پر ملاقات کرائی اور تعارف کرایا کہ یہ میرے داماد ہیں اور آپ کے شاگرد ہیں، مولانا تقی الدین ندوی صاحب کے مدرسے اعظم گڑھ میں پڑھاتے ہیں، اس کے بعد قاری صاحب پہچان گئے تھے، لیکن آخر تک صرف سلام کلام اور خیریت معلوم کرنے تک ہی معاملہ رہا۔

اللہ تعالی حضرت قاری صاحب کی مغفرت فرمائے، غریق رحمت کرے، درجات بلند فرمائے، خدمات کو قبول فرمائے، پسماندگان، متعلقین ومتوسلین وجملہ تلامذہ کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کو حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

لائق تقلید عالی صفات

مفتی محمد ابراہیم قاسمی مراد پوری استاذ حدیث مدرسہ قاسم العلوم کچہری والی مسجد مراد آباد

خالق علم وایمان نے خاندانی شرافت ونجابت اور ظاہری حسن وجمال کے علاوہ آپ کو بے شمار ایمانی وعلمی صفات اور ظاہری وباطنی خوبیوں سے نوازا تھا، قدرت نے آپ کے اندر ابتداء سے ہی اعلیٰ اخلاق ودیعت کیے، زہد وتقویٰ ایسا دیا کہ اس کی قسم کھائی جا سکے، حبِ جاہ اور حبِ مال سے آپ کوسوں دور تھے، تواضع، کسرِ نفسی، سادگی، عمومیت، جہدِ مسلسل، عملِ پیہم، اونچے حوصلے، اُمت کی بے دینی پر راتوں کو رونا، صبر وتحمل، اللہ کی ذاتِ عالی پر کامل اعتماد وتوکل، مخلوق سے استغناء وبے نیازی، کم کھانا، کم سونا، کم بولنا، اپنے کام سے کام رکھنا یہ سب آپ کی امتیازی صفات تھیں، مظلوم اور تڑپتی وسسکتی ہوئی انسانیت کے لیے آپ کے سینے میں ایک ہمدردی رکھنے والا دل تھا جو انسانیت کے لیے آپ کو بے چین کیے رہتا تھا، آپ بے کسوں اور بے بسوں کا بڑا سہارا تھے۔

یقین کی پختگی اور نماز سے شغف

آپ کا ایمان ویقین پختہ، راسخ فی القلب، کامل اور مکمل تھا، جس کا اندازہ آپ کی نمازوں کو دیکھ کر ہوتا تھا، ہم نے آپ کو بہت لمبی لمبی نمازیں نہایت اطمینان وسکون کے ساتھ پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، نمازوں کی مکمل رکعات پڑھنے کے ساتھ آپ سنن ونوافل میں مسلسل قرآن مجید کا دور فرماتے تھے، ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا اور چوتھا، اسی طرح

سال بھر میں پچاسوں قرآن کریم آپ نماز کے اندر ختم فرماتے تھے۔

شب بیداری

شب بیداری اور تہجد آپ کا خاص معمول تھا، جو مرتے دم تک زندہ وآباد رہا، خصوصاً طاقت وقوت کے دنوں میں اول وقت سو کر دو ڈھائی گھنٹے بعد اٹھ جاتے اور گھنٹوں تہجد اور دعا میں مشغول رہ کر پھر آرام فرماتے اور پھر نماز فجر کے لیے بیدار ہوتے، یہی عین سنت اور نبی اکرم علیہ السلام کا معمول تھا۔ لمبے سفر سے واپسی پر بھی علاوہ معذوری اور بیماری کے سفر کی تکان آپ کے لیے جماعت کی نماز خصوصاً نمازِ فجر میں کبھی مانع نہ ہوتی تھی۔

اندازِ بیان

آپ شیریں کلام اور نرم گفتگو فرماتے تھے، نہایت خوش اسلوبی سے اپنی بات کہتے اور اسے مدلل کرتے چلے جاتے۔ آپ کی گفتگو اونچائی سے اترتے پانی کی طرح دلوں میں اترتی چلی جاتی تھی۔

بیان کے دوران مقرر اور خطیب کی گھن گرج، بے جا جوش وخروش، ہاتھ پھینکنے سے آپ حد درجہ اجتناب فرماتے تھے، بسا اوقات دیکھا جاتا کہ آپ کے دل میں کوئی درد وغم ہے، جو آبشاروں کی طرح قوتِ بیان کے ساتھ ظاہر ہو رہا ہے، جس سے سامعین خصوصاً علمائے کرام ایسے محظوظ ہوتے جیسے ایک مفکر قوم وملت اور جنرل اپنے کارکنان سے خطاب کر رہا ہے اور اُنہیں کسی خاص مہم کے لیے تیار کر رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجاہدوں جیسا جسم عطا فرمایا تھا، الحمد للہ آپ کے تمام اعضاء اخیر دم تک صحیح سلامت توانا وطاقت ور رہے، چنانچہ آپ کو اپنی پیرانہ سالی کے باوجود جمعیۃ علماء کے بڑے بڑے پروگراموں میں دیکھا گیا کہ ۴-۴-۵-۵ گھنٹے مسلسل ایک ہی ہیئت پر بے تکان تشریف فرما ہیں اور سب کی گفتگو بغور سماعت فرما رہے ہیں۔

معاملات کی صفائی

آپ کی پوری زندگی نہایت پاکیزہ صاف ستھری گذری، آپ معاملات کے بڑے صاف تھے، تادمِ واپسی آپ پر کسی کا بھی کوئی جانی مالی کسی طرح کا حق نہیں تھا۔ کسی کی عیب جوئی اور نقد وتبصرہ سے آپ باز رہنے والے تھے۔

آپ بہت سے گھریلو کام بھی اہلِ خانہ کے ساتھ خود ہی انجام دے دیا کرتے تھے، آپ کی داخلی اور خارجی زندگی وقت در وقت اور عمل در عمل کے ساتھ گذر بسر ہوئی۔

اپنے کام سے کام

آپ کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ جو کام آپ سے متعلق نہیں ہوتا، اس میں قطعاً دخل نہ فرماتے اور جو انتظام وانصرام آپ سے متعلق ہوتا، اس میں کوئی ادنیٰ فروگذاشت بھی نہ چھوڑتے، آپ ایک اصولی اور مدبر قسم کے آدمی اور رجال ساز انسان تھے، کسی بھی کام میں آپ کو بے اصولی بے ترتیبی اور کام کو وقت بے وقت کرنا ہرگز پسند نہ تھا۔

عشقِ نبوی

آپ کے عشقِ نبوی اور سید الکونین سے محبت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنے سب سے عزیز، مکرم ومحترم فرزند ارجمند، میرے اُستاذ ومرشد، حضرت اقدس مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری کے مکان میں اپنے مخصوص کمرہ میں تشریف فرما تھے کہ اس اثناء میں مدینہ منورہ سے کسی کا فون آ گیا۔ علیک سلیک کے بعد جب متکلم نے بتایا کہ میں مدینہ منورہ میں روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوں، تو آپ بات کرتے ہوئے بیٹھے سے اٹھ کر کھڑے ہوگئے اور آبدیدہ آنکھوں کے ساتھ عرض کیا میرا ابھی روضۂ اقدس پر سلام عرض کرنا۔

اسی طرح ایک مرتبہ جنوری ۲۰۱۶ء میں احقر جب سفرِ عمرہ سے واپسی پر امروہہ میں مولانا

مفتی محمد عفان صاحب دامت برکاتہم کے مکان پر ''ابی'' سے ملنے گیا تو آپ اس حقیر مثل خاک پائے اکابر کو دیکھ کر فوراً کھڑے ہوگئے اور از خود مصافحہ و معانقہ فرمایا اور عرض کیا کہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ عمرہ پر گئے تھے۔

بے مثال مربی

آپ کی تربیت ایک بے مثال تربیت تھی، آپ نے اپنے متعلقین کی کلی اور جزئی ہر اعتبار سے تربیت فرمائی، خصوصاً اپنے خلفین رشیدین اور قمرین منیرین کو علمی گیرائی، فکری و عملی اعتدال، مسلک اکابر دیوبند پر پختگی، اخلاق و آداب، تواضع اور انکساری، اتباعِ سنت، اللہ و رسول کی محبت اور بے شمار روحانی و نورانی صفات سے خوب بھر دیا تھا، خدا کرے ان کے فیوض و برکات سے ایک عالم روشن و فیض یاب ہو اور دیر تک ہوتا رہے۔ بارک اللہ فیہما وفیما عندہما، آمین۔

سخاوت اور مہمان نوازی

آپ اعلیٰ درجہ کے سخی، فیاض اور مہمان نواز تھے اور یہ آپ کے اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے پورے خانوادے کی سنت قدیمہ و جاریہ ہے کہ اس خانوادے میں جو بھی وارد یا نو وارد کسی کا مہمان ہوتا ہے وہ دل سے اس کی ضیافت اور تواضع فرماتے ہیں، یہی حال حضرت امیر الہند کا تھا، بارہا دیکھا گیا کہ آپ بذاتِ خود اپنے گھر کی بالائی منزل سے مہمان کے لیے کھانا لا کر پیش کر رہے ہیں، کئی مرتبہ اس حقیر کے ساتھ بھی آپ نے اسی طرح تواضع پیش فرمائی۔

آپ کی وقیع تقریظات

مصنفات و مؤلفات پر آپ سے جب تقریظ و تقدیم کی درخواست کی جاتی، تو یوں ہی صفحہ دو صفحہ الٹ پلٹ کر سرسری مطالعہ کے بجائے از اول تا آخر مکمل مطالعہ کرنے کے بعد ہی اس پر اپنا تبصرہ تحریر فرماتے تھے؛ چنانچہ آپ کی تقریظ کتاب مؤلف کے وزن کے بقدر وزن دار ہوتی، مؤلف و مرتب کی بے جا تعریف اور غیر ضروری کلمات لکھنے سے آپ احتراز فرماتے اور جچا تلا

تبصرہ لکھتے، علمی وفقہی اوراعلی مضامین کی کتابوں پرآپ کی تقریظات بڑی وقیع ،معنی دار، جامع اور مختصر ہوتی ، بسا اوقات آپ کی تقریظ میں مافی الکتاب کا مکمل اجمالی تعارف بھی آجاتا تھا، مضمون کی مناسبت سے آیتِ قرآنی ،حدیث شریف، یا اکابر کی کسی کتاب کی عبارت کا اقتباس بھی آپ اپنی تقریظ میں تحریر فرماتے تھے،جس سے آپ کے اعلیٰ علمی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

بلند علمی مقام

خالقِ علم وفضل نے آپ کو بلند علمی مقام عطا فرمایا تھا،تفسیر واصولِ تفسیر ،حدیث واصولِ حدیث ،فقہ واُصولِ فقہ اور سیر وتاریخ میں آپ کا مطالعہ بہت گہرا اور اطلاع بہت وسیع تھی ،آپ بے شمار احادیث کے حافظ تھے، چنانچہ اپنے بیانات ومواعظ میں بھی آپ بہت سی احادیث پڑھتے اوراس کا نہایت سلیس ترجمہ فرماتے تھے۔

الغرض آپ کی شخصیت متضاد مصروفیات کو نہایت خوش اُسلوبی سے جمع کیے ہوئے تھی، ایک وقت میں آپ محدث واعلیٰ درجے کے کامیاب مدرس ہوتے اور دوسرے وقت میں جماعتی میدان میں عازمِ سفر اور پابہ رکاب رہتے ،ایک جانب آپ نہایت یکسو اور خلوت میں رہنا پسند کرتے اور دوسری جانب لاکھوں کے مجمع سے خطاب فرماتے تھے؛ لیکن ان سب ہجوم مشاغل کے باوجود آپ کا گھر آپ کی نگاہوں سے کبھی اوجھل نہ رہا، ورنہ عموماً دیکھا گیا ہے کہ کثیر الاشغال بڑے لوگوں سے ان کا گھر اور اولاد ہاتھ سے نکل جاتی ہیں،اس طرح ایک عالم آپ سے نصف صدی سے زائد تک مستفید ہوتا رہا۔ بالآخر وقت موعود آپہنچا اور ٨؍شوال المکرّم ١٤٤٢ھ کو عین جمعہ کی نماز کے وقت میدانتا اسپتال میں ہزاروں محبین ومتعلقین کو روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے،انا للہ وانا الیہ راجعون، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔

(الجمعیۃ امیر الہند رابع نمبر ص: ٢٣٠-٢٣٢)

اسلامی علوم وثقافت کے امین و پاسبان

مولوی عبدالرحمٰن آندھراپردیش (متعلّم دارالعلوم دیوبند)

زندگی اس قدر غیر یقینی ہے کہ ہنستے مسکراتے چہرے کو موت کب خاک میں ڈھانپ لے کسی کو کچھ پتہ نہیں چلتا، کبھی کسی کی موت کی خبر سنو تو بس دل یہی دعائیں کرتا رہتا ہے کہ کاش کوئی آکر کہہ دے کہ افواہ تھی یا مرنے کی خبر جھوٹی تھی مگر ایسا کچھ بھی نہیں ہوتا، جانے والے چلے جاتے ہیں مگر اپنے پیچھے ان کہی داستانیں اور ناقابلِ فراموش واقعات چھوڑ جاتے ہیں۔

ایسی ہی ہستیوں میں سے ایک نیک نام گرامی قدر امیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری علیہ الرحمہ معاون مہتمم واستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند تھے جن کی اندوہ ناک رحلت کی خبر سے ملک و بیرون ملک کے قائدین و رہنما اسلامی تنظیموں واداروں کے سربراہ مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران اور جلیل القدر علمائے کرام نے اپنے دلی تاثرات اور رنج وغم کے جذبات کا اظہار فرمایا ہے۔ ملک کے کونے کونے سے اور بیرون ملک سے تعزیتی وفود خطوط کی آمد اور فون پر تعزیت کا سلسلہ تادمِ تحریر جاری ہے۔

آج ہمارے مشفق ومربی استاذِ محترم حضرت استاذ الاساتذہ امیر الہند رابع مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس دارِ فانی سے کوچ کر کے دو مہینے مکمل ہونے کو ہیں، دل ودماغ میں یادوں کا ایک سیلاب ہے جو امڈنے کے لئے بے تاب ہے؛ لیکن میرے قلم میں اتنی سکت نہیں کہ ان کو الفاظ میں ڈھال کر سپردِ قرطاس کروں؛ لیکن ہمت کر رہا ہوں کہ کچھ

ماضی وحال کے احساسات اور کچھ بندۂ خدا کے ان گوشوں کو اجاگر کروں جو یقیناً ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

خبر رحلت

راقم الحروف ۸/شوال ۱۴۴۲ھ بروز جمعہ مطابق ۲۱/مئی ۲۰۲۱ء کو تقریباً ساڑھے بارہ بجے جمعہ کی تیاری سے فارغ ہوکر شہر رائے چوٹی کی عظیم الشان ''بختیار خان مسجد'' (چونا مسجد) میں ادائیگی جمعہ کے لئے حاضر ہوا سنن ونوافل کے بعد قبل نماز جمعہ بیان میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بیماری سے متعلق گفتگو کرکے شفایابی کے لئے خصوصی دعاؤں کی درخواست کی گئی۔ اس کے بعد احقر نے اتفاقاً موبائل کو بند کرنے کے لئے جب جیب سے باہر نکالا تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سب سے بڑے پوتے برادرم مفتی ابوبکر صدیق صاحب کے توسط سے انا للہ وانا الیہ راجعون کا میسیج موصول ہوا۔ دیکھتے ہی فوراً دل دہک سا گیا (اس لئے کہ دو تین گھنٹہ قبل اطلاع دی گئی تھی کہ طبیعت انتہائی خراب ہو چکی ہے اور وینٹی نیٹر پر رکھا گیا تھا۔ ڈاکٹروں نے کوئی امید نہیں دلائی ہے) خبر آئی کہ ہمارے پیارے ابا اب ہمارے درمیان نہیں رہے، کئی دن سے کھٹکا لگا ہوا تھا مگر دو دن پہلے کچھ اطمینان ملا جب معلوم ہوا کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ روبصحت ہو رہے ہیں، آج دوپہر کو جب پتہ چلا کہ قاری صاحب علیہ الرحمہ کی طبیعت بہت زیادہ ناساز ہے اس میں بھی اطمینان کی بات یہ تھی کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رپورٹ نیگیٹو آئی ہے، اس لئے دل کو بہلاتے رہے کہ ان شاء اللہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ پچھلے سالوں کی طرح امسال بھی اپنی روشنیاں اور اپنی شرف ملاقات سے نوازیں گے؛ لیکن تقدیر کی کس کو خبر ہوتی ہے اور یہی مؤمن کی شان ہوتی ہے کہ ایسے صبر آزما اور جاں گسل موقعوں پر بھی وہ صبر اور رضا کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔

حضرت سے ملاقات

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے میری واقفیت دورۂ حدیث سے فراغت سے

قبل کی ہے، ویسے تو مسجد چھتہ میں عصر کی نماز کی ادائیگی کا میرا معمول تھا، قاری صاحب علیہ الرحمہ سے والد صاحب کے تعارف سے ملاقات ہو جاتی تھی، ایک دو مرتبہ دورۂ حدیث شریف کے دوران مکان پر حاضری کا موقع بھی ملا۔ اس کے ایک سال بعد اپنے والد محترم حضرت مولانا عزیز اللہ صاحب قاسمی مدرس مدرسہ دارالعلوم امدادیہ رائے چوٹی کڑپہ کے ہمراہ بعد نمازِ ظہر بھی ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ملاقات کے لئے آجایا کرو۔

اسی مناسبت سے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس وقتاً فوقتاً آنے جانے کا معمول بن چکا تھا، آخر وہ خادم ہونے کا شرف حاصل ہو، یہ میرے لئے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے کہ جن کی ایک دیدار کے لئے لاکھوں کا مجمع امڈ پڑتا تھا ان کے ساتھ رہنے کا ایک خوبصورت موقع نصیب ہوا تھا۔

حسن سلوک

حضرت قاری صاحبؒ اپنے خادموں کے ساتھ اور طالب علموں کے ساتھ انتہائی مشفقانہ برتاؤ کرتے تھے، کوئی بھی اجنبی ہو صرف پہلی ملاقات میں ہی حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ میں سب برابر تھے؛ حتیٰ کہ جب کسی سفر یا پروگرام میں جاتے تو خود اپنے ساتھ دسترخوان پر بٹھا کر اس کو کھانا کھلائے بغیر کبھی واپس نہیں کرتے تھے۔ اگر چہ دارالعلوم کا کوئی ادنی سا ملازم بھی کسی ذاتی کام کی بنا پر تشریف لاتا تو اس کی کم سے کم چائے، نمکین، چھوہارں سے ضرور ضیافت فرماتے تھے۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دسترخوان پر بیٹھا مہمان اجنبی پن محسوس نہیں کرتا بلکہ پر تکلف شکم سیر ہو کر جایا کرتے تھے۔

اکرام ضیف

ایک مرتبہ کا تذکرہ ہے کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کہیں پروگرام تھا، اتفاقاً مہمان

آ گئے۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اہل خانہ بھی کہیں گئے ہوے تھے تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے فرمایا کہ دیکھو بھائی مہمان آرہے ہیں میرا سفر ہے، ہوٹل سے روٹی سالن، بریانی وغیرہ کا بالکل اچھی طرح سے انتظام کر دینا، بعدۂ مہمان آئے احقر نے حسب الحکم انتظام کیا جیسے ہی مہمان کھانے کے لئے ہاتھ دھونے اٹھے فوراً حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا راقم الحروف کو فون آیا کہ بھائی کیا کیا انتظام ہوا ہے تو احقر نے انتظام کے سلسلے میں اطلاع دی تو فرمایا کہ بھائی ایک تشتری میں اچار بھی رکھ دو۔ جب کھانے سے فارغ ہو جائیں تو آرام کرنے کی درخواست کرنا اس کے ایک دو گھنٹہ بعد چائے اور مختصر ناشتہ کا انتظام کر دینا، سفر میں رہتے ہوے عمومی مہمانوں کے مہمان نوازی کا یہ سلیقہ خدائے وحدہٗ نے حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ میں ودیعت فرمادی تھی کہ دیکھ کر عقل بھی حیران ہو جاتی تھی۔ اسی پر بس نہیں جب بھی مہمان آتے اور چائے یا ناشتہ وغیرہ نوش فرمارہے ہوتے تو اسی درمیان راقم الحروف کو بھی دسترخوان پر بڑی شفقت سے بلاتے اور اپنی چائے والی پیالی میں چائے بھر کر راقم الحروف کے حوالے کر دیتے پھر احقر کا فخریہ انداز میں تعارف کراتے ہوے کہتے کہ یہ ہمارا بچہ عبدالرحمٰن ہے۔ سبعہ میں پڑھتا ہے الحمدللہ دارالعلوم سے فارغ بھی ہیں، اس کے علاوہ اور بھی موقعوں پر احقر کی ترقی پر خوشی کا اظہار اسی اپنائیت سے کرتے تھے، مہمانوں سے ان کے گھریلوں حالات بھی معلوم کرتے تھے۔ نصیحتیں کرتے تھے، معاملات کو حسن تدبیر سے نبھانے کی تلقین کرتے تھے۔

اَوصاف وکمالات

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بارعب باوقار خوددار اور بالغ النظر عالم ایک دوررس اور دور اندیش مربی ایک وسیع النظر اور ماہر فقیہ اور ایک بے باک اور مخلص داعی تھے۔ ان کا مطالعہ بہت وسیع اوان کی نظر بہت گہری تھی۔ وہ نہایت ذہین وفطین استاذ تھے۔ ان کی علمیت وقابلیت قابل رشک تھی، وہ بہت اچھے مقرر اور خطیب تھے۔ تمام گفتگو میں بھی وہ شگفتہ اور شیرین زبان کا استعمال کرتے تھے۔ قوم کے مخلص رہبر اور خادم علم تھے۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ

علیہ کا جسم باطن کی طرح جسم ظاہری بھی تندرست وتوانا، چہرہ ہنستا، مسکراتا اور مزاج ظریفانہ تھا۔ انھیں خوش عقیدگی وراثت میں ملی تھی۔ بڑوں کا احترام کرنا خاندانی ورثہ تھا جس کا نظارہ خود راقم الحروف کر چکا ہے۔

تواضع وانکساری

ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کے مجلس شوریٰ کا اجلاس ہونے والا تھا تیاریاں چل رہی تھیں، چھتہ مسجد سے متصل (خانقاہ قاسمی) خلوت گاہ قاسمی جو کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زیرانتظام تھا، اس میں بھی شوریٰ کے ایک رکن مرجع العلماء عارف باللہ حضرت اقدس مولانا حکیم کلیم اللہ صاحب علی گڑھی دامت برکاتہم کے قیام کی تیاری چل رہی تھی خود قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نفس نفیس تیاری میں شریک ہوئے۔ اپنے مبارک ہاتھوں سے چادر قالین وغیرہ کو اچھی طرح جھاڑتے پھر اپنے حسن تدبیر سے ایسا بچھاتے جیسے کوئی مدرسہ کا سربراہ آرہا ہے، یہ معمول تو عام لوگوں کے لئے بھی تھا جس کو دیکھ کر راقم الحروف حیران ہوجاتا تھا کہ عام لوگوں کے لئے جو کہ نا تو عمر میں ہم عمر، علمی لیاقت میں اپنے ہمنوا ہوتا تھا۔ خیر تیاریوں کے بعد مولانا کلیم اللہ صاحب علیگڑھی کا بھی آنا تو ان کے یہاں معلوم تھا کہ بعد فجر تھوڑی دیر اصلاحی مجلس بیٹھی تھی تو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس میں شرکت کرتے ہوئے پیچھے ہی عوام کے ساتھ دوزانو بیٹھ جاتے تھے جب تک مجلس نہیں اٹھ جاتی دوزانو بیٹھے ہی رہتے تھے۔ خدا جانے کیسے کیسے طریقوں سے وہ اپنے نفس سے جہاد کرتے تھے۔

فرائض کے ساتھ سنن ونوافل کا اہتمام

ان کی طبیعت میں حلم و بردباری اور زبان شیرنی اور خدمت میں اخلاص و بے لوثی جیسے اوصاف نمایاں تھے۔ ان کے مزاج میں صبر تھا، شکر بھی تھا۔ وہ علم دوست تھے، دن ہو یا رات مطالعہ میں غرق رہتے تھے۔ مدرسہ کے اوقات کی حد درجہ پابندی کرتے تھے۔ نماز باجماعت کا

معمول تھا۔ مرض الموت تک نوافل وسنن کا اہتمام کرتے تھے حتی کہ اگر رات میں ایک یا دو بجے بھی کبھی سفر سے واپس آتے تب بھی نیند کے غلبہ کی وجہ سے نماز فجر یا جماعت کیا تہجد بھی قضاء نہیں ہوتی تھی خود بھی شریعت پر سختی سے عمل کرتے تھے، اپنے گھر والوں کو خادموں کو سنن ونوافل کی تلقین کرتے تھے۔ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب راقم الحروف قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرض الوفات سے ایک مہینے پہلے اپنے وطن رائے جوٹی لوٹ آیا تھا، تب بھی تہجد کے وقت ایک دو مرتبہ تہجد کے لئے فون پر کال کی گھنٹی بجی تھی۔

قرآن کریم سے عشق ومحبت

ویسے تو میرے خلوت گاہ قاسمی میں قیام کے دوران خود حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ صبح تقریباً چار بجے اذان فجر جگادیا کرتے تھے، پھر تہجد سے فارغ ہوکر فوراً خلوت گاہ قاسمی میں تلاوت کلامِ اللہ کا دور شروع کردیتے تھے۔ اتنے پیرانہ سالی میں پہنچنے کے باوجود یومیہ پابندی سے راقم الحروف تقریباً کبھی تین پارے، کبھی چار پارے سناتے تھے، کسی بھی دن ناغہ نہیں کرتے تھے، اگر کسی روز سنانے سے ناغہ ہوجاتا تو اس کو اگلے دن اس کے اگلے دن یاددہانی کرتے ہوے سنادیتے تھے کہ بھائی کل کا آدھا پارہ باقی ہے یا ایک پاؤ باقی ہے، سن لیجیے۔ بغیر کسی اکتاہٹ کے پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ سناتے تھے۔

قوم وملت کے تئیں فکرمندی

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملی، قومی اور معاشراتی کاموں میں رمز شناس تھے، خدائے وحدہ لاشریک لہ نے ایسے دماغ سے نوازا تھا گویا غور وفکر کا خزینہ اور اصلاحی کوششوں کا نمونہ تھا۔ آپ کو خدائے رب ذوالجلال نے جہاں ایک طرف خداداد صلاحیتوں سے نوازا تھا وہیں دوسری طرف لیاقت اور سلیقہ مندی کے ہنر سے بھی سرفراز فرمایا تھا، اپنے گرد وپیش اور خاندان کے بچوں کے لئے فکرمند رہتے بلکہ پوری برادری کے طلبہ کے لئے فکرمند رہتے

تھے۔میدان عمل میں اتر کر کام کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔مفید مشوروں سے نوازتے تھے، زمانے کے بدلتے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے صحیح میدان تعلیم کی طرف رہنمائی فرماتے رہے تھے۔

شریعت کے مطابق فیصلہ

اپنی فطری ذہانت، ہوش مندی و دانش مندی اور فہم وعقل سلیم کی مدد سے باتیں اپنے ذہن و دماغ سے نکالتے اندازِ بیان تو ایسا ہوتا تھا کہ مخاطب کے دل میں فوراً اثر کر جاتا تھا۔ مخاطب کو پورے اطمینان کے ساتھ اپنی پوری بات رکھنے کا موقع دیتے تھے۔اسی دوران مخاطب کے ذہن کو پڑھنے کی کوشش کرتے ان کی عقل وفہم کی سطح کا اندازہ لگاتے بلکہ ان کے متحمل و برداشت تک کو بھانپ کر اپنی بات انوکھے انداز میں شروع کرتے تھے پھر جب اصل موضوع آتا تو پہلے تمہیدی گفتگو فرماتے تھے اس کے بعد اصل موضوع کی طرف آتے اور اپنے حسین استدلال سے بات کو اپنے مخاطب کے ذہن میں بٹھانے کی کوشش کرتے۔موضوع چاہے جتنا بھی حساس کیوں نہ ہو، آپ جذبات میں نہیں بہتے تھے بلکہ پوری متانت اور سنجیدگی، حکمت و دانائی اور صبر و بردباری سے اپنی بات رکھتے تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ احقر کو اپنے دوست کے پاس سامان بھجوانا تھا، احقر نے پرائیویٹ پوسٹ سے رابطہ کیا تو سامان بھیجنے کے بعد جب لے جانے کے لئے ایک آدمی آیا تو اس نے راقم الحروف سے دلالی کرتے ہوئے تقریباً بارہ سو روپیہ لے گیا پھر جب مجھے علم ہوا کہ دھوکہ دہی سے رقم لے اُڑا تو میں نے بقیہ رقم کے مطالبہ کے لئے اس کے پاس پہنچا اور اپنی رقم کا مطالبہ کیا تو اس نے ایک ترکیب سوچی۔بات قاری صاحب علیہ الرحمہ کے پاس میرے علم کے بغیر لے گیا پھر مجھ سے بعد فجر قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے معاملہ سے آگاہی لی اس کے بعد جب فیصلہ کا وقت آیا تو شریعت کے مطابق معاملہ کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ معاملہ ہی صحیح سے نہیں ہوا پھر مطالبہ کیسا پھر جب راقم الحروف کو احساس ہوا کہ جب بھی معاملہ کریں تو شریعت کے

مطابق درست معاملہ کرنا چاہیے۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ میرا خادم ہے، اس کی رقم لوٹا دو بلکہ یہ فرماتے ہوئے کہا کہ معاملہ ہی درست نہیں تھا تم (عبدالرحمٰن) مابقیہ رقم مجھ سے لے لینا۔

نمایاں وصف

آپ نور اللہ مرقدہٗ سب کو ساتھ رکھنے اور سب کو ساتھ لے چلنے کس ہنر بھی جانتے تھے۔ بات سمجھ میں نہ آنے پر فکری یا جزئی اختلاف ضرور کرتے تھے مگر اس کو بنیاد بنا کر کسی کے مخالف نہیں ہوتے تھے، ان کا یہ ایسا وسف تھا جو ان کی پہچان بن گیا تھا۔ اجتماعی، معاشراتی، ملی، سماجی میدانوں میں کام کرنے والے احباب اور ان کے معاصرین سب کے سب کے اندر خدا کا ودیعت کردہ یہ ایک ایسا ملکہ تھا جو اللہ رب العزت کسی کسی کو نصیب فرماتے ہیں۔

مخالفین کے ساتھ رواداری

جس وصف کے ساتھ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہرہ مند تھے اس میں ایک وصف تھا مخالفین کے ساتھ رواداری کا جب عقائد و ناموس رسالیت کے سلسلے میں خانوادے کے ایک معروف شخصیت کی طرف سے اختلاف شدت اختیار کر چکا تھا تو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اسی اختلافی صورت حال کو لے کر بےچین ہوگئے، اسی خطرہ سے نمٹنے کے لئے بذاتِ خود کمر بستہ ہوگئے۔ صبح و شام فکر مند رہنے لگے۔ اس کے بعد حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی سید سلمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم محدث و مفتی مدرسہ شاہی مراد آباد کو ایک رسالہ مرتب کرنے کا حکم فرمایا جو آج کل ''صحابہ کرامؓ اور اہل بیت کے متعلق اہل سنت والجماعۃ کا موقف'' کے نام سے مشہور ہے، شائع کروایا پھر اس کو اردو ہندی میں ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر دفاعِ صحابہ کے لئے ذاتی دورے کرنا شروع کر دیے، اسی طرح اس کا سلسلہ تقریباً تین مہینے تک چلتا رہا جن کا خرچ اپنے جیب سے ادا کرتے رہے۔

دفاع صحابہؓ کے لئے جدوجہد

جب آپ نور اللہ مرقدہٗ معاون مہتمم کے عہدے پر فائز کیے گئے اور دفاعِ صحابہ کے اس تحریک میں جو غلط روی چل پڑی تھی اس میں کچھ کامیابی منظر آنے لگی اور لوگوں پر عقائد کا خاصہ اثر نظر آنے لگا تو فوراً اس کو عمومی سطح پر عام کرنے کے لئے دارالعلوم میں اصلاح معاشرہ کمیٹی اور تحقیق و تالیف کمیٹی کا انعقاد عمل میں لاکر اس فتنہ کی سرکوبی کے لئے اساتذہ کو قریہ قریہ بھیج کر پروگراموں کا انعقاد کرواکر ہمیشہ کے لئے دفن کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

آج دارالعلوم میں اصلاح معاشرہ اور تحقیق و تالیف کے جو شعبہ عمل میں آئے ہیں وہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مرہون منت ہیں۔ خدا نے ان کو جس ایمانی حمی اور دینی غیرت سے نوازا تھا دور حاضر میں کسی کے اندر ملنا انتہائی مشکل ہے۔ خاندانی شخصیت ہونے کے باوجود قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کبھی ایمان کا سودا نہیں کیا۔ دفاعِ صحابہؓ کے لئے موصن الوفات تک ڈٹے رہے جس کا ثمرہ ناظم تنظیم و ترقی حضرت مولانا راشد صاحب دامت برکاتہم اپنے نیک خوابوں کے بیان کر چکے ہیں۔ یہ آپ کا طرۂ امتیاز تھا کہ کبھی انھوں نے اختلاف کو مخالفت کا ذریعہ نہیں بنایا۔ ہم شہادت دے سکتے ہیں کہ قوم کے اداروں کی مجلس انتظامیہ اور ان کی پالیسیوں سے لاکھ اختلاف تو سہی اور ان کی ناکامیوں کی دسیوں شکایتیں ہی سہی؛ لیکن انھوں نے کبھی بھی ان اداروں اور پالیسیوں کے عوام کی رائے کو جذباتی بننے نہیں دیا اس بات کی ہدایت تو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیں بھی وقتاً فوقتاً دیا کرتے تھے اور کبھی اس قسم کی جذباتی باتوں کا موقع آتا تو زبان روک لینے کا مشورہ دیتے تھے۔

خدام اور طلبہ کے ساتھ اچھا برتاؤ

اپنے خادموں اور طالب علموں کے ساتھ ایسے نرم طریقہ سے پیش آتے تھے کہ ہر ملنے والا پہلی ملاقات میں ہی مانوس ہو جایا کرتا تھا۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے

بالکل آخری بقرعید کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں جب بقرعید کے لئے صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا تو رات کے وقت فون کرکے راقم الحروف کو مکان پر آنے کے لئے کہا۔ خیر احقر حاضر ہوا، دروازہ کھٹکھٹانے کے بعد فوراً حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے۔ بیٹھنے کے لئے کہا احقر بیٹھ گیا، دو منٹ بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہاتھ میں ایک تھیلا لے کر تشریف لائے، راقم الحروف کی برابر میں بیٹھ گئے۔ پھر تھیلے کے اندر سے اپنا ایک جوڑا کپڑا ایک رومال اور ایک عدد بٹن نکالتے ہوئے فرمایا عبدالرحمٰن یہ تم بقرعید کے دن پہن کر نماز میں آنا۔ راقم الحروف نے کہا کہ ابا میرے پاس ایک جوڑا پہلے سے تیار ہے، اس کو پہن لیتا ہوں تو حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ عبدالرحمٰن میں تم کو اسی جوڑے میں دیکھنا پسند کرتا ہوں، تم کو بقرعید کی نماز میں یہی زیب تن کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد راقم الحروف شکریہ ادا کرتے ہوئے آرام کے لئے واپس آ گیا پھر حسب معمول ایک یوم گزر گیا پھر بقرعید کا دن آیا بعد فجر تلاوت کلام اللہ کے بعد راقم الحروف سے فرمایا کہ عبدالرحمٰن سات بجے نماز ہوگی تم تیاری کرکے آجاؤ اتفاق سے بیس منٹ ہی باقی رہے، راقم الحروف کو پانی گرم کرکے نہانے میں دیر ہو چکی تھی بس جب سات بجنے کے لئے دس منٹ باقی تھے تو احقر نے نہانے کے بعد جب فون اٹھا کر دیکھا تو حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فون تین مرتبہ آ چکا تھا۔ ڈرائیور عبداللہ بھائی کا فون بھی آ چکا تھا۔ خیر وقت دس منٹ آگے نکل چکا تھا۔ راقم الحروف حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہدیہ کردہ جوڑا زیب تن کرکے خلوت گاہ قاسمی کے لئے نکل پڑا کیونکہ نماز عید لاک ڈاؤن کی وجہ سے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خانوادوں کے ساتھ ادا کرنا تھا جب راقم الحروف خلوت گاہ قاسمی پہنچا تو سات بج کر پندرہ منٹ ہو چکے تھے جیسے ہی اندر سلام کرکے داخل ہوا تو دیکھ کر حیران ہو گیا کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا مفتی سید محمد عفان صاحب دامت برکاتہم کے ہمراہ انتظار فرما رہے تھے۔ جیسے ہی راقم الحروف اندر داخل ہوا اس کے بعد ہی نماز کے لئے صف بندی ہوئی۔ اپنے خادموں کے ساتھ ایسا حسن سلوک کرنا یقیناً ہر کسی کو متاثر کر کے رکھ دیتا ہے۔

عظیم متقی و پرہیز گار

آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ آپ مشتبہ چیزوں سے بالکل پرہیز کرتے تھے، ان کے بلند رتبے اور ذوق تک کسی کی رسائی ہو سکتی ہے۔ یہ حضرات تو بسا اوقات مباح اور جائز امور کو بھی ترک کر دیتے تھے کہ کہیں ہم ممنوع کی طرف نہ چلے جائیں۔ کھانے پینے میں کھلانے پلانے میں انتہائی پرہیز کیا کرتے تھے۔ مشتبہ چیزوں سے بچنا آپ کا شیوہ تھا۔ غالباً شعبان 1442ھ سے ایک ماہ قبل کی بات ہے کہ لاک ڈاؤن میں کسی صاحب جو کہ ممبئی کے رہنے والے تھے، دارالعلوم دیوبند میں تمام اساتذہ وطلبہ کی دعوت رکھتی تھی حسب دعوت تمام اساتذہ وطلبہ دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانہ کا رُخ کررہے تھے چونکہ دعوت کا نظم مہمان خانہ میں تھا۔ راقم الحروف چونکہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر کھانا کھاتا تھا۔ اس لئے دعوت میں جانا مناسب نہ سمجھا۔ اتفاق سے راقم الحروف کو مہمان خانہ سے ایک ملازم کا فون آیا کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان سے برتن لے آؤ کھانا لے جانا ہے۔ راقم الحروف حسب الحکم برتن لے کر مہمان خانہ پہنچا راستہ میں ڈرائیور عبداللہ بھائی سے بھی ملاقات ہوگئی وہ بھی ساتھ ہو لئے، کھانا گھر پہنچا دیا گیا۔

سبق آموز واقعہ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا معمول تھا جب بھی کچھ آتا یا کچھ پکایا جاتا تو اس میں سے ایک حصہ تو حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صاحب زادی کے مکان ضرور بھیجا جاتا تھا، خیر دعوت کا ایک چھوٹا سے حصہ جو کہ ایک چھوٹے سے پتیلے میں تھا، بھجوا دیا پھر تقریباً ایک گھنٹہ بعد دفتر اہتمام کی کارروائی کی تکمیل کے بعد جب حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ گھر تشریف لائے تو عین اسی وقت مہمان خانہ کے ملازم ایک چھوٹے سے برتن میں بریانی لایا، دروازہ کھٹکھٹایا۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور لانے کی وجہ معلوم کی تو ملازم نے کہا کہ

حضرت یہ خصوصی بریانی ہے، صرف چند اساتذہ کے لئے ہے۔ آپ کے لئے بھی تھی، صاحب دعوت نے بھجوایا ہے۔ پہلے والی بریانی عمومی تھی، یہ سننا تھا کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ غصہ سے لال ہوگئے۔ اچانک بھڑک گئے اور فرمایا کہ بھئی میں نے تو دعوت نامہ میں دستخط ہی نہیں کیا میری اجازت کے بغیر کھانا میرے مکان پر کیوں پہنچایا گیا۔ بس پھر کیا تھا اور دل ڈر سے دھڑک رہا تھا کہ کہیں کھانا پہنچانے کی وجہ سے ڈانٹ نہ پڑے۔ پھر بعد میں حکم دیا کہ صاحب زادی کے مکان سے بھیجا ہوا کھانا واپس لایا جائے۔ حکم کی تعمیل کی گئی پھر مکمل کھانا مہمان خانہ روانہ کر دیا گیا۔ بھیجا ہوا کھانا واپس منگوایا ہر کسی کے بس کی بات نہیں؛ لیکن جس کے بدن میں ایمان کی حرارت ہو، اس کے لئے سب آسان ہوجاتا ہے۔ دیکھے یہ لوگ کیسے اپنے آپ کو اور اپنے خاندان والوں کو شبہات سے بچاتے تھے۔

یہ واقعہ حضرت نعمان ابن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حدیث کا بالکلیہ صحیح عکاسی کرتا ہے جو کہ بخاری و مسلم میں مذکور ہے جو کہ مشتبہ چیزوں سے پرہیز نہیں کرے گا وہ کبھی نہ کبھی ضرور حرام میں بھی مبتلا ہوجائے گا۔ حلال پر قناعت کرنے اور حلال کو اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ برکت بھی دیتے ہیں؛ چنانچہ سورۂ مؤمنون کی آیت نمبر ۵۱ رمیں ارشاد ربانی ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ (اے پیغمبروں! تم (اور تمہاری امتیں) نفیس پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور نیک اعمال کرو اور میں تم سب کے کیے ہوئے کو خوب جانتا ہوں)

مفسرین نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں حلال روزی کے ساتھ ساتھ عمل صالحہ کا ذکر فرمایا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا عمل صالح میں بڑا دخل ہے۔ جب غذا ہی مشتبہ اور حرام ہو تو آدمی ارادہ کرنے کے باوجود اس راہ میں مشکلات حائل ہوجاتی ہیں اور آدمی نیک کام کرنے سے محروم ہوجاتا ہے۔ اسی لئے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ حلال رزق کا اہتمام کرتے تھے۔

معاملات کی صفائی

لین دین معاملات بالکل صاف ہوتے تھے۔ ایک ایک روپیہ کا حساب رکھتے تھے تاکہ کسی کا حق نہ رہ جائے۔ اسی طرح جب کوئی مہمان آجاتا ان کے لئے عمدہ سے عمدہ کھانے کا انتظام فرماتے تھے اور راقم الحروف کو دیوبند کی مشہور ہوٹلوں میں یہ تاکید فرما کر بھیجتے کہ عبدالرحمٰن دکان والے سے کہنا کہ نرم والے گوشت کی بریانی دیں اگر پوچھے کہ کس کے لئے ہے، تو میرا نام مت بتانا۔ بس کہنا کہ دارالعلوم کے ایک استاد کی ہے ورنہ دکان والا رقم نہیں لے گا۔ بغیر رقم کے بریانی دے دے گا، اگر کسی طریقہ سے جان جائے کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لئے ہے تو رقم ضرور ادا کرنا، اس کے بعد ہی وہاں سے روانہ ہونا قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کمال کی صفت تھی، کسی کا مال بھی اپنے ضرورت کے وقت بے جا لینا گوارہ نہیں کرتے تھے۔ مشتبہ چیزوں سے بالکل پرہیز کرتے تھے۔ درج بالا واقعہ پرہیز گاری کی عکاسی کرتا ہے، ساتھ ساتھ فضول خرچی بے جا رسومات کے سخت مخالف تھے۔

تصویر کشی سے نفرت

بے جا فضول خرچی پر تصویر کشی پر سخت سے سخت تنبیہ فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ مرض الوفات سے بس ایک ماہ قبل کی بات ہے۔ ضلع میرٹھ کی طرف کسی علاقہ میں پروگرام ہونا طے پایا۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ حسب معمول صبح گیارہ بجے پروگرام میں شرکت کی غرض سے نکلے۔ الحمد للہ صحیح سلامت پروگرام میں شرکت کے لئے اسٹیج پر تشریف فرما تھے ان کا معمول تھا جہاں کہیں بھی جاتے یا چلتے پھرتے نگاہ ہمیشہ نیچی رکھتے۔ بس بقدر ضرورت دیکھتے تھے جیسے ہی اسٹیج پر بیٹھے بس تقریباً دس منٹ گزرے ہوں گے، کسی نے اطلاع کر دی کہ انتظامیہ کی طرف سے فوٹو گرافی ہو رہی ہے۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ فوراً اسٹیج سے اٹھے، تنبیہ کے بعد فوراً دیوبند کے لئے روانہ ہو گئے۔ پروگرام کو الوداع کہہ دیا رات گیارہ بجے دیوبند

پہنچے۔ آمد و رفت کا کل مصارف خرچ اپنے جیب سے ادا کئے؛ لیکن تصویر کشی کو قبول کرنا کبھی گوارہ نہیں کیا۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جہاں کہیں بھی پروگرام ہوتا تھا۔ بالکل سادگی سے ہوتا تھا، کسی کی مجال نہیں ہوتی کہ وہ پروگرام کو سنوار سنگھار کر پر رونق بنائے۔

خیر خلاصہ یہ کہ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مجموعہ خوبیوں کے مالک تھے، ایک کامیاب باصلاحیت استاد کے ساتھ ساتھ اسلاف کی جیتی جاگتی مثال تھے۔ جن کے وجود سے قوم فائدہ اٹھارہی تھی جن کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قوم و ملت کے لئے وقف تھا۔ ہندوستان میں مسلمانوں پر گزرنے والے بد سے بدتر حالات پر گہری نظر رکھنے والے تھے اور واقعات سے استخراج کی بھرپور صلاحیت رکھنے والے تھے۔

آخری ملاقات

سب سے آخری ملاقات اس وقت ہوئی جبکہ ارقم الحروف شعبان میں وطن کے لئے رخت سفر باندھنے کا ارادہ کیا اور دو ہفتہ قبل ہی قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مطلع کر دیا۔ خیر جوں جوں وقت گزرتا جاتا رخصت کے ایام گن گن کر بتاتے تھے کہ عبدالرحمٰن اب صرف تمہارے اتنے دن باقی رہ گئے ہیں۔ اتفاقاً میرے ایام رخصت کے لئے ایک دن رہ گیا تھا۔ راقم الحروف کی خواہش تھی کہ ایک مرتبہ نانوتہ تھانہ بھون اور گنگوہ پر بھی اکابر رحمہ اللہ کے مزارات پر حاضری دے دوں اسی غرض سے نہا کر تیار ہوا جب حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرتؒ اچانک پروگرام کے لئے نکل چکے تھے۔ یہ دیکھ کر بندہ کو توقتی طور پر احساس ہوا کہ اب آخری ملاقات نہیں ہو پائے گی۔ اس لئے کہ راقم الحروف کو اس بات کا علم تھا کہ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک طویل سفر جو کہ پانچ یوم پر مشتمل تھا، وہ اگلے دن سے ہی شروع ہونا تھا اور احقر کی ٹرین صبح بجے تھی۔ اس لئے راقم الحروف تھانہ بھون وغیرہ کے لئے روا نہ ہو گیا لاک ڈاؤن کی وجہ سے بسیں بہت کم چلتی تھیں۔ اس لئے رات خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون گزارنی پڑی۔ جیسے ہی صبح فجر پڑھ کر فراغت ہوئی۔ تقریباً سات بج چکے تھے، ہم شاملی جانے

کے لئے تیار ہونے لگے تو اتفاقاً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فون آیا کہ بھائی کہا ہو میں نے کہا کہ تھانہ بھون ہوں، فرمانے لگے کہ میرا بھی اب سفر ہے۔ پروگرام پر نکلنا ہے آجاؤ۔ ملاقات کر لیتے ہیں، احقر فوراً دیوبند کے لئے روانہ ہوا جب پہنچا تو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ دفتر اہتمام جا چکے تھے، واپسی پر ملاقات ہوئی ایک موٹی سی رقم ہدیہ کرتے ہوئے فرمایا اس کو اپنے پاس رکھو۔ اپنی ضرورتوں کے لئے، راقم کی نظر میں بہت بڑی رقم تھی۔ اس لئے واپس کرنا چاہا؛ لیکن قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑی اسرار کے ساتھ خود میرے جیب میں رکھ دیا

قیمتی نصیحتیں

گھر کے لئے نکلتے وقت سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے آپ نوراللہ مرقدہٗ نے وصیت کی کہ بیٹا جہاں کہیں بھی رہو حوصلہ رکھنا، کسی کو دیکھ کر احساس کمتری کا شکار نہ ہو جانا، اپنی دل شکنی نہیں ہونے دینا۔ خدا کے دیے ہوئے پر شکر بجالانا والدین کو سلام عرض کر دینا۔ ان شاء اللہ۔ اگر خدا نے چاہا تو شوال میں ملاقات ہوگی اور اگر ممکن ہو سکے تو 7 رشوال تک حاضر ہو جانا۔ یہ چند الفاظ تھے جو رخصت کرتے وقت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے احقر سے کہے تھے پھر جب راقم الحروف دوران سفر ٹرین میں تھا وقتاً فوقتاً خیر وخیریت سے آگاہی کیا کرتے تھے۔ جب راقم الحروف اپنے وطن مالوف پہنچ چکا تو عین اسی وقت فون پر بات ہوگی۔ بہت خوش ہوے اس کے بعد احقر کا موبائل خراب ہو گیا۔ تقریباً بیاس دن تک بات نہ ہو سکی۔

آخری گفتگو

پھر بیس دن بعد رمضان المبارک میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی رپورٹ پازیٹو آنے سے صرف ایک دن پہلے رات ساڑھے دس بجے کے بعد فون کر کے فرمانے لگے کہ عبدالرحمٰن سنا تھا کہ آپ کا فون خراب ہو چکا تھا۔ بنوا لئے کہ نہیں۔ میں نے کہا کہ جی بنوالیا پھر تقریباً بیس منٹ تک محو گفتگو تھے۔ دیوبند کے حالات سنا رہے تھے۔ اپنی کمزوری کا اظہار فرماتے تھے، دعا کی

درخواست کر رہے تھے۔ میرے اپنے گھر والوں کے حالات معلوم کر رہے تھے، پھر رابطہ رکھنے کی تلقین کرتے ہوئے دعاء دیتے ہوئے، نماز کی پابندی کی وصیت کی۔ اس کے اگلے دن ہی خبر آئی کہ رپورٹ بازیٹیو آ گئی۔ اس کے بعد سے تاوصال کبھی رابطہ قائم نہ ہو سکا۔

وفات حسرت آیات

رمضان کے شروع کے دو عشروں میں عبادات میں مشغول رہے۔ تیسرے عشرے سے بیماری کا آغاز ہوا جو بڑھتے بڑھتے مرض الوفات میں تبدیل ہو چکا وہ 8/شوال 1442ھ کے دن بروز جمعہ دو پہر سوا ایک بجے سورج کے روپوش ہوتے ہوتے خود بھی اس دارِ فانی سے روپوش ہو گئے۔ آسمان میں ایک شام سی چھا گئی ابھی پوری قوم عیدالفطر کی خوشیاں منا کر فارغ ہی ہوئی تھی لوگ باہم ایک دوسرے کو دعاؤں کی سوغات دے رہے تھے۔ خدمت خلق میں دن رات گزارنے والے اس بندے نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی خدمت کو دیکھنے کے ایسا لگتا تھا کہ کاش وہ ہمیں اتنی جلدی داغِ مفارقت نہیں دیں گے؛ لیکن قدرت کی منشا کچھ اور ہی تھی، بہر کیف رمضان المبارک کے اختتام کے ساتھ ساتھ آپ کی رحلت بھی قابل رشک تھی۔ اس لئے ان شاء اللہ ذاتِ خداوندی سے پروانۂ مغفرت کی امید ہے۔ آپ کی وفات پوری قوم کے ساتھ ساتھ ملت اسلامیہ کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ قوم کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

اللّٰهم اغفر له وارحم وعافه واعف عنه وادخه جنة الفردوس واجعل قبره روضة من رياض الجنة، برحمتک يا أرحم الراحمين.

مثالی زندگی کے چند نقوش

مفتی نعیم الدین معصوم پوری امام وخطیب جامع مسجد لاوڑ ضلع میرٹھ

تقویٰ وطہارت

پہلی صفت جو حضرت امیر الہندؒ کے اندر بدرجہ اتم موجود تھی وہ تقوی اور طہارت تھی، خلاف شریعت اعمال اور گناہوں کی گندگی سے پاک وصاف، نہایت پاکیزگی کے ساتھ ایک مثالی صالح مومنانہ زندگی آپ گزارتے تھے، احقر نے بارہا حضرت کو دیکھا کہ آپ اگر راستے میں چل رہے ہیں تو نگاہ نیچی رکھتے، سلام وکلام یا اور کوئی ضرورت ہوتی تو نگاہ اٹھاتے ورنہ تو نگاہ نیچی رکھتے تھے۔

ابھی قریب ہی کی تو بات ہے کہ آپ ۳؍اپریل ۲۰۲۱ء کو مدرسہ بیت القرآن قصبہ لاوڑ جلسہ دستار بندی میں تشریف لائے تھے، قرآن کی عظمت اور تحفظ نبوت پر جامع مسجد میں آپ کا پُر مغز بیان ہوا، اس کے بعد حافظ محمد خلیل صاحب کے مکان پر کھانا کھانے کے بعد آپ دوسری منزل سے نیچے اترنے کے لئے زینہ کے پاس آئے تو کسی نے کہا کہ حضرت نیچے سے کوئی عورت آرہی ہے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ دوسری طرف رُخ کرکے پیٹھ پھیر کر کھڑے ہوگئے اور جب تک لوگوں نے یہ کہہ نہ دیا کہ حضرت آیئے وہ چلی گئی آپ نے ذرا سا بھی چہرا گھما کر نہیں دیکھا۔ اللہ ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلائے۔ اتق المحارم تکن اعبد الناس کے گویا کہ آپ علیہ الرحمہ مصداق تھے۔

اپنے ماتحتوں کا خیال

حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر اندازہ ہوا کہ آپ کس قدر بلند اخلاق و کردار کے مالک تھے اور اپنے ماتحتوں کا خیال اور ان کی اصلاح کی فکر کرنے والے مشفق و مربی استاذ تھے اور یہ بالکل ظاہر بات ہے کہ ایک ذمہ دار شخص کا اپنے ماتحتوں کی غلطیوں پر تنبیہ کرنا، اصلاح کرنا اور شفقت و محبت کے ساتھ شریعت مطہرہ کے مطابق زندگی گزارنے کے سلیقے سکھانا یہی اصل اور حقیقی محبت ہے۔ ورنہ تو نام کی محبت ہے اور نام کی محبت سے کوئی فائدہ نہیں بلکہ ان کے ساتھ زیادتی ہے۔

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا قُوْا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ [سورة التحريم: ٦]

مقام شکر

احقر راقم الحروف اپنے خالق و مالک اللہ رب العزت والجلال کا نہایت ہی شکرگزار اور احسان مند ہے کہ اس نے محسن و مشفق و مربی شیخ المشائخ امیر الہند حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ماتحتی اور خدمت میں رہنے کا شرف عطا کیا اور اپنے شیخ کے والد محترم اور شیخ سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا اور یہ سب میرے مشفق و مربی استاذ و شیخ حضرت مفتی سید محمد عفان صاحب منصور پوری کی خاص توجہ اور مشفقانہ عنایتوں کا نتیجہ ہے کہ ۲۰۰۹ء میں جامع مسجد امروہہ میں سال عربی چہارم میں داخلے کے بعد سے لے کر ۲۰۱۴ء کے کچھ عرصہ تک باضابطہ حضرت مفتی سید محمد عفان صاحب کی خدمت اور ماتحتی میں رہ کر تعلیم حاصل کی، اس دوران رمضان المبارک اور عیدالاضحیٰ کی چھٹیاں دیوبند ہی میں گزرتی تھیں کیوں کہ حضرت مفتی صاحب جامع مسجد دیوبند میں ہی تراویح پڑھاتے ہیں اور احقر کو آپ کے پیچھے کھڑے ہو کر تراویح سننے کا شرف حاصل ہوتا تھا اور امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت کا موقع بھی میسر آجاتا تھا پھر ۲۰۱۴ء کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد ۲۰۱۶ء کے مکمل ہونے سے کچھ پہلے تک خلوت گاہ قاسمی دارالعلوم دیوبند میں رہ کر امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ کی ماتحتی کا شرف عطا ہوا اور باضابطہ ۲ رسال حضرت قاری

صاحبؒ کی خدمت و ماتحتی میں رہ کر حضرت الاستاذ قاری عبدالرؤف صاحب کے پاس قراءۃ عربی حفص اور قراءۃ سبعہ پڑھی۔ اس کے بعد سے الحمدللہ ضلع میرٹھ کے قصبہ لاوڑ کی جامع مسجد میں امامت اور مدرسہ احسن العلوم لاوڑ میں تدریسی خدمت انجام دے رہا ہوں۔

بہرحال! ہم اسی خیال میں تھے کہ امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ سے استفادہ کا سلسلہ جاری رکھا جائے گا اور اصلاح کراتے رہیں گے؛ یہاں تک کہ رمضان المبارک ۱۴۴۲ھ کے آخر میں حضرت کی بیماری کی خبر سنی تو ایک خیال دل و دماغ میں گردش کرنے لگا اور اس خیال سے خوف طاری ہونے لگا کہ یہ گراں قدر اور بیش قیمت سرمایہ ہمارے درمیان سے رخصت نہ ہو جائے کہیں ہم اس کی محبت بھری شفقتوں اور عنایتوں سے محروم نہ ہو جائیں۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا اور امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ نہایت پاکیزگی اور دیانت و امانت کے ساتھ ۷۶ر سال تک ایک مثالی، اصولی، بے داغ زندگی گزار کر ۸ر شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱ر مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ عین جمعہ کے وقت (دوپہر سوا بجے) ہمیں اپنے سایۂ شفقت سے محروم کر کے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ٹھیک اسی دن احقر کے سگے چاچا کا انتقال ہو گیا اور ۱۵ر دن پہلے سگے تایا کے جوان لڑکے کا انتقال ہوا تھا؛ لیکن امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ کے شفقت بھرے سایہ سے محرومی نے سارے غموں کو پھیکا کر دیا اور یہ کوڈ ۱۹ کا آخری پڑاؤ بڑا تکلیف دہ ثابت ہوا۔ ہمیں تو پھر بھی تسلی ہے کہ حضرت کے دونوں صاحب زادگان اور اماں کا ہم پر سایۂ شفقت موجود ہے، اللہ تعالیٰ تادیر ہمارے سروں پر اماں اور دونوں حضرات کے سایہ کو برقرار رکھے؛ لیکن یہ دونوں حضرات ہی اپنی دلی کیفیت کو خوب سمجھتے ہوں گے کہ ان پر کیا گزری ہوگی؛ اِس لئے کہ امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ جہاں ان دونوں حضرات کے لئے والد ماجد تھے، وہیں استاذ اور مصلح شیخ کی حیثیت بھی رکھتے تھے۔

تاریخی واقعہ

مجھے خوب یاد ہے کہ ۲۰۱۰ء میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر عید سے دو دن پہلے امیر الہند

حضرت قاری صاحبؒ امروہہ میں تھے۔ بعد نمازِ مغرب امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ دیوبند کے لئے روانہ ہوئے۔ اس گاڑی میں حضرت مفتی محمد عفان صاحب دامت برکاتہم اور ایک صاحب اور کوئی تھے اور ڈرائیور محمد منور مرحوم تھے اور احقر بھی ساتھ میں تھا تو آپ نوگانواں سے گزرتے ہوئے علاقہ کے مشہور بزرگ حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب دامت برکاتہم کے مکان پر تشریف لے گئے، احقر گاڑی کے پاس تھوڑی دیر ٹھہرا رہا کہ اتنے میں ایک پکارنے والے نے آواز دی کہ نعیم الدین کون ہیں؟ حضرت مفتی صاحب بلا رہے ہیں۔ احقر حضرت کے پاس اندر جا کر بیٹھ گیا وہاں سب لوگ پہلے ہی سے موجود تھے، کچھ دیر کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب دامت برکاتہم نے امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ سے فرمایا کہ میں مفتی عفان صاحب سے کہہ رہا ہوں کہ آپ لوگوں کو بیعت کرنا شروع کردیں؛ کیونکہ بہت سے لوگ امروہہ میں مجھ سے کہتے ہیں کہ ہم مفتی عفان صاحب سے بیعت ہونا چاہتے ہیں اور میں بھی کئی دفعہ مفتی عفان صاحب سے کہہ چکا ہوں؛ لیکن وہ جواب میں یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت والد صاحب کی طرف سے اگر اجازت ہوگی تو پھر سوچوں گا۔ والد صاحب کی اجازت کے بغیر تو ابھی مشکل ہے، تو حضرت اگر آپ کی اجازت ہو تو میں ان لوگوں سے بتلادوں گا تو وہ مفتی عفان صاحب سے بیعت ہوجائیں گے تو امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ نے اپنا چہرہ نیچے کی طرف جھکالیا اور کچھ دیر کے بعد مسکراتے ہوئے چہرہ اٹھایا اور فرمانے لگے ٹھیک ہے کرلیں جو لوگ بیعت ہونا چاہ رہے ہوں، ان کو مشائخ کے سلسلہ سے جوڑ لیں۔ اس کے بعد حضرت مفتی عبدالرحمٰن صاحب فرمانے لگے تو ٹھیک ہے۔ جزاکم اللہ خیرا۔ میں ان لوگوں سے کہہ دوں گا کہ مفتی صاحب سے بیعت ہوجائیں۔ اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مفتی محمد عفان صاحب کو حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ سے بھی اجازت بیعت حاصل تھی۔

اللہ کا کرم

احقر اپنے ایک خاص محسن کے احسان کا تذکرہ بھی ضروری سمجھتا ہے جن کے ذریعہ اللہ نے میری زندگی کا رُخ ہی بدل دیا اور اس اعلیٰ خاندان کے افراد کی ماتحتی میں رہ کر علم دین اور

اصلاح وتربیت حاصل کرنے کا موقع عنایت فرمایا۔

احقر اس محسن کے احسان کا شکر اس لئے بھی ادا کرنا چاہتا ہے کہ جو شخص بندوں کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکرگزار نہیں ہوتا۔ بہرحال اب احقر اس احسان اور واقعہ کی طرف چلتا ہے اور اپنا مختصر سا تعارف کراتے ہوئے اس تحریر کرتا ہے۔

میرا نام محمد نعیم الدین ولد محمد حنیف ضلع مرادآباد کے ایک گاؤں معصوم پور تحصیل ٹھاکردواہ کا رہنے والا ہوں، شیخ زادہ برادری سے میرا تعلق ہے۔ 1989ء میں میری پیدائش ہوئی۔ میری تعلیم کا آغاز گاؤں کے ایک مدرسہ بحرالعلوم سے ہوتا ہے۔ اس مدرسہ کی بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہٗ نے رکھی تھی۔

میں نے حفظ وناظرہ قرآن کریم کانٹھ میں کیا پھر درجہ عربی سوم تک کی تعلیم جامعہ عبداللہ بن مسعودؓ ٹانڈہ بادلی میں مکمل کی، اس کے بعد کسی بزرگ کی ماتحتی میں رہ کر علم دین حاصل کرنے کی ایسی فکر سوار ہوئی کہ رات دن اسی فکر میں رہنے لگا اور کبھی کبھی روتے ہوئے اللہ سے دعا کرتا تھا اور نگاہیں کسی ایسی شخصیت کی متلاشی ہوگئیں کہ جس کی خدمت وماتحتی میں رہ کر اپنی علمی پیاس بجھا سکوں۔ جیسے جیسے شوال المکرّم ۱۴۳۰ھ قریب آتا جا رہا تھا، فکر اور تشنگی بڑھتی جا رہی تھی۔ رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ کا مہینہ بھی آپہنچا، احقر ضلع بجنور کے ایک گاؤں سیدآباد چھاچھڑی کے موڑ کے پاس قرآن کریم سنانے گیا۔

رمضان کی ۲۵ رویں شب آگئی۔ رات کو میں مصلیٰ پر بیٹھ کر خوب رویا اور اللہ سے دعا کی اور جو میرے دل میں آیا اللہ سے کہتا رہا۔ بالآخر دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ حضرت مفتی محمد سلمان صاحب منصورپوری کے پاس جانا چاہیے۔

بس پھر کیا تھا میں فوراً مطمئن ہوگیا میرا رونا بند ہوگیا اور اس خیال کو میں نے اللہ کی جانب سے اشارہ سمجھا؛ اس لئے کہ میرے استاذ حضرت مولانا سراج الدین صاحب دامت برکاتہم نے مجھ سے کہا تھا کہ بیٹے نیک خیال اللہ کی جانب سے ہوتا ہے اس کی قدر کرنی چاہیے یعنی اس پر عمل کرنا چاہیے ورنہ تو نیک خیال ختم ہوجاتے ہیں۔

حضرت مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری کا نام تو سنا تھا اور ایک بار پروگرام میں ٹانڈہ بادلی میں دیکھا بھی تھا؛ لیکن چہرا ذہن میں تھا اور اتنا جانتا بھی نہ تھا کہ کہاں رہتے ہیں، کیا پڑھاتے ہیں، بس اتنا پتہ تھا شاہی میں پڑھاتے ہیں۔ اس محسن سے ملنے کا اشتیاق بڑھ گیا جس سے ملنا اللہ کے یہاں مقدر ہو چکا تھا۔ بالآخر ۲۹ر رمضان ۱۴۳۰ھ کو عصر کے بعد معصوم پور پہنچا پھر وہاں سے مفتی صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے مرادآباد روانہ ہوگیا۔ شاہی مسجد پہنچا جہاں حضرت معتکف تھے بھیڑ بھاڑ کی وجہ سے اس دن تو ملاقات نہ ہوسکی، اگلے دل عید تھی۔ میں وہیں رک گیا، صبح فجر کی نماز سے پہلے حضرت سے ملاقات ہوئی۔

میں نے حضرت سے کہا کہ حضرت میں معصوم پور سے آیا ہوں، میں پڑھنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فوراً کہا کہ عید کے دن کیوں آئے ہو؟ تمہارے والدین نے تمہیں نہیں روکا؟ پھر پوچھا کہ رات کہاں سوئے اور کھانا کہاں کھایا۔ میں نے کہا کھانا تو حضرت آپ ہی کے یہاں کھایا اور مدرسہ کی مدنی مسجد میں آرام کیا پھر آپ نے پوچھا کہ تم کیا پڑھوگے؟ میں نے کہا عربی چہارم پڑھوں گا۔ حضرت نے فرمایا اس سال تو مدرسہ شاہی میں عربی چہام کے داخلے ہی بند ہیں پھر کیا کروگے؟ اس کے بعد حضرت ذکرواذکار میں لگے رہے اور میں بھی خاموش بیٹھا رہا اور یہ سوچ رہا تھا کہ حضرت کوئی حتمی جواب دے دیں گے تو میں گھر چلا جاؤں گا۔

تھوڑی دیر بعد حضرت مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری زید مجدہم گھر سے اپنے ہاتھوں میں خود کپڑے لے کر آئے اور کہنے گے لو یہ کپڑے پہن لو عید کے دن صاف ستھرے دھلے ہوئے یا نئے کپڑے پہننا اور نہانا سنت ہے، تم نہالو اور عید کی نماز کی تیاری کرو اور عیدی بھی دی۔

احقر نے آپ کے ساتھ شاہی مسجد میں عید کی نماز پڑھی اس کے بعد گھر آکر شیرینی کھائی پھر حضرت نے فرمایا اب تم ۱۳ر شوال ۱۴۳۰ھ کو آنا۔

احقر اتنا خوش تھا جس کی انتہاء لفظوں میں بیان نہیں کرسکتا۔ عید میں ڈبل عید ہوگئی اور منزل نظر آنے لگی اور ایک اللہ والے نے احقر کے وہم وگمان سے بھی زیادہ اچھا معاملہ کیا۔

میں ۱۳ر شوال کو مسجد شاہی حضرت کے پاس پہنچا۔ حضرت نے کہا داخلہ فارم لے آؤ،

احقر کو داخلہ فارم سے منع کر دیا گیا کہ چہارم کے داخلہ بند ہیں۔ حضرت نے کہا درخواست لکھو میں نے درخواست لکھ کر حضرت کو دی۔ حضرت نے اس پر لکھا ''باسمہ تعالیٰ، بشرط گنجائش داخلہ کی سفارش ہے۔ احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۳/۱۰/۱۴۳۰ھ''

احقر درخواست لے کر دفتر پہنچا؛ لیکن مجھے فارم نہ مل سکا اس کے بعد حضرت مفتی صاحب فرمانے لگے کہ تم امروہہ چلے جاؤ۔ عفان بھی وہیں جارہے ہیں، ان کے پاس آتے جاتے رہنا اوران سے تعلق رکھنا۔ احقر نے اسی میں بھلائی سمجھی اور بات سمجھ میں آ گئی کہ حضرت مفتی سید محمد سلمان صاحب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے میری مراد اور میری منزل میرے مخدوم و مربی مفتی سید محمد عفان صاحب کی شکل میں پوری کر دی اور احقر حضرت کے پاس کم وبیش ۶/سال رہا اور حضرت سے کتابیں بھی پڑھیں اور بھرپور استفادہ کیا جس کا تفصیلی تذکرہ ان شاء اللہ بعد میں تحریر کروں گا اور اس دوران حضرت مفتی محمد سلمان صاحب کے پاس بھی جانا رہتا تھا اور آپ پوری بات پوچھتے رہتے تھے کہ کتابیں سمجھ میں آرہی ہیں یا نہیں۔

دیوبند میں قیام

اس کے بعد شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ سے ۱۴۳۷ھ تک رمضان المبارک احقر نے امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ کی خدمت میں دار العلوم دیوبند میں گزرا۔

احقر کے قیام وطعام کی ذمہ داری حضرت نے خود ہی لے لی تھی۔ احقر جب آپ سے ملنے آیا تو امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ فرمانے لگے کہ تم خلوت گاہ قاسمی ہی میں رہو۔ احقر نے کہا کہ طعام کا نظم خود کرلوں گا تو امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ کہنے لگے کہ جب قیام یہاں رہے گا تو طعام بھی یہیں رہے گا۔ لہٰذا احقر ۱۴۳۷ھ کے رمضان المبارک تک حضرت کے یہاں رہا۔

معاملات میں صفائی

امیر الہند حضرت قاری صاحبؒ معاملات میں بھی بڑے صاف ستھرے انسان تھے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ احقر نے معمول کے مطابق سامان وغیرہ کا حساب دیا تو آپ علیہ الرحمہ نے پہلے تو دوسرے پرچہ پر لکھ کر حساب لکھنے کا طریقہ بتلایا پورا لکھا ہوا نقل کر کے بتلایا اور ایک ایک نام کی اصلاح فرماتے ہوئے کہنے لگے گلفشہ نہیں ہے، گلفشاں ہے۔ حساب و کتاب کے بعد احقر کا ایک روپیہ حضرت کی طرف آ گیا۔ حضرت کہنے لگے یہیں رہو ابھی آ رہا ہوں، احقر سمجھا کہ شاید کچھ سامان منگوائیں گے؛ لیکن دیکھتا کیا ہوں ایک روپیہ اندر سے لا کر دیتے ہیں اور مسکراتے ہوئے واپس ہو جاتے ہیں۔ مجھے بڑا تعجب ہوا کہ رات دن یہیں رہنا سہنا ہے اور حضرت کے پیسے میرے پاس بھی سامان کے لئے رہتے ہیں اور اس ایک روپیہ کی آج کے دور میں کیا حیثیت۔

آپ کی مہمان نوازی اور عاجزی وانکساری

ایک مرتبہ رمضان المبارک میں دو طالب علم حضرت قاری صاحبؒ سے ملنے آئے۔ آپ نے پوچھا قیام وغیرہ کہاں ہے؟ تو انھوں نے کہا مہمان خانہ جائیں گے۔ آپ فرمانے لگے کہ یہیں قیام کرو اور سحری بھی یہیں کر لینا۔ احقر تہجد کی نماز میں قرآن سننے کے لئے حضرت مفتی محمد عفان صاحب کے ساتھ چلا گیا۔ سحری ختم ہونے سے ۳۵ رمنٹ پہلے ہم واپس ہوئے تو حضرت قاری صاحبؒ دروازے ہی پر موجود تھے۔ آپ ڈانٹ کر کہنے لگے مہمانوں کا تمہیں علم نہیں کہ سحری کھلانا ہے یا نہیں۔ نفل کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ میں انہیں اٹھا کر آ چکا ہوں، دیکھو وہ اٹھے یا نہیں اٹھے، احقر نے جا کر دیکھا تو وہ پھر سو گئے تھے میں نے ان کو اٹھاتے ہوئے کہا کہ تمہیں ایک بار حضرت قاری صاحب اٹھا کر چلے گئے وہ مہمان فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ کوئی اور ویسے ہی اٹھا کر چلا گیا ہے۔ نیند میں پتا ہی نہ چلا۔ اوپر جا کر دیکھا تو حضرت خود ہی دسترخوان لگا کر اندر سے سامان لا رہے ہیں۔

حضرت گھر کے اس طرح کے کام کرنے میں کوئی عار یا شرم محسوس نہیں کرتے تھے۔ بعض مرتبہ اماں اگر امروہہ یا مرادآباد ہوتیں تو مہمانوں کے لئے چائے بھی بنا لیا کرتے تھے۔ احقر کہتا کہ حضرت میں چائے بنا لوں گا۔ آپ فرماتے کہ تم بسکٹ وغیرہ لے آؤ اور پیالیاں وغیرہ

سینی میں رکھ لو اور کبھی اوپر سے خلوت گاہ قاسمی میں ناشتہ کا سامان چائے وغیرہ ساتھ نیچے لے آتے۔ احقر کہتا حضرت میں لے آؤں گا تو فرماتے میں نیچے ہی تو جارہا ہوں، تم باقی سامان لے آؤ۔ ایک دو مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ احقر سویا ہوا ہے اور مہمان آگئے تو آپ نے مہمانوں سے کہہ دیا کہ اٹھانا مت اور اوپر سے سامان خود لاکر ناشتہ کرا دیا۔ پھر بعد میں مہمانوں نے بتلایا کہ حضرت آئے تھے اور ناشتہ کرا کے اوپر چلے گئے۔

مفتی صاحب کے لئے چائے بنانا

ایک دفعہ حضرت کے بڑے صاحب زادے مفتی سید محمد سلمان صاحب صبح ۱۰؍ بجے تک تشریف لانے والے تھے۔ حضرت قاری صاحبؒ فرمانے لگے سلمان آرہے ہیں۔ انہیں چائے پلا دینا۔ میں چائے بنا دیتا ہوں۔ احقر نے کہا حضرت میں بنادوں گا؛ لیکن حضرت نے خود ہی چائے بنائی اور کچن میں ناشتہ کا سامان نکال کر رکھ دیا اور فرمانے لگے ہوسکتا ہے میں سبق پڑھانے چلا جاؤں، تم چائے پلا دینا۔ جب حضرت مفتی صاحب تشریف لائے تو میں نے حضرت مفتی صاحب سے کہا کہ آپ چائے پی لیجئے۔ حضرت مفتی صاحب نے پوچھا کہ چائے کس نے بنائی ہے، احقر نے جواب دیا کہ ابا نے۔ حضرت مفتی صاحب نے کہا اچھا اور پیڑھے پر بیٹھ کر چائے پینے لگے۔

اپنا کام خود کرتے تھے

حضرت قاری صاحبؒ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ آپ اپنے وقت اور قابل استعمال چیز کو جہاں تک ہوسکتا تھا، ضائع نہ ہونے دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت قاری صاحبؒ قینچی لے کر مسجد کی چھت پر تشریف لائے اور احقر سے بھی فرمایا کہ یہاں آؤ۔ دس یا ساڑھے دس بجے کا وقت تھا اور دھوپ بھی تیز تھی، آپ اپنا مستعمل کارپیٹ گھٹنوں اسی دھوپ میں بیٹھ کر کاٹتے رہے، پسینہ ٹپک رہا تھا، احقر کے دل و دماغ میں ایک خیال گردش کر رہا تھا کہ حضرت وقت کے امیر الہند وصدر جمعیۃ علماء ہند اور دارالعلوم دیوبند کے محدث بھی ہیں اور عمر بھی دراز ہے، حضرت کس طرح یہ کر رہے ہیں، کسی ایک خادم کو اشارہ بھی کر دیتے تو بھی یہ کام ہوجاتا؛ لیکن حضرت

نے خود کاٹ کر کتابوں کی الماریوں میں اور کچن کے برابر والے کمرے میں ٹانڈ پر بہت اچھے انداز میں اسے بچھا کر کتابیں بالترتیب خود ہی رکھیں اور کارپیٹ کاٹتے ہوئے احقر سے فرما رہے تھے کیا گرمی لگ رہی ہے، احقر نے کہا نہیں۔

شفقت بھرا مذاق

ایک مرتبہ مہمان آئے تو ناشتہ میں کھجوریں بھی تھیں اور آپ خادموں کو بھی ناشتہ اور کھانے میں شریک کرلیا کرتے تھے اگر جگہ نہ ہوتی تو بعد میں ضرور کھلایا پلایا کرتے تھے۔ آپ کہنے لگے کہ نعیم الدین یہ ایک سوکھی کھجور ہے کھالو اور دیکھو اس پر تمہارا نام تو نہیں لکھا ہے، دیکھو لو حضرت مرزا جان جاناںؒ کی طرح کہ کھجور کو اٹھا کر وہ دیکھ رہے تھے کہ میرا نام کہاں لکھا ہے، تم بھی دیکھ لو تمہارا نام کہاں لکھا ہے اور یہ بات کہتے ہوئے مسکرا رہے تھے اور مہمان بھی ہنس رہے تھے اور آپ کی شفقت ومحبت جب بڑھ جاتی تھی اور آپ کا مزاج اتنا نرم ہوجاتا تھا کہ آپ کے بات کرنے میں مزا آتا تھا اور کوئی بات کرتے ہوتے یا اپنی بات بتلاتے ہوئے کوئی ڈر محسوس نہیں ہوتا تھا۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی

جب احقر کے نکاح کا وقت آیا تو حضرت ہی نے احقر کے نکاح اور ولیمہ کی تاریخ متعین کی اور ولیمہ میں تشریف لائے۔ ۵؍ربیع الاول ۱۴۳۷ھ/ ۱۷؍دسمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعرات کو نکاح اور ۶؍ربیع الاول ۱۴۳۷ھ/ ۱۸؍دسمبر ۲۰۱۵ء بروز جمعہ کو ولیمہ کا دن مقرر کیا۔ حضرت دیوبند سے جمعرات کو ہی مرادآباد تشریف لے گئے۔ اماں اور آپ کی بیٹی رشدی باجی بھی آپ کے ساتھ تھیں، نکاح تو میرے مخدوم ومربی حضرت مفتی محمد عفان صاحب نے پڑھایا تھا؛ لیکن ولیمہ میں سب ہی لوگ شریک تھے، مجھے کبھی اتنی خوشی نہیں ہوئی تھی کہ جتنی خوشی حضرت کے احقر کے گھر پہنچنے پر ہوئی تھی اور حضرت کی تشریف آوری پر تمام گاؤں کے لوگ بھی خوش تھے کہ آج ہمارے گاؤں معصوم پور میں امیر الہند اور صدر جمعیۃ علماء ہند تشریف لائے ہیں۔ آپ نے جمعہ کی نماز سے پہلے بیان کیا اور نماز پڑھ کر احقر کے گھر تشریف لے آئے۔ کھانا کھانے کے بعد علماء کی

مجلس تھی، گاؤں کے علماء نے حضرت سے اپنے گھر چلنے کو کہا تو حضرت فرمانے لگے کہ نعیم الدین بتائیں گے کہ آگے کا کیا نظم ہے۔ احقر نے کہا حضرت آپ جو فیصلہ لیں، میں کیا کہہ سکتا ہوں پھر احقر نے تعارف کرایا اور کہا کہ یہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ہیں اور حضرت مولانا ضیاء الدین ندوی ہیں اور آپ کو فلاں فلاں جگہ لے جانا چاہتے ہیں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے کہا سب جگہ آج ہی لے جاؤ گے پھر بلانے کا ارادہ نہیں ہے کیا؟ ان لوگوں کے یہاں سے ہوکر حضرتؒ پھر احقر کے گھر تشریف لے آئے اور کئی گھنٹہ حضرت نے وہاں گزارے تھے اور بنا جہیز کی شریعت کے مطابق شادی دیکھ کر بہت خوش ہو رہے تھے اور حضرت نے حضرت مفتی سید محمد عفان صاحب کو اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ نعیم الدین کے والد صاحب کو بلاؤ۔ حضرت مفتی صاحب نے والد صاحب کو بلایا تو حضرت امیر الہند علیہ الرحمہ نے والد صاحب کی عزت افزائی فرمائی اور آئندہ کے لئے مشورہ دینے لگے اور کہنے لگے کل کیا نظم رہے گا۔ تاکہ آئندہ بھی کوئی رسم شادی میں نہ ہو۔ اللہ حضرت کو جزائے خیر عطا فرمائے اور حضرت کی شفقتوں اور محبتوں کا بھرپور صلہ عطا فرمائے اور ہم سب کو آپ کے نقش قدم پر چلائے۔

آپ کسی کو حقیر اور کم تر نہیں سمجھتے تھے

آپ ہم خدام کا نام بھی عزت سے لیتے تھے، مولوی نعیم الدین، مولوی فلاں بن فلاں، مولوی وغیرہ لگاتے تھے، ایک دفعہ حضرت مسجد رشید میں معتکف تھے، عشاء کے بعد ہم گھر سے کھانے پینے کا سامان لے کر گئے۔ آپ اس میں سے کسٹر وغیرہ کھانے لگے، ہم لوگوں سے بھی کہا تم بھی کھاؤ۔ ایک ہی چمچ تھا، اسی سے آپ علیہ الرحمہ کھا رہے ہیں اور اس سے ہم لوگ کھا رہے ہیں۔ آپ علیہ الرحمہ نے دوسروں کے جھوٹے چمچوں کو استعمال کرنے میں ذرا بھی کراہت محسوس نہیں کی۔

باتیں اُن کی دل کو تڑپائیں گی

محمد محسن بن حافظ رفاقت علی صاحب ویٹوی متعلم تکمیل تفسیر دارالعلوم دیوبند

آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ کا اسم گرامی صحابی رسول حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہمنام ہے، اِسی کے ساتھ ساتھ حضرت قاری صاحبؒ صحابی رسول کے ہم اَوصاف بھی تھے، آپ کی زندگی کے ہر شعبہ کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے، آپ کی طالب علمانہ زندگی علماء کے لیے قابل اتباع ہے۔ سنت نبوی کے عاشق، درس وتدریس کے شہنشاہ، طلبہ واپنے افراد کے تئیں خیر خواہ، تقریر کا عام فہم انداز کہ ہر کس وناکس بھی قرآن وحدیث کو اچھی طرح سمجھ لے، فقہی بصیرت میں حضرت گنگوہیؒ کا عکس جمیل، مسلک دیوبند کے امین وپاسبان، اُمت مسلمہ کے روح رواں، علماء اور صلحاء کے لیے نمونۂ اسلاف، برملا حق گوئی میں امتیازی شان، تصوف میں حضرت فدائے ملتؒ کے فیض یافتہ، سیادت وقیادت میں اُمت مسلمہ کے لیے مشعل راہ، انتظام وانصرام میں فاروقی جھلکیاں، اولاد وخدام کی تربیت میں بے مثال، تواضع وانکساری کے پیکر حسین، علمی شغف میں ماضی کے علماء کی یاد تازہ کرنے والا، اُصول پسندی میں کامل، مہمان نوازی میں یکتائے زمانہ، جود وسخاوت کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے، ان میں ہر ایک صفت مفصل مضمون کی محتاج ہے۔

اَولین تعارف وشناسائی

جب راقم الحروف کا مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں عربی سوم میں داخلہ ہوا، تو آغازِ تعلیم کے موقع پر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث وصدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند کا مدرسہ ثانویہ میں خطاب ہوا، تو حضرتؒ نے نصیحت کی تھی کہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے اساتذہ سے ربط وتعلق قائم رکھو؛ تاکہ بے راہ روی کا شکار ہونے سے محفوظ رہیں، صراطِ مستقیم پر مضبوطی سے گامزن رہیں۔ تو راقم الحروف کے دل میں داعیہ پیدا ہوا کہ کسی اُستاذ کو اپنا مربی وسرپرست بنائیں کہ ہر موڑ پر رہنمائی کرتے رہیں، علمی استفادے کا موقع ملتا رہے، تزکیۂ نفس بھی ہوتا رہے گا، دل اس مربی کی تلاش وجستجو میں تھا؛ لیکن یہ سلسلہ قدرے طویل ہوگیا۔ پھر راقم سطور کے برادِ محترم ماسٹر محمد مرتضیٰؒ اِس دارِ فانی سے رخصت ہوگئے، یہ حادثۂ فاجعہ اُس وقت پیش آیا جب میں عربی پنجم میں تھا۔ یکم فروری ۲۰۲۲ء کو مکمل ۵؍سال ہوجائیں گے۔ اِس واقعہ کے بعد نہ پڑھنے میں دل لگتا تھا، نہ کسی اور چیز میں؛ یہاں تک کہ سالانہ امتحان کا وقت آگیا، ایک دن عزمِ مصمم کیا کہ آج حضرت قاری صاحب سے ملوں گا؛ چناں چہ چھتہ مسجد میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا، سلام ودعا کے بعد میں نے حضرت سے درخواست کی کہ احقر آپ کی زیرِ سرپرستی میں رہنا چاہتا ہوں، جواب ملا کہ ملتے رہا کرو؛ لیکن بندہ حضرتؒ کے کثرتِ اسفار کی وجہ سے دوبارہ نہ مل سکا، پھر امتحان سے فارغ ہوکر میں اپنے وطن چلا گیا، آئندہ سال تعلیم کی ابتداء سے یہ عزمِ مصمم کیا کہ اَب حضرت سے بلا ناغہ ملتا رہوں گا، زیارت وخدمت سے شرف حاصل کرتا رہا، امتحان ششماہی سے پہلے حضرت نے ''قاسمی خلوت گاہ'' میں رہنے کی اجازت مرحمت فرمائی، پھر تعلیمی اَوقات کے علاوہ تمام اَوقات وہیں گذر بسر ہونے لگے۔

طالبِ علمانہ دور میں دوستی ناپسند تھی

حضرت نے دورانِ درس اپنے بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان

صاحب زید مجدہ مفتی ومحدث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں نے سلمان پر پابندی لگا رکھی تھی کہ کہیں کسی کے ساتھ نہ تو بیٹھنا ہے اور نہ کسی کے ساتھ تکرار میں شامل ہونا ہے؛ کیوں کہ اِس میں جب چند طالب علم ہوتے ہیں تو وقت ضائع ہوتا ہے، اگر ایک مرتبہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا تو دوبارہ اس کو یاد کرانا پڑتا ہے، اس طرح دوگنا وقت لگتا ہے، ہاں اگر کوئی مخصوص طالب علم ہوتا تو اس کو اپنی نگرانی میں تکرار کی اجازت دے دیتے۔

راقم الحروف نے اس بات کو بارہا آزمایا کہ جب کئی ایک ساتھی مل بیٹھ کر پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، تو کبھی وہ مجلس گپ شپ اور منہ شگافیوں کی نظر ہوجاتی ہے جس میں تعلیم وتعلم کے علاوہ ہر چیز پر بحث ومباحثہ ہوتا ہے۔

شفقت ومناسبت

اَساتذہ تو سب ہوتے ہیں؛ لیکن جب طالب علم کو من جانب اللہ مناسبتِ استاذ کا انعام عطاء ہوتا ہے، تو وہ ہر ایک سے نہیں ہوتا؛ بلکہ جس استاذ کی عنایت وشفقت جتنی زیادہ ہوتی ہے، اس سے اتنی ہی عقیدت پھر مناسبت کے بعد محبت بھی ہوجاتی ہے، حضرتؒ سے تعلق کے بعد عقیدت ومحبت میں اضافہ ہی ہوتا رہا؛ یہاں تک کہ جب حضرت سفر میں چلے جاتے تو واپسی تک نورانی، مسکراتے اور کھلکھلاتے چہرے کے دیدار کے لئے بیدار رہتا، چاہے رات کے کسی بھی حصے میں واپسی ہوتی۔ حضرت قاری صاحبؒ اس صفت کے حامل تھے کہ جن کو دیکھ کر اللہ یاد آتا ہے، جو اللہ کے محبوب ومقبول بندے کی علامت شمار کی جاتی ہے۔

راقم السطور کو پہلی مرتبہ استفادے کا موقع اس وقت ملا جب ''مشکوٰۃ شریف'' جزءِ اول کا درس آپ سے متعلق ہوا، گھنٹے کے بعد تقریباً ۱۵-۲۰ رمنٹ قدرے انتظار کرنا پڑتا، جب سارے طلبہ سراپا مشتاق ہوجاتے، تب تشریف لاتے، شیروانی زیب تن ہوتی، نگاہیں نیچی رکھتے، اور مسند پر جلوہ افروز ہوتے۔ ''مشکوٰۃ شریف'' کے سبق سے پہلے ''مقدمہ شیخ عبدالحق'' اور ''نخبۃ الفکر شرح نزہۃ النظر'' بھی آپ سے متعلق تھی، ابتداءً آپ نے مقدمہ سے سبق کا آغاز فرمایا، حدیث اور

اُصولِ حدیث کی اہمیت پر سیر حاصل گفتگو کی، جو انتہائی اہم حقائق ودقائق، لطائف وعطائف نکات پر مشتمل تھی، مشکوٰۃ شریف کے درس کا انداز کچھ انوکھا ہی تھا، قاریٔ عبارت کو مکلّف بناتے کہ پورا باب دیکھ کر آنا، پھر ایک مضمون کی احادیث کو یکجا کر کے پڑھاتے تا کہ تکرارِ وضاحت لازم نہ آئے، معتدل انداز میں مسلک کی وضاحت فرماتے، اور احناف کے مسلک کی وجوہِ ترجیح کو ایسے شاندار طریقے سے بیان فرماتے کہ سامعین کو طوالت کا احساس بھی نہ ہوتا۔ یہ بھی فرماتے کہ حضرت خطیب تبریزیؒ صاحب مشکوٰۃ فصل رابع قائم کر کے اس میں احناف کی مستدلات کو ذکر کر دیتے؛ لیکن اُنہوں نے یہ نہیں کیا، تو اب تم فصل رابع کا اضافہ اپنی کاپیوں میں کرلو۔ آپ کا درس تمام حشو وزوائد سے پاک صاف رہتا، صرف کتاب یا نصیحت سے متعلق ہی آپ گفتگو فرماتے، مسکراتے ہوئے آپ درس دیتے، جس سے طلبہ کو طویل وقت گراں محسوس نہیں ہوتا تھا۔

سخاوت ومہمان نوازی

حضرت قاری صاحبؒ کا تعلق جہاں ایک طرف علماء وطلبہ سے تھا، اور ان کے درمیان بے حد محبوب ومقبول تھے، اس سے کہیں زیادہ عوام الناس سے آپ کا ربط تھا، ہر روز رندوں کی آمد کا تانتا بندھا رہتا تھا، قاری صاحب مہمانوں کی ضیافت کے لیے پرتکلف عمدہ لذیذ کھانے تیار کراتے تھے، ادنیٰ سے ادنیٰ مہمان کی اطلاع کے بعد آپ بہت زیادہ خیال رکھتے تھے۔ غالباً دو تین مرتبہ کا واقعہ ہے کہ موسم سرما میں بعد نماز عصر تنگیٔ وقت کے پیش نظر مہمانوں کی آمد کی اطلاع کی بنا پر آپ نے ناشتہ نماز سے پہلے راقم الحروف کے ذریعہ منگوالیا، نماز سے فراغت کے بعد کمرہ (خلوت گاہ قاسمیہ) میں تشریف لائے، کہنے لگے کہ مہمانوں کو باب قاسم پر دیکھ کر آؤ، بندہ نے جا کر دیکھا تو مہمانوں کو نہیں پایا، طویل انتظار کے بعد جب مہمان نہیں آئے، تو از خود ان کی جانب سے عذر پیش کیا کہ ہوسکتا ہے کہ دوسرے کاموں میں مصروف ہوگئے ہوں، اگر بعد نماز مغرب آئے تو مجھے اطلاع کر دینا۔

ایک مرتبہ راقم الحروف کو بلا کر کہا کہ مہمان آنے والے ہیں، کمرے کی صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا، میں نے سوچا کہ شاید کوئی بڑے مہمان آ رہے ہوں گے، اِس لئے اتنی تاکید سے کہا،

جب مہمان چھتہ مسجد میں آ گئے تو مجھ سے کہا کہ مہمان مسجد میں ہیں؛ بلا کر لے آؤ، میں نے دیکھا کہ ایک دیہاتی اور اس کے ساتھ میں ایک ساتھی، تو میں دیکھ کر تعجب میں پڑ گیا کہ ادنی سے مہمان کے لئے اتنا خیال؟ یہ تھی حضرتؒ کی نمایاں خوبی کہ جس کے متحمل بہت ہی کم لوگ ہوتے ہیں۔

تواضع وانکساری

حضرت قاری صاحب اُصول پسند اور بڑی متواضع شخصیت کے حامل تھے، دارالعلوم دیوبند کے اتنے عظیم منصب، امیر کارواں، سالار قافلہ سیادت و قیادت پر فائز ہونے کے باوجود، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی سے بڑا متواضعانہ سلوک فرماتے۔ راقم الحروف کو تقریباً چار سال خدمت کی سعادت نصیب ہوئی، حضرت کی تواضع وانکساری اور سادگی و بےنفسی کا یہ عالم تھا کہ کئی ایک مقام پر یہ امتیاز کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ راقم خادم ہے یا مخدوم؟ اَماں محترمہ (والدہ محترمہ مفتی عفان وسلمان زید مجدہما) کی عدم موجودگی میں ہمارے ساتھ ناشتہ وغیرہ تیار کرانے میں اِس طرح ہاتھ بٹاتے اور رہنمائی کرتے کہ تم لوگ یہ کام کرو؛ میں انڈا بناتا ہوں؛ تاکہ جلدی کام ہو جائے، اور سبق میں جانے کی تیاری کریں۔ حضرت کا معمول اکثر یہ ہوتا کہ فجر کی نماز کے فوراً بعد ناشتے کی تیاری کی جائے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اماں محترمہ غالبًا امروہہ تشریف لے گئیں، راقم الحروف اور ابراہیم بھائی جو حضرت کی خدمت میں رہا کرتے تھے، ہمیں اس کا علم نہیں تھا، حضرت چوں کہ ہمیں ناشتہ کراتے تھے، تو فجر کی نماز کے بعد معمول کے مطابق گھنٹی بجی کہ ناشتہ کرلو۔ راقم السطور ناشتہ لینے گیا، تو حضرت نے کہا کہ ابراہیم کو بھی بلا لو، اور اندر ناشتہ رکھا ہے کرلو، تو حضرت کی سادگی وتواضع، ہمدردانہ و مشفقانہ برتاؤ دیکھئے کہ خود چائے بنائی، سالن گرم کیا، روٹیاں گرم کیں، کپ پیالی اور تھرمس میں چائے تھی، پھر اِن تمام کو تشتری میں اس حسن وخوبی کے ساتھ سجایا جو معمول کے مطابق ہوتا تھا، جب ہم نے یہ منظر دیکھا تو ہم نہیں سمجھ پا رہے تھے کہ ہم مخدوم ہیں یا خادم؟ گویا کہ اپنے ماتحت افراد کی دل جوئی ودل داری وطیب خاطر کے لئے حضرت قاری

صاحب اتنا خیال رکھتے تھے کہ حقیقی والدین جس طرح اپنی اولاد کا رکھتے ہیں، ایسا باور ہوتا کہ سادگی آپ کا جز ولاینفک ہے۔

ایک اور واقعہ ذہن میں آیا کہ اماں محترمہ امروہہ گئیں ہوئی تھی، اُن کے کسی سفر میں روانہ ہونے کے بعد ہمارا قیام اوپر مکان ہی میں رہتا، تو فجر کی نماز کے فوراً بعد حضرت قاری صاحب گھر کے باورچی خانے میں تشریف لائے، پلیٹ یا کٹوری کو دھونے لگے۔ راقم الحروف جلدی سے اُٹھا اور کہا کہ ابا میں دھوئے دیتا ہوں، تو ابا نے کہا کہ آپ ناشتہ کرلو اِس کو میں کرلیتا ہوں، کوئی مشکل نہیں ہے، یہ کہنے کے بعد میں جلدی سے ناشتے سے فارغ ہوکر دوبارہ حاضر ہوا اور کہا کہ ابا اَب آپ رہنے دیں میں کرلیتا ہوں، تو حضرت نے شفقت بھرے لہجے میں کہا کہ آپ درس گاہ جانے کی تیاری کرو، یہ کام میں کرلوں گا۔

اِس واقعہ سے آپ اندازہ لگایئے کہ حضرت تواضع وسادگی کے پیکر مجسم تھے۔ ”مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ“ کے مصداق تھے۔ ہوسکتا ہے اللہ رب العزت نے اس تواضع کی بناپر حضرت کو اتنا بلند مقام عنایت فرمایا جس کے باعث آپ عوام وخواص کے مرجع ومرکز تھے، دینی علمی، سیاسی وسماجی تمام طبقات میں آپ مقبول تھے۔ اسی طرح آپ ایک بہترین منتظم مصلح ومربی شخصیت کے حامل تھے، صادق ومصدوق محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ صفت کہ ادنیٰ درجہ کے لوگوں کا دعوت قبول کرنا، دل جوئی ودل داری کے لئے ان کے یہاں کھانا تناول فرمانا، آپ کا امتیازی وصف تھا۔

ایک مرتبہ میرٹھ ضلع کے ایک گاؤں عبداللہ پور میں آپ کا پروگرام تھا، مغرب کی نماز ہم نے موانہ بس اَڈے پر اَدا کی، اُس کے بعد کچھ لوگ آئے معلوم کیا، تو کہنے لگے کہ حضرت ہمارے یہاں ایک کپ چائے پی لیجئے اور اُن کا پیشہ گاڑی کے ٹایر وغیرہ کی اصلاح ومرمت کا تھا، تو حضرت نے کہا کہ چلو بھئی آپ کے یہاں بھی چائے پی لیتے ہیں، تو ایک معمولی سی کرسی تھی، اس پر بیٹھنے میں ذرا بھی تأمل نہیں کیا، تو راقم الحروف اور عبداللہ بھائی (جو حضرت کے یہاں ڈرائیوری کے فرائض انجام دیتے تھے) سے کہا کہ آپ لوگ بھی بیٹھو اور چائے پی لو، جب

کوئی محبت سے پلائے تو پی لینی چاہئے ، یہ تھی حضرت کی تواضع وانکساری، سادگی وکسر نفسی، جو آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

سفر میں دل داری اور نماز کا اہتمام

تین چار اَسفار میں راقم الحروف کو حضرت کے ساتھ جانے کا موقع ملا،تو ان میں کئی ایک چیزیں مؤثر کن ہیں کہ جب دہلی کے لئے روانہ ہوتے ، دیوبند سے دہلی تک تقریباً ۴-۵ر گھنٹے کا وقت لگتا تھا؛ کیوں کہ حضرت وقت پر نماز باجماعت ادا کرتے ، سنن ونوافل کی مکمل رعایت کرتے ، ساتھ میں مصلیٰ اور ایک چٹائی بھی رکھتے تھے، اور وضو کے لیے لوٹا بھی؛ تاکہ بوقت ضرورت کسی پریشانی وتنگی کا سامنا کرنا نہ پڑے،سفر میں جاتے تو احباب ومتعلقین کوخبر ہوجاتی تو چائے کی درخواست کرتے تو قبول فرمالیتے ،کھاتے تو تھوڑا سا ہی؛لیکن انکار نہ کرتے کہ کہیں کسی کی دل شکنی نہ ہوجائے۔میزبان کے لیے دعافرماتے ،وقت ضائع کرتے نہ چلتے؛ بلکہ عام طور پر کتابیں ساتھ رکھتے،مطالعۂ کتب میں مصروف رہتے یا تسبیحات میں۔

سفر میں چلنے والے ساتھیوں کا بہت زیادہ خیال رکھتے،خصوصاً دسترخوان پر بڑی محبت سے کھلاتے جی خوش ہوجاتا تھا،ان اَداؤں کو یاد کرکے بے ساختہ آنکھوں سے آنسوں جاری ہوجاتے ہیں۔راقم الحروف کے وطن اصلی ''ویٹ''، ضلع ہاپوڑ کے مدرسہ جامعہ عربیہ اعزاز العلوم میں سالانہ جلسہ کے موقع پر تشریف لے جاتے ، غالباً دومرتبہ حضرت کے ساتھ مدرسہ ہذا جانے کا موقع ملا۔ اِسی مناسبت سے راقم الحروف کے غریب خانے پر تین مرتبہ تشریف لائے، جب حضرت تیسری مرتبہ تشریف لائے تو اُس موقع پر آپ کی برکت سے ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔۵ر مارچ ۲۰۲۰ء بروز جمعرات بعد نماز عشاء پروگرام سے فارغ ہونے کے بعد مدرسہ ہی میں قیام فرمایا،فجر کے بعد ناشتے سے فراغت کے بعد راقم الحروف کے گھر جانے کا اِرادہ کیا،تو بہت تیز بارش ہورہی تھی، غریب خانے کی چھت ٹپک رہی تھی، جوں ہی حضرت تشریف لائے تو اہل خانہ اِس بات سے بہت فکرمند ہوئے کہ کہیں حضرت کو تکلیف نہ ہوجائے؛ لیکن اللہ رب العزت والجلال کی قدرت

کا کرشمہ ظاہر ہوا کہ کمرے میں قدم رکھتے ہی پانی ٹپکنا بند ہوگیا؛ حالاں کہ بارش اِسی طرح؛ بلکہ اس سے بھی زیادہ تیز ہوگئی، اور چھت پر مٹی سے بھی اصلاح نہیں کی تھی، تو یہ حضرت کے قربِ خداوند ی کی ایک نشانی تھی کہ اللہ اپنے محبوب بندے کی ہر ضرر رساں چیز سے حفاظت فرماتے ہیں۔

برملا حق گوئی

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت سے راقم الحروف نے درخواست کی کہ ابا! میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی آپ کے ساتھ سفر میں چلوں، حضرت نے بخوشی اجازت دی، غالباً ضلع میرٹھ کے کسی گاؤں میں پروگرام تھا، آپ وقت مقررہ پر پہنچے، تو وہاں دیکھتے ہیں کہ راستوں کو جھالروں سے سجایا ہوا ہے اور لائٹ کی ڈیکوریشن اعلیٰ معیار کی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شادی کی تقریب ہے، جب مدرسے کے قریب پہنچے، تو ذمہ داروں کو بلوایا، معلوم کیا کہ یہ سب کیا ہے؟ میں ایسے پروگرام میں شرکت نہیں کرتا، جہاں اسراف کیا جائے، اصلاح کی جگہ فساد ہو ڈرائیور (عبداللہ بھائی) سے کہا کہ گاڑی واپس کرو یہاں نہیں رکنا، آنے کی دعوت دی تھی اسٹیج پر جانا ضروری نہیں ہے؛ لیکن ذمہ داروں کو بڑی دقت محسوس ہوئی، تو کہنے لگے کہ حضرت ہمیں علم نہیں تھا، یہ سب بچوں نے کر دیا، آئندہ نہیں کریں گے، کہا کہ آپ لوگ بچوں کے تابع ہیں وہ آپ سے بڑھ کر ہیں؟ آپ اصلاح کرنے کے لیے پروگرام کرتے ہو یا فساد کے لیے؟ جب تم خود اپنی اصلاح نہیں کر رہے ہو، تو عوام کی کیا اصلاح کر پاؤ گے؟ آخر وہ لوگ بڑی خوشامد کرنے لگے تو کہا کہ نہیں آپ اپنے کام کرتے رہو میں جاتا ہوں؛ لیکن کچھ عمر رسیدہ لوگ آئے اور کہنے لگے کہ حضرت جی ایک بار موقع دو آئندہ ایسا نہیں کریں گے، تو کہا کہ ان سب کو ہٹاؤ تو شرکت ہوگی ورنہ نہیں، بالآخر آناً فاناً ان سب جھالروں کو ہٹایا گیا اور حضرت تشریف لے گئے۔

اَوصاف واَخلاق

حضرت قاری صاحب اسلامیانِ ہند کا قیمتی سرمایہ اور کاروان ملت اسلامیہ کے قافلہ سالاروں میں تھے، جمعیۃ علماء ہند کے صدر عالی وقار اور دارالعلوم کے شعبوں کے روح رواں

تھے، وہ خانوادۂ نبوت سے تعلق رکھنے والے ایک خوش اخلاق، اعلیٰ اقدار اور باکردار انسان تھے، ان کے ایک ایک عمل سے ظاہری رکھ رکھاؤ اور چہرے بشرے سے شرافت ونجابت عیاں ونمودار تھی، وہ ایک اُصول پسند مہتمم، طلبہ سے بے انتہاء محبت کرنے والے، اوران کی بہتری کے لئے اپنے راحت وآرام کو تج دینے والے مشفق استاذ، ماتحتوں کا خوب خیال رکھنے والے منتظم، ملت کی زبوں حالی اور معاشرے کے بگاڑ پر تڑپتے اوراس کی اصلاح اور فلاح و بہبود کے لیے ہمہ وقت منصوبہ بندی کرنے والے مدبر ومفکر اور بالغ نظر وبصیرت عالم دین تھے، آپ کی رحلت سے دارالعلوم دیوبند اوراس کے مختلف شعبوں کا بہت بڑا نقصان ہوا ہے۔

طلبہ پر شفقت اور اَندازِ تربیت

طلبہ کے لیے آپ کی شفقت مثالی تھی، معمولی طالب علم بھی اپنا دکھڑا لے کر حاضر ہوتا تو اس کی بات بڑی توجہ سے سنتے، جس سے اس کا دل بڑا ہو جاتا تھا، اوراس کے تدارک وتلافی کے لیے بڑی محنت وجانفشانی کا مظاہرہ کرتے، طلبہ کی تحریری وتقریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے ہمیشہ کوشاں رہتے، چنانچہ ہم طلبہ دارالعلوم کی دو مرکزی انجمن ''النادی الادبی'' اور ''مدنی دارالمطالعہ'' سے تادم آخر نگراں وسرپرست رہے، آپ کے یہاں اعزازی یا رسمی نگرانی یا کسی مقالہ پر اور کتاب پر سرسری نظر ثانی کا کوئی تصور نہیں تھا؛ بلکہ نظر ثانی اور نگرانی کا حق ادا کرتے تھے۔ دارالحدیث میں پیرانہ سالی، ضعف اور مشغولیت کے باوجود رات دو دو بجے تک پروگرام سماعت فرماتے، اور کسی بھی طرح اصلاح وتربیت سے دریغ نہ کرتے، اور پروگرام کے اختتام پر طلبہ کو گراں قدر پند ونصائح سے بیدار مغز بناتے۔

عربی زبان سے والہانہ محبت

کتاب وسنت کی زبان عربی سے آپ کو خاص شغف تھا، اپنے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانویؒ کے بے انتہا مداح، اُن کے اُسلوب تعلیم وتربیت سے متأثر

اور اپنے تلامذہ کو انہی کی روش پر گامزن کرنے کے لئے بڑے جد و جہد کرتے۔ حضرت کیرانویؒ کی زندگی کے نمونہ طلبہ کے سامنے پیش فرماتے؛ چنانچہ راقم الحروف جب عربی ہفتم (اُولی) میں تھا، تو دورانِ درس بیان کرتے کہ حضرت کیرانویؒ طلبہ کو محفل و مجلس میں نشست و برخاست کے آداب، چائے نوش فرمانے کا مہذب طور و طریقہ، جگہ اگر کم ہے تو اس میں بڑی تعداد کس طرح سمائے گی، جگہ اگر وسیع و عریض ہے تو اُس کو قلت تعداد حاضرین کے پر کرنے کا سلیقہ سکھلاتے، اور فرماتے کہ کمرے کی لمبی چوڑی چادر میں سلوٹ بھی نہ آنے دیتے، اور سفید ہونے کے باوجود چمک دمک باقی رہتی۔ حضرت قاری صاحبؒ النادی کے پروگرام میں عربی میں خطاب فرماتے اور سامعین کو بگوش ہوش سننا پڑتا؛ کیونکہ آپؒ روایتی انداز کی تقریر نہیں کرتے تھے؛ بلکہ سامع طلبہ سے سوال بھی کرتے جاتے، جن کا اُنہیں بر وقت کھڑے ہو کر عربی میں ہی جواب دینا ہوتا، حضرت والا کی یہ مستعدی اور فکر مندی ہم جیسے کسل مندوں کے لئے تریاق کا کام کرتی تھی۔ واقعہ یہ کہ مغتنم اور متحرک شخصیت بطور خاص ہم سہل پسندوں کے لئے ہمہ وقت نشاط کار سے سرشار کرتی تھی، ہمت و حوصلہ اور فکر و نظر کی انتہائی حد تک فعال و متحرک بنانے اور جمود و کسل اور بے راہ روی سے کنارہ کش کئے رہتی، جہاں تک میرا مشاہدہ ہے اتنے بڑے استاذ اتنے بڑے عہدے دار کی حیثیت سے طلبہ کی تربیت و تشجیع کے لئے سب سے زیادہ آپ ہی وقت فارغ کرتے تھے۔

معاونت اہتمام اور فعالیت

صفر ۱۴۴۲ھ میں جو شوریٰ منعقد ہوئی، حضرت مہتمم صاحب (مفتی ابو القاسم صاحب نعمانی) کو شیخ الحدیث بنانے کی بات سامنے آئی، تو حضرت نے کہا کہ اہتمام کی ذمہ داری بڑی شاق محسوس ہوتی ہے، میں اس شرط کے ساتھ بخاری کا درس قبول کروں گا کہ مجھے کوئی مضبوط معاون دیا جائے اور حضرت مہتمم صاحب نے حضرت قاری عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا نام پیش کیا؛ کیوں کہ اُن کو طویل تجربہ تھا، پھر اُن کی شرافت نفس، اُن کی سوجھ بوجھ، اُن کی اُصول پسندی اِن سب چیزوں نے اُن کو اور نمایاں کیا تھا۔ بالآخر مجلس شوری نے درخواست کو قبول

فرمایا، جب شوریٰ میں یہ تجویز پاس ہوگئی اور تحریری شکل میں حضرت کے پاس پہنچی، تو اگلے دن دفتر میں آکر اپنی جگہ اِس طرح بیٹھے جیسے درمیان میں انقطاع رہا ہی نہ ہو، آتے ہی فوراً کام شروع کردیا، پیش کار کو بلاکر کہا کہ فلاں دفتر سے ملازمین کا حاضری رجسٹر لے آؤ، فرمایا کہ دیکھو وہاں کون کون موجود ہیں؟ ایک کھلبلی سی مچ گئی۔ حضرت قاری صاحبؒ نے یہ معمول بنالیا تھا کہ پہلا گھنٹہ لگتے ہی دفتر اہتمام میں پہنچ جاتے تھے، جب معاون مہتمم سب سے پہلے آ بیٹھیں گے تو سارا عملہ مستعد اور چاق وچوبند ہوجائے گا۔ میں (راقم الحروف) نے دیکھا کہ معاون مہتمم کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد اپنے کام میں تاخیر اور دیری کو گزر نہ ہوتا اور جب تک آپ کا تعلق انتظامی اُمور سے نہ تھا، تو کسی معاملہ میں دخل اندازی نہ کرتے تھے۔ عجیب بات یہ دیکھنے کو ملی کہ کام کی کثرت سے کبھی نہ گھبراتے تھے، حضرت قاری صاحبؒ کے ذمہ اتنے کام لگے ہوئے تھے؛ لیکن اس کی وجہ سے کبھی اُن کو اُلجھن نہیں ہوتی تھی، تعمیر وترقی کے لئے نئے کام علمی ترقی کے متعلق خود اس کی تجویز پیش کرتے اور اس کی ذمہ داری سنبھالتے تھے۔ جزاہ اللہ عنا خیر الجزاء۔

تلاوت قرآن سے آپ کا عشق

لاک ڈاؤن کے دوران چوں کہ درس وتدریس کا سلسلہ منقطع تھا، دیگر مصروفیات تھیں؛ لیکن حضرت قاری صاحبؒ کو راقم الحروف نے دیکھا کہ کئی کئی گھنٹے تلاوت قرآن کریم میں مصروف رہتے۔ ماہ اگست ٢٠٢٠ء لاک ڈاؤن میں تخفیف کے دوران تقریباً ١٥/دن کے لیے آنا نصیب میں لکھا تھا، میں حضرت کی خدمت میں آیا تو میں نے دیکھا کہ حضرت قاری صاحبؒ عبدالرحمٰن بھائی رائے چوٹی آندھرا پردیش جو دورانِ لاک ڈاؤن حضرت کی خدمت میں رہے تھے، ان سے مسلسل دو ڈھائی گھنٹہ قرآنِ کریم کا دور کرتے اور مغرب کے بعد، اس سے پہلے رمضان المبارک کے بابرکت مہینے میں تراویح میں قرآن کریم سنانے کی سعادت حاصل کی۔

درمیان لاک ڈاؤن میں کئی ایک مرتبہ فون پر رابطہ ہوا، ایک دفعہ میں نے کہا کہ ''ابا'' یہ سال تو ضائع ہوگیا تو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ حصولِ علم کے لیے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ گھر

میں رہ کر کتابوں کا مطالعہ کرو اور لوگوں کو سمجھاؤ، تو آپ کا وقت ضائع ہونے سے محفوظ رہے گا اور آپ کے علم میں رسوخ ہوگا۔

درمیان لاک ڈاؤن چوں کہ دارالعلوم میں گنے چنے طلبہ رہ گئے تھے، مساجد میں ۴-۵/لوگوں سے زیادہ آنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک شہری کے بارے میں پتہ چلا کہ وہ باجماعت نماز کا اہتمام کرتے ہیں؛ لیکن تعداد زیادہ ہوتی جس پر انتظامیہ کی نظر رہتی تھی، تو حضرت قاری صاحبؒ نے کہا کہ اُن کو آنے دو ہم اپنی نماز الگ جماعت کے ساتھ اَدا کرلیں گے، یہ تھا آپؒ کا ایثار۔

ایک بات اور عرض کرتا چلوں کہ مسجد چھتہ کے خادم ومؤذن نہ ہونے کی وجہ سے کبھی مسجد کی صفائی کرتے، چٹائی سیدھی کرتے، امام کے لیے مصلیٰ بچھاتے؛ گویا کہ آپ اپنے کو ایک خادم کی طرح پیش کرتے؛ تاکہ جو بھی مسجد میں آرہے ہیں ان کو کچھ ناگواری نہ ہو۔

جب مکمل ایک سال ہوگیا اور دوبارہ رمضان المبارک کا مہینہ آنے کو تھا تو دوبارہ لاک ڈاؤن کی چرچا ہونے لگی، تراویح میں قرآن کریم سنانے کا انتظام نہیں ہو پایا تھا، تو راقم الحروف نے حضرت قاری صاحبؒ سے فون پر رابطہ کیا کہ ''ابا'' میری خواہش ہے کہ آپ کے ساتھ تراویح میں قرآن کا دور کروں، تو حضرت نے خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ ٹھیک ہے آجاؤ، اگلے دن دیوبند کے لئے رخصت سفر باندھا؛ لیکن شہر میرٹھ تک ہی پہنچا تھا کہ دل میں اضطرابی کیفیت پیدا ہوئی جو بیان سے باہر ہے، میں نے حضرت سے رابطہ کیا، صورتِ حال سے مطلع کی، پھر وہیں سے گھر واپس ہوگیا، یہ محرومی کی بات تھی کہ کسب فیض نہ کرسکا۔

آخری ملاقات ۲۷ مارچ ۲۰۲۱ء کو بدرکھہ نامی بستی میں ہوئی، جو ضلع ہاپوڑ میں واقع ہے، جہاں حضرت اصلاحِ معاشرہ کے پروگرام کے تعلق سے تشریف لائے تھے۔

اللّٰھم ادخله الجنة بغير حساب ولا كتاب، آمين يا رب العالمين

ایک مردِ درویش و دُور اندیش کی رحلت

مولانا عبدالرشید طلحہ نعمانی اُستاذ اِدارہ اشرف العلوم حیدرآباد

حضرت الاستاذ کی عبقری شخصیت ایسی جامع الصفات اور ہمہ گیر تھی جو علم و عمل، تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت، بصیرت وفراست، امانت ودیانت اور سنجیدگی ومتانت کا روشن استعارہ اور مستند حوالہ سمجھی جاتی تھی۔ آپ کے اس طرح چپ چاپ گزر جانے سے خم خانہ ہست وبود پر کیا گزری ہوگی، اس کا تو بس تصور ہی کیا جاسکتا ہے:

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

قحط الرجال کے اس دور میں آپ کا وجود علم وعمل، تدبیر وانتظام اور تعلیم وتربیت کے مختلف میدانوں کے لیے گنج گراں مایہ سے کم نہ تھا۔ دست قدرت نے آپ کو جمال صورت کے ساتھ حسن سیرت سے بھی نوازا تھا، آہ سحر گاہی سے دمکتا چہرہ، ریاضت ومجاہدے سے چھریرا بدن۔ جب مسندِ حدیث کو زینت بخشتے تو لگتا کہ اک مرقع نور جلوہ افروز ہے، لہجے کی تمکنت، زبان کی فصاحت اور بیان وادا کی وضاحت سے درس کی تقریر ایسی لگتی گویا کہ کوئی عندلیب مسحور کن آواز میں محوترنم ہے۔ آپ دینی حلقوں کے لیے چلچلاتی دھوپ میں شجر سایہ دار اور ایسے مرد جفاکش وگرہ کشا تھے، جس کا مطمح نظر کام، کام اور صرف کام ہوتا ہے، آپ نے بلاشبہ جمعیۃ علمائے ہند کے میر کارواں، حریم ختم نبوت کے امین وپاسباں اور دارالعلوم دیوبند کے استاذِ شفیق ومربی

مہرباں کی حیثیت سے ملک وملت اور دین وشریعت کے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور اپنی مخلصانہ کوششوں اور پیہم محنتوں سے کام یابی کی ایک تاریخ رقم کی، ایسی تاریخ جس کا حرف حرف تاباں اور ورق ورق درخشاں ہے۔ ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما۔

دارالعلوم دیوبند کے دورِ طالب علمی میں یہ حقیر سراپا تقصیر اپنی فطری کم آمیزی اور مصروف درسی زندگی کے سبب اکثر اساتذہ کرام کی خدمت میں بالمشافہ حاضری کی سعادت سے محروم رہا، البتہ بعد نماز عصر بہ پابندی سیدی ومرشدی حضرت والا مہتمم صاحب دامت برکاتہم کی مجلسِ معرفت اور بعد عشا مشفقی ومربی حضرت مولانا مفتی محمد راشد اعظمی دامت برکاتہم کی خدمت اقدس میں نیاز مندانہ حاضری کا معمول رہا۔ حضرت قاری صاحب کا دیدار مسجد چھتہ میں نمازوں کے دوران اکثر ہوا کرتا؛ مگر کبھی بڑھ کر ملاقات کرنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

دورۂ حدیث شریف میں حضرت قاری صاحب سے مؤطا امام محمد پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی اور تکمیل ادب کے سال دو ایک سبق اسالیب الانشا کے پڑھے پھر کسی وجہ سے دفترِ تعلیمات کی جانب سے ترتیب کی تبدیلی کا اعلان آ گیا اور استفادے کا سلسلہ موقوف ہو گیا۔

کیا ایک ہی ترجمہ ضروری ہے؟

تکمیل ادب میں داخلے کے بعد تعلیم کا پہلا دن تھا، ساتھیوں کا کہنا تھا کہ آج پہلا دن ہے؛ اس لیے عین ممکن ہے کہ اساتذہ کرام درس گاہ میں رونق افروز نہ ہو، آج تو چھٹی کا سماں ہوگا اور کتابیں وغیرہ حاصل کرنے کی مہلت مل جائے گی۔

گفت وشنید اور تبادلۂ خیال کا یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ یکا یک گھنٹہ بجا، کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت قاری صاحب اپنے مختصر سے بیگ کے ساتھ خراماں خراماں درس گاہ تشریف لا رہے ہیں، جوں ہی نظر پڑی طلبہ نے اپنی اپنی نشست سنبھال لی اور آپ نے قدم رنجہ فرما ہو کر مختصر تقریر کے بعد فوراً کتاب شروع فرما دی۔ قاری صاحب درس گاہ میں موجود ہر طالب علم پر عقابی نگاہ رکھتے، ہر ایک سے عبارت پڑھواتے، سبھی سے ترجمہ پوچھتے، غلطی پر ٹوکتے اور اصلاح کرتے۔

اسالیب الانشا پڑھاتے ہوئے آپ کسی بھی عبارت کے ترجمے میں تکرار و جمود کو پسند نہیں فرماتے؛ بل کہ تجدد اور خوب سے خوب تر کی تلاش کو ضروری قرار دیتے تھے، دو تین طالب علم کسی پیراگراف کا من وعن ایک ہی ترجمہ کرتے تو قاری صاحب ناراض ہو جاتے اور مخصوص عتاب آمیز اَنداز میں فرمایا کرتے: کیا یہی ایک ترجمہ سب نے حفظ کر لیا ہے؟

چوں کہ ترجمہ ایک ایسا فن ہے جس کے بغیر دوسری زبانوں کے علوم وفنون سے آشنائی نہیں ہو سکتی اور اس کے بغیر کوئی بھی زبان جدید اور ترقی پذیر ہونے کا دعوی نہیں کر سکتی، نیز اسی کے ذریعے ایک قوم دوسری قوم کے ذخیرۂ علم وادب سے آشنا ہوتی ہے؛ اس لیے قاری صاحب ترجمے میں تنوع کو خاصی اہمیت دیتے اور روایتی ترجمے کے بجائے مرادی (مگر لفظ سے قریب) ترجمے کو پسند فرماتے۔ اس طرح دو ایک سبق میں قاری صاحب کا مزاج سمجھ میں آ گیا اور اس سے سال بھر بہت نفع ہوا۔

حسنِ تدبیر وانتظامی صلاحیت

عام طور پر کام یاب تدریسی مشغلے کے ساتھ انتظامی مہارت ودلچسپی فردِ واحد میں جمع نہیں ہو پاتی؛ بل کہ ان دونوں کے درمیان بعد المشرقین سمجھا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو مقبول وکام یاب مدرس ہوتا ہے وہ بیدار مغز منتظم نہیں ہوتا۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ بہ یک وقت کوئی شخص انتظام وتدریس کے دونوں معیاروں پر کھرا اترے اور دونوں میدانوں میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوائے۔ حضرت قاری صاحب کو اللہ تعالی نے اس خوبی سے سرفراز فرمایا تھا کہ آپ بہترین مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ ہوش مند منتظم بھی تھے۔ سیدی وسندی حضرت والا مہتمم صاحب دامت برکاتہم نے اپنے تعزیتی خطاب میں حضرت قاری صاحب کی انتظامی صلاحیتوں کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے:

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری رحمہ اللہ سابق مہتمم دار العلوم دیوبند کے زمانے میں تقریباً دس سال نائب مہتمم رہے اور اس سے قبل

کبھی ناظم دارالاقامہ، کبھی ناظم تعلیمات وغیرہ کے عہدوں پر فائز رہے اور جس شعبے کے اندر رہے نہایت کامیابی کے ساتھ ذمہ داری کو انجام دیا۔ادھر میرا بہت دنوں سے یہ مطالبہ تھا کہ اہتمام کی ذمہ داری بہت بھاری محسوس ہوتی ہے، مجھے مضبوط معاون چاہیے! اس کے لیے میں نے قاری صاحب کا نام پیش کیا؛ کیوں کہ انہیں اس میدان کا طویل تجربہ تھا، پھر ان کی شرافت نفس، سوجھ بوجھ، اصول پسندی، ان سب نے انہیں اور نمایاں کر دیا تھا۔ میں مجلس شوریٰ کا شکر گزار ہوں کہ اس درخواست کو قبول کیا گیا اور صفر ۱۴۴۲ھ میں یہ تجویز منظور ہوئی۔ جس وقت یہ تجویز لکھ کر قاری صاحب تک پہنچی، اگلے ہی روز دفتر میں آکر اس طرح اپنی جگہ بیٹھ گئے جیسے درمیان میں کوئی انقطاع رہا ہی نہیں۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں عجیب صلاحیت تھی، آپ کام کی کثرت سے کبھی نہیں گھبراتے تھے اور اتنے کام اپنے ذمے لادھ رکھنے کے باوجود انہیں کوئی الجھن نہیں ہوتی تھی۔

المختصر حضرت اقدس مہتمم صاحب کے ان وقیع کلمات کے ذریعہ قاری صاحب کی اعلی انتظامی صلاحیتوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

عادات واوصاف

حضرت قاری صاحب فہم وذکا، حکمت ودانائی، بصیرت ودور اندیشی اور زندگی کے وسیع تجربوں کے ساتھ، مکارم اخلاق اور انسانی شرافت کا جیتا جاگتا نمونہ تھے۔ آپ کی بے نفسی، سبک روی، اصول پسندی اور توازن واعتدال نے علمی وانتظامی حلقوں میں آپ کو ہر دل عزیز بنا رکھا تھا اور ہر شخص آپ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ مہمان نوازی اور واردین وصادرین کی خاطر مدارات تو ایسی کرتے تھے جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ آپ کے مزاج میں شفقت وہم دردی کا عنصر غالب تھا، نائب مہتمم اور کارگزار مہتمم کی حیثیت سے طلبہ کی خیرخواہی اور ان کے معاملات کو حل کرنے میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے، آپ سے ملاقات کرنے والا ہر فرد غیر شعوری طور پر، آپ کے علم وفضل اور اخلاق وکردار کا قائل ہوجاتا تھا۔

وہ نرم مزاج وشیریں زباں وہ جود وسخا کا نقشِ حسیں
تھی ذوقِ عبادت سے ہردم مہتاب سی روشن ان کی جبیں
تھے آپ تصنع سے عاری اوران میں تکلف کچھ بھی نہیں
وہ سہل نگار وسہل بیاں، وہ سہل پسندی کے تھے امیں

قادیانیت کا استیصال

حضرت قاری صاحب کا ذکر خیر ہو اور ردقادیانیت کے حوالے سے آپ کی زریں خدمات کا ذکر نہ کیا جائے یہ سراسر ناانصافی ہے۔ عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ مرزائیت کی سرکوبی کا اعزاز انیسویں صدی کے نصف اول میں جن علمائے کرام کے حصے میں آیا ان میں مولانا سید محمد علی مونگیری، مولانا ثناءاللہ امرتسری، علامہ سید انور شاہ کشمیری اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہم کے نام سرفہرست ہیں۔ پھر جب اکتوبر ۱۹۸۶ء میں حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی رحمہ اللہ کی تحریک پر عالمی تحفظ ختم نبوت کانفرنس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوئی، اس وقت حضرت قاری صاحب اس کے ناظم منتخب کیے گئے اور آپ نے اپنی ان تھک محنت اور پیہم جدوجہد کے ذریعہ یہ ثابت کر دکھایا کہ یہ انتخاب حسن انتخاب تھا۔ حضرت قاری صاحب نے تاحینِ حیات عقیدۂ ختم نبوت کی پاس بانی کی، جلسہ ہائے تحفظ ختم نبوت کا جگہ جگہ انعقاد عمل میں لائے، ملک بھر میں ریاستی سطح پر مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں قائم فرمائی اور خود سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے علماء اور عوام کو اس فتنے کی سنگینی سے آگاہ کیا گویا اس حوالے سے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا۔

علاوہ ازیں آپ ہر سال شرح وبسط کے ساتھ ردقادیانیت کے موضوع پر تخصصات کے طلبہ میں محاضرہ پیش فرماتے، نیز شعبان کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے سالانہ تربیتی کیمپ کی نگرانی فرماتے اور ردمرزائیت پر مفصل خطاب کرتے۔ ایک سے زائد مرتبہ احقر نے اس موضوع پر آپ کا مفصل خطاب سنا جس میں آپ دلائل کی روشنی میں بھرپور وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کرتے کہ ختم نبوت کا عقیدہ اسلام کا وہ بنیادی اور اہم عقیدہ

ہے جس پر پورے دین کا انحصار ہے اگر یہ عقیدہ محفوظ ہے تو پورا دین محفوظ ہے اگر یہ عقیدہ محفوظ نہیں تو پھر دین بھی محفوظ نہیں۔ اس عقیدے کے تحفظ میں خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق کی قربانیوں کا ضرور ذکر فرماتے کہ مدعی نبوت مسیلمہ کذاب سے جو معرکہ ہوا اس میں بائیس ہزار مرتدین قتل ہوے اور 1200 کے قریب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش فرمایا جن میں 600 کے قریب تو حفاظ اور قراء تھے حتی کہ اس معرکہ میں بدری صحابہ کرام نے اپنی قیمتی جانوں کا نذرانہ پیش کر دیا؛ مگر اس عقیدہ پر آنچ نہ آنے دی۔

آخری ملاقات

گذشتہ سے پیوستہ سال برادر عزیز حافظ عبدالمقتدر عمران مدیر عصر حاضر پورٹل کے ہم راہ شعبان المعظم کے اواخر میں دیوبند حاضری ہوئی، روانگی سے ایک یوم قبل مسجد چھتہ میں نماز عشاء سے فارغ ہوکر مسجد کے برآمدے سے گزر رہے تھے کہ سامنے قاری صاحب سے ملاقات ہوگئی، قاری صاحب نے نئے چہرے دیکھ کر خیر خیریت معلوم کی اور نام دریافت کیا، راقم آثم نے اپنا نام بتایا کہ عبدالرشید طلحہ حیدرآباد سے۔ آپ نے قدرے استعجاب سے پوچھا عبدالرشید طلحہ نعمانی؟ جن کے مضامین الجمعیۃ وغیرہ میں طبع ہوتے ہیں؟ احقر نے ڈرتے ہوے اثبات میں سر ہلایا، پھر حافظ عمران صاحب کا تعارف پوچھا تو بتایا گیا کہ عصر حاضر پورٹل کے مدیر ہیں۔ لفظ پورٹل کی تشریح معلوم کی اور ایک دو منٹ اس حوالے سے گفتگو ہوئی۔ اخیر میں قیام کے حوالے سے معلوم کیا کہ مزید کتنے دن رہیں گے، ہم نے کہا کہ مہمان خانے میں قیام ہے اور کل صبح روانگی ہے تو دعائیں دے کر رخصت فرمایا۔

افسوس کہ حضرت والا نور اللہ مرقدہ سے یہی ملاقات آخری ملاقات ثابت ہوئی اور آپ ہمیشہ کے لیے قبرستانِ قاسمی میں محوخواب ہوگئے۔ حق تعالی آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ کی دینی وملی خدمات کو قبول فرمائے اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

❍❖❍

وصف اعتدال کا پیکر

مفتی محمد مصعب قاسمی علی گڑھی دارالافتاء، دارالعلوم دیوبند

امیر الہند حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نوراللہ مرقدہ بلا شبہ ان ہی باتوفیق شخصیات میں سے تھے، وہ صفت اعتدال وتوازن میں ہمارے اکابر کے سچے جانشین تھے، وہ عظیم سلف کے ایک عظیم خلف تھے، ان کو اس بات پر کامل یقین واعتماد حاصل تھا کہ اکابر دیوبند صفت اعتدال کا عملی نمونہ تھے؛ اسی وجہ سے ان کو اکابر دیوبند کے ٹھیٹھ مسلک پر تصلب حاصل تھا، انھوں نے نسل نو تک اکابر کے فکر ومزاج کو بلا کم وکاست پہنچایا اور خوب پہنچایا۔

میرے انتہائی مشفق ومربی استاد حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی قدس سرہ نے لکھا ہے:

> ''مسلک دیوبند اعتدال، توازن اور روح شریعت کی گہری بصیرت پر مبنی مسلک ہے؛ اس لیے دائیں اور بائیں رجحان کی ہر انتہا پسندی اس سے ہمیشہ برسر پیکار رہی ہے اور بالیقین آئندہ بھی رہے گی۔ اعتدال اور انتہا پسندی دونوں ایسے فریق ہیں، جس میں کسی طرح کی کوئی صلح کبھی ممکن نہیں؛ کیونکہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں''۔

حضرت الاستاد نے یہ جملے حضرت فدائے ملت نوراللہ مرقدہ کے تذکرے کے تحت تحریر فرمائے ہیں، حضرت قاری صاحب بلاشبہ اس صفت میں اپنے شیخ ومربی حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہ کے خوشہ چیں تھے۔

یوں تو ان کی دینی خدمات کا دائرہ وسیع اور تنوع لیے ہوے ہے اور اہل قلم مختلف گوشوں

پر روشنی ڈال رہے ہیں، بندے کی ناقص نظر میں حضرت والا کی تمام خوبیوں میں یہ صفت نمایاں حیثیت رکھتی ہے، اِس سلسلے کے واقعات اور شواہد بے شمار ہوں گے، یہاں صرف ایک واقعہ پیش کرتا ہوں، جس سے اس ادنی طالب علم کو بہت کچھ سیکھنے کا موقع ملا اور تا عمر وہ واقعہ رہبری کرتا رہے گا۔ ان شاالله۔

آخری مہینوں میں عظمت صحابہ کا معاملہ جب چھڑا ہوا تھا اور حضرت قاری صاحب اس حوالے سے سرگرم عمل تھے، ایک علاقے میں علمائے کرام کی مجلس منعقد ہوئی، جس میں کسی عالم صاحب نے تردید میں حد سے تجاوز کیا تھا، بندہ عینی شاہد ہے کہ حضرت قاری صاحب نے اس پر سخت نکیر فرمائی اور فرمایا کہ:

''جتنا دار العلوم دیوبند نے لکھا ہے، بس اسی پر رہیں، اس سے آگے نہ بڑھیں، موضوع کو نہ چھوڑیں اور غیر متعلقہ امور میں داخل نہ ہوں''۔

منحرف افکار کے تعاقب کے تعلق سے ایسی رہبری وہی شخصیت کرسکتی ہے، جس کو فی الواقع اعتدال کی صفت عطا کی گئی ہو، اعتدال کی صفت عموماً ایسے ہی مواقع پر ظاہر ہوا کرتی ہے۔

وہ ریشم کی طرح نہایت نرم اور مضبوط تھے، نرمی اور مضبوطی جیسی بظاہر متعارض صفات معتدل شخص ہی سے ظاہر ہوسکتی ہیں، ایسا شخص پوری انسانیت کے لیے رحمت اور خیر کے پھیلنے کا ذریعہ بنتا ہے۔

یہ جملے بندے کے دل ودماغ پر نقش ہوگئے اور پھر اس جملے کی روشنی میں حضرت قاری صاحب کے حسنِ انتظام کا راز بھی سمجھ میں آگیا۔

حسنِ انتظام

واقعہ یہ ہے کہ حضرت قاری صاحب انتظامی معاملات میں اصل موضوع کو ہمیشہ مستحضر رکھتے تھے اور جب کوئی الجھن سامنے آتی تو ان کی ساری توجہ مسئلہ کے حل پر رہتی تھی، غیر متعلقہ چیزوں سے حسنِ تدبیر کے ساتھ خود بھی بچتے تھے اور ماتحتوں کو بھی بچالیتے تھے، وہ سابقہ تجاویز

اور دستور کی روشنی میں ایک مضبوط رائے قائم کرتے تھے اور سابقہ تجاویز کی اصل کاپیوں کو بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ تلاش کرتے، ان کا خلاصہ مرتب کرتے اور پھر آئندہ کے سلسلے میں بالکل واضح خطوط متعین کر کے غور وخوض شروع فرماتے، یہی وجہ ہے کہ معاملات انجام تک پہنچانے میں ان کو کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی، اس سلسلے میں ان کا طرز عمل نہایت صاف ستھرا رہا۔

دینی غیرت وحمیت کا مظہر

حضرت قاری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ الاسلام قدس سرہ کی طرح دینی حمیت و غیرت کا بھی خاص وصف عطا فرمایا تھا، وہ اپنی انفرادی زندگی اور عام برتاؤ میں جتنے نرم اور خلیق تھے، غلط افکار ونظریات کے بارے میں اتنے ہی غیرت مند تھے، انھوں نے زندگی کا ایک بڑا حصہ اپنے اکابر کی صالح روایات کے مطابق شرعی حدود کا پابند بن کر تحفظ دین میں صرف فرمایا، اس حوالے سے ان کی خدمات اور طریقہ کار کا تفصیلی تجزیہ ایک مستقل موضوع ہے، بندے کو ان کی آخری حیات میں اس سلسلے میں بالمشافہ جو کچھ سیکھنے کا موقع ملا، اس کی کچھ تفصیل پیش کرتا ہوں۔

حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہ کا مطمح نظر خالص دین وشریعت کا تحفظ اور اس کی تبلیغ واشاعت تھی، خصوصاً حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف واکابر رحمہم اللہ کے تئیں آپ نہایت حساس تھے، اس سلسلے میں وہ آنے والے فتنوں کو اپنی ایمانی حس کی بنا پر بھانپ لیتے تھے اور اس کی حقیقت اور تہہ تک پہنچ کر اقدامات کے سلسلے میں واضح خطوط متعین فرمالیا کرتے تھے، تاریخی واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ فتنوں کے تعاقب میں افراط وتفریط سے بچنا ایک مشکل امر سمجھا گیا ہے؛ لیکن حضرت قاری صاحب اس حوالے سے بھی اپنے اکابر کے سچے جانشیں تھے، ان کے ہر اقدام، ہر گفتگو اور ہر تحریر سے محسوس کیا جاسکتا تھا کہ ان کے اقدامات کا محرک للّٰہیت اور اخلاص کے سوا کچھ نہ تھا، اسی وجہ سے ان کے کام میں برکت ہوتی اور مثبت نتائج ظاہر ہوتے، وہ نہ مداہنت سے کام لیتے تھے اور نہ تردید میں غلو کے روادار تھے؛ بلکہ اس پر سخت نکیر فرماتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی مبارک

زندگی کے دوسرے گوشوں کو جیسے صاف ستھرا گذارا، اسی طرح دفاع دین کے تعلق سے انھوں نے جو عظیم خدمات انجام دیں، ان پر بھی کوئی حرف نہیں آنے دیا۔

فتنوں کے تعاقب کے سلسلے میں ان کا ایک نہایت اہم پہلو یہ تھا کہ وہ زمینی سطح کے حالات سے باخبر رہتے تھے، اسی وجہ سے ان کی رائے اور مشورے ٹھوس اور مستحکم ہوتے تھے؛ کیونکہ وہ زمانہ کے احوال سے پوری طرح باخبر ہوکر رائے قائم کرتے تھے۔

دوسری طرف وہ عام حالات میں بھی عوام کے عقائد و اعمال کے تعلق سے نہایت فکرمند رہتے تھے، وہ اس بات پر زور دیا کرتے تھے کہ آسان اور عام فہم اسلوب میں دین کی بنیادی معلومات؛ رسائل اور کتابچوں کی شکل میں عوام تک پہنچتی رہنی چاہیے، تاکہ عوام الناس کسی نئے فتنے کا شکار ہی نہ ہوسکیں، انھوں نے کتنے ہی موضوعات پر کتابچے تیار کرواکر لوگوں تک پہنچائے، حقیقت یہ ہے کہ دفاعی سرگرمیوں کے ساتھ عوام الناس کے عقائد و اعمال کے تحفظ کے لیے دین وشریعت کی تبلیغ و اشاعت اور کسی وقتی اور خارجی محرک کے بغیر معمول کے حالات میں ان کو دین کی بنیادی معلومات سے واقف کراتے رہنا؛ نہایت موثر و مفید عمل ہے، عام معاشرے میں اس کے بہتر اور دوررس نتائج ظاہر ہوتے ہیں، حضرت قاری صاحب کی مبارک زندگی کا یہ گوشہ بھی قابل نمونہ اور لائق اتباع ہے۔

شرافت ومتانت کا مجسم

حضرت قاری صاحب شرافت و متانت کے مجسم، نہایت سنجیدہ اور بردبار تھے، شاید ہی کسی نے ان کو کبھی جذباتی اور مشتعل دیکھا ہو، وہ کبھی بے جا گفتگو نہیں کرتے تھے اور نہ زور سے ہنستے تھے، زبان اور لہجہ نہایت پاکیزہ ہوتا تھا، لفظ لفظ سے شرافت ٹپکتی تھی، ان کے پرنور چہرے کی زیارت اللہ جل شانہ کی یاد دلاتی تھی، جب کبھی ان کی صحبت میں تھوڑی دیر بھی بیٹھنے کا موقع ملا تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ہم سلف صالحین کے کسی بزرگ کی صحبت میں بیٹھے ہیں۔

قرآن کریم سے شغف کی وجہ سے اللہ جل شانہ نے ان کے وجود میں اپنے کلام پاک کو

رچا بسا دیا تھا، حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ نے حضرت مولانا قاری فتح محمد صاحب پانی پتی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ کے بارے میں ایک شاندار اقتباس لکھا ہے جو حضرت الاستاذ کی شخصیت پر بھی بلاشبہ منطبق ہوتا ہے، حضرت مفتی تقی صاحب لکھتے ہیں:

''سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ماثور دعاؤں میں ایک دعا اس طرح منقول ہے: ''**وأسألك باسمك الذي استقر به عرشك ...... أن ترزقني القرآن العظيم وتخلطه بلحمي ودمي وسمعي وبصري وتستعمل بجسدي**'' ۔اے اللہ ! میں آپ کے اس نام کے واسطے سے جس سے آپ کا عرش قرار پذیر ہے؛ سوال کرتا ہوں کہ آپ مجھے قرآن عظیم عطا فرمائیں اور اسے میرے گوشت، میرے خون، میری سماعت اور میری بصارت میں رچا دیں اور میرے جسم کو قرآن ہی میں استعمال کریں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت قاری صاحب قدس سرہ نے کبھی یہ دعا دل سے مانگی تھی جو ان کے حق میں قبول ہوگئی تھی۔

حضرت قاری صاحب قرآن کریم سے شغف کو اللہ جل شانہ کی سب سے بڑی نعمت سمجھ کر سراپا شکر بنے رہے اور آخری زندگی میں اس نعمت کی تحدیث کے لیے ایک یادگار اور پر رونق مجلس منعقد فرمائی اور ایک عظیم پیغام دیتے ہوئے، خصوصاً اپنے اقرباء کو جھنجھوڑتے ہوئے اس فانی دنیا سے رخصت ہوئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اس مجلس کی وہ گھڑی کیا ہی یادگار تھی جب حضرت قاری صاحب کے عکس جمیل اور میرے محسن و مشفق حضرت اقدس مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب دامت برکاتہم نہایت درد و خلوص کے ساتھ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ یاد دلا رہے تھے اور مجلس پر رقت طاری تھی۔

جمہور کے منہج کا اتباع

حضرت قاری صاحب کی حیات کا ایک اہم وصف یہ تھا کہ وہ علم دین کی ہر سطح پر جمہور علماء کے منہج کو لازم پکڑے ہوئے تھے اور اپنے گہرے علم، فکری پختگی اور طبعی فقاہت کی بنا پر اس

موضوع کی جزئیات پر انھیں عبور حاصل تھا، تفردات، شذوذ، ضعیف و مرجوح آراء اور مختلف فیہ اقوال کے سلسلے میں وہ سلف صالحین کی راہ پر خود بھی گامزن رہے اور دوسروں کو بھی اس پر متوجہ فرماتے رہے، آخری حیات میں وہ اس سلسلے میں زیادہ فکر مند تھے کہ اس موضوع کو بسط و تفصیل کے ساتھ لکھا جائے، چنانچہ ایک دن صبح کے وقت حضرت کا فون پہنچا کہ دفتر اہتمام میں آجاؤ، بندہ حاضر ہوا تو انھوں نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ:

آج کل جب بھی کسی غلط نظریے کی تردید کی جاتی ہے تو اس میں عموماً اہل السنۃ والجماعۃ کی اصطلاح لکھی اور بولی جاتی ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ اہل السنۃ والجماعۃ کا مفہوم بالکل آسان زبان میں مرتب کردیا جائے تاکہ عوام کے لیے اس کا سمجھنا آسان ہو، آپ یہ تحقیق کریں کہ یہ اصطلاح کب سے شروع ہوئی، اس کا ماخذ کیا ہے، اس سلسلے میں مطالعہ شروع کریں اور خوب تحقیق کریں۔

یہ ہدایات دینے کے چند دن بعد ہی طلب فرمایا اور معلوم کیا کہ کام کہاں تک پہنچا، پھر مسلسل بلاتے رہے، خطہ مرتب کرواتے رہے، ہدایات دیتے رہے اور نہایت قیمتی اور مفید مشوروں سے نوازتے رہے، الحمدللہ ایک خاکہ تیار ہوگیا تھا، جس کی کچھ تفصیل یہاں پیش کرنا ان شاءاللہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔

حضرت قاری صاحب نے اس کام کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا تھا:

(۱) عوام الناس کی فہم کے مطابق آسان زبان میں بنیادی معلومات مختصر رسالے میں مرتب کی جائیں، اس میں تحقیقی بحثوں کو نہ چھیڑا جائے، یہ کام الحمدللہ مکمل ہوگیا تھا، جس پر حضرت قاری صاحب نظر ثانی بھی فرما چکے تھے، یہاں اس غیر مطبوعہ رسالہ کی صرف تمہید اور آخری اقتباس پیش کیا جاتا ہے:

دین و شریعت کے سلسلے میں جب بھی کوئی غلط نظریہ سامنے آتا ہے، اہل حق علماء کی طرف سے اس پر نکیر کرتے ہوئے تحریروں اور تقریروں میں اہل السنۃ والجماعۃ کی اصطلاح خاص

طور پر بولی اور لکھی جاتی ہے، موجودہ وقت میں اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ اہل السنۃ والجماعۃ کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا مصداق اور اس سے جڑے رہنے کی تاکید اور اس سے علیحدگی کے دینی نقصانات ہر مسلمان اچھی طرح ذہن نشین رکھے۔

- اہل السنۃ والجماعۃ کی اصطلاح کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے بسا اوقات غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور عوام افراط یا تفریط کا شکار ہو جاتے ہیں، اگر کسی شخصیت یا گروہ کے بارے میں اہل علم کی طرف سے اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج ہونے کا حکم سامنے آتا ہے، تو کہیں اس کو کافر سمجھ لیا جاتا ہے اور کہیں اس حکم کو معمولی سمجھ کر اس کو اہمیت نہیں دی جاتی، نتیجۃً عام معاشرے میں حق و ناحق میں التباس ہو جاتا ہے۔

- دوسری طرف غلط نظریہ کے حامل افراد یا گروہ بھی عموماً اپنی نسبت اہل السنۃ والجماعۃ کی طرف کرتے ہیں؛ بلکہ ہر فرد اور ہر گروہ کا یہ اصرار ہوتا ہے کہ حق اسی کے دائرے میں محدود و منحصر ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کم علمی کے باوجود انہیں بھی دین و مذہب کی ترجمانی اور اس میں رائے زنی کا حق حاصل ہے، ایک عامی شخص لکھنے یا بولنے والے کی ظاہری قوت اور شوکت کو دیکھ کر دھوکہ میں پڑ جاتا ہے؛ اس لیے اصولی طور پر اہل السنۃ والجماعۃ کی حقیقت، اس کے بنیادی اوصاف اور اس میں شامل ہونے اور اس سے خارج ہونے کا شرعی معیار مستحضر رہنا چاہیے، اہل علم کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ سہل انداز میں عوامی طبقے کو اہل السنۃ والجماعۃ کا مفہوم سمجھائیں؛ تاکہ عوام ہر لکھنے اور بولنے والے کی بات پر دھیان نہ دیں اور عقائد و اعمال اور افکار و نظریات کے سلسلے میں صراط مستقیم پر قائم رہیں۔

- آخرت میں نجات اسی وقت ہوگی جب کہ عقائد و اعمال میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اتباع کیا جائے اور اہل السنۃ والجماعۃ ایسی ہی جماعت کو کہا جاتا ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ کے صحابہ کے نقش قدم پر چلی اور آپ کی سنت کی تشریح و توضیح کر کے دین و شریعت کو منقح کر دیا اور ہر زمانے کے فقہاء، محدثین،

متکلمین اور اہل حق علماء، سنت کا اتباع کر کے اہل السنۃ والجماعۃ میں شامل ہوتے رہے اور آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے علمائے دیوبند کو اہل السنۃ والجماعۃ کی بہترین ترجمانی کی سعادت عطا فرمائی، پس جو بھی نظریہ اہل السنۃ والجماعۃ کے عقائد و نظریات کے خلاف ہوگا، جس کی نشاندہی اور تعیین کا اختیار ہر زمانے میں صرف اہل حق علماء ہی کو حاصل ہے، اس کو باطل اور نا قابل قبول قرار دیا جائے گا اور ایسے باطل نظریہ کے حامل افراد قرآن و حدیث کی رو سے گمراہ اور اہل بدعت کہلائیں گے اور عقیدے اور مسلک کے اعتبار سے ایسے لوگوں سے براءت اور لاتعلقی کا اظہار کرنا ضروری ہوگا۔

(۲) اس اہم کام کا دوسرا حصہ یہ طے پایا تھا کہ اہل السنۃ والجماعۃ سے متعلق مصادر اصلیہ کا مطالعہ کیا جائے اور چونکہ عربوں کے حلقے میں بھی یہ موضوع اہمیت کا حامل سمجھا جاتا ہے؛ اس لیے ان کی تصانیف و مقالات بھی دیکھے جائیں اور پوری تحقیق کے ساتھ اس موضوع کی جزئیات مدلل انداز میں مرتب کی جائیں، ہر بات حوالے کے ساتھ لکھی جائے اور معاصرین کی آراء کا بھی منصفانہ جائزہ لیا جائے۔

ظاہر ہے کہ بندہ اپنی کم علمی کی بنا اس جز کا متحمل نہیں تھا؛ لیکن حضرت قاری صاحب کے حکم کی تعمیل اور آپ کی راہنمائی و سرپرستی کی وجہ سے یہ خیال ہوا کہ میرا کام تو بس مطالعہ کر کے حاصل مطالعہ پیش کر دینا ہے، باقی حضرت قاری صاحب خود ہی اصلاح فرماتے رہیں گے، دوسرے یہ بات پیش نظر تھی کہ اس بہانے فرق و ملل اور عقائد کی تصنیفات اور ان کے مباحث کو پڑھنے کا موقع مل جائے گا، الحمدللہ اس علمی و تحقیقی کام کی بھی ابتدا ہوگئی تھی، حضرت نے متعلقہ مصادر کی تجمیع اور ان کا مطالعہ شروع کرنے کا حکم فرمایا تھا، نیز ترجمان السنۃ کی پہلی جلد کی خاص طور پر نشاندہی فرمائی تھی۔

اس موضوع پر جو قدیم مصادر عربوں کی تحقیق کے ساتھ اس وقت مطبوعہ ہیں، جب بندے نے ان کے مقدمے اور تعلیقات کا مطالعہ کیا، تو حضرت قاری صاحب سے عرض کیا کہ

سب سے پہلے اس موضوع کے مصادر پر تبصرے و تجزیے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے، اب تک کی تحقیق سے یہ بات سامنے آ رہی ہے کہ فرق و ملل سے متعلق تصانیف کے مستند نسخوں کی جگہ نئے نسخوں نے لے لی ہے، جن میں کچھ تلبیسات کا شبہہ پیدا ہو رہا ہے، حضرت نے مفید اور قیمتی مشوروں سے نوازتے ہوئے کام کو جاری رکھنے کا حکم فرمایا اور بالکل واضح خطوط طے فرما دیے۔

اس دوسرے جزء سے متعلق ابھی چند ہی صفحات مرتب ہوئے تھے کہ افسوس حضرت اس دنیا سے رخصت فرما کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، اللہ تعالی جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور محض اپنے فضل و کرم سے ہم کو ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی بہترین راہنمائی سے استفادہ کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔

یہ اہم علمی کام ناقص رہ گیا اور اب تنہا اس کو آگے جاری رکھنے کی ہمت نہیں ہو پا رہی ہے؛ اس لیے کہ محض مطالعہ و تحقیق کی بنیاد پر اس موضوع کے نازک جزئیات پر کلام کرنا مجھ جیسے طالب علم کے لیے نہایت مشکل ہے، تاہم اللہ تعالی سے دعا کرتا ہوں کہ جو کام اللہ کے ایک نیک و متقی بندے کی تحریک و سرپرستی میں شروع ہوا تھا؛ اللہ تعالی محض اپنے فضل و کرم اور اپنی مدد و نصرت شامل حال فرما کر اس کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی سبیل مہیا فرمائیں اور حضرت قاری صاحب کے لیے صدقہ جاریہ بنائیں۔ آمین۔

حضرت قاری صاحب کی حیات میں دوسرے حصے سے متعلق جو کچھ لکھا گیا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے چند صفحات بطور نمونہ یہاں پیش کر دیے جائیں، جن سے حضرت قاری صاحب کا طے کردہ منہج اور علم کلام اور عقائد سے متعلق اِس اہم موضوع کے سلسلے میں ان کی بصیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، ان کی شخصیت کو سوچ کر ہی عجیب قسم کے جذبات بیدار ہو جاتے ہیں، جب بھی ان کی یاد آتی ہے، تو اتباعِ سنت، تقوی و طہارت، شرافت و سنجیدگی، علمی گہرائی، فکری پختگی، غیرت ایمانی اور سارے

کمالات کے ساتھ تواضع وانکساری جیسی بیش بہا صفات کی طرف ذہن خود بخود منتقل ہو جاتا ہے، اس ناچیز کو شخصیات پر لکھنے کی کبھی ہمت نہیں ہو سکی، کبھی کسی شخصیت پر نہیں لکھ سکا، حضرت قاری صاحب کی شخصیت کے تعلق سے بھی تردد میں رہا، لکھنا شروع کرتا؛ لیکن پھر رک جاتا، بار بار یہ بھی خیال آتا کہ حضرت کے ہر دو نسبی اور حقیقی جانشین طال اللہ عمرہما ومتعنا بفیوضہما سے زیادہ بہتر کون لکھ سکتا ہے، جنہوں نے اپنے ابی جان کی تعلیم وتربیت میں زندگی کا ایک بڑا حصہ جس طرح گذارا، اس سے فقیہ النفس حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کے ترجمان اور اکابر کے علوم ومعارف کے ناشر اول حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی قدس سرہ اور ان کے خلف صالح، سارے اکابر کے محبوب وچہیتے، سب کے مستند ترجمان اور سب کے واقعات وحکایات کے امین شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہ کی مثال زندہ ہوگئی۔

حضرت الاستاذ کی دو اہم نصیحتیں

مولانا مفتی محمد نوشاد نوری قاسمی دارالعلوم وقف دیوبند

۲۰۰۹-۲۰۱۰ء میں ہم لوگ دارالعلوم دیوبند میں تکمیلِ افتاء کی جماعت میں تھے، امتحان سالانہ کے بعد میرا تقرر دارالعلوم حیدرآباد میں ہوا، اس موقع پر اپنے اساتذہ سے ملاقات کی، تاکہ انہیں اطلاع دے کر دعائیں لوں؛ پتہ نہیں اب اس دیار میں واپسی کا موقع ملتا بھی ہے یا نہیں۔

ایک دن مغرب کی نماز کے بعد، مسجد چھتہ سے متصل کمرے میں حضرت الاستاذ مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ سے ملاقات کی اور انہیں حیدرآباد میں تقرر کی خبر سنائی، حضرت خوش ہوے، دعائیں دیں، ادارہ کو سراہا اور دو اہم نصیحتیں کیں:

(۱) محتاج الیہ بننے کی کوشش کیجئے:- فرمایا: جب کسی فاضل کا کسی ادارہ میں تقرر ہوتا ہے تو ادارہ کو استاذ کی اور استاذ کو ادارہ کی ضرورت ہوتی ہے؛ مگر غور کرو تو استاذ کی ضرورت زیادہ ہے؛ کیوں کہ فضلا بہت ہیں اور معتبر ادارے کم؛ لیکن جب استاذ اپنی مفوضہ ذمہ داریوں کو اخلاص، لگن اور ایمانداری کے ساتھ ادا کرتا ہے تو آہستہ آہستہ وہ ادارے کا ایسا رکن بن جاتا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بغیر ادارہ ناقص ہے؛ اس لیے کوشش کیجیے کہ آپ بھی محنت سے ادارہ کے لیے محتاج نہ رہ کر محتاج الیہ بن جائیں۔

(۲) لاتنازع المرحلہ:- فرمایا: انتظام اور خدمت دو الگ الگ شعبے ہیں اور دونوں کے تقاضے الگ ہیں، آپ ادارے کے خادم ہیں منتظم نہیں؛ اس لیے کسی مسئلے میں ادارہ کے فیصلے

پر اعتراض یا تبصرہ بازی سے گریز کیجیے، اس کا نقصان آپ کو ہوگا، ہاں اگر آپ کی حیثیت ایسی ہوگئی ہے کہ آپ کے کہنے سے ادارہ اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کرسکتا ہے تو صحیح اسلوب میں، براہ راست منتظم یا مہتمم کو اپنی بات کہنے میں کوئی حرج نہیں، بے فائدہ گروپ بازی اور تبصرہ بازی کے ساتھ، آدمی صحیح طریقے پر خدمت نہیں کرسکتا۔ مزید فرمایا: عام طور پر تنخواہ اور کتابوں کو لے کر اساتذہ تبصرہ بازی کرتے ہیں، جو بھی تنخواہ ہو اس پر قناعت کریں اور برکت کی دعا کریں اور جو بھی کتاب ملے پڑھائیں، کبھی بھی بڑی کتاب کا مطالبہ نہ کریں، یہ علم میں اضافہ سے مانع بن جاتا ہے اور اکابرین کی روش کے بھی خلاف ہے۔

اس کے بعد حضرت نے دعائیں دے کر رخصت کیا۔ آج حضرت بھی ہم سے رخصت ہوئے۔

اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی مغفرت فرمائے، ان کی خدماتِ جلیلہ کو قبول فرمائے اور پسماندگان، تلامذہ اور متعلقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین

وہ اپنی ذات میں اک انجمن تھے

مفتی محمد ضیاالدین قاسمی بہرائچی متعلم شعبۂ تکمیل اَدب مدرسہ شاہی مرادآباد

حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ کو خالقِ کائنات نے گوناگوں خصوصیات و کمالات سے بہرہ مند فرمایا تھا۔ آپ بیک وقت ایک مقبول و کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ کی سرفرازی و سربلندی کے لیے ان کی شان دار تربیت بھی فرماتے تھے، ان کی زندگی کو صحیح ڈگر پر لانے اور باسلیقہ و مہذب بنانے کے لیے ہمہ وقت فکر مند رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ درس گاہ میں سبق کا ماحول ہو، یا طلبہ کا کوئی اجلاس، یا پروگرام ہو، طالب علم سے اگر کوئی غلطی سرزد ہو جائے، آپ فوراً اس کو متنبہ فرماتے اور اس کی اصلاح کرتے۔ بارہا آپ کے اس نمایاں وصف کا مشاہدہ اس ناچیز کو رہا ہے۔ دارالعلوم کی طالب علمی کے زمانے میں احقر کو آپ سے دورحدیث شریف کی جماعت میں ''شرحِ معانی الآ ثار المعروف بطحاوی شریف'' اور تکمیلِ تفسیر کے سال محاضرہ بعنوان ''ردِ قادیانیت'' پڑھنے کا شرف حاصل ہے، نیز ہماری جماعت کے لیے یہ بات بھی قابلِ فخر و سعادت تھی کہ ہم سب حضرتِ والا کے طحاوی شریف کے سب سے پہلے شاگرد تھے، اسی سال مجلسِ تعلیمی نے کتابِ مذکور کا سبق آپ سے متعلق کیا تھا۔ سبق میں جہاں آپ ایک طرف عبارت کی صحت اور درستگی پر توجہ دیتے تھے، وہیں دوسری طرف عبارت خواں کی نشست، پڑھنے کا انداز، آواز کا زیر و بم بھی دیکھتے تھے، مائک عبارت خواں کے منھ سے کتنے فاصلے پر ہے؟ اس پر بھی نگاہ رکھتے تھے، اگر مائک مناسب دوری پر نہ ہوتا تو فوراً متنبہ فرماتے،

کہ اس کو دور رکھو۔

عبارت کے بعد اوّلاً باب سے متعلق مسئلے کو سمجھاتے، اس کے سلسلے میں اختلافِ ائمہ کی وضاحت فرماتے اور پھر امام طحاوی کی ذکر کردہ روایات کی روشنی میں دلائل پر گفتگو فرماتے اور آخر میں نظرِ طحاوی کی دل نشیں تشریح فرما کر مسلکِ حنفی کی ترجیح کو واضح فرماتے۔ سبق کے دوران انتہائی عمدہ اور سلیس زبان استعمال فرماتے، نیز آپ کے کلام میں سیرتِ نبوی کا ایک حصہ توقف فی الکلام بھی پایا جاتا تھا، حقیر نے کبھی آپ کو تیز گفتگو کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ہمیشہ اس طرح گفتگو فرماتے کہ مخاطب ایک ایک حرف کو بآسانی الگ کر سکے اور پوری طرح سمجھ سکے۔

آپ دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کی تقریری وتحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے والی متحرک و فعال انجمن بزمِ شیخ الاسلام، مدنی دارالمطالعہ کے سرپرست وسربراہ تھے۔ انجمن کے جملہ امور آپ ہی کے زیرِ نگرانی طے پاتے تھے، وہاں بھی آپ کی اعلیٰ تربیت کا رنگ دیکھنے کو ملتا تھا۔ آپ انجمن کے تمام جلسوں میں بنفسِ نفیس تشریف فرما ہوتے تھے اور پروگرام پیش کرنے والے احباب کی نقل وحرکت کو دیکھتے رہتے تھے، طالب علم کیسے کھڑا ہے، کیسے بیٹھا ہے، تقریر ہے تو تقریر کا انداز، الفاظ کا زیر وبم کیسا ہے؟ مکالمہ ہے تو مکالمے کا کیا معیار ہے، مکالمہ میں کام کی کچھ باتیں ہیں، یا صرف کھیل تماشہ؟ نظامت ہے تو اس کے پیش کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ ان تمام باریکیوں پر آپ نگاہ رکھتے تھے اور جلسے کے آخر میں ان کی نشاندہی فرما کر اصلاح فرماتے تھے اور عمدہ کارکردگی پر احباب کی بھرپور حوصلہ افزائی بھی فرماتے تھے، جو طلبہ کی تعمیر وترقی کی راہ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی تھی اور انھیں مافی الضمیر کی تقریراً وتحریراً ادائیگی کا شاندار انداز اور سلیقہ سکھانے میں غیر معمولی طور پر معاون ثابت ہوتی تھی۔

اسی طرح دارالعلوم میں عربی زبان وادب کے تحفظ وبقا کی ضامن طلبہ کی مایۂ ناز انجمن النادی الادبی کے بھی بیشتر امور آپ ہی کے گراں قدر مشوروں سے طے پاتے تھے اور آپ تقریباً اس کے بھی تمام جلسوں میں بحیثیتِ صدر تشریف فرما ہوتے تھے، نیز طلبہ کے عزم و

حوصلے کو مہمیز لگاتے تھے۔

آپ کی اسی کیمیا اثر تربیت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے دونوں فرزند ایک باصلاحیت، ذی استعداد اور ٹھوس علم سے آراستہ ہو کر ابھرے اور عوام وخواص نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا، ان کے علم کے ساتھ ساتھ ان کے تقوی وطہارت پر بھی ہمیشہ اعتماد کیا اور آج بھی قوم ان کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ بلاشبہ یہ حضرت ہی کی قربانیوں اور اولاد کی صحیح رہبری ورہنمائی کا نتیجہ تھا۔ خداوندِ قدوس آپ کو اس کا بہترین صلہ مرحمت فرمائے۔

دوسری بڑی خوبی جو آپ کے اندر رب العالمین کی طرف سے ودیعت کی گئی تھی، انتظام وانصرام میں آپ کی غیر معمولی صلاحیت تھی۔ کسی بھی چیز کو عمدگی اور سلیقے کے ساتھ کامیابی وترقی کے بامِ عروج پر پہنچانے میں آپ کو حد درجہ کمال حاصل تھا۔

دارالعلوم دیوبند کے اہتمام کی نیابت، جمعیت علمائے ہند کی صدارت اور حال ہی میں مجلسِ شوری کی جانب سے معاون مہتمم کا عہدہ اسی خصوصیت کی بنا پر آپ کے لیے تجویز کیا گیا اور جاننے والے جانتے ہیں کہ آپ نے کس محنت اور لگن کے ساتھ اپنی تمام ذمے داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا اور انتظامی امور کو کس طرح عمدگی اور سلیقے کے ساتھ انجام دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ کی نیابتِ اہتمام کے زمانے میں دارالعلوم کے تمام شعبے پوری طرح متحرک، بیدار اور اپنے کاموں میں ہمہ تن مصروف رہتے تھے، شعبہ جات کی طرف سے ادنی سی کوتاہی بھی آپ برداشت نہیں فرماتے تھے اور فی الفور اس پر تنبیہ فرماتے تھے، ضرورت پڑنے پر ضابطہ اور قانون کی روشنی میں کارروائی بھی کرتے تھے، یہی وجہ تھی کہ کوئی اصول کی خلاف ورزی کرنے کی ہمت بھی نہیں کرتا تھا۔ مذکورہ دونوں اوصاف کے علاوہ ایک خوبی آپ کے اندر یہ بھی تھی کہ آپ چھوٹوں کو بھی بڑا بننے کے گر سکھاتے تھے، چھوٹوں کی ادنی سی ادنی کاوش کو سراہنا، ان کی حوصلہ افزائی کرنا، ہمت بڑھانا اور مخاطب کو یہ باور کرانا کہ اس نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہے، آپ کی اسی نایاب صفت کا غماز تھا۔

اس تعلق سے ایک واقعہ ذکر کر دینا فائدے سے خالی نہیں ہوگا، دو سال قبل جب ناچیز تکمیلِ افتا کی جماعت میں تھا، ایک دن حضرتِ والا کی طرف سے تحریری شکل میں یہ اعلان جاری کیا گیا کہ سالِ گزشتہ جو طلبہ محاضرات کے شعبے سے متعلق تھے، وہ بعد نمازِ عشا مسجدِ چھتہ میں جمع ہو جائیں، کچھ مشورہ کرنا ہے۔ اعلان پڑھنے کے بعد ایک بات پر بڑا تعجب ہوا، کہ اس جہاں دیدہ شخص کو ہم طلبہ سے مشورہ لینے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟ ظاہر ہے کہ ہماری سوچ اور فکر کی جو انتہا ہوگی، حضرت کے ذہن و دماغ کی رسائی اس سے ہزار ہا درجے بلندی تک ہوگی۔ خیر حضرت کی طرف سے یہ اعلان ہم سب کے لیے کسی خوش خبری سے کم نہیں تھا؛ اس لیے احباب خوشی خوشی مسجدِ چھتہ میں اکٹھا ہوئے اور یہ فقیر بھی احباب کے ساتھ شریک ہوا۔ حضرت نے فرمایا کہ آپ کو ایک مشورہ لینے کے لیے جمع کیا گیا ہے، بات یہ ہے کہ آپ ایک سال محاضرات پڑھتے ہیں، اس کے بعد یا تو دارالعلوم سے چلے جاتے ہیں، یا کسی دوسری تکمیل میں رہتے ہیں، بہرصورت آپ اس کے بعد محاضرات کو بالکل چھوڑ دیتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ صرف ایک سال محاضرہ پڑھ لینے سے نہ آپ کو باطل اور گمراہ فرقوں کے بارے میں مکمل معلومات ہوگی اور نہ ہی آپ ان سے مقابلے کی ہمت جٹا پائیں گے؛ اس لیے آپ کی ایک سال کی محنت کو آئندہ باقی رکھنے کا کیا طریقۂ کار ہونا چاہیے؟ اس کے سلسلے میں آپ مشورہ دیں! حضرت کی اس وضاحت کے بعد احباب نے اپنی اپنی آرا کا اظہار کیا اور حضرت نے ان تمام کو نام کے ساتھ درج کرایا۔

ہر ذی عقل و شعور بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ حضرت کو ہمارے مشورے اور رائے کی چنداں ضرورت نہیں تھی، لیکن حضرت نے یہ نشست صرف ہمیں یہ سکھانے اور سمجھانے کے لیے رکھی تھی کہ آدمی خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے، کسی بھی عہدے پر فائز ہو جائے، چھوٹوں سے مستغنی نہیں رہ سکتا، چھوٹوں کا ہونا بھی ضروری اور ناگزیر ہے؛ اس لیے بڑوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سے چھوٹوں کو بھی اہمیت دیں اور ان کو اپنے لیے غنیمت سمجھیں۔

اس کے علاوہ آپ جس طرح کام کرنے میں طاق تھے، اسی طرح دوسروں سے کام لینے میں بھی اعلیٰ درجے کی مہارت رکھتے تھے؛ چناں چہ شعبان کی مجلسِ شوریٰ میں جب آپ کو معاون مہتمم منتخب کیا گیا، تو آپ نے اگلے ہی روز اساتذہ اور مبلغین کو دفتر میں جمع کیا اور سب کو اس کا پابند بنایا کہ گاؤں گاؤں قریہ قریہ جا کر لوگوں کو دینِ متین کی صحیح صورت سے روشناس کرائیں، ان کے درمیان پھیلی ہوئی بدعات وخرافات اور برائیوں کے سدِ باب کے لیے جد وجہد کریں؛ چناں چہ اس کا اہتمام کیا گیا اور اس کے بہتر نتائج بھی ان شاء اللہ منظرِ عام پر آئیں گے۔

ان سب سے بڑھ کر آپ کو اللہ تعالیٰ نے صلاح وتقویٰ، زہد وورع، خلوص وللّٰہیت کے اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا۔ آپ کی پاکیزگی وطہارت اپنے وبیگانے سب کے نزدیک مسلم تھی، اسی کی برکت تھی کہ آپ کو احسن الخالقین نے ایسا نورانی اور باوقار چہرہ عطا کیا تھا، جو خداوندِ متعال کی یاد دلانے کے لیے کافی تھا۔ جس کی نگاہ آپ پر پڑتی وہ آپ کو کسی فرشتے سے کم تصور نہیں کر پاتا۔ آپ سنتِ رسول کے عاشق اور صحیح معنی میں متبعِ سنت تھے، آپ کی اک اک ادا سے سنتِ رسول کی جھلک محسوس ہوتی تھی، حتیٰ کہ ناچیز نے آپ کو کبھی کھل کھلا کر ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، ہمیشہ تبسم فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہے کہ آپ کبھی کھل کر نہیں ہنستے تھے، بس تبسم ہی پر اکتفا فرماتے تھے اور اس وقت آپ کا رخِ مبارک قابلِ دید ہوتا تھا، جی چاہتا تھا کہ یہ مسکراہٹ چہرے پر اسی طرح باقی رہے اور ہم اس سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

مگر افسوس! کہ اب وہ چہرہ اور وہ مسکراہٹ ہمیشہ کے لیے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوگئی اور اب صرف اس کو یاد کر کے آنسو بہانے کے علاوہ کچھ بھی ہمارے دائرہ اختیار میں نہیں رہا۔

وے صورتاں الٰہی کس دیس بستیاں ہیں
اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

آپ کے اوصاف وکمالات کا چند سطروں میں احاطہ کر پانا بڑا دشوار ہے، سب کو سپردِ

قرطاس کرنے کے لیے صفحات کے صفحات بھی ناکافی ہوں گے۔

ورق تمام ہوا اور مدح باقی ہے
سفینہ چاہئے اس بحرِ بیکراں کے لیے

اس لیے اسی پر اکتفا کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ، اللہ رب العزت حضرت الاستاذ کے درجات بلند فرمائے، کروٹ کروٹ چین وسکون مرحمت فرمائے، آپ کی تمام خدمات کا اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، ہم سب کو آپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق بخشے، جملہ پس ماندگان، خصوصاً آپ کے دونوں صاحب زادگان، اہلیہ محترمہ، فیض یافتگان اور آپ کے تمام شاگردوں کو صبرِ جمیل عطا فرمائے، مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علمائے ہند کو آپ کا نعم البدل نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

اٹھ گئی ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روئیے کس کے لیے کس کس کا ماتم کیجیے

ایک فرشتہ بہ شکل انسان

مفتی محمد شعیب قاسمی علی گڑھی استاذ مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دیوبند

نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک باز

''فرشتہ صفت انسان'' کہا اور لکھا تو بہتوں کو جاتا ہے؛ لیکن پہلی ہی نظر میں جس کے فرشتہ صفت ہونے کی دل گواہی دے، ایسے کم ہی ہوتے ہیں، راقم کے خانہ خیال میں آباد عظیم ہستیوں میں جس ہستی پر یہ لفظ اپنی پوری معنویت کے ساتھ صادق آتا ہے، وہ مخدوم ومربی استاذ الاساتذہ حضرت اقدس قاری سیّد محمد عثمان صاحب منصور پوری قدس سرہٗ کی ذاتِ والا صفات ہے، انسان کی محبوبیت کے جتنے ظاہری اسباب ہوا کرتے ہیں، ان کا بیشتر حصہ کاتبِ تقدیر نے قاری صاحب کی قسمت میں لکھ دیا تھا۔ خانوادۂ سادات کی پاکیزہ نسبت، نسلی وجاہت، طبعی شرافت، فطری نجابت، علمی ولولہ اور عملی جدوجہد کے ساتھ، آپ نے ظاہری حسن وملاحت سے بھی بھرپور حصہ پایا تھا، رفتار میں عالمانہ وقار، گفتار میں تاثیر ومعقولیت کے ساتھ اعتماد وحلاوت، شرافت وحیا کا پیکرِ محسوس، غرض پوری ذات ایک نفیس سانچے میں ڈھلی ہوئی، شخصیت اتنی پُرکشش کہ جدھر سے بھی گزرتے، شناسا وغیر شناسا ہر ایک کے لیے مرکزِ توجہ بن جاتے، جس طرف کو وہ بڑھتے احترام وعقیدت کے پھول ان کے قدموں پہ نچھاور ہوتے چلے جاتے۔

صبح وہ جتنی دیر تک باغ میں گھومتا رہا
سرووسمن کھڑے رہے گردنیں خم کیے ہوئے

تدریس کا نرالا انداز

قاری صاحب سے ہم نے تین کتابیں پڑھیں عربی ہفتم میں ''مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ''، دورۂ حدیث میں ''موطا امام محمدؒ'' اور پھر تکمیل ادب میں ''اسالیب الانشاء'' اس کے علاوہ ردِّ قادیانیت پر آپ کے محاضرات میں بھی شرکت کی سعادت ملی، آپ کا اندازِ تدریس بالکل فطری تھا، جس میں عجلت پسندی، سرسری پن یا روا روی کو ذرا بھی دخل نہ تھا، پورے اطمینان سے پڑھاتے اور ہر مسئلہ پر مکمل بحث کرتے، کہیں سوال و جواب کا انداز بھی اپناتے، کہیں معصومانہ مزاح سے بھی کام لیتے۔ تبسم اتنا پُرکشش تھا کہ پوری محفل میں پھول سے بکھر جاتے اور دل کو ایک ناقابلِ بیان سرور و انبساط کی کیفیت ملتی، دل کے نہاں خانے میں ان کی یادوں کے جو خوش نما دریچے ہیں، ان میں ایک دریچہ فقط اس مسکراہٹ کے نام ہے، جس سے نگاہیں اب عمر بھر کے لیے محروم ہوگئیں۔

ہر ہر بات ذہن کو اپیل کرتی ہوئی محسوس ہوتی، جس میں بلاغت کی چاشنی کے ساتھ، ترتیب کا حسن، رائے کی قوت، مطالعہ کی وسعت اور علمی پختگی پوری طرح کارفرما ہوتی۔

سنجیدگی اور متانت لازمۂ حیات تھی، کبھی کھل کھلا کر ہنستے ہوئے راقم نے نہیں دیکھا، بس تبسم فرماتے اور اسی تبسم سے دلوں کو اسیر کر لیتے، احادیث کی تشریح میں صحابۂ کرامؓ اور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی باہمی گفتگو کی منظر کشی کرتے، تو سماں باندھ دیتے، چشمِ باطن کو وا اور ظاہری آنکھوں کو بند کر لیتے، چہرے پر مسکراہٹ سجا لیتے، جو دل کے جذبات کی عکاسی کرتی اور دھیمے دھیمے لہجے میں تاجدارِ بطحیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ ﷺ کے جاں نثاروں کی باہمی گفت و شنید کا نقشہ کھینچتے، صحابہؓ کی جانب سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''حضرت جی'' اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے حضرت جبرئیل علیہ السلام کے لیے ''بھائی جبرئیل'' کا

خطاب ایسے دل نشین انداز میں ادا فرماتے کہ محسوس ہوتا کہ شاید قاری صاحب ان سب واقعات کے عینی شاہدین میں سے ہیں، احادیث کی تشریح میں درایتی پہلو پر توجہ زیادہ رہتی، حدیث سے ائمہ کرام کے استدلالات کی مکمل وضاحت کے بعد ضرورت کے وقت مذہبِ احناف کے ترجیحی پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالتے، کہیں حنفی مسلک سے بہ ظاہر متعارض روایت آتی، تو خاص انداز میں چہک کر فرماتے: ''ایک ہی حدیث تھوڑی ہے''، دیکھو صفحہ نمبر فلاں اور پھر وہ حدیث دکھاتے، جس پر احناف کے مسئلہ کی بنا ہوتی، پھر ہر دو احادیث میں تطبیق یا ترجیح پر سیر حاصل گفتگو فرماتے۔

ان کے درس میں عبارت پڑھنے والے کے لیے سب سے بڑی حیرانی یہ ہوتی کہ نہ جانے اب قاری صاحب کون سا صفحہ کھلوائیں گے اور کہاں سے پڑھوائیں گے؛ کیوں کہ وہ درس کے مقام سے تو عبارت دیکھ کر آتا؛ مگر اس غریب کو یہ کیا خبر کہ اس مضمون کی حدیث اور کس مقام پر ہے کہ وہ اسے بھی دیکھ لے، قاری صاحب ہی اس حدیث تک لے جاتے اور طالبِ علم کا سابقہ اس سے پہلی بار پڑتا، جو زیرک ہوتا وہ تو میدان سَر کر لیتا، اور جو ذرا مغفل ہوتا وہ بار بار غچہ کھاتا اور قاری صاحب کی ''ہمم''، ''ہمم'' کے ذریعہ تنبیہ کے بعد ہی چل پاتا۔

کوئی اہم بات دورانِ مطالعہ ملتی، تو بسا اوقات اسے پرچی پر نوٹ کر لیتے اور دورانِ درس جیب سے وہ رقعہ نکال کر طلبہ کو بھی املا کرا دیتے، ان کے درس میں کبھی محسوس نہ ہوتا کہ انھیں پڑھنے پڑھانے کے علاوہ بھی کوئی کام ہے، یا ادارہ کے انتظامی اُمور یا جمعیۃ علماءِ ہند کی پیہم سرگرمیوں سے بھی وہ کوئی واسطہ رکھتے ہیں، یوں لگتا کہ حضرت والا مسلسل مطالعہ اور کتب بینی میں مصروف رہتے ہیں؛ کیوں کہ اتنا تحقیقی درسِ حدیث، وسیع مطالعہ اور پیہم علمی انشغال کے بعد ہی ممکن ہے، جب کہ قاری صاحب سے خود دارالعلوم میں بہت سے انتظامی اُمور متعلق تھے اور اس کے علاوہ جمعیۃ علماء کی ملکی وملی پیہم سرگرمیاں بھی تھیں؛ مگر ان تمام ذمہ داریوں کو بہ حسن وخوبی انجام دینے کے باوجود درس وتدریس کے مشغلہ کو اتنے اعلیٰ معیار کے ساتھ برقرار رکھنا، قاری

صاحب ہی کا امتیاز تھا، جس کے لیے قاری صاحب اپنے اوقات کو بڑی احتیاط سے کام میں لاتے، سفر کے دوران بھی درسی کتب ہمراہ رکھتے، اور گھنی مصروفیتوں میں بھی مطالعہ کا موقع نکال لیتے، ذہین اور باشوق طلبہ میں آپ کا درس خصوصاً ''مشکوٰۃ المصابیح'' کا ہمیشہ مقبول رہا۔

مجموعۂ کمالات ہستی

قاری صاحب کی شخصیت مجموعۂ کمالات تھی، وہ بہ یک وقت بافیض مدرس، بے بدل محدث، ماہر ادیب، عظیم مربی، بیدار مغز منتظم ہونے کے ساتھ اعلیٰ دماغ، دُور اندیش، صائب الرائے، ذی وجاہت اور بااثر رہ نما و سالارِ کارواں بھی تھے، اور ہر میدان میں اپنی ایک الگ پہچان رکھتے تھے۔ قاری صاحب کا کسی بھی عہدہ سے تعلق فقط رسمی، بہ طور تبرک، یا محض نام کا نہ ہوتا، وہ جس ذمہ داری کو بھی اپنے سر لیتے، اسے پوری دیانت داری کے ساتھ نبھاتے، اس کی تمام جزئیات پر نظر رکھتے اور اس کے گوشے گوشے؛ بل کہ شوشے شوشے پر اپنی اُصول پسند طبیعت اور دارو گیرانہ مزاج سے پوری دسترس پالیتے، خود سے متعلقہ اُمور کے حوالہ سے وہ جس قدر سنجیدہ، فکرمند اور پیہم سرگرمِ عمل رہتے، اسی قدر غیر متعلقہ اُمور میں دخل اندازی سے بھی پرہیز فرماتے۔

ذمہ داری کے تئیں حساس

وہ ذمہ داری قبول کرنے کے بعد اس کی کما حقہ ادائیگی کو اپنے لیے فرض تصور کرتے، خواہ وہ چھوٹی ذمہ داری ہو یا بڑی، وہ جتنے اہتمام سے جمعیۃ علماءِ ہند کے ملکی سطح کے پروگراموں میں اپنے صدارتی فرائض انجام دیتے، اتنا ہی اہتمام طلبہ کی انجمنوں کے ان پروگراموں کے لیے بھی فرماتے جن کی صدارت آپ قبول فرمالیتے، ''انجمن تقویۃ الاسلام'' (شعبۂ مناظرہ)، ''مدنی دارالمطالعہ''، ''النادی الادبی'' یا ''انجمن زینت القرآن'' وغیرہ کے قدیم دارالحدیث میں منعقد ہونے والے پروگراموں میں آپ جب بھی بہ حیثیت صدر تشریف لاتے، تو از اوّل تا آخر پورے انہماک کے ساتھ پروگرام سنتے اور آخر میں قابلِ اصلاح اُمور کی نشان دہی فرماتے، عموماً

یہ پروگرام رات دیر گئے تک جاری رہتے، جس کی بنا پر پروگرام کے آغاز میں مہمانانِ کرام کی کثیر تعداد کے لیے ناکافی نظر آنے والا اسٹیج، پروگرام کے آخر تک چٹیل میدان کی صورت اختیار کر لیتا؛ مگر یہ فرشتہ صفت بزرگ، آخر تک اپنی جگہ سے نہ ہلتے، یوں ہی سر جھکائے صبر وتحمل کی چٹان بنے بیٹھے رہتے، اور آپ کی موجودگی طلبہ کے لیے حوصلہ افزائی کا سامان فراہم کرنے کے ساتھ، محفل کی تمام تر رعنائی اور جلسہ کی کامیابی کی ضمانت ہوتی۔

صدارتی خطاب یا درسِ شعور وآگہی

آخر میں آپ کا پُر مغز خطاب ہوتا، جو ﴿خِتٰـمُـهٗ مِسْكٌ﴾ کا نمونہ پیش کرتا اور پھر آپ ہی کی دعاء پر جلسہ کا اختتام عمل میں آتا، آپ کا وہ خطاب بھی نرالی شان کا ہوتا۔ ''النادی'' کا جلسہ ہوتو عربی ہی میں گفتگو فرماتے اور گفتگو کیا ہوتی، پھول سے برستے، شب کی نشاط آور ساعتیں، جس پر شبِ جمعہ کی برکتیں اور عہد طالب علمی میں اس شب کی فرحتیں مستزاد، دارالحدیث کا پُرنور ماحول، پروانوں کا ہجوم، اور پھر وہ ''نرم دمِ گفتگو'' محوکلام ہوتا، جس کی مسحور کن گفتگو سننے کے لیے دیر سے تشنگانِ علم بے قرار ہوتے، جلسہ گاہ کے اِرد گرد یا اپنے حجروں میں جا چکے طلبہ بھی کشاں کشاں؛ بل کہ رواں دواں جلسہ گاہ میں حاضر ہو جاتے، قاری صاحب کی گفتگو کا آغاز اس طرح کے مواقع پر عموماً حدیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیٰ صاحبہ وسلم: ''منهو مان لایشبعان'' سے ہوتا اور پھر اس کی شرح فرماتے ہوئے نت نئے معانی ومضامین کا انبار لگاتے چلے جاتے، متعدد مرتبہ قاری صاحب سے یہ حدیث سننے کے سبب قدیم طلبہ کے ذہنوں میں آپ کا وہ البیلا انداز بھی نقش ہو گیا تھا، جو قاری صاحب اس حدیث کو پڑھتے وقت اپناتے، راقم کے بعض رفقائے درس تو اس حد تک ماہر ہو گئے کہ ہو بہ ہو قاری صاحب کے لہجے میں یہ حدیث پڑھ دیتے ہیں۔ وہ یک طرفہ گفتگو نہ فرماتے؛ بل کہ طلبہ سے سوال بھی کرتے اور انھیں جواب دینے کا بھرپور موقع بھی دیتے، ان سے معلوم کرتے کہ آج کے جلسے میں تم نے کیا سیکھا، ''النادی'' کا جلسہ ہو تو عربی میں ہی جواب کا مکلّف بناتے، ''زینت القرآن'' کا جلسہ ہو، تو

جلسہ گاہ میں آویزاں بینروں پر لکھی ہوئی احادیث طلبہ سے پڑھواتے، ترجمہ کراتے اور پھر خود ان کی شرح فرماتے اور جلسہ کو ''نشستن وگفتن وبرخاستن'' کی روایت سے ہٹا کر ایک کارآمد اور معلومات افزا مجلس بنا دیتے۔

تقریظ لکھنے میں اُصول پسندی

قاری صاحب سے کسی کتاب پر تقریظ لینا بھی آسان کام نہ تھا، اوّلاً تو خود مصنف کا امتحان لیا جاتا، کہ اس نے کیا لکھا؟ کہاں سے لکھا؟ کیوں لکھا؟ اور کس طرح لکھا؟ پھر اگلا مرحلہ یہ آتا کہ آپ کتاب قاری صاحب کے پاس چھوڑ کر چلے جایئے اور انتظار کیجیے کہ قاری صاحب اپنی گوناگوں مصروفیات سے بچ رہنے والے مختصر اوقات میں اس کتاب کا رفتہ رفتہ بالاستیعاب یا کم از کم اتنا مطالعہ فرمالیں جتنا اس کتاب کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے لیے ناگزیر ہے؛ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اس مطالعہ کے دوران قاری صاحب کو کوئی خلافِ واقعہ امر یا فکری بے اعتدالی نظر نہ آئے، اور پوری طرح اطمینان ہو جائے کہ یہ کتاب تقریظ لکھنے کے لیے مقررہ معیار پر پوری اُترتی ہے، تب کہیں جا کر قاری صاحب اس پر تقریظ لکھنے کے لیے آمادہ ہوتے، بھلا یہ صبر آزما اور ''اناشکن'' مراحل آج کل کے تعریف پسند، ''نشۂ مصنفی'' سے چور اور اصلاح سے نفور ''مصنفینِ مستعجلین'' کے لیے کب قابلِ تحمل ہو سکتے تھے، کم ہی باہمت؛ بل کہ خوش قسمت اس دشوار گزار گھاٹی کو عبور کرنے کی جرأت کر پاتے۔

مردِ خلیق و باصفا

قاری صاحب نے اخلاقِ حسنہ سے بھی وافر حصہ پایا تھا، وہ بے حد خلیق، متواضع، ملنسار، مہمان نواز، ہمدرد، خیر خواہ اور نفع رساں واقع ہوئے تھے، ان سے ملاقات کرنے والا ان کے اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا، وہ اپنے مہمانوں کی خدمت کا بڑا اہتمام فرماتے، اور ضعف و پیری کے باوصف بہ ذاتِ خود مہمانوں کی خدمت میں لگ جاتے، وہ سہل

المنال تھے، ہر شخص ان سے بلا تکلف ملاقات کر سکتا تھا، ہر ایک کی بات پوری توجہ سے سنتے اور اس کے مسئلہ کے حل میں ممکنہ سعی فرماتے، مخاطب چھوٹا ہو یا بڑا سب سے مہذب گفتگو فرماتے، اور ہر ایک کا احترام ملحوظ رکھتے، طلبہ کا نام بھی اچھے انداز میں لیتے، صرف نام سے نہ پکارتے؛ بل کہ اس کے ساتھ ''مولوی'' کا سابقہ ضرور لگاتے، انھیں ''تم'' سے مخاطب کرتے، چھوٹی چھوٹی باتوں کی اصلاح فرماتے، ''طلبہ'' کے لیے اگر کوئی ان کے سامنے ''بچے'' یا ''لڑکے'' کا لفظ بولتا تو فوراً تنبیہ کرتے کہ ''بچے'' کیا ہوتا ہے؟ ''طلبہ'' کہو، ''ساتھی'' کہو، طلبہ درخواست لکھ کر لے جاتے، تو انھیں درخواست لکھنے کے آداب سکھلاتے، درخواست کا آغاز کس طرح ہو؟ مقصد کی بات کو کیسے لکھا جاتا ہے، تاریخ درج کرنا کس قدر اہم ہے؟ چناں چہ بسا اوقات درخواست کو ایک سے زائد بار واپس بھی کر دیتے اور تمام اُمور کی رعایت کے بعد ہی درخواست کو ملاحظہ کے لیے قبول فرماتے۔

غرض وہ ایک مردِ خلیق اور مشفق مربی تھے، جن سے ملنے والا ہر شخص زبانِ حال سے یہی کہتا نظر آتا:

بہت جی خوش ہوا حالؔی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

کریم النفس وابوالکریمین

نیک صالح اولاد وہ عظیم خدائی عطیہ ہے، جس کے لیے اولیائے کرام ہی نہیں انبیائے عظام نے بھی دعائیں کی ہیں، یہ قرۃ العین بھی ہیں، صدقۂ جاریہ بھی ہیں، اور قرآن کی زبان میں ﴿لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا﴾ کا سبب بھی، آدمی خود بلندی کے مراتب کو پالے؛ مگر باپ کا علم بیٹے کو ازبر نہ ہو اور وہ قابلِ میراث پدر نہ ہو، تو باپ کے لیے یہ تصور بھی سوہانِ روح بن جاتا ہے، اور عمر کے ایک مرحلہ پر، جسے عمر کا آخری مرحلہ کہیے، باپ کو اپنی تمام تر بلندیاں، فتح مندیاں اور کامرانیاں ریت کا محل ڈھلتی چھاؤں اور زوال پذیر گھروندا محسوس ہوتی ہیں اور یہ حقیقت ہے

کہ باپ ہی دنیا کی وہ واحد شخصیت ہے، جو اپنے فرزندِ ارجمند کے تئیں یہ خواہش رکھتی ہے کہ میری اولاد ہر میدان میں مجھ سے آگے بڑھے اور جن بلندیوں کو میں چھو بھی نہ سکا، میرا لختِ جگر ان بلندیوں کو قدموں سے روند کر آگے بڑھ جائے، باپ کے علاوہ یہ جذبہ کوئی دوسرا نہیں رکھ سکتا، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اولاد ہی انسان کے سر پر عزت وعظمت کا تاج سجا دیتی ہے، اور اولاد ہی اسے معاشرہ میں بے وقعت اور بے حیثیت بنا دیتی ہے، واقعی نیک صالح اولاد اللہ کی عظیم نعمت ہے۔ قاری صاحب کو اللہ نے اولادِ صالح کی اس عظیم نعمت سے بھی نوازا اور اس نیک بخت اولاد کی دنیوی بہاریں دیکھنے کا بھی خوب موقع عطا فرمایا؛ ورنہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اولاد، صالح ونیک بخت تو ہوتی ہے؛ مگر اس کی دنیا میں بہاریں دیکھنے سے قبل ہی والدین دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے قاری صاحب کو یہ خصوصیت بخشی کہ ان کی زندگی میں ہی ان کے صاحب زادگان عزت وسربلندی کے اس مقام پر فائز ہو گئے تھے، جو بجا طور پر رشک کیے جانے کے قابل ہے۔ مفتی محمد سلمان منصور پوری اور مفتی وقاری محمد عفان منصور پوری کا تعارف فقط اس حوالے سے نہیں ہے کہ وہ ایک عظیم باپ کی اولاد ہیں؛ بل کہ ان میں سے ہر ایک اس حوالے سے الگ علمی حلقوں میں اپنا ایک مقام رکھتا ہے، ایک مسندِ فقہ پر جلوہ افروز ہو کر اپنی فقہی مباحث، فتاویٰ واصلاحی تحریروں اور ملی سرگرمیوں کے ذریعہ امت کی قیادت کا بیڑا اُٹھائے ہوئے ہے، تو دوسرا اپنی منفرد خطابت، باوقار لہجہ، محبوب شخصیت، کانوں میں رس گھولنے والے لحنِ داؤدی کے ذریعہ، ایک عالم کے دلوں پر چھائے ہوئے ہے، ان کے حق میں ''کبرنا موت الکبراء'' کا مقولہ بھی درست نہیں کہ ان کو یہ مقام بڑوں کی زندگی ہی میں عطا ہو چکا تھا۔ حضرت قاری صاحب قدس سرہٗ کی عظمتوں کی کتاب میں ایک اہم باب کا عنوان یہ بھی ہے کہ وہ مفتی محمد سلمان منصور پوری اور مفتی محمد عفان منصور پوری کے والدِ بزرگوار، استاذِ محترم اور مربی ومرشد تھے۔ یہ فضیلت بجائے خود اتنی عظیم ہے کہ اگر یوں ہوتا کہ قاری صاحب اپنی زندگی میں ''سلمان'' و''عفان'' جیسے ہونہار اور لائق وفائق فرزندوں کی تربیت کے علاوہ کوئی دوسرا کارنامہ

انجام نہ دیتے، تب بھی قاری صاحب کی زندگی ایک کامیاب اور قابلِ رشک زندگی کہلاتی۔

این سعادت بہ زور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا میں ہوں دنیا کا طلب گار نہیں ہوں

قاری صاحب نے اپنی زندگی میں بہت سے مناصب کو زینت بخشی، بہت سے عہدوں پر فائز رہے؛ بل کہ آخر آخر تو آپ کی شخصیت ملت کے مسلمہ قائدین میں شامل ہوگئی تھی؛ لیکن آپ کے بارے میں اپنے تو اپنے کسی بے گانے کو بھی یہ تصور نہ گزرا ہوگا کہ آپ نے کوئی عہدہ یا منصب پانے کے لیے کبھی کسی قسم کی کوشش کی، لوگوں کی رائے اپنے حق میں کرنے کے لیے کوئی خفیہ تحریک برپا کی، یا اپنے اثر ورسوخ کے دم پر کسی عہدے پر تسلط جمایا؛ بل کہ وہ تو خودنمائی سے ہمیشہ گریزاں ہی رہے، ان کی تخلیق میں ایسے عناصر سے کام لیا ہی نہ گیا تھا، جن کا اثر خود رائی، اعجابِ نفس اور بڑا بننے کی بے جا ہوس کی صورت میں ظاہر ہو؛ لیکن اداروں، تنظیموں اور تحریکوں کے وابستگان کو جب کام کے آدمی کی ضرورت پڑتی، تو ان کی نگاہیں قاری صاحب پر ہی جا کر ٹھہرتیں؛ کیوں کہ وہ ایک ایسی شخصیت تھی جسے ناموری سے غرض تھی نہ صلے وستائش سے، اسے پرواہ تھی تو بس کام کی، اسے واسطہ تھا تو اپنی ذمہ داری سے، بھلا ایسا شخص جب کسی عہدہ پر فائز ہوگا، تو اللہ کی توفیق ونصرت شاملِ حال کیوں نہ ہوگی؟ ضابطہ ہی یہ ہے کہ جب آدمی کو بلا طلب کوئی منصب سپرد کیا جاتا ہے، تو اس کی یاوری دستِ غیب سے کی جاتی ہے اور جب آدمی دنیا سے بھاگتا ہے، تو دنیا اس کے قدموں پہ نثار ہونے کو آتی ہے۔

نہیں چلنے لگی یوں میرے پیچھے
یہ دنیا میں نے ٹھکرائی بہت ہے

کام کرنے اور کام لینے میں طاق

حضرت والا جس طرح کام کرنے میں طاق تھے، اسی طرح وہ کام لینے کے ہنر سے بھی

پوری طرح واقف تھے۔ قاری صاحب کسی کے ذمہ کوئی کام سونپتے، تو کام دے کر خود بے فکر ہوجاتے، نہ کام لینے والے کو بے فکر ہونے دیتے، بار بار اس سے رابطہ کرتے اور استفسار کرتے رہتے، کہ اب کام کس مرحلہ میں ہے، اور پہلے سے کیا پیش قدمی ہوئی ہے، ان کی بار بار کی باز پرس کام کرنے والے کو مہمیز کرتی اور اسے کام مکمل کیے بغیر چین سے نہ بیٹھنے دیتی، اس طرح وہ بہت سے لوگوں سے ایسے ایسے کام لے لیتے، کہ کام کرنے کے بعد خود کرنے والے کو تعجب ہوتا کہ میرے لیے اس کام کی تکمیل کیوں کر ممکن ہوئی؟

یمنی واشعری لحنِ داؤدی

قاری صاحب کو تلاوتِ کلام اللہ سے خاص شغف تھا، ہر صبح نمازِ فجر کے بعد کسی بھی مانوس طالبِ علم کے ساتھ قرآنِ کریم کا دَور کرنے کا، آپ کا ہمیشہ معمول رہا۔

نیز وہ خوش الحان قاری تھے، متعدد مرتبہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقعہ ملا، سوز گداز سے بھرپور لہجے میں تلاوت فرماتے، دل کرتا کہ سنتے ہی جاؤ، نہ اس میں ذرا بھی تصنع کو دخل ہوتا، نہ قرأت کے اُصولوں سے سرِ مو انحراف، دھیمی دھیمی آواز کانوں کے راستے دل کے تاروں سے ٹکراتی۔ نئے زمانے کے قراء عموماً حروف کو تو خوب بنا سنوار لیتے ہیں؛ مگر ان کی تلاوت سوزِ دروں سے خالی ہوتی ہے، قدیم زمانے کے حفاظ کی تلاوت سنیے، تو ان کے یہاں، ممکن ہے اُصولِ تجوید کی بہت زیادہ رعایت نہ ملے؛ لیکن اسے سن کر یہ ضرور محسوس ہوتا ہے کہ پڑھنے والے کا سینہ قرآن کی عظمت سے معمور ہے اور وہ اس بات کے پورے استحضار کے ساتھ تلاوت کر رہا ہے کہ میں رب العالمین کا کلام پڑھ رہا ہوں، ہمارے قاری صاحب کی تلاوت کا یہی امتیاز تھا کہ وہ قواعدِ تجوید کی کسوٹی پر بھی پوری اترتی تھی، ساتھ ہی اس میں روحانیت کا وہ ساز بھی ہوتا، جو ذہن کو، قرآن کی عظمت کا احساس کراتا اور سننے والا آیاتِ تنزیل کو دل پر اُترتا ہوا محسوس کرتا۔

آخرِ عمر میں قابلِ قدر کارنامہ

۲۰۲۰ء میں جب حضرت اقدس مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری رحمہ اللہ کا وصال ہوا،

تو مجلسِ شوریٰ نے قاری صاحب کو کارگزار مہتمم کے عہدے پر فائز کردیا، یہ وہ وقت تھا جب کرونا کی عالمی وبا کے سبب دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی سلسلہ پوری طرح منقطع تھا اور تدریسی مشاغل نہ ہونے کے سبب اساتذۂ دارالعلوم دیوبند کے اوقات فارغ تھے، قاری صاحب نے کارگزار مہتمم کا قلمدان سنبھالتے ہی اس امر کی طرف توجہ مبذول کی کہ تعلیم خواہ بند رہے؛ مگر مادرِ علمی کی فیض رسانی کا سلسلہ موقوف نہ ہونا چاہیے اور اساتذۂ دارالعلوم کے فارغ اوقات کا بھرپور استعمال ہونا چاہیے؛ چناں چہ انھوں نے ہنگامی طور پر دو شعبوں کے قیام کو منظوری دلائی: ''تحقیق وتالیف کمیٹی'' اور ''اصلاحِ معاشرہ کمیٹی'' پہلے شعبہ کے تحت اساتذہ کو مکلّف کیا گیا کہ وہ اپنے پسندیدہ اور عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ کسی بھی اسلامی موضوع، اکابر کی کتابوں میں سے کسی کتاب کی تحقیق وتعلیق، یا اکابر میں سے کسی ایک کی سوانح پر کام کرنے کا بیڑا اُٹھائیں، اور دوسرے شعبہ کے تحت دیوبند واطراف دیوبند کی مساجد میں درسِ قرآن اور اصلاحی پروگراموں کا نظام قائم کیا گیا، جس میں اساتذۂ دارالعلوم ہی کو ذمہ داری دی گئی کہ وہ مقامی لوگوں کی دلچسپی کے مطابق ہفتہ میں ایک دن منتخب کرکے تفسیر اور اصلاحی مواعظ کا سلسلہ قائم کریں، احاطۂ مولسری میں شمالی جانب تکمیلِ تفسیر کی درسگاہ کو ان دونوں شعبوں کا دفتر قرار دیا گیا اور دونوں شعبوں کے لیے مستقل نگراں ومنشی مقرر کیے گئے، اور قاری صاحب کی سرپرستی میں یہ دونوں شعبے ایک مضبوط اور مکمل نظام کے تحت سرگرم عمل رہے۔ پہلے شعبہ کے ذریعہ تحقیق وتعلیق کا ایک بڑا کام قلیل مدت میں انجام پذیر ہوا، جس کا تصور عام دنوں میں ناممکن تھا، جن اساتذہ کا پہلے سے لکھنے لکھانے کا ذوق تھا، ان کے لیے تو یہ موقع نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوا، جب کہ دیگر اساتذہ، جنھیں درس وتدریس سے دلچسپی زیادہ تھی، ان کے قلمی جواہر بھی کھل کر سامنے آئے، دوسرے شعبہ کے ذریعہ عوام میں دینی شعور بیدار ہوا اور دارالعلوم دیوبند کے علمائے عاملین سے انھیں بہ راہِ راست استفادے کا موقعہ ملا، اس شعبہ کے تحت بہت سے پمفلٹ اور کتابچے بھی تیار کراکر تقسیم کرائے گئے، جن کے ذریعہ عام فہم زبان میں کتاب وسنت کی واضح تعلیمات پر عمل

کی ترغیب اور معاشرہ میں پھیلی بُرائیوں اور غلط رسوم سے بچنے کی تاکید کے ساتھ عوام میں دینی جذبہ اور اسلامی شعور بیدار کرنے کی ایک کامیاب مہم چلائی گئی، زمینی سطح پر اس کا بے حد نفع ظاہر ہوا اور یہ قاری صاحب کی زندگی کے آخری کارناموں میں انتہائی اہم کارنامہ شمار کیا گیا، ہر شخص یہی کہتا نظر آیا کہ کیا ہی اچھا ہوتا جو قاری صاحب کو یہ ذمہ داری اور پہلے سونپ دی جاتی، عمر کے آخری پڑاؤ میں بھی قاری صاحب کے کام کرنے کی دُھن، ذمہ داری کا احساس اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے میں جوانوں کی سی توانائی اور نشاط قابلِ دید اور لائقِ صد رشک تھا، جس کا واضح ثبوت قاری صاحب کے قائم کردہ یہ دونوں شعبے ہیں، جو قاری صاحب کے بعد دیگر بہت سے شعبوں، مناصب اور عہدوں کی طرح بے رنگ و نور رہ گئے ہیں اور زبانِ حال سے یوں ماتم کناں ہیں:

ویراں ہے مے کدہ خم و ساغر اُداس ہے
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

چند روشن نقوش

مولانا محمد سلمان مدرس مدرسہ حسینیہ مصطفیٰ آباد مرغوب پور ہریدوار اترا کھنڈ

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی ظاہری خصوصیت - باطنی کمالات کا علم تو اللہ ہی کو ہے - اس عاجز کی نظر میں آپ کا ہر وقت مصروفِ عمل رہنا ہے۔ حضرت والا کو کئی سال مسلسل دیکھنے کا موقع ملا، ایک فعال مشین کی طرح ہر وقت کسی نہ کسی کام میں مصروف پایا۔ ابھی دور دراز یا قرب و جوار کے سفر کے لیے پابہ رکاب ہیں، ابھی سبق پڑھا رہے ہیں، ابھی دفترِ اہتمام میں ہیں، ابھی دارالعلوم کے مہمانوں سے مل رہے ہیں، ابھی دفترِ تحفظ ختم نبوت میں ہیں، ابھی دارالعلوم کے شعبہ جات کا جائزہ لے رہے ہیں، ابھی محاضرہ پیش کر رہے ہیں، ابھی دارالعلوم کی خدمات کے لیے خواہش مند حضرات کا انٹرویو لے رہے ہیں، ابھی دارالعلوم کے کسی استاذ یا طالب علم کا کوئی عقدہ اپنے ناخنِ تدبیر سے حل کر رہے ہیں، ابھی ملکی اور ملی مسائل کے سلسلے میں بڑے بڑے علما اور سیاسی قائدین سے مل رہے ہیں، ابھی جمعیۃ علما ہند اور دیگر بڑی تنظیمات و تحریکات کے جلسوں میں شرکت فرما رہے ہیں، ابھی دارالعلوم کی بڑی بڑی باوقار انجمنوں کی سرپرستی اور ان کے افتتاحی واختتامی جلسوں کی دیر تک مکمل بیدار مغزی کے ساتھ صدارت فرما رہے ہیں، طلبہ کی حوصلہ افزائی بھی مگر ساتھ ساتھ ان کی خامیوں کی نشاندہی بھی، پیار بھری نصیحتیں بھی اور انہی کی دعا پر عموماً مجلسیں برخاست؛ مدنی دارالمطالعہ، سجاد لائبریری اور النادی الادبی کے پروگرام اس کے گواہ ہیں اور یقیناً ان تمام مصروفیات کے ساتھ ساتھ اپنے خانگی معاملات اور ذاتی معمولات کے لیے بھی وقت نکالتے ہی ہوں گے مگر ان تمام ہوش ربا مصروفیات کے باوجود ان سے ملنے والا

ہر آدمی اس بات کی گواہی دے گا کہ کوئی غصہ نہیں، کوئی جھنجھلاہٹ نہیں، کوئی تصنع نہیں، کوئی تھکن کا اظہار نہیں؛ بلکہ ہمیشہ وہی ہنستا مسکراتا چہرہ جو آپ کی پہچان تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ جس طرح اللہ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا اسی طرح حضرت کے لیے مصروفیات کو آسان فرما دیا تھا۔ فلا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت کی رخصتی صرف ایک فرد کی رخصتی نہیں بلکہ دینی، ملکی و ملی خدمت کے ان تمام شعبوں کا نقصان ہے، آج عربی کا یہ شعر کتنا برمحل لگتا ہے:

وَمَا كَانَ قَيْسٌ هُلْكُهُ هُلْكُ وَاحِدٍ
وَلٰكِنَّهُ بُنْيَانُ قَوْمٍ تَهَدَّمَا

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اس عظیم خسارے کی تلافی فرمائے۔

اندازِ تدریس

آپ کے ہزاروں شاگردوں کی طرح اس عاجز کو بھی حضرت سے مشکاۃ المصابیح کا ایک حصہ اور مؤطا امام مالک پڑھنے کا موقع ملا، نیز محاضرہ ردِ قادیانیت میں بھی شرکت کی سعادت حاصل ہوئی، آپ نہایت ہی پُر وقار ہشاش بشاش درسگاہ میں تشریف لاتے، مدھم لہجہ، دھیمی آواز، رسیلا انداز، مختصر، مفید اور بامعنی تشریح فرماتے، آپ کے درس میں زوائد کا کوئی گزر نہیں تھا، دو باتیں آپ کے درس میں اس عاجز کو بڑی پیاری لگتی تھیں: ایک تو یہ کہ بسا اوقات آپ جیب میں سے کاغذ کا کوئی رقعہ نکالتے اور زیرِ درس حدیث کے شواہد وتوابع پیش فرماتے، تو بڑا جی خوش ہوتا ایک تو یہ طرزِ عمل اس بات پر دلالت کرتا کہ اتنی مصروفیات کے باوجود بھی آپ مکمل تیاری کے ساتھ تازہ مطالعہ فرما کر تشریف لاتے ہیں، دوسرے آپ کی علمی امانت داری کی غمازی ہوتی کہ آپ دیکھ کر عبارت سناتے تاکہ کوئی لفظ غلط نہ ہو جائے۔ دوسرے کبھی کبھار عالمی وملکی حالات اور ہر چہار جانب مسلمانوں کی پسپائی کا تذکرہ کرتے ہوئے ''احادیثِ فتن'' ایسے اچھے انداز میں بیان فرماتے کہ بڑی سے بڑی مصیبت ہیچ معلوم ہونے لگتی اور دیر سویر مسلمانوں کے روشن مستقبل کی امید ہو جاتی، نیز دورِ فتن کے بہت سے مستور گوشے روشن ہو جاتے،

''احادیثِ فتن'' کا سب سے دل لگتا اور امید افزا تذکرہ کم از کم اس عاجز نے تو اوّلاً حضرت قاری صاحب کے درس میں ہی سنا۔ فجزاه الله عنا وعن جميع المسلمين خيرا.

جمالِ صورت اور کمالِ سیرت

آپ نسباً سادات کے اس عظیم ترین خانوادے کے فردِ فرید تھے، جس کا سلسلہ خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے لہٰذا آپ میں جتنی بھی خوبیاں ہوں وہ سب ہی قرینِ قیاس ہیں، صورۃً آپ دیدہ زیب، معتدل القامت، پرکشش، وجیہ، باوقار، متبسم اور دل آویز شخصیت کے مالک تھے، جب کہ سیرۃً آپ نہایت خلیق، وضعدار اور مروت و شرافت کا پیکر تھے، صورت وسیرت کی یہ یکجائی عموماً کم ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے۔ إلا أن يشاء الله

کمالِ علم اور جمالِ حلم

آپ بہترین حافظ، شاندار قاری اور ذی استعداد عالم ہونے کے ساتھ ساتھ عربی اور اردو میں تحریراً وتقریراً یکساں طور پر قدرت رکھتے تھے، علمِ تفسیر وحدیث میں آپ کا مطالعہ بہت وسیع تھا، فکرِ دارالعلوم سے متعلق تمام گوشوں پر بھی بہت گہری نظر تھی، جس کا اظہار آپ کی ہر تحریر وتقریر سے ہوتا تھا مگر اس علمی کمال کے باوجود آپ کے اخلاق، حلم و بردباری اور قوت برداشت مثالی تھی، اس کے کئی نمونے لکھنے والے کے علم میں ہیں مگر اب شاید ان کا تذکرہ نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

دو انمول رتن

یوں تو آپ خوبیوں کا مجموعہ تھے ہی؛ مگر جب شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کی صاحبزادی آپ کے حبالِ عقد میں آئیں تو یہ نسبی شرافت دوآتشہ ہوگئی پھر اللہ نے آپ کو نیک صالح اولاد کی نعمت سے بھی نوازا، واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اپنی اولاد کی ایسی مثالی تربیت فرمائی کہ اگر آپ میں مزید خوبیاں نہ بھی ہوتیں تب بھی مدت العمر آپ کی نیک نامی کے لیے آپ کی اولاد ہی کافی تھی بطور خاص آپ کے دونوں نامی گرامی صاحبزادگان فقیہ العصر

محققِ دوراں حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصور پوری اور ادیبِ اریب خطیب العصر حضرت مولانا مفتی سید محمد عفان صاحب منصور پوری ادام اللہ ظلالہما واتم فیوضہما تو بلا شبہ ملت اسلامیہ ہندیہ کا بیش قیمت سرمایہ ہیں، عموماً علما پر ان کی اپنی اولاد کی تربیت کے حوالے سے جو ایک تہمت تھی الحمدللہ کہ آپ اس سے بری ہوکر دنیا سے تشریف لے گئے اور اولاد کی شکل میں بھی اپنے لیے بہترین صدقۂ جاریہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ **إن شاء اللّٰه؛ كما أحسب ويحسب الناس، واللّٰه الحسيب ولا نزكي على اللّٰه أحدًا.**

یہ بھی دیکھا

چند سال قبل آپ ضلع ہریدوار کے ایک گاؤں سرائے کے سالانہ جلسے میں تشریف لائے، ظہر کے بعد کھانے کے دستر خوان پر بیٹھے تو آپ کی گاڑی سے کھانے کا ٹفن نکال کر لایا گیا، دستر خوان پر انواع واقسام کے کھانے چنے ہوے تھے مگر یہ شاہانہ مزاج رکھنے والا امانت دار درویش اپنے اسی معمولی سے ٹھنڈے سالن سے ہی کھانا کھاتا رہا جو دیوبند سے ساتھ لایا گیا تھا، جو غالبًا کدو یا لوکی کا سادہ سا سالن تھا، شاذ و نادر ایک آدھ لقمہ میزبانوں کے اصرار پر شاید دوسرے کھانوں سے بھی لیا، اب یہ نہیں معلوم کہ یہ حضرت کا دوامی معمول تھا یا کسی مجبوری کی وجہ سے اس روز کھانا ساتھ لائے تھے۔

دل آویز مسکراہٹ

آپ کی ایک خوبی جو آپ کی ذات کا لازمی جز بن گئی تھی، جس کے بغیر آپ کا تصور ہی مشکل سا لگتا ہے وہ ہے آپ کی دل آویز مسکراہٹ؛ جو اکثر اوقات آپ کے چہرے پر رہتی تھی اور آپ کے چہرے کی دل کشی کو دوبالا کیے رکھتی تھی، مشکل سے مشکل حالات میں بھی وہ خفیف سا تبسم آپ کے چہرے سے جدا نہیں ہوتا تھا اور یہ تبسم نہ صرف یہ کہ آپ کی ذات کے لیے زینت تھا؛ بلکہ دیکھنے والوں کو بھی ایک فرحت بخش سکون کا احساس دلاتا تھا، امید واثق ہے کہ اللہ رب العالمین حضرت کو دنیا کی طرح عقبی میں بھی ہنستا مسکراتا ہی رکھے گا۔ ان شاءاللہ ❒❖❒

تعلیم وتربیت

دارالعلوم دیوبند میں

والد ماجد حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ کی

تدریسی خدمات

والد ماجد حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اَولاً ۵؍سال ''جامعہ قاسمیہ گیا'' میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ بعد اَزاں ۱۰؍سال ''جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ'' میں قیام فرما کر علمی فیضان جاری رکھا۔ اِس دوران ابتدائی، متوسط اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔ پھر ۱۹؍ذی قعدہ ۱۴۰۲ھ میں آپ مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں تشریف لے آئے، اور مسلسل ۴۰؍سال درسِ نظامی کی متوسط اور اعلیٰ کتابوں کی تدریس کا موقع ملا، اور ہزاروں تشنگانِ علوم دینیہ کو آپ نے سیراب فرمایا۔

ذیل میں دارالعلوم دیوبند میں سال بہ سال زیر درس کتابوں کا نقشہ پیش کیا جارہا ہے، اِس نقشہ کو فراہم کرنے میں دفتر تعلیمات دارالعلوم دیوبند اور حضرت والد ماجدؒ کے خاص معتمد جناب مولانا اسعد اللہ صاحب زید کرمہم کا تعاون حاصل رہا، جس پر ہم بہت مشکور ہیں۔ (مرتب)

سال	کتب
۱۴۰۳ھ	نور الانوار، عقیدۃ الطحاوی، مقاماتِ حریری، البلاغۃ الواضحۃ، مختصر المعانی، تلخیص المفتاح، حسامی، سلم العلوم، ہدیہ سعیدیہ
۱۴۰۴ھ	نور الانوار، عقیدۃ الطحاوی، مقاماتِ حریری، البلاغۃ الواضحۃ، مختصر المعانی، سلم العلوم، ہدیہ سعیدیہ، شرح عقائد نسفی
۱۴۰۵ھ	نور الانوار، مقاماتِ حریری، شرحِ عقائد نسفی، مختصر المعانی، عقیدۃ الطحاوی، البلاغۃ الواضحۃ، تلخیص المفتاح، القراءۃ الواضحۃ (سوم)
۱۴۰۶ھ	بیضاوی سورۂ بقرہ، مقاماتِ حریری، مختصر المعانی، اسالیب الانشاء

۱۴۰۷ھ	بیضاوی سورۂ بقرہ، اسالیب الانشاء، مختصر المعانی، القراءۃ الواضحۃ سوم، تمرین صف ثالث
۱۴۰۸ھ	بیضاوی سورۂ بقرہ مختصر المعانی، اسالیب الانشاء، القراءۃ الواضحۃ (سوم)
۱۴۰۹ھ	بیضاوی سورۂ بقرہ، جلالین شریف ثانی، الفوز الکبیر، اسالیب الانشاء
۱۴۱۰ھ	بیضاوی سورۂ بقرہ، جلالین شریف ثانی، الفوز الکبیر، اسالیب الانشاء، القراءۃ الواضحۃ (سوم)
۱۴۱۱ھ	بیضاوی سورۂ بقرہ، جلالین شریف، اسالیب الانشاء
۱۴۱۲ھ	ہدایہ ثالث (اولی) شرح عقائد نسفی، سراجی، اسالیب الانشاء
۱۴۱۳ھ	مشکوٰۃ شریف ثالث، شرح نخبۃ الفکر، ہدایہ ثالث، اَسالیب الانشاء
۱۴۱۴ھ	مشکوٰۃ شریف ثالث، شرح نخبۃ الفکر، ہدایہ ثالث، اَسالیب الانشاء
۱۴۱۵ھ	موطاِ امام محمد (یوم جمعہ) مشکوٰۃ شریف ثالث، شرح نخبۃ الفکر، ہدایہ ثالث، اَسالیب الانشاء
۱۴۱۶ھ	موطاِ امام محمد (یوم جمعہ) مشکوٰۃ شریف ثالث، ہدایہ ثالث، اَسالیب الانشاء
۱۴۱۷ھ	موطاِ امام محمد (یوم جمعہ) مشکوٰۃ شریف ثالث، ہدایہ ثالث
۱۴۱۸ھ	موطاِ امام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثالث، ہدایہ ثالث
۱۴۱۹ھ	موطاِ امام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثالث
۱۴۲۰ھ	موطاِ امام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثالث
۱۴۲۱ھ	موطاِ امام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثالث
۱۴۲۲ھ	موطاِ امام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثالث
۱۴۲۳ھ	موطاِ امام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثالث
۱۴۲۴ھ	موطاِ امام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثالث

۱۴۲۵ھ	موطاامام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثالث
۱۴۲۶ھ	موطاامام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی
۱۴۲۷ھ	موطاامام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی
۱۴۲۸ھ	موطاامام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی
۱۴۲۹ھ	موطاامام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۰ھ	موطاامام مالک (یوم جمعہ ششماہی اول) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۱ھ	ابن ماجہ شریف (سہ ماہی دوم بعد نماز عشاء) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۲ھ	ابن ماجہ شریف (سہ ماہی دوم بعد نماز عشاء) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۳ھ	موَطاامام محمد (یوم جمعہ صبح ششماہی دوم) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۴ھ	موَطاامام محمد (یوم جمعہ صبح ششماہی دوم) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۵ھ	موَطاامام محمد (یوم جمعہ صبح ششماہی دوم) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۶ھ	موَطاامام محمد (یوم جمعہ صبح ششماہی دوم) مشکوٰۃ شریف ثلث ثانی، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۷ھ	موَطاامام محمد (یوم جمعہ صبح ششماہی دوم) مشکوٰۃ شریف ثلث اول مع مقدمہ شیخ عبدالحق، نخبۃ الفکر، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۸ھ	موَطاامام محمد (یوم جمعہ صبح ششماہی دوم) مشکوٰۃ شریف ثلث اول مع مقدمہ شیخ عبدالحق، نخبۃ الفکر، اَسالیب الانشاء
۱۴۳۹ھ	طحاوی شریف (بعد نماز مغرب) مشکوٰۃ شریف ثلث اول مع مقدمہ شیخ عبدالحق، نخبۃ الفکر، اَسالیب الانشاء
۱۴۴۰ھ	طحاوی شریف (بعد نماز مغرب) مشکوٰۃ شریف ثلث اول مع مقدمہ شیخ عبدالحق، نخبۃ الفکر، اَسالیب الانشاء
۱۴۴۱ھ	طحاوی شریف (بعد نماز مغرب) مشکوٰۃ شریف ثلث اول مع مقدمہ شیخ عبدالحق، نخبۃ الفکر، اَسالیب الانشاء

حضرت والد ماجدؒ کا تدریسی امتیاز

مفتی سید محمد عفان منصور پوری

حضرت اقدس والد ماجد نور اللہ مرقدہ بنیادی طور پر ایک کامل مدرس تھے، یقیناً آپ نے دیگر انتظامی، ملی اور اصلاحی ذمے داریوں کو باحسن وجوہ نبھایا؛ لیکن آپ کی نگاہ میں ترجیحی حیثیت تدریس ہی کو حاصل تھی بقیہ تمام ذمے داریوں کی انجام دہی کو آپ ثانوی درجہ میں رکھتے تھے حتی الإمکان اس کی کوشش کرتے کہ غیر درسی مشغولیت کے باعث درس کا نقصان نہ ہو، فرمایا کرتے تھے کہ: ''اصل ذمہ داری ہماری طلبہ کو پڑھانا ہے اگر ہم دوسرے کاموں میں اتنی دلچسپی لیں گے جس سے تدریس متاثر ہو تو یہ خیانت بھی ہوگی اور طلبہ کی حق تلفی بھی'' یہی وجہ ہے کہ جب سے دوسری ذمے داریوں کا بار آپ کے کاندھوں پر آیا اور اسفار کے تقاضے بڑھے تو حتی المقدور یہی کوشش فرماتے کہ کوئی ایسی شکل نکلے جس سے کم سے کم تدریس کا نقصان ہو، چنانچہ یہ دیکھا گیا کہ عام طور پر جلسوں کے زمانے میں آپ دیر رات میں گھر تشریف لاتے اور صبح پوری بشاشت کے ساتھ سبق پڑھاتے، دوران سفر مطالعہ کرنا آپ کی عادت میں شامل تھا، ''مرقاۃ المفاتیح'' شرح مشکاۃ المصابیح اور بعض دیگر متعلقات کتب آپ کے بیگ میں رہتے اور اس کا بھرپور مطالعہ فرماتے، بقدر ضرورت آرام بھی گاڑی کی پچھلی سیٹ پر فرمالیا کرتے تھے پھر پوری تیاری کے ساتھ بروقت درسگاہ میں تشریف لے جاتے اور حق تدریس ادا فرماتے۔

آپ کا درس حشو وزوائد سے پاک انتہائی محقق، جامع اور ہر طالب علم کے لیے اطمینان بخش ہوا کرتا تھا، ہمیں درجہ ہفتم میں ''مشکاۃ المصابیح'' جزء ثالث اور دورہ حدیث شریف میں ''

موطا امام محمد'' آپ کے پاس پڑھنے کا شرف حاصل رہا، آپ کی درسی خصوصیات کا اجمالا درج ذیل نکات میں استیعاب کیا جاسکتا ہے:

(۱) درس حدیث کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے درس گاہ جانے سے پہلے غسل یا وضوء اہتمام سے فرماتے، ڈاڑھی مبارک پر کنگھا کرتے، سر کے بال اکثر چھوٹے ہی رہتے تھے، صاف ستھرے سفید کپڑے زیب تن فرما کر خوشبو لگاتے پھر عام طور پر بھنی ہوئی سونف اور تھوڑی سی ملیٹھی نوش فرماتے بعد ازاں نہایت پروقار انداز میں نگاہیں نیچے کئے ہوئے، متوسط رفتار سے چلکر درسگاہ میں مسند حدیث پر رونق افروز ہوتے اور عام طور پر پورے گھنٹے ایک ہی پہلو پر بیٹھکر سبق پڑھاتے، آواز قدرے مدھم رہتی جو پوری توجہ سے سبق سننے کی متقاضی ہوتی، لہجہ میں سادگی وٹھہراؤ، انداز میں روانی وتسلسل اور اسلوب بیان اتار چڑھاؤ، کرختگی اور شدت سے پاک ہوتا، متانت وسنجیدگی نرمی وشائستگی سے آپ کی ذات عبارت تھی، اکثر زیرلب مسکرا کر تبسم پر اکتفاء فرماتے اور کھل کھلا کر ہنسنے سے گریز فرماتے، چہرہ مبارک جمال سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ بارعب تھا، جو دیکھتا متأثر ہوتا لیکن فری ہوکر گفتگو کرنے کی ہمت نہ جٹا پاتا۔

عام طور پر ایک پرس میں موبائل ساتھ رکھتے تھے؛ لیکن پڑھانے کے لیے تشریف لے جاتے وقت قصدا موبائل گھر ہی پر چھوڑ کر جاتے۔

(۲) کتاب کے آغاز میں فن کے تعارف وتشریح اور اس کے مبادیات پر پوری شرح وبسط کے ساتھ کلام فرماتے، حدیث کی حجیت کا اثبات کرتے ہوئے فرقہ اہل قرآن اور غیر مقلدین کی خبر لیتے اور ان کے مزعومہ عقائد باطلہ کی پرزور تردید کرتے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی جلالت شان کو خاص طور بیان کرتے ہوئے احادیث سے متعلق ان کی بنیادی خدمات کا تذکرہ فرماتے اور امام اعظم علیہ الرحمہ کی شان محدثیت پر کلام کرنے والوں کو آئینہ دکھاتے۔

(۳) بھرپور مطالعہ اور پوری تیاری کے ساتھ درس گاہ میں تشریف لے جاتے، مشکاۃ

المصابیح دسیوں سال سے آپ کے زیر درس تھی ؛ لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ بغیر مطالعہ کے آپ درس گاہ تشریف لے گئے ہوں ، صرف مطالعہ ہی نہیں ؛ بلکہ اخیر اخیر تک آپ سبق سے متعلق نوٹس بھی تحریر فرماتے تھے اور بعض دفعہ ان میں اہم چیزیں طلبہ کو املا بھی فرمایا کرتے تھے۔

(۴) کبھی آپ کو درس گاہ میں حالات حاضرہ یا درس کے علاوہ کسی بھی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے نہیں سنایا گیا ، اگر طلبہ کی طرف سے کوئی غیر درسی سوال کبھی کر بھی لیا جاتا تو اس کو بھی یہ کہہ کر نظر انداز فرما دیتے کہ اس کا سبق سے کوئی تعلق نہیں ان موضوعات پر بات کرنے کے لیے دوسرے وقت ملاقات کرنا۔

(۵) شروع سال سے اخیر تک درس کی رفتار ، انداز اور تحقیقی کلام کی کیفیت یکساں رہتی ، ششماہی امتحان کے بعد سے درس کا وقفہ تو ضرور بڑھ جاتا تھا ، خارجی اوقات میں بھی حسب موقع سبق پڑھاتے تھے ، کوئی گھنٹہ خالی ہوتا تو اس میں بھی پڑھا لیا کرتے ؛ لیکن رواروی میں ، برق رفتاری کے ساتھ اور عجلت پسندی سے کام لیتے ہوئے سبق پڑھانا آپ کے مزاج کے خلاف تھا۔

(۶) مشکوٰۃ المصابیح جزء ثالث میں چونکہ احکام سے متعلق روایات کم ہی ہیں ؛ اس لیے اختلاف مذاہب پر گفتگو کرنے کی ضرورت زیادہ پیش نہیں آتی تھی ؛ البتہ ابواب الفتن میں بالخصوص نادر اور مشکل الفاظ والی احادیث کا خاصا ذخیرہ ہے ؛ اس لیے ایک ایک کلمہ کی نحوی صرفی اور لغوی تشریح آپ اس انداز میں فرماتے کہ کوئی پہلو تشنہ باقی نہیں رہتا تھا ، لغت کی مستند کتابوں اور عرب کے معتبر شعراء اور ادیبوں کے حوالہ سے مشکل کلمات کے معنی مرادی کی ایسی تعیین فرماتے کہ طبیعت خوش ہو جاتی ، یہ آپ کا کمال تھا کہ دسیوں طرح کی غیر درسی مشغولیات کے باوجود آپ کا سبق ایسا تحقیقی اور دقیق نکات پر مشتمل ہوتا کہ یوں محسوس ہوتا کہ صرف درس وتدریس ہی آپ کا اوڑھنا بچھونا ہے اور کتابوں میں ڈوب کر آپ پڑھاتے ہیں۔

(۷) ابواب الفتن سے متعلق روایات کی تشریح میں آپ کا حسنِ کلام اور ذوق تحقیق

جوبن پر ہوتا، سیر حاصل گفتگو فرماتے، پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی پیشین گوئیوں کا مصداق اور احادیث مبارکہ کا فرق ضالہ پرانطباق ایسے دلنشیں انداز میں فرماتے کہ بات دل میں اترتی چلی جاتی اور ساری گتھیاں سلجھ جاتیں۔

(۸) عبارت کی تصحیح اور ترجمہ کی صحت کا خاص خیال رکھتے، عبارت خواں کو معمولی سی غلطی پر بھی ٹوکتے، فحش غلطی ہوتی تو وجہ اعراب بھی معلوم کرلیتے اور تنبیہ فرماتے، ترجمہ نہایت شستہ واضح اور مطلب خیز ہوتا جس میں لغت وعرف دونوں ملحوظ ہوتے۔

(۹) احکام سے متعلق روایات کی تشریح میں اولاً صورت مسئلہ کی وضاحت فرماتے ثانیاً اختلاف مذاہب کو بالتفصیل بیان کرتے پھر مستدلات فقہاء کا ذکر فرماتے بعدازاں عندالاحناف قول مفتی بہ کی صراحت کرتے ہوئے اس کی وجہ ترجیح بیان فرماتے اور ضرورت ہوتی تو اپنے یا فریق مخالف کے مستدل کی سندی حیثیت پر بھی کلام فرماتے۔

احناف کا مستدل اگر کتاب کے کسی دوسرے باب میں مذکور ہوتا تو وہی صفحہ کھلواتے اور بالکل سبق کے انداز میں اس کی تشریح فرماتے، بارہا ایسا بھی ہوتا کہ اصل سبق کہیں اور چل رہا ہوتا اور دو ایک دن موضوع کی مناسبت سے دوسرے باب کی روایت زیر درس رہتی۔

(۱۰) تفسیر جلالین اور تفسیر بیضاوی کا درس بھی آپ کا بہت مقبول رہا، آیات مبارکہ اور اس کے معانی ومفاہیم کا استحضار اور بروقت ان سے استدلال یہ آپ کا خاص ذوق تھا، تفسیری نکات کو بیان کرنے میں بھی آپ کو درک وکمال حاصل تھا، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کی تفسیر بیان القرآن کے محاوراتی ترجمے آپ کی نوک زباں تھے، آپ کی تقاریر بھی آیات واحادیث کی تشریح ہی ہوا کرتی تھی واقعات وقصص بیان کرنا آپ کا مزاج نہیں تھا۔

(۱۱) تخصص فی الادب العربی میں پڑھائی جانے والی کتاب ''اسالیب الانشاء'' سالہا سال تک دارالعلوم دیوبند میں آپ کے زیر درس رہی، اس کتاب کی تدریس میں بھی وہ انداز آپ اختیار فرماتے تھے کہ طلبہ میں جلد ہی عربی کے ساتھ ساتھ دیگر زبانوں میں بھی مضمون نگاری

اور انشاء پردازی کے جوہر نمایاں ہونے لگتے تھے، حل لغات کے بعد نہایت سلیس، شستہ اور دلنشیں ترجمہ فرماتے جس سے اردو ادب کا ذوق بھی پروان چڑھتا۔

سبق کی عبارت زبانی یاد کرواتے جس سے عربی لہجہ پر قدرت اور زبان پر اس کی روانی آسان ہوتی، کتاب میں موجود تعبیرات کا بالالتزام زبانی اور تحریری طور پر استعمال کرواتے جس سے عربی جملوں کی ساخت و بناوٹ اور کیفیت معلوم ہوتی اور اپنی زبان میں اس کا استعمال آسان ہوتا پھر سبق کے آخر میں جو تطبیقات ہوتی تھیں ان کو لکھنے کا مکلّف ہر طالب علم کو بنایا کرتے تھے اور سب کی کاپیاں خود چیک کرتے درسگاہ میں وقت نہ ہوتا تو گھر پر کاپیاں منگاتے اور ایک ایک طالب علم کی کاپی دیکھ کر اس کی اصلاح فرماتے، بعض دفعہ دوران سفر بھی ان کاپیوں کو چیک فرماتے، مسلسل تطبیقات کی شکل میں تحریریں مرتب کرنے کی وجہ سے طلبہ میں مضمون نویسی کا ایک ذوق پیدا ہو جایا کرتا تھا۔

عربی ادب میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کو باہمی گفتگو عربی زبان ہی میں کرنے کی ترغیب دیتے اور اپنے استاذ محترم حضرت مولانا وحید الزمان صاحب کیرانوی نور اللہ مرقدہ کا قول نقل فرماتے کہ: ''جتنی بھی عربی آتی ہو ٹوٹی پھوٹی ہی سہی بولنے کی کوشش کرو اگر کسی لفظ کی عربی برموقع ذہن میں نہیں آرہی ہے تو اس کو اردو ہی میں بولدو، اس ڈر سے کہ لوگ میری عربی پر ہنسیں گے بولنا نہ چھوڑو، اس لیے کہ بولتے بولتے ہی ایک وقت ایسا آئیگا کہ تم پر ہنسنے والی تمہاری قدرت کلامی پر عش عش کرنے والے ہوں گے۔''

(۱۲) سال بھر میں پانچ محاضرات ''ردقادیانیت'' کے عنوان پر آپ تکمیلات کے طلبہ کے مابین پیش فرمایا کرتے تھے، جس میں فتنہ قادیانیت کا تعارف، مدعی نبوت مرزا غلام احمد قادیانی کا گھناؤنا کیریکٹر، تضاد بیانی، ہرزہ گوئی اور اس فتنہ کی زہرناکی کو تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے اور ان اسباب وعوامل کا ذکر فرماتے جن کے سبب یہ فتنہ پروان چڑھا، اس کے ساتھ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان خاتمیت رسالت کو آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی روشنی میں

ذکر فرماتے اور آپ کی ناموس کے تحفظ کو ہر مسلمان کا لازمی فریضہ قرار دیتے، قادیانیوں کی طرف سے آیات واحادیث کی جو من مانی اور غلط تشریحات کی گئی ہیں اس کا مسکت جواب دیتے اور اس طریقہ کار کی بالتفصیل رہنمائی فرماتے جس کو اختیار کر کے قادیانیوں کو علمی اور عقلی طور پر بآسانی زیر کیا جا سکتا ہے۔

گذشتہ چند سالوں سے اسی موضوع کے ضمن میں مدعی مہدویت شکیل بن حنیف کے ایجاد کردہ ''فتنہ شکیلیت'' کا پوسٹ مارٹم کرتے اور علمی و عقلی طور پر اس کے بطلان کو ثابت کرتے۔

حضرت قاری محمد عثمان منصور پوریؒ

بحیثیت استاذِ حدیث

مفتی محمد فرحان انصاری بارہ بنکوی

۴۱-۱۴۴۰ھ کے لیے حسبِ تجویز ''مجلس تعلیمی''، عمرِ عزیز کے آخری پڑاؤ میں آپ کے حصے میں حدیث شریف کی معروف کتاب ''شرح معانی الآثار'' المعروف بہ ''طحاوی شریف'' تیسری بار آپ سے متعلق ہوئی، مگر یہ تعلیمی سال دیگر سالوں کے مقابلے مختلف تھا؛ کیوں کہ اس سال دورۂ حدیث شریف کا نصابِ تعلیم حسبِ تجویز ''مجلس تعلیمی'' یکسر تبدیل ہو گیا تھا، آپ اپنی ہمہ جہتی مشغولیات ومصروفیات اور نئے نصابِ درس کے باوجود اپنے ذوق کے مطابق علمی مشغلہ میں مصروف رہے اور آپ نے درس وتدریس میں کسی قسم کی کوئی کمی وکوتاہی واقع نہیں ہونے دی؛ چوں کہ دفترِ تعلیمات سے آپ کے درس کے لئے ہفتہ میں دو روز ''سہ شنبہ'' اور ''چہار شنبہ'' اور ''بعد نمازِ مغرب'' وقت تجویز کیا گیا تھا، اس لیے آپ یومِ متعینہ اور وقتِ مقررہ پر ''دار الحدیث'' (شیخ الہند لائبریری) تشریف لائے۔ سادگی اور پُر وقار انداز میں مسندِ درس پر جلوہ افروز ہو گئے، سلامِ تعارفانہ کے بعد بلا تاخیر درس کا آغاز ہوا۔

چوں کہ آپ وقت کی اہمیت وافادیت سے بخوبی واقف تھے، اِس لئے آپ کا معمول تھا کہ آپ دورانِ درس (وقتِ درسیہ میں) اسباق یا متعلقاتِ اسباق کے علاوہ دوسرے اُمور یا خارجی گفتگو میں مصروف ہونے اور درس کی رونق ورعنائی میں اضافے کی خاطر بلاضرورت طنز

ومزاح کا سہارا لینے اور سمع خراش شور وشغب کے سخت خلاف تھے۔ آپ تا بہ مقدور وقت کو بروئے کار لاتے تھے اور تضییعِ اوقات کو مانندِ خودکشی گردانتے تھے، اس لیے آپ مکمل وقت درسیہ میں ہمہ تن اسباق کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ آپ کی دارالحدیث میں تشریف آوری کے بعد عبارت خواں طالب علم درس سے قبل عبارت خوانی شروع کرتا، آپ اپنے مخصوص انداز میں عبارت خواں پر نظر ڈالتے، تھوڑی عبارت خوانی کے بعد قرأتِ عبارت کا سلسلہ روک دیا جاتا۔

حضرت قاری صاحبؒ اور درسِ حدیث کی خصوصیات

عبارتِ حدیث کی قرأت کے بعد آپ عبارت کا سلیس وشُستہ ترجمہ فرماتے، اس کے بعد حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توضیح وتشریح کا مرحلہ آتا تو آپ ایسی جامع مگر مختصر تشریح وتوضیح فرماتے اور مضمون کو نہایت مرتب، سہل اور دلچسپ قالب میں ڈھال کر طالبانِ علومِ نبویہ کے سامنے منفرد انداز میں پیش فرماتے کہ طلبہ عش عش کر اٹھتے، آپ کے حسنِ بیان اور دل رُبا طریقۂ تدریس کی وجہ سے طلبہ نہایت آسانی سے اس مضمون کو ہضم اور یاد کر لیتے تھے، آپ تفہیمِ درس میں اختصار وسہولت سے کام لے کر نفسِ مسئلہ کو طلبہ حدیث کے ذہن ودماغ میں پیوست وراسخ کر دینے میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ درس میں بے جا تفصیل، دراز بیانی اور غیر ضروری ولا یعنی باتوں سے کلی اجتناب فرماتے اور درسِ حدیث کو حشو وزوائد سے یکسر پاک رکھتے تھے۔ اِنہیں تمام اوصافِ درس کی وجہ سے آپ کا درس انتہائی سنجیدہ اور عالمانہ شمار کیا جاتا تھا۔ تشریح وتوضیح کے بعد مسالک ائمہ ثلاثہ کا نمبر آتا، تو ہر ایک امام کے مسلک اور ان کے اقوال کو اس طور پر مفصل بیان فرماتے، گویا آپ اس وقت اسی امام کے مقلد اور اسی مسلک کے ترجمان ہیں۔ تمام ائمہ کے مذاہب کو مدلل پیش فرماتے، اور ان کے مستدلات کی طرف طلبہ کی توجہ مبذول کراتے، اور پھر اخیر میں امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مسلک کے اثبات کے لیے روزِ روشن کی طرح عیاں اور اظہر من الشّمس دلائلِ عقلیہ ونقلیہ بیان کر کے اہم نکات کی طرف توجہ کراتے، بعدہ احناف کے مسلک کی وجہ ترجیح ذکر فرماتے، اور دیگر ائمہ کرام کا ادب واحترام کے ساتھ نام لے

کراُن کے مسالک کو غیر راجح ثابت کرتے۔ اگر کہیں دو روایتوں میں واقع ہونے والے ظاہری تعارض کا رفع، یا کسی روایت کی وضاحت وتشریح کسی دوسری روایت سے کرنا ہوتا تو آپ زبانی حوالہ جات پر اکتفا کرنے کے بہ جائے اسی وقت طلبہ سے مطلوبہ روایت تلاش کراتے - خواہ وہ روایت آپ کے متعینہ نصاب میں ہو یا خارج از نصاب ہو- یہ حوالہ جات کے سلسلے میں آپ کی غایت درجہ احتیاط تھی۔ نیز بہ جائے خود طلبہ سے کرانے کا مقصد یہ بھی ہوتا کہ یہ محنت ومشقت، استخراج مسائل اور دقت نظر سے کام لینے کے خوگر بن جائیں۔ روایتِ ثانی کے حصول کے بعد دونوں روایتوں کو سامنے رکھ کر گفتگو فرماتے اور تعارض کا دفعیہ، یا حدیثِ اول کی توضیح میں معاون بناتے تھے۔

حوالہ جات پیش کرنے میں اہم بات یہ تھی کہ فقط اس حدیث کے ایک ٹکڑے یا آیت کے کسی ایک لفظ پر اکتفا نہ کر کے مکمل حدیث اور مکمل آیت (اور کبھی تو مکمل رکوع) کو مدنظر رکھ کر کلام کرتے تھے۔

آخر میں آپ ''طحاوی شریف'' جیسی اہم مگر مشکل کتاب کی خاص بات اور اہم بحث ''نظرِ طحاوی'' کی گنجلک عبارت کو آسان اور عقل سے قریب تر کر کے پیش فرماتے۔ آپ بسا اَوقات عبارت کے درمیان ہی عبارت کے کسی لفظ سے سوال قائم فرما کر اگلے ہی لفظ یا جملے سے اس سوالِ سابقہ کا جواب دے دیتے، اور اس طرح آپ مذکورہ مسئلہ پر عبارت کو یکسر منطبق فرما دیتے، آپ کا یہ اندازِ درس اس قدر لاجواب تھا کہ اس احساس کو الفاظ کا جامہ نہیں پہنایا جا سکتا ہے۔ آپ کے اسباق کا خاصہ یہ تھا کہ دورانِ درس مکمل مضمون اور فن کو مدنظر رکھ کر کلام کرتے تھے اور کتبِ احادیث کے اسباق میں اس مضمون سے متعلق تمام روایات کو احاطہ کرتے ہوئے درس دیتے تھے اور اسباق شروع کرتے ہی اولاً تمام روایات پر طائرانہ نظر ڈلوا دیتے تھے۔ آپ حدیث کی تدریس میں بھرپور تحقیق وتدقیق، زبردست مطالعہ سے کام لیتے تھے۔ تدریسِ حدیث میں آپ کی فن سے مناسبت، اس سے غیر معمولی دلچسپی، اس کا بے انتہا شوق اور درایت وروایت، متن وسند، الفاظ ومعانی کے حوالے سے، اس پر دست رس ہر طرح سے عیاں ہوتا تھا۔

آپ اپنی انہیں تمام خوبیوں اور اوصاف وخصوصیات کی وجہ سے طلبہ کو علمی سمندر میں غوطہ زنی کے خوگر بنا دینے کی مہارت رکھتے تھے، اسی لئے آپ کے شاگرد میدانِ حدیث میں عموماً مہارتِ تامہ رکھتے ہیں۔

قاری صاحبؒ دارالعلوم دیوبند میں

۱۹۸۲ء میں آپ کا بہ سلسلۂ تدریس ''دارالعلوم دیوبند'' میں تقرر ہوا، اور آپ نے ۱۴۰۳ھ مطابق ۱۹۸۲ء میں اپنے تدریسی سفر کا آغاز فرمایا اور حسبِ تجویز ''مجلس تعلیمی'' متعدد کتبِ درسیہ سے واسطہ رہا، اور تقریباً ۱۰/سال ہمہ تن درس وتدریس میں منہمک رہے۔

۱۴۱۳ھ میں ''مجلس تعلیمی'' نے ''مشکوۃ المصابیح'' کا ''جزءِ ثالث'' آپ کے لئے منتخب کیا، جو ۱۴۲۵ھ تک مسلسل آپ کے زیرِ درس رہا۔ ''مشکوۃ المصابیح'' آپ سے متعلق ہونے کے تقریباً ۲/سال بعد ہی ۱۴۱۵ھ میں ''مجلس تعلیمی'' نے آپ کو ترقی دے کر ''دورۂ حدیث شریف'' کے طلبہ کو درس دینے کے لیے منتخب کیا اور ''مؤطا امام محمدؒ'' آپ کے سپرد ہوئی اور ۱۴۱۷ھ تک آپ کے پاس باقی رہی، پھر ۱۴۱۸ھ میں ''مجلس تعلیمی'' نے ''مؤطا امام مالکؒ'' کے درس کا سلسلہ آپ کے حوالے کیا، جو لگاتار کم وبیش ۱۲/سال (۱۴۳۰ھ تک) آپ سے متعلق رہا۔ اِسی اثنا میں (۱۴۲۶ھ میں) ''مشکوۃ المصابیح'' کا ''جزءِ ثانی'' آپ سے وابستہ ہوا، جو تقریباً ۱۰/سال (۱۴۳۶ھ تک) آپ کے پاس رہا۔ ۱۴۳۱ھ میں ''مؤطا امام مالکؒ'' کے بعد ''ابنِ ماجہ شریف'' آپ کے حصے میں آئی۔ ۱۴۳۳ھ کی ''مجلس تعلیمی'' نے دوبارہ ''مؤطا امام محمدؒ'' آپ سے متعلق کرنے کا فیصلہ کیا؛ لہٰذا ''مؤطا امام محمدؒ'' آپ سے متعلق کردی گئی اور ۱۴۳۸ھ تک آپ اس کا باضابطہ درس دیتے رہے۔ ۱۴۳۷ھ میں ''مشکوۃ المصابیح'' کا ''جزء اول'' آپ سے متعلق ہوا جو اخیر زمانے تک آپ کے زیرِ درس رہا، پھر عمرِ عزیز کے اخیر پڑاؤ پر (۱۴۳۹ھ میں) ''شرح معانی الآثار'' (المعروف بہ ''طحاوی شریف'') آپ سے متعلق کی گئی، جو اخیر زمانے تک

آپ سے متعلق رہی۔

آپ نے ماہرِ فن اور نابغۂ روزگار اساتذہ سے حدیث کی تعلیم پائی تھی، متعلقہ کتبِ حدیث کی اِسناد درج ذیل ہیں:

سندموَطاامام محمدؒ:

قال: حدثنا الشيخ المقري محمد عثمان المنصورفوري، قال حدثنا الشيخ معراج الحق الديوبندي، قال حدثنا الشيخ اعزاز علي الأمروهوي، قال حدثنا الشيخ محمود الحسن الديوبندي، قال حدثنا محمد قاسم النانوتوي، قال حدثنا عبد الغني المجددي، قال حدثنا محمد بن إسحاق محدث الدهلوي، قال حدثنا الشاه عبد العزيز محدث الدهلوي، قال حدثنا أحمد بن عبد الرحيم (شاه ولي الله محدث الدهلوي عن وفد الله، قال حدثنا حسين بن على العجيمي، قال حدثنا عبد الله البصيري، قال حدثنا عيسٰى المغربي، قال حدثنا سلطان ابن أحمد، إلى آخره كالسند المذكور في المؤطا لإمام محمدؒ

سندطحاوی شریف:

قال: حدثنا الشيخ المقرى محمد عثمان المنصورفوري، قال حدثنا الشيخ إسلام الحق الكوباغنجي، قال حدثنا الشيخ محمد أنور شاه الكشميري، قال حدثنا الشيخ محمود الحسن الديوبندي، قال حدثنا محمد قاسم النانوتوي، قال حدثنا عبد الغني المجددي، قال حدثنا محمد بن إسحاق محدث الدهلوي، قال حدثنا الشاه عبد العزيز محدث الدهلوي، قال حدثنا أحمد بن عبد الرحيم (شاه ولي الله محدث الدهلوي، قال حدثنا أبو

طاهر المدني، قال حدثنا النخلي، قال حدثنا البابلي، قال حدثنا عبد اللّٰه بن محمد النحريري الحنفي، قال حدثنا الجمال يوسف، قال حدثنا زكريا، قال حدثنا أبو الفضل ابن حجر، قال حدثنا الشريف أبو طاهر، قال حدثني زينب بنت الكمال المقدسية، قال حدثنا محمد بن عبد الهادي، قال حدثنا الحافظ أبو موسٰى محمد بن أبي بكر المديني، قال حدثنا أبو الفتح إسماعيل ابن الفضل ابن أحمد السراج، قال حدثنا أبو الفتح منصور ابن الحسين، قال حدثنا الحافظ أبوبكر محمد بن إبراهيم المقري، قال حدثنا الإمام الحافظ أحمد بن محمد ابن سلامة الطحاوي (صاحب الكتاب).

آپ کی زندگی کا اصل مشغلہ تدریس ہی تھا، حدیث کے درس سے آپ کی وابستگی خالص تھی، اپنی زندگی کے بیشتر ایام، تدریس میں گزار کر علم وعمل کا یہ ماہتاب ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ غروب ہوگیا۔

طلبہ دارالعلوم دیوبند کی معروف انجمن

''مدنی دارالمطالعہ'' کے مشفق سرپرست

بہ نوکِ خامہ: مولانا احمد شجاع قاسمی استاذ مدرسہ اختر العلوم جلال آباد بجنور

یاد سے تیری، دلِ درد آشنا معمور ہے
جیسے کعبے میں، دعاؤں سے فضا معمور ہے

آپ مادرِ علمی کی فعال و متحرک انجمن ''مدنی دارالمطالعہ'' کے سرپرستِ محترم تھے، جس کی نسبت سے حضرت قاری صاحب سے کافی گہرا تعلق ہوگیا تھا۔ نیز حضرت رحمہ اللہ کے سامنے راقم سُطور کو ''شرح مقدمۃ عبدالحق''، ''مشکوٰۃ شریف حصہ اول''، ''طحاوی شریف'' اور ''اسالیب الانشاء'' کے درس میں زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا موقع بھی ملا ہے۔ اِس لیے جو باتیں دل و دماغ کے نہاں خانے میں محفوظ ہیں، بندہ زیرِنظر خاکے میں ان کو سینۂ قرطاس پر رقم کرنے کے لیے ساعی و کوشاں ہے۔

مدنی دارالمطالعہ

بطلِ حریت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ کے ایماء و اشارے پر قائم کی گئی یہ بزم یعنی انجمن ''مدنی دارالمطالعہ'' دارالعلوم دیوبند کی فعال و متحرک اور طلبہ کے درمیان حد درجہ مقبول اور قدیم ترین انجمن ہے۔ جس کا ایک اہم شعبہ ''بزمِ شیخ الاسلام'' کے نام

سے بھی ہے۔ اخیر کے چند سالوں سے ہر سال تقریباً ۸۰۰؍ طلبہ اس سے منسلک رہتے ہیں، اور اپنی خوابیدہ تقریری وتحریری صلاحیتوں کو پروان چڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر مادرِ علمی سے فراغت کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں دینِ اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں لگ جاتے ہیں۔ حضرت قاری صاحب کی سرپرستی میں اس بزم کے منتظم طلبہ، انتظامی امور میں وہ لعل وجواہر اور اُصولِ قیمہ سیکھ جاتے ہیں اور اُن کو اس فن میں وہ درک حاصل ہو جاتا ہے، جو کتابوں کی ورق گردانی سے کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مدتِ مدیدہ سے اس انجمن کے سرپرست تھے اور آپ کی سرپرستی میں انجمن، ترقی کے اس بامِ عروج پر پہنچی کہ پورا دارالعلوم اس کا شاہد ہے۔

صدقے اس ابرِ فیض کے جس کی بہار نے
پُرخار وادیوں کا خیاباں بنادیا

مدنی دارالمطالعہ کا پروگرام اور طریقۂ تہذیب الاخلاق

''بزم شیخ الاسلام'' مدنی دارالمطالعہ کے تمام پروگرام حضرت رحمہ اللہ ہی کی سرپرستی میں ہوا کرتے تھے۔ پروگرام میں ہونے والی تمام کمیوں، کوتاہیوں اور خامیوں پر آپ نہایت باریک بینی کے ساتھ گرفت فرماتے تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک مرتبہ ''دارالحدیث'' کے مقدس ہال میں ''مدنی دارالمطالعہ'' کا پروگرام ہوا جس میں طلبہ نے ''کرکٹ'' کے عنوان سے بہت مزاحیہ مکالمہ پیش کیا، دورانِ مکالمہ دارالحدیث کا وسیع وعریض ہال اپنی کشادگی کے باوجود تنگ دامانی کا شکوہ کررہا تھا۔ حضرت نے دورانِ پروگرام کسی کو کچھ نہیں کہا اور پورا پروگرام توجہ کے ساتھ سنتے رہے؛ جیسا کہ حضرت والا کی عادت تھی کہ پورے پروگرام کو از اول تا آخر مکمل سنا کرتے تھے۔ آخر میں جب صدارتی خطاب کے لئے آپ تشریف لائے تو خطبے کے بعد اس قدر غصے کا اظہار کیا کہ اراکینِ بزم کا خون خشک ہوگیا۔ حضرت نے جب اِس مکالمے کی بابت سوال کیا کہ:

''کس نے بنایا؟ وہ طالب علم میرے سامنے آئے!''

اس وقت اراکینِ بزم پر وہ کیفیت تھی کہ: ''کاٹو تو بدن میں لہو نہیں''

حضرت کے وہ جملے مجھے آج بھی یاد ہیں، آپ نے فرمایا کہ:

> ''دار الحدیث میں حدیث کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ یہاں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند کی جاتی ہیں، اور اس ڈرامائی انداز میں یہاں مکالمہ پیش کیا جائے، یہ اس کے احترام کے خلاف ہے، اس طرح اس کا تقدس پامال ہوتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہونا چاہئے، اس کا احترام اور اس کا ادب ہمیشہ ملحوظ خاطر رہے، بغیر اَدب کے علم نہیں آیا کرتا''۔

اُس کے بعد حضرت والا نے سمجھایا کہ:

> ''مکالمہ اس انداز کا ہونا چاہئے کہ اس میں مزاح تو ہو؛ لیکن پیش کنندگان کی شکل وہیئت نہ بدلی جائے، اسے ڈرامہ نہ بنایا جائے، ڈرامہ ہو تو پھر محض شور وغل اور تفریح کے علاوہ کچھ مقصد نہیں ہوتا''۔

اس تنبیہ کے بعد سے بزمِ شیخ الاسلام مدنی دار المطالعہ کا مکالمہ خالص علمی ہونے لگا۔ جس میں ہم قافیہ جملوں کی شکل میں تھوڑا بہت مزاح ہوتا۔ مگر اسے ڈرامے کی شکل بالکل نہیں دی جاتی۔ اسی تنبیہ کا نتیجہ ہے کہ مکالمے کے متعلق آج تک یہ جملے زباں زد خاص وعام ہیں کہ: ''مدنی دار المطالعہ کا مکالمہ تو علمی ہوتا ہے''۔

مدنی دار المطالعہ کا پروگرام درحقیقت یوم الاحتساب ہوتا تھا

مدنی دار المطالعہ کا افتتاحی اور اختتامی پروگرام فقط پروگرام نہیں؛ بل کہ مدنی دار المطالعہ کے نظماء کے لئے یوم الاحتساب ہوتا تھا؛ کیوں کہ حضرت اپنی تقریر کے دوران کچھ بھی سوال کرلیا کرتے تھے۔ مثلاً:

> ''اِمسال کتنے طلبا بزم سے منسلک رہے؟ تقریری پروگراموں میں کتنے طلبہ نے شرکت کی؟ پورے سال لائبریری سے بہ غرض استفادہ کتنی کتابیں نکالی گئیں؟ کتاب نکالنے والے طلبہ کی تعداد کتنی تھی؟ لائبریری میں کتنے علوم وفنون کی کتابیں

ہیں؟ لائبریری میں کل کتنی کتابیں ہیں؟ وغیرہ وغیرہ''۔

جس بنا پر ہم اراکینِ مدنی دارالمطالعہ کو پہلے ہی سے ان سب چیزوں کی تیاری کرنی پڑتی تھی کہ معلوم نہیں کب کس ناظم کا امتحان ہوجائے؟ اور حضرت قاری صاحب کون سا سوال کر بیٹھیں؟ اور وہ تمام طلبہ کے لیے مرکزِ توجہ بن جائے؟

کرے گا کون راہِ عشق میں پھر جادہ پیمائی
بنے گا کون میرِ کارواں جب تم نہیں ہوں گے

مدنی دارالمطالعہ کی ممبر سازی اور حضرت کی تشریف آوری

بالعموم ماہ ذیقعدہ کے اواخر میں حضرت سرپرست محترم رحمہ اللہ کے دست اقدس سے مدنی دارالمطالعہ کی ممبر سازی کا آغاز ہوا کرتا تھا اور حضرت پابندی سے ہر سال دفتر دارالمطالعہ تشریف لے کر آتے تھے، کبھی کسی طرح کا کوئی عذر پیش نہیں کیا کہ آج مجبوری ہے یا طبیعت ٹھیک نہیں ہے، یا فلاں جگہ جانا ہے، یا اس جگہ کا سفر پہلے سے ہے، یا یہ تاریخ تو میری خالی تھی؛ مگر میں اس تاریخ کا وعدہ کرچکا ہوں۔ اگر بسا اوقات وہ تاریخ خالی نہیں ہوتی جو اراکینِ مدنی لینا چاہتے تھے، تو حضرت فرماتے: ''فلاں دن ممبر سازی کا آغاز رکھ لو۔ میں ان شاء اللہ حاضر ہوجاؤں گا''۔

حضرت کا یہ خاصہ تھا کہ جو بھی ذمے داری قبول فرماتے، اس کو بہ حسن وخوبی اس انداز سے پورا فرماتے کہ ذمے داری بھی حضرت کی سرپرستی میں آنے پر فخر محسوس کرتی۔ میں نے اپنی اس پوری زندگی میں انتظامی امور کے حوالے سے حضرت کا ثانی کسی کو نہیں پایا۔ ذمے داریوں کو پورا کرنے میں وہ فردِ فرید تھے، اس بات کے شاہد دارالعلوم کے کبار اساتذہ کرام بھی ہیں۔

عموماً جب لوگ دنیوی مدارج میں ترقی کرتے ہیں تو ناز وانداز اور شوخی وانا نہ چاہتے ہوئے بھی ان میں در آتی ہے؛ لیکن حضرت الگ تھے۔ ان کے متعلق کوئی بھی اس طرح کی بات نہیں پیش کرسکتا۔ تواضع وانکساری اور عاجزی وکسرِ نفسی ان کی سرشت میں شامل تھی۔ دستِ

فیاض نے خاص اوقات میں ان کی تصویر سازی کی تھی

کتنے حسین لوگ تہہ خاک جا چکے
کتنے فلک نشین زمینوں میں چھپ گئے

ذوق افزا نصیحت

ایک سال قبل مدنی دارالمطالعہ میں ہر سال کی طرح اواخرِ ذی قعدہ میں ممبر سازی کے آغاز پر حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ، حضرت مفتی راشد صاحب اعظمی استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، حضرت مفتی محمد مزمل صاحب بدایونی اور حضرت مولانا عمران اللہ صاحب اَساتذہ دارالعلوم تشریف لائے۔

اس دن ممبر سازی کے آغاز پر ہمارے ایک ساتھی کے ذمہ نظامت کی ذمہ داری سپرد ہوئی؛ چناں چہ وہ نظامت کر رہے تھے۔ حضرت نے دورانِ نظامت ناظم صاحب سے فرمایا:

> ''اِن طلبہ کو یہ تو بتاؤ کہ مدنی دارالمطالعہ کا ممبر بننے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟ کیا انعام وغیرہ بھی ملتا ہے؟ کچھ پروگرام کی ترتیب کے متعلق بھی بتاؤ! تاکہ یہ جو طلبہ ممبر سازی کے لیے آئے ہیں، ان کو شوق ہو اور آگے بڑھنے کا حوصلہ ملے اور وہ اس بزم سے منسلک ہوں''۔

جب اچانک حضرت سرپرست محترم کی جانب سے کئی سارے سوالات داغے گئے، تو چوں کہ ہمارے وہ ساتھی نئے نئے تھے اور پہلی مرتبہ نظامت کر رہے تھے؛ اس لیے وہ خاموش تماشائی بن کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ معاً حضرت مولانا شمشیر صاحب قاسمی مہاراشٹری نگراں ''مدنی دارالمطالعہ'' دارالعلوم دیوبند نے فوراً راقمِ سطور کی جانب اشارہ کیا کہ احمد بھائی کھڑے ہو جاؤ اور قاری صاحب جو پوچھ رہے ہیں وہ سب بتاؤ! تب میں نے حضرت کی جانب سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات دیے۔ حضرت نے ایک دو بار درمیان میں توجہ بھی دلائی کہ یہ بھی بتاؤ؛ لیکن میں بلا جھجھک ہر بات کا جواب دیتا رہا۔ جس پر حضرت مفتی محمد راشد صاحب اعظمی

دامت برکاتہم العالیہ نے اگلے دن درس گاہ میں فرمایا کہ: ''یہ تو حضرت قاری صاحب کے سامنے بھی فرفر بول رہا تھا''۔

یہ سب بفضلہٖ تعالیٰ مدنی دارالمطالعہ اور حضرت کی سرپرستی کا نتیجہ تھا کہ جھجک دور ہوگئی تھی۔

حضرت والا اس طرح کے سوالات اسی لیے کیا کرتے تھے تاکہ طلبہ میں اساتذہ کے سامنے بولتے وقت جو جھجک، ہچکچاہٹ اور خوف ہوتا ہے اور وہ احسن طریقے سے مافی الضمیر کو ادا نہیں کر پاتے، اس ڈر کو طلبہ ختم کریں۔ اور مافی الضمیر کو صحیح طریقے سے ادا کرنے والے بن جائیں۔ اور جب طالب علم کو نظامت کا موقع ملے یا کوئی دوسرا پروگرام پیش کرنے کی ذمے داری سپرد ہو تو وہ بلاخوف وخطر اپنا پروگرام پیش کرلے۔

اسی طرح حضرت رحمہ اللہ دارالحدیث کے پروگرام میں کوئز پیش کیے جاتے وقت، کوئز پیش کرنے والے سے کچھ بھی معلوم کرلیا کرتے تھے۔

مذکورہ واقعے سے ذمہ داران کے لیے بہت اچھا تربیتی پہلو اور زریں اصول ملتا ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کی کس انداز سے تربیت کریں۔ مربیین میں ہمہ وقت یہ جذبہ کارفرما رہے کہ میرے ماتحت جو بھی ہوں وہ ہر اعتبار سے کامل بنیں۔ انہیں کبھی یہ احساس اور شکوہ نہ رہے کہ میرے مربی نے مجھے اس چیز میں ادھورا اور ناقص چھوڑ دیا۔

حضرت کی ایسی تنبیہات سے باذوق طالبِ علم یہ سمجھ جاتا تھا کہ حضرت رحمہ اللہ کی ہمارے تئیں یہ دلی تمنا ہے کہ:

لوگ صدیوں میں چمکتے ہیں ستاروں کی طرح
کیجیے کچھ کام ایسے خود صدی بن جایئے

عبدالباری جمیل نظام آبادیؔ

اسی بنا پر وہ اپنے ماتحتوں پر اتنی کڑی؛ مگر شفقت بھری نظر رکھتے تھے۔

ذوقِ سلیم

ہمارا دورہ حدیث شریف کا سال تھا۔ اُس سال مدنی دارالمطالعہ کے حساب و کتاب کی ذمے داری عربی ادب کے ایک طالب علم ساتھی کے سپرد ہوئی۔ چوں کہ حضرت والا پورے سال وقتاً فوقتاً مکمل حساب و کتاب پر بڑی گہرائی سے نظر ڈالتے تھے اور ہر ایک چیز کا جائزہ لیتے تھے۔ ایک ایک چیز بہ نظرِ غائر دیکھتے اور پھر اس کے بعد معلوم کر لیتے کہ: ''یہ کیا لکھا ہے؟ اس چیز کی ضرورت کہاں پیش آئی''؟

ہمارے ساتھی جب پہلی مرتبہ حساب چیک کرانے گئے، ساتھ میں ہم بھی تھے، تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا:

''کیا پڑھتے ہو''؟

''اَدب''؟

''کون سا اَدب''؟

''جی عربی ادب''!

عربی ادب کا نام سنتے ہی گردن مبارک تھوڑا اوپر اٹھائی اور فرمانے لگے:

''درجہ پرائمری پڑھی ہے یا نہیں؟ عربی ادب میں آ گئے اور اب تک حساب لکھنا نہیں آتا''۔

دراصل یہ سخت جملہ اس پسِ منظر میں تھا کہ اب مادرِ علمی سے جانے کا وقت ہے اور اب تک یہ چیزیں جو ان کے نزدیک بنیادی چیزوں میں شامل تھیں، کہیں سے نہیں سیکھیں۔ اگر اب بھی نہیں سیکھو گے تو پھر سی کون سی جگہ ہوگی جہاں یہ سب چیزیں سیکھنے کا موقع دست یاب ہوگا۔ اس بنا پر یہ فرمایا کہ: ''فاضل بن چکے، مگر حساب بھی نہیں آیا''۔

اتنی تنبیہ کے بعد کاپی میں درج حساب کے متعلق بڑی شفقت کے ساتھ سکھانے لگے کہ یہ چیز اس طرح نہیں، اس طرح لکھی جاتی ہے رقم کو اس انداز سے لکھتے ہیں۔ مجموعی حساب یہاں پر اس طرح لکھا جاتا ہے۔

ذرا اندازہ لگائیں! ایک استاذِ حدیث، جمعیۃ علماے ہند کے صدر، تحفظِ ختمِ نبوت کے ناظم، ساتھ ساتھ کئی انجمنوں کے سر پرست اور ان کے علاوہ دیگر ذمے داریوں میں گھرے ہوئے شخص کا اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں اپنے طالب علموں کو سکھانا یہ جذبہ صادق اور تڑپ نہیں تو کیا ہے! یہ مشفقانہ طرزِ تربیت آج مفقود ہوتا جارہا ہے۔

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقشِ قدم چومتا چلوں

اور

میرے نشانِ قدم دیکھتے چلے آؤ
جلادیے ہیں دِیے زندگی کی راہوں میں

نویدؔ

حضرت رحمہ اللہ چاہتے تھے کہ طلبہ، تعلیم وتعلم کے زمانے میں ہی سب کچھ سیکھ کر جائیں۔ ایک باکمال عالمِ دین بن کر یہاں سے نکلیں۔ اور اپنے والدین کا نام روشن کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ان میں خلوص کے ساتھ دینی کام کرنے کی تڑپ، لگن، فکر اور جذبہ ہمیشہ باقی رہے۔

حضرت قاری صاحب کے چلے جانے سے مجھ جیسے ناکارہ طالب علم کو یتیمی کا احساس ستاتا جارہا ہے اور اب تک بھی حضرت کی یاد مجھے کبھی کبھی آب دیدہ کردیتی ہے کیوں کہ: ع

ترے انفاس سے روشن ہوا مرا فانوسِ حیات

اس لیے

اے خطۂ فردوس کے راہی تو پلٹ آ
رحلت پہ تری غُلغُلہء آہ و فُغاں ہے

ذوقِ نظر

بزمِ شیخ الاسلام مدنی دارالمطالعہ کے تمام امور حضرت قاری صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے مشورے سے طے پاتے تھے۔ چاہے وہ جس حوالے سے ہوں۔

حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کمال کے دُور رَس شخص تھے۔ ان کی دور رَسی و باریک بینی اور وسعتِ نظر کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ہمیشہ آپ تقریر وتحریر کے مسابقے کے لیے اُن عناوین کا انتخاب فرماتے، جن کا تعلق حالاتِ حاضرہ سے ہوتا۔ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ ہم اراکینِ بزم، لیٹر پیڈ پر کچھ عناوین لکھ کر لے گئے، حضرت نے عناوین کی فہرست اپنے پاس رکھ کر فرمایا کل آنا یا فلاں وقت آنا۔ میں تب نشان لگا کر دوں گا۔ یہ وقت اسی لیے مانگا جاتا تا کہ مزید غور وفکر کر کے عناوین کا انتخاب کیا جائے۔ یہ نہیں کہ اَلّل ٹَپ نشان لگا دیے اور کہہ دیا کہ ان عناوین کا انتخاب کرلو۔ یہ زیادہ بہتر رہیں گے۔ یا ابھی تک ان عناوین پر مسابقہ نہیں ہوا ہے۔ اس لیے یہی والے دو عناوین منتخب کرلو!

حضرت کے یہاں ''کام چلاؤ'' والا کوئی کام نہیں ہوتا تھا۔ جو ہوتا وہ پکا، مضبوط، ٹکسالی اور ایک نمبر کا ہوتا تھا۔

ایک بار ایسا ہوا کہ حضرت نے تمام عناوین کا کافی دیر تک جائزہ لیا، بار بار صفحہ اُلٹتے رہے۔ مگر جب کسی عنوان کو لائقِ اعتنا نہ سمجھا تو فرمایا: ''میں جو عناوین لکھوا رہا ہوں وہ لکھو''۔

اور آپ نے مدنی دارالمطالعہ کے لیٹر پیڈ پر از خود دو عنوان لکھوائے اور پھر دستخط ثبت فرمائے۔ طلبہ کے لیے مسابقے کے عناوین کے انتخاب کے حوالے سے اتنا باریک بیں، حساس اور فکر مند جلدی سے کوئی نہیں ہوتا۔ اور واقعتاً آپ کی نظر بھی لاثانی تھی۔ آپ اپنی مثال آپ تھے۔ آپ نے اپنے اساتذہ کی تربیت میں خود کو تراشا تھا اور بیش قیمت ہیرا بن کر تا دمِ حیات ارضِ گیتی پر دینِ حق کی شمع فروزاں کرتے رہے۔

یہ بات پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ انسان کندن اس وقت بنتا ہے جب اس کے اندر ہمالیہ جیسے عزائم کو سَر کرنے کا جذبہ ہو اور وہ مخلصی کے ساتھ اپنے ہدف اور مشن میں تسلسل کے ساتھ لگا رہے ورنہ انسان رہ نوردانِ شوق کا راہی بن کر اِدھر اُدھر تاکنے سے منزل سے بھٹک جاتا ہے۔ اس لئے:

خود تراشو نئے پیکر، نئے اصنامِ جمیل
کسی مورت، کسی آذر کی طرف مت دیکھو!

جمیل نظام آبادی

نشستِ الفاظ میں حُسن کا راز

حضرت رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو با سلیقہ اور تہذیب یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔ ورنہ الفاظ میں پھوہڑ پن در آتا ہے؛ چناں چہ عربی ادب کے سال آپ نے بہت لطیف مثال سے سمجھایا اور یہ مثال آپ اکثر و بیش تر دار المطالعہ کے پروگراموں میں انجمنوں کے فوائد کے ذیل میں دیا کرتے تھے کہ:

''کوئی بھوکا شخص آپ کے پاس آیا۔ تو اس کو دستر خوان پر بلانے کے لیے آپ کون سے الفاظ استعمال کریں گے؟ آپ نے اگر نشستِ الفاظ میں بے توجہی برتی اور لا پروائی کا سہارا لیا اور آنے والے بھوکے شخص سے کہا کہ: ''کھانا ٹھونس لو''!

یہ جملہ کہہ کر حضرت رحمہ اللہ ذرا مسکرائے اور فرمانے لگے کہ: ''یہ لفظ سن کر اس کی ساری بھوک ختم ہو جائے گی اور شریف و باذوق شخص کبھی آپ کے دستر خوان پر بیٹھنا گوارا نہیں کرے گا''۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آپ ان سے کہیں: ''کھانا تناول فرمالیجیے''!

اگر آپ اتنی شائستگی و خوش اُسلوبی سے آنے والے کو دعوتِ طعام دیں گے تو جس شخص کا پیٹ بھرا ہوا ہوگا وہ بھی آپ کے الفاظ کی بہ دولت کچھ نہ کچھ کھانے کے لیے بیٹھ جائے گا۔ اور ایسے عمدہ و خوب صورت الفاظ کے نتیجے میں سامنے والے پر آپ کے تئیں بہت اچھا اثر پڑے گا؛ اس لیے ہمیشہ الفاظ کے انتخاب میں بہت احتیاطی پہلو برتنا چاہئے''۔

ہر آن میں اپنی تربیت کر
دیتا ہے زمانہ کس کو فرصت

میر تقی میرؔ

دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ بہت سے لوگ الفاظ کے انتخاب میں بالکل توجہ نہیں دیتے؛ بل کہ سیدھے سَتو اں الفاظ، جن میں کہیں جھول نہیں ہوتا اور معنی پر چسپاں کرنے میں کھینچا تانی کی ضرورت نہیں پڑتی۔

ایسے الفاظ کو خاطر میں نہ لاکر بھاری بھرکم الفاظ، چاہے بے محل ہوں، ان کو استعمال کر کے بہ زعمِ خویش ادیب باکمال جیسے الفاظ خود پر چسپاں کر لیتے ہیں؛ حالاں کہ یہ چیز قابل مذمت ہے؛ اس لیے سیرت کو حسین تر بنانے کے لیے بہترین اساتذہ کی تربیت حاصل کرنا، حیاتِ مستعار کا جزوِ لاینفک ہے

ادب بخشا ہے ایسا ربط الفاظ مناسب نے
دوزانو ہے مری طبع رسا ترکیب اردو سے

منشی خیراتی لال شگفتہ

اَدبی ذوق کی اعلیٰ مثال

دورانِ درس بسا اَوقات ایسا ہوا کہ کسی طالب علم نے آکر یہ کہہ دیا کہ: ''حضرت! بچوں نے ایسا کہا یا بچے یہ کہہ رہے ہیں''۔

تو فرماتے:

''کس کے بچے؟ تمہارے یا کسی اور کے؟ کون سے بچے''؟

جس پر طالب علم پشیماں ہو کر سر جھکا لیتا۔

پھر فرماتے:

''یہ کہا کرو! ساتھی نے ایسا کہا یا طلبہ ایسا کہہ رہے ہیں''۔

شاید اس چیز کے فرق میں کسی کو معنویت محسوس نہ ہو؛ لیکن جب الفاظ کی گہرائی میں اتر کر انصاف کی عینک سے جائزہ لیا جائے تو جو معنویت اور جامعیت ''طالب علم'' یا ''ساتھی'' کہنے میں محسوس ہوتی ہے وہ لفظِ ''بچے'' میں نہیں ملتی۔

جسے ذوق بادہ پرستی نہیں ہے
مرے سامنے اس کی ہستی نہیں ہے

مرزا مسیتا بیگ منتہیؔ

الفاظ کے انتخاب کا ذوق ہر کس و ناکس کو نہیں ملتا؛ بل کہ یہ بھی خَلّاقِ دو عالَم کی طرف سے عظیم نعمت ہے۔ جو نیک اور باکمال مربیوں کی صحبت میں رہ کر حاصل ہوتی ہے۔ چناں چہ میں نے بعض اساتذہ کو اپنی شریکِ سفر کے لیے لفظِ ''بیوی'' اور ''اہلیہ'' کے استعمال کو طبیعت کی خوش ذوقی کی بنا پر ناجائز کی حد تک سمجھتے ہوئے پایا؛ حتیٰ کہ بعض اساتذہ کی سَرِشت میں یہ بات شامل ہے کہ جب کوئی ان کے سامنے اپنے شریک سفر کے لیے لفظِ ''بیوی'' استعمال کرتا ہے، تو ان کی طبیعت پر انقباض کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ چناں چہ وہ ہم سفر کے لیے لفظِ ''گھر والے'' کو زیادہ مناسب اور موزوں گردانتے ہیں۔ یعنی کسی سے کچھ کہنا ہو تو اس انداز میں کہتے ہیں:

''گھر والوں نے یہ سامان منگایا ہے۔ گھر والوں نے اس چیز کو کہا ہے۔ آج گھر والوں کی طبیعت خراب ہے، وغیرہ وغیرہ''۔

یہ اعلی ذوق کی وہ باتیں ہیں جو ہر شخص کی سمجھ میں نہیں آتیں؛ لیکن

سیف اندازِ بیاں رنگ بدل دیتا ہے
ورنہ دنیا میں کوئی بات، نئی بات نہیں

سیف الدین سیفؔ

یہی وہ تربیتی انداز ہے جو باذوق طلبہ کو کشاں کشاں ایسے مربی کی تربیت میں آنے پر مجبور کرتا تھا:

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے
یہ کم نگاہیاں تری بزم شراب میں

مفتی صدرالدین آزردہؔ

دیدَنی ہے ترے عِتاب کا رنگ

دفتر مدنی دارالمطالعہ سے طلبہ کو بہ غرض استفادہ کتابوں کو لے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ اور یہ اجازت صرف ایک ہفتے کی مدت پر منحصر ہوتی ہے کہ طالب ایک کتاب لے جائے اور اسے ایک ہفتے کے اندر اندر کبھی بھی جمع کر دے۔

لیکن بعض طلبہ کتابوں کو جمع کرنے میں بہت لاپرواقسم کے واقع ہوتے ہیں۔ جب کہ کتابوں کو لے کر وقتِ مقرر پر جمع کرنا، یہ بھی ایک وعدہ ہوتا ہے؛ مگر انھیں وعدے کا ذرا لحاظ نہیں ہوتا، ایسے طلبہ کتابوں کو وقت پر جمع کرنے کو فضول چیز گردانتے ہیں۔ ان کے ذہن سے نہ جانے کیوں یہ بات محو ہو جاتی ہے کہ لائبریری سے کتابیں لینا امانت ہوتا ہے اور امانت کو مقررہ وقت پر جمع کرنا لازم وضروری ہے؛ چناں چہ وعدے کی تکمیل کو مؤمن کے لئے لازمی چیز قرار دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"المؤمن إذا وعد وفا". الحدیث۔

''مؤمن جب وعدہ کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے''۔

یادش بہ خیر دو سال پہلے، سالانہ امتحان سے قبل ہم نے ان طلبہ کی فہرست بنائی، جنہوں نے کتابیں جمع نہیں کی تھیں۔ جب کہ ہم نے ان کو کال کر کے نیز کمروں پر جا کر جلد کتاب جمع کرنے کی درخواست بھی کی اور ان سے کہا کہ جلد از جلد جمع کر دیں۔ بصورت دیگر دفتر تعلیمات میں آپ کا نام پہنچانا ہماری مجبوری بن جائے گا۔ مگر ان طلبہ کا حال یہ تھا کہ

کسی سے آج کا وعدہ کسی سے کل کا وعدہ ہے
زمانے کو لگا رکھا ہے اس امیدواری میں

مبارک عظیم آبادی

کچھ طلبہ نے بار بار تنبیہ کے بعد کتاب جمع نہیں کی اور وہ منتظم طلبہ کو پریشان کرتے رہے۔ شاید انھیں معلوم نہ تھا کہ وعدہ خلافی کر کے انسان خود کو عنداللہ وعندالناس بے اعتبار کر لیتا ہے۔

وعدہ کیوں بار بار کرتے ہو
خود کو بے اعتبار کرتے ہو

جلال لکھنوی

لیکن جب مدنی دارالمطالعہ کے نوٹس بورڈ پر بار بار اعلان چسپاں کرنے کے بعد بھی وہ طلبہ ٹس سے مس نہ ہوئے اوران کی طبیعت انھیں کتابیں جمع کرنے پر مجبور نہ کرسکی۔ گویا ان کے ذہن میں کسی مہان کا یہ جملہ نقش ہو کہ: ''کتابوں کو لے کر واپس کرنا بےوقوفی کی بات ہوتی ہے''۔

اس صورت حال سے تنگ آ کر ہم نے دفتر کے لیٹر پیڈ پر ان کا نام لکھا۔ ساتھ کتابیں بھی درج کیں جو انھوں نے لائبریری سے نکالی تھیں۔ یہ کام تو دراصل ناظم لائبریری کو کرنا تھا؛ مگر ان کی مشغولیات کی وجہ سے میں اور برادرم مولوی محمد لقمان سنبھلی تمام طلبہ کا نام دفتر تعلیمات میں پہنچانے کی اجازت لینے کے لیے حضرت سرپرست محترم کے پاس پہنچ گئے؛ چوں کہ پورے سال حضرت سرپرست محترم کو اس قضیے کی اطلاع نہیں دی گئی تھی، اس لیے اخیر سال میں جب یہ قضیہ آپ کے سامنے پہنچا تو فوراً برانگیختہ ہو گئے اور غصے میں کہنے لگے:

''کیا ضرورت ہے مجھے ذمے دار بنانے کی؟ اپنی مرضی سے جو جی میں آئے کرو! مجھے کیوں رکھا ہوا ہے درمیان میں''؟

اس پورے قضیے کے حوالے سے ہم نے کچھ وضاحت دینی چاہی، تو حضرت کیوں کہ غصے میں تھے؛ اس لیے کچھ نہیں سنا؛ بل کہ کہا:

''جاؤ سب کتابوں کو جلا دو! اخیر سال میں اب کتابوں کے متعلق مجھ سے بات کرنے آئے ہو۔ یہ بات تو پہلے کرنی تھی جب وہ طلبہ کتابیں جمع نہیں کر رہے تھے''۔

حضرت کی جانب سے غیر متوقع غیض وغضب اور برانگیختگی کا جو اظہار ہوا، ہمیں اس کی ذرا اُمید نہیں تھی۔

ہم اگر کچھ کہنا بھی چاہتے تو حضرت مزید غصہ ہو جاتے۔ مجھے بار بار یہ لگ رہا تھا کہ

حضرت اب اور تب زناٹے دار طمانچہ میرے ضرور رسید کریں گے ؛ کیوں کہ میں اس وقت حضرت کے بالکل قریب بیٹھا تھا۔ تھپڑ تو نہیں لگا؛ لیکن ڈانٹ ڈپٹ ایسی ہوئی کہ شاید پورے زمانۂ طالب علمی میں نہ ہوئی ہو۔ ہماری زباں پر اس وقت شکوہ فقط اس بات کا تھا کہ دوسروں کی غلطی ہمارے سر پڑ چکی تھی۔

لیکن اس نظرِ عتاب میں بھی ایک تربیتی پہلو تھا کہ: ''لائبریری کی کتابیں قوم کی امانت ہوتی ہیں۔ اس میں کسی بھی طرح کی کوئی کمی اور کوتاہی قبول نہیں ہوگی۔ لاپروائی کسی طرح برداشت نہیں ہوگی''۔

حضرت کی اس ڈانٹ کا لطف میں آج بھی محسوس کر رہا ہوں اور یہ سطور رقم کرتے ہوئے اپنے آپ کو حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا دیکھ رہا ہوں، کہ کس طرح میں اور لقمان بھائی کن انکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر اشارہ کر رہے تھے۔

حیرت اور قابل تقلید بات تو یہ ہے کہ جب اگلی مرتبہ ہم ملنے گئے تو اتنے پیار اور شفقت کے ساتھ ملے کہ شاید وہ ہم پر کبھی خفا نہیں ہوئے تھے۔ اور یہی چیز حضرات اکابر رحمہم اللہ کا خاصہ تھا کہ اگر کسی بات پر ناراض ہوتے، تو دل میں کوئی بات نہیں رکھتے نہ ایسا ہوتا کہ اگلی مرتبہ وہ طالب علم ان حضرت سے ملنے جائے تو گذشتہ کسی بات کا طعنہ دے کر اس طالب علم کو ہدفِ ملامت بناتے رہیں

تمہاری تلوُّن مزاجی کے صدقے
گہے شہد ہو، گاہ کڑوے ہو

نوائے شوق

انجمنوں کی اہمیت وافادیت کے متعلق حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے اکثر وبیشتر یہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''انجمنوں کو بعض طلبہ نصاب سے خارج چیز سمجھتے ہیں؛ حالاں کہ یہ بھی

نصابِ تعلیم کے اسباق کی طرح، نصاب کا ایک اہم جز ہے۔ اس لیے انجمن میں ضرور حصہ لو! اور تقریر و تحریر میں خوب مشق کرو! کبھی انجمن میں لگنے کو خارجی اور زائد چیز مت سمجھو! زائد سمجھو گے تو کبھی اس کو اہمّیت نہیں دو گے''۔

پھر اپنی طالب علمی کا واقعہ سنایا کرتے کہ:

''جب ہمیں یہ علم ہوتا کہ حکیم الاسلام حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کا کہیں پر خطاب ہونے والا ہے، تو ہماری کوشش یہ ہوتی تھی کہ پہلی صف میں جا کر بیٹھیں اور حضرت کی تقریر پوری توجہ کے ساتھ سنیں''۔

اس کے بعد حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے انداز خطابت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کرتے کہ:

''سامعین ان کی تقریر ہمہ تن متوجہ ہوکر بہ گوش ہوش سنتے۔ تقریر کی طوالت کے باوجود کوئی بھی اُکتاہٹ اور بوریت کا شکار نہیں ہوتا، اور جی یہ چاہتا کہ ابھی تو حضرت نے بات شروع ہی کی تھی اور اتنی جلدی ختم کر دی''۔

اور فرماتے کہ:

''حضرت کو تقریر و خطابت میں ایسا ملکہ حاصل تھا کہ جس چیز پر چاہتے گھنٹوں بیان کر لیتے؛ چناں چہ ایک مرتبہ دارالعلوم دیوبند کی انجمن میں طلبہ نے حضرت سے مائیک پر گفتگو کرنے کے لیے کہا۔ تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے صرف مائیک کے فضائل پر ڈیڑھ دو گھنٹے گفتگو کی، یہ حضرت ہی کا اعجاز تھا''۔

چناں چہ حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انداز خطابت کے متعلق میرے مربی اُستاد محترم حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی نور اللہ مرقدہ سابق استاذ ادب عربی و رئیس تحریر مجلّہ ''الداعی'' دارالعلوم دیوبند اپنی کتاب ''پسِ مرگ زندہ'' میں رقم طراز ہیں:

''تقریر کے دوران کتاب وسنت کی نصوص کو اصل عربی میں پڑھتے اور ان کا انتہائی سلیس اور مزے دار ترجمہ کرتے۔ اقوالِ سلف کو بھی اُن کی اصل زبان میں ہی

پیش فرماتے: عربی ہو یا فارسی یا اردو۔ دلچسپ لطیفوں، درس انگیز حکایات، عبرت خیز نکات، نازک اشارات، معنی ریز تشبیہات، عقل کشا واقعات، ذہن کو بیدار کرنے والے نت نئے خیالات والتفاتات اور سب سے بڑھ کر تجدیدِ ایمان ویقین کا سامانِ صد ہزار رکھنے والے ایسے حقائقِ حیات سے، اُن کی تقریریں بھری پُری ہوتیں، جن سے دل کا ہر زنگ دور ہو جاتا، ہمتِ عمل پروان چڑھتی، کائنات میں پھیلی ہوئی خدا کی اَن گنت نشانیوں پر غور کرنے کا نہ ختم ہونے والا جذبہ بیدار ہوتا اور بہت سی مرتبہ گنہ گار آنکھوں کو غسلِ تطہیر کا سامان مُیَسَّر آجاتا اور آدمی سابقہ خطاؤں سے بالکلیہ توبہ کرلینے کی، ایسی توفیق لے کر اٹھتا کہ آیندہ زندگی میں اپنی تقدیر، اپنے ہاتھ سے لکھنے کی راہ پا جاتا''۔ (پسِ مرگ زندہ ۱۴۳-۱۴۴)

حضرت قاری عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دونوں فرزند کی بھی اسی انداز سے تربیت کی تھی۔

مروجہ تکرار

مدارس میں رائج تکرار کے طریقے سے حضرت والا بہت نالاں تھے۔

ایک مرتبہ عربی ادب کے سال ''اسالیب الانشاء'' کے درس میں ہم تمام طلبہ پر کسی وجہ سے غصہ ہوگئے۔ ڈانٹتے ہوئے درمیان میں ایک بہت قیمتی بات کہی جو آج بھی ذہن ودماغ میں محفوظ ہے کہ:

''آج کل جو تکرار کا طریقہ رائج ہے اس کا چنداں فائدہ نہیں۔ ایک طالب علم اُستاد بن کر بیٹھ جاتا ہے اور سبق پڑھانے لگتا ہے۔ اس کے بیٹھنے کا انداز استاد والا ہوتا ہے اور باقی تکرار کے تمام ساتھی سامع بن کر تکرار کرانے والے کی تقریر سن رہے ہوتے ہیں۔ یہ کوئی طریقہ ہے تکرار کا۔ تکرار کا مطلب: مذاکرہ ہوتا ہے کہ ہم نے استاد صاحب سے آج کے سبق میں جو کچھ سنا اور سمجھا اس کو تمام ساتھی مل بیٹھ کر دہرائیں۔ اس کا مراجعہ کریں اور اگر کہیں کوئی کمی کوتاہی ہو یا کوئی چیز چھوٹ جائے تو دوسرا طالب

علم بتادے۔ آج کل کا جو طریقہ ہے یہ کوئی طریقہ تھوڑا ہے تکرار کا کہ ایک طالب علم استاد کی ہیئت بنا کر بیٹھ جائے اور بقیہ سب طلبہ سُنّی بن جائیں''۔

یہ دور رسی اور دور بینی کی بات ہے کہ اتنی گہرائی و گیرائی سے اپنے ماتحتوں کی ہر چیز کی نگرانی کی جا رہی ہے اور مضر و ضرر رساں چیزوں سے ان کو دور رکھا جا رہا ہے۔

رفتــگاں

۲۰۲۱ء

مجاہدِ ختم نبوت

حضرت قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ

حضرت مولانا عبدالعلیم فاروقی مہتمم دارالمبلغین لکھنؤ

گذشتہ سال اور خاص طور پر رمضان کے مبارک مہینہ میں تسلسل کے ساتھ بڑے بڑے علمائے کرام اور مشاہیر ہماری اس دنیا کو چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہوگئے۔ اللہ پاک ان سب کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان مرحومین میں سے ایک اہم نام امیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ صدر جمعیۃ علمائے ہند کا ہے جو دارالعلوم دیوبند کے علیا کے اساتذہ میں تھے، ساتھ ہی ساتھ معاون مہتمم کے منصب پر بھی فائز تھے اور شعبۂ تحفظِ ختم نبوت کی نظامت بھی آپ کے سپرد تھی۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حضرت قاری صاحب ایک سادہ مزاج، تقویٰ شعار، صاحبِ علم وعمل مردِ مومن، اعلیٰ درجہ کے مربی ومنتظم تھے، دین وشریعت کی حمایت ونصرت کے جذبات ان میں بدرجۂ اتم موجود تھے، ان کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہے، امانت ودیانت داری میں وہ اپنی مثال آپ تھے، ان کی دیانت داری اور تقویٰ کی وجہ سے اکابر ان پر بھرپور اعتماد کرتے تھے۔ اس مختصر تحریر میں حضرت قاری صاحب کی تمام خصوصیات اور حالاتِ زندگی کا احاطہ کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ راقم الحروف اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی کے احساس کے ساتھ ان کی چند امتیازی خصوصیات کا اظہار کرنا چاہتا ہے جن کا زیادہ تر تعلق مشاہدات سے ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۸۸۰ء میں اپنی علمی ومذہبی زندگی شروع کی، مختلف دعاوی کرنے کے بعد ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا اور دین اسلام کے خلاف ایک نئی امت کھڑی

کرنے کی کوشش کی یا ایک ارتدادی تحریک کا آغاز کیا، مگر اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے علمائے حق نے عموماً اور علمائے دیوبند نے خصوصاً اس ارتدادی فتنہ کا پوری قوت کے ساتھ مقابلہ اور تعاقب کیا، عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ اور قادیانیت کی تردید میں سیکڑوں کتابیں اور رسائل تحریر فرمائے، مناظرے کیے اور عدالتی کارروائیاں عمل میں آئیں جس کے نتیجہ میں قادیانی کیمپ میں سناٹا چھا گیا اور قادیانی تحریک سکڑ کر رہ گئی اور ہندوستان میں اس کا زور ٹوٹ گیا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی مگر قادیانیوں نے ہندوستان سے باہر اپنے ناپاک عزائم کے ساتھ فتنہ انگیزی جاری رکھی، صوبہ پنجاب کے ایک شہر چناب نگر کو اپنا مرکز بنایا اور اس شہر کا نام ''ربوہ'' رکھا، پھر وہ زمانہ آیا کہ کئی مسلم ممالک نے ان کے کفر وارتداد کا اظہار علی الاعلان کیا، پڑوسی ملک پاکستان نے اس فتنہ پرور جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا اور ملکی سطح پر عمل درآمد کے آثار بھی نمایاں ہونے لگے، اس وقت قادیانیوں کے امیر مرزا طاہر نے برطانیہ میں پناہ لی، وہاں اس کی ہر طرح کی آسائش کا لحاظ رکھا گیا اور حفاظتی دستہ (Secority guard) بھی مہیا کیا گیا، اس کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ مرزا قادیانی نے خود اپنی تحریروں میں انگریزوں کی غلامی کو نہ صرف پسند کیا بلکہ اپنے آپ کو ان کا خودکاشتہ پودا بتایا تھا۔ قادیانیوں نے دوبارہ ہندوستان کا رخ کیا اور اپنے خفیہ مراکز قائم کرنے شروع کردیے؛ تاکہ مسلمانوں کو ورغلا کر قادیانیت کی طرف راغب کریں۔ اس مرتبہ ان لوگوں نے اہلِ ایمان کو گمراہ کرنے کا وہ طریقہ اختیار کیا جو عیسائی مشنریاں کیا کرتی ہیں۔ ان کی ان سرگرمیوں اور ہندوستان میں دوسری مرتبہ اس ارتدادی فتنہ کا سب سے پہلے احساس فدائے ملت، امیر الہند ثانی حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علمائے ہند کو ہوا، انھوں نے اپنے تمام وسائل کو بروے کار لاتے ہوئے عالمی پیمانے پر دین وعقیدہ کے تعلق سے فکر مند علماء کو دارالعلوم دیوبند میں جمع کرنے کا پروگرام بنایا اور ۱۹۸۶ء میں ایک عظیم الشان ''تحفظِ ختم نبوت کنونشن'' منعقد ہوا۔ اس موقع پر قاری صاحب کو بہت قریب سے دیکھا۔ کانفرنس کو کامیاب بنانے میں نظم وضبط، حسن ترتیب، کام

کرنے کا انداز، دل چسپی اور لگن قابلِ دید تھی۔ کانفرنس کے دوسرے دن دارالعلوم دیوبند میں ''عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوت'' کا دفتر قائم ہوگیا اور اس کی کمان قاری صاحب موصوف کو سونپ دی گئی۔ آپ نے پورے اخلاص اور دینی جذبے کے ساتھ ملک اور بیرون ملک ختمِ نبوت کے سلسلہ میں ۱۵۰ سے زائد تربیتی کیمپ لگائے، آپ کی سرگرم اور حساس طبیعت نے ان کیمپوں کو کامیاب بنانے میں اہم کردار ادا کیا، اس کے فوائد اور اچھے نتائج واثرات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، میں نے خود اس کا مشاہدہ کیا ہے۔

چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی تحریک تحفظِ ختم نبوت کے مشن کے تحت میں نے سنڈیلہ ہردوئی، موہن لال گنج رائے بریلی، سدھولی سیتاپور اور موہان اناؤ میں جو کانفرنسیں کیں اور تربیتی کیمپ لگائے ان میں قاری صاحب کی شرکت نے بڑا حوصلہ بخشا اور کیمپوں کی ترتیب وشرکاء کی تربیت وذہن سازی سے اس مشن کو آگے بڑھانے میں کامیابی حاصل ہوئی اور اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ مذکورہ بالا مقامات پر عوام میں بڑا جوش اور دینی جذبہ دیکھنے کو ملا، بعض مقامات پر تبلیغی جماعت کے احباب گئے تو وہاں کے لوگوں نے مطمئن ہوئے بغیر ان کو گاؤں میں داخل نہیں ہونے دیا۔ اسی طرح مدراس، بنگلور، کیرالا اور بھاگل پور میں ردِ قادیانیت پر منعقد ہونے والے پروگراموں کی کامیابی کا سہرہ قاری صاحب کے سر جاتا ہے، ان کیمپوں میں میں بھی شریک رہا، قاری صاحب اپنی نگرانی اور اندازِ تربیت سے شرکاء میں احساسِ ذمہ داری اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی فکر کا نشہ پیدا کر دیتے تھے اور ان کو اس راہ پر کام کرنے کے تمام گُر سکھا دیتے تھے۔ خامنی ضلع متھرا اور روہتا ضلع آگرہ میں قادیانی پنڈتوں نے اہلِ اسلام کو مناظرہ کے چیلنج دیے، حضرت قاری صاحب نے پوری تندہی کے ساتھ اس موقع پر اپنے لوگوں سے کام لیا اور قادیانیوں کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی۔

حضرت قاری صاحب نے اپنے اس منصب کا پورا پورا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، پہلی ختم نبوت کانفرنس دارالعلوم دیوبند کے موقع پر قادیانیت کے خلاف مواد کی فراہمی

میں قاری صاحب موصوف نے اہم کردار ادا کیا تھا اور متعدد کتابیں اس موقع پر مجلس تحفظ ختمِ نبوت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے آپ کی نگرانی میں شائع کر دی گئیں۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا مرتضٰی حسن چاندپوریؒ، مولانا نور محمد ٹانڈویؒ وغیرہ کی یہ کتابیں ایک سیٹ کی شکل میں ردِ قادیانیت کا مکمل نصاب تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم میں محاضرات کا سلسلہ بھی حضرت قاری صاحب نے شروع فرمایا جو مختلف موضوعات سے متعلق اساتذۂ دارالعلوم تیار کرتے تھے اور خود آپ کے محاضرات علمیہ ردّ قادیانیت پر سامنے آئے جو کتابی شکل میں موجود ہیں۔ آپ کے یہ محاضرے ''قادیانی مذہب کا اجمالی تعارف'' کے نام سے میں نے بھی دینی تعلیمی ٹرسٹ لکھنؤ کی جانب سے سنڈیلہ میں ہونے والے ۲۳/۲۴/۲۵/ستمبر ۱۹۰۳ء کے سہ روزہ تربیتی کیمپ کے موقع پر شائع کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔

اس موضوع سے متعلق قاری صاحب کی دلچسپی بڑی گہری تھی اور وہ ان کا گویا رات دن کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا، پورے ملک میں قادیانیت کے حربوں اور حملوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنا، ان کی سرگرمیوں کی خبر رکھنا، برموقع ان کی گرفت کرنا اور اس کے لیے انتظامات کرنا، دارالعلوم دیوبند کے مبلغین کو تیار کرنا، ان علاقوں کے دورے کرانا اور مسلمانوں کو اس فتنہ کے سلسلہ میں واقف کرانا، اس کے لیے مواد تیار کرانا ان کا محبوب مشغلہ بن گیا تھا۔ اس محاذ پر قاری صاحب کی ایسی نمایاں اور ممتاز خدمات ہیں جو فراموش نہیں کی جاسکتیں۔

حسنِ تربیت

ایک صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی میں اپنے کاموں کو صحیح رنگ و ڈھنگ دینے کا جو انداز ہوتا ہے اور ایک کامیاب انسان دوسروں کو بھی اپنی طرح بنانے کی جو تڑپ رکھتا ہے وہ قاری صاحب موصوف میں پورے طور پر پائی جاتی تھی۔ آپ مختلف جماعتوں، تنظیموں اور اداروں سے منسلک رہے، ہر جگہ اپنی کارکردگی اور حسنِ انتظام کے اثرات چھوڑے۔ آپ کی

حسنِ تربیت کے مختلف جہات ہیں۔تحفظِ ختم نبوت کے محاذ پر آپ نے اپنے اندازِ تربیت سے ایسے رجال کار پیدا کردیے اور ایسی ذہن سازی کردی جس کے اثرات ان شاء اللہ تادیر قائم رہیں گے جو آپ کے لیے صدقہ جاریہ بنیں گے۔اسی طرح اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں بھی قاری صاحب نے پوری ذمہ داری کے ساتھ اپنا فرض ادا کیا،تربیتِ اولاد کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے اوراحادیث میں اس پر بڑی بشارت بھی آئی ہے،آپ اس سے کبھی غافل نہیں رہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو اولاد عطا فرمائی ان کی پرورش و پرداخت اور تعلیم وتربیت میں قاری صاحب نے اپنی بھرپور صلاحیتوں کو استعمال فرمایا چنانچہ اس کے اثرات آپ کی اولاد میں نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ماشاء اللہ بڑے صاحبزادے حضرت مولانا مفتی سید محمد سلمان منصور پوری ہیں،جن کے علم وتقویٰ اور صلاحیت ولیاقت کا بڑے بڑوں نے اعتراف کیا ہے، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں استاذِ حدیث ہیں اور بلا مبالغہ درجنوں کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں،حضرت اقدس مولانا سید ارشد مدنی دامت برکاتہم امیر الہند خامس نے اپنی نیابت کے لیے ان کو نامزد فرمایا اور واقعی وہ اس اہم کام کے لیے بہت ہی موزوں اور مناسب ہیں۔اللہ تعالیٰ صحت و عافیت کے ساتھ عمر دراز فرمائے اور خدمتِ دین کی مزید توفیق نصیب فرمائے۔ دوسرے لائق قدر صاحبزادے حضرت مولانا مفتی سید محمد عفان منصور پوری ہیں، جو جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ میں استاذ حدیث ہیں،ان کا درس انتہائی مقبول ہے، ہندوستان کے باوقار عالم اور مشہور خطیب ہیں۔اس کے علاوہ اصلاحِ امت کے کاموں میں انتہائی خلوص کے ساتھ شریک رہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے۔

اوقات کی پابندی

انسان کے پاس وقت ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔وقت کی قدر کرنے والے لوگ کامیاب اور بامراد ہوتے ہیں ”الوقت اثمن من الذھب“ کا عربی مقولہ قاری صاحب کی پوری زندگی پر صادق آتا ہے۔آپ نے یہ انداز اپنے پیر و مرشد اور استاذِ گرامی شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ اور خسرِ محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے یقیناً سیکھے ہوں گے جن کی زندگیاں اوقات کی قدردانی سے عبارت تھیں۔
قاری صاحب پر دارالعلوم میں مختلف ذمہ داریاں تھیں، معاون مہتمم، تدریس اور مجلس تحفظ ختمِ نبوت کی اہم ذمہ داریوں کو آپ نے پوری دیانت داری کے ساتھ انجام دیا اور کسی ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں ہونے پائی، سبق کے گھنٹہ میں بھلے ہی طلباء درس گاہ میں موجود نہ ہوں مگر قاری صاحب وقت پر حاضر، دفترِ اہتمام میں اپنے کام وقت پر نمٹانا، اسی کے ساتھ مجلس تحفظِ ختم نبوت کی پوری نگرانی اس کی ضرورتوں اور تقاضوں کی وقت پر انجام دہی اخیر وقت تک آپ کا معمول رہا۔

امارت شرعیہ ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک اہم دینی ذمہ داری اور ضرورت تھی، جس کو علمائے اسلام نے زندہ کرنے کی پوری کوشش کی اور اس کے لیے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ پیش پیش رہے تھے، ۱۹۸۶ء میں محدث کبیر ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی رحمہ اللہ کو پہلا امیر الہند مقرر کیا گیا، پھر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کو دوسرا امیر الہند بنایا گیا، اس کے بعد ۲۰۰۹ء میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری کو تیسرا امیر منتخب کیا گیا، حضرت مہتمم صاحب کے انتقال کے بعد حضرت قاری محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ کا چوتھے امیر الہند کی حیثیت سے ۲۰۱۱ء میں انتخاب عمل میں آیا۔ اس طرح آپ نے اس عہدے پر تقریباً دس سال تک ذمہ داریوں کو سرانجام دیا۔

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ نصیب فرمائے اور ان کے اعمالِ خیر کی بھرپور جزا عطا کرے۔ آمین یارب العالمین

سلام اُن پر کہ جو ختم نبوت کے تھے شیدائی

مولانا مفتی سید محمد معصوم ثاقب صاحب قاسمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند
اُستاذ دارالعلوم امدادیہ رائے چوٹی، کڈپہ، آندھراپردیش

اکیلا ہوں مگر آباد کردیتا ہوں ویرانہ
بہت روئے گی میرے بعد میری شام تنہائی

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ مختصر سی علالت کے بعد دنیا سے رخصت ہوگئے، ''کل نفس ذائقۃ الموت''، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں کارگزار مہتمم، جمعیۃ علماء ہند کے صدر اور امیر الہند تھے۔ اس کے علاوہ حضرت قاری صاحب ایک کامیاب مدرس، مربی، شیخ طریقت اور کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ اور روح رواں بھی تھے۔ موصوف کی زندگی کے کسی ایک پہلو کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا جائے تو اس کے لیے کئی دفاتر درکار ہوں گے۔ حضرت قاری صاحب کا نام نامی ہی کسی شعبے میں اس کی کامیابی کی ضمانت ہوا کرتا تھا۔ اس کو اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہی کہا جائے گا کہ بیک وقت وہ مختلف الجہات خدمات بحسن وخوبی انجام دیا کرتے تھے۔ وہ اسلاف کی یادگار تو اخلاف کے لیے بہترین اسوہ اور نمونہ تھے، ان پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے اور آئندہ بھی لکھا جاتا رہے گا؛ لیکن اگر کچھ کہا اور لکھا نہ بھی جائے تو ان کی رجال سازی اور مردم گری کے اثرات اس پوری صدی تک محسوس کیے جاتے رہیں گے۔ ان کی رحلت سے اہل خانہ ہی نہیں؛ بلکہ خلق خدا غمزدہ اور سوگوار ہے، رہ رہ کران کی جدائی اہل تعلق کو ستاتی رہے گی:

اٹھتے جاتے ہیں تری بزم سے اب اہلِ وفا
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کو بڑھانے والے

میرے والد مرحوم سے قاری صاحب کے کتنے دیرینہ تعلقات تھے، اس کا مجھے علم نہیں؛ لیکن والد صاحب دورانِ تعلیم دیوبند تشریف لاتے تو زیادہ وقت قاری صاحب کے ساتھ ہی بسر ہوتا، میرے بعد میرے چھوٹے بھائی سید مجتبیٰ یزدانی قاری صاحب کی سرپرستی میں دارالعلوم دیوبند میں کئی برس زیرِ تعلیم رہے۔ فیض آباد سے اپنے اعزہ واقرباء میں سے کوئی بھی دارالعلوم دیوبند جاتا تو اس کی سب سے زیادہ خدمت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی کیا کرتے تھے۔ دار الافتاء سے فراغت کے بعد حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ نے جب مجھے رائے چوٹی بھیجنے کا فیصلہ کیا تو اس کا سارا انتظام حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہی فرمایا، تقرری سے متعلق تحریریں، ذمہ دارانِ مدرسہ کے نام خطوط، میرے والدین کو تسلی کے خطوط تاکہ ان کو اس دوری اور جدائی کی وجہ سے قلق نہ ہو، سب قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہی تحریر کیے ہوے ہیں، جو میرے لیے بہت بڑا سرمایہ ہیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد قاری صاحب کا تعزیتی خط اور بار بار فون پر تسلی دینا آج بھی یاد ہے اور ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو ان کے فون سے بہت تسلی ہوجاتی تھی، ان کی شفقت اور ان کے تعلقات اور احسانات بھلائے نہیں جاسکتے، جب سے قاری صاحب سے تعلق ہوا تھا، اخیر وقت تک ان سے محبت اور مناسبت بڑھتی گئی اور ان کی طرف سے بے انتہاء شفقت ومحبت میں اضافہ ہوتا گیا، جس کے تذکرے کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں، فتنۂ مرزائیت کے تعاقب میں ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۰ء تک ملک میں کئی جگہ ردقادیانیت تربیتی کیمپ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام منعقد کیے گئے، شہر دہلی میں لگا تار کئی برس بڑے بڑے اجلاس عام کیے گئے، اسی دوران حضرت قاری صاحب کے ہمراہ طویل مدت کام کرنے کا موقعہ ملا، انھوں نے ختم نبوت کے لیے ملک بھر سے باصلاحیت علماء کرام کو اپنے ساتھ بطور رفقاء مجلس مربوط کر رکھا تھا، حسب سہولت رفقاء تربیتی کیمپ اور جلسوں

میں شریک ہوتے، کبھی دیوبند میں سب کا اجتماع بھی ہوتا، ان تمام موقعوں پر سب سے زیادہ کام قاری صاحب ہی کیا کرتے تھے، مولانا یامین، مولانا عرفان مبلغینِ دارالعلوم دیوبند، مولانا شاہ عالم صاحب اور بندہ اکثر ہمراہ ہوا کرتے، ہم سب تھک جایا کرتے؛ مگر ان کا نشاط ختم نہ ہوتا تھا، وہ ہم سے بکثرت فرمایا کرتے تھے کہ ختم نبوت کا کام ہماری سعادت ہے، اسی استحضار کی وجہ سے بے تکان مسلسل کام کرتے رہتے تھے اور خوش ہوتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ توفیق بخشی ہے، خواجہ مجذوبؒ نے ایسوں ہی کے لیے فرمایا ہے:

میں رہتا ہوں ہر وقت جنت میں گویا
میرے باغِ دل میں وہ گل کاریاں ہیں

میں نے قاری صاحب کے ساتھ دہلی، یوپی، بہار، بنگال، کیرالہ، تملناڈو، کرناٹک اور آندھرا پردیش کے طول طویل اسفار کیے، اس وقت سب اسفار کا اختصار کے ساتھ تذکرہ بھی بہت طویل ہو جائے گا، اس لیے صرف رائے چوٹی و مضافات کے اسفار کا آنکھوں دیکھا کچھ حال قلمبند کرنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

رائے چوٹی کا سفر

دارالعلوم امدادیہ رائے چوٹی کے مہتمم اور ناظم یعنی حضرت مولانا محمد حسن خاں صاحب اور حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب مفتاحی رحمۃ اللہ علیہ حضرت قاری صاحب کے بڑے گرویدہ تھے، ان دونوں نے مجھے مکلّف بنایا کہ جس طرح بھی ہو، قاری صاحب کا رائے چوٹی کا سفر ہونا چاہئے، یہاں یہ تذکرہ ضروری ہے کہ رائے چوٹی حضرت مدنیؒ متعدد بار تشریف لا چکے تھے اور ان کے بعد لگاتار ہر سال حضرت فدائے ملت رحمۃ اللہ علیہ یہاں تشریف لاتے رہے اور مدرسے کے سالانہ جلسوں میں حضرت مولانا سید ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم تشریف لاتے رہتے تھے، مولانا رشید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی، مولانا اسحاق صاحب کے تعلق کی وجہ سے تشریف لا چکے تھے؛ مگر حضرت قاری صاحب کا رائے چوٹی کا سفر نہیں ہوا تھا، پہلی مرتبہ ٣٠ر

اگست ۱۹۹۴ء میں صرف ایک روز کے لیے بنگلور سے رائے چوٹی تشریف لائے۔

دوبارہ ۱۹۹۶ء میں مکمل ایک ہفتے کے لیے تشریف لائے، جس میں رائے چوٹی اور اس کے اطراف راجم پیٹ، کلکڑہ اور مدنپلی کا اصلاحی دورہ کیا اور مدرسے میں تمام درجات عربی و فارسی اور حفظ و ناظرہ کے طلبہ کا جائزہ لیا اور اساتذہ کو قیمتی نصیحتیں فرمائیں اور مدرسے کے رجسٹر میں معائنہ بھی تحریر فرمایا، جس میں سے چند اہم باتیں یہ ہیں کہ:

''ہم دینی خدام کو ہمیشہ معاملات کی صفائی سے کام لینا چاہیے اور کبھی بھی امانت و دیانت کے خلاف کوئی کام نہیں کرنا چاہئے، اگر دینی اداروں میں امانت و دیانت کا فقدان رہا تو کہاں اور ان چیزوں کا خیال کیا جائے گا، اساتذہ اور طلبہ کو سنن و مستحبات تک کی عادت ڈالنی چاہئے، یہ اہل سنت کے مدرسے ہیں، کتاب وسنت کی تعلیم ہی اس کا مقصد ہے، جو آپ پر نگراں مقرر ہیں اور جو آپ کو ذمہ داریاں دی گئی ہیں وہ تقسیم کار کی ایک آسان شکل ہے، حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہمارے ہر کام کا نگراں ہے اور وہی ہماری خدمات کا پورا پورا اجر دینے والا ہے، اسی جذبے سے آپ لوگ مدرسے کی تعلیم وتربیت اور خدمت میں حصہ لیں، یہی اکابر کا طریقہ ہے، تمام اساتذہ کرام اپنے تعلیمی گھنٹے صرف پڑھانے اور یاد کرانے میں صرف کریں، ان گھنٹوں میں احباب سے ملاقات اور دیگر مصروفیات سے احتراز کریں، طلبہ کو مطالعہ کر کے سبق پڑھنے کا پابند بنائیں اور ان کو مطالعہ کا طریقہ بتلائیں اور باری باری خود ان سے ترجمہ و مطلب کہلوائیں، جہاں غلطی کریں اس کی تصحیح وجہ سمجھا کر کی جائے۔ سال اول و دوم عربی کی جماعتوں میں ہر کتاب کا سبق روزانہ طلبہ سے سننے کا التزام کریں اور بڑی کتابوں کا سبق ہفتہ میں دو مرتبہ سن لیا کریں''۔

مدرسے کے ممبران و بہی خواہان کا خصوصی اجتماع ہوا، حضرت والا نے اس میں بہترین وعظ فرمایا اور سب کو مدرسے کی خدمت میں حصہ لینے کی ترغیب دی اور حضرات علماء کرام طلبائے مدرسہ کے اکرام کی طرف توجہ دلائی، حضرت والا کی مجلس کی اہم باتوں کو لوگ اب تک یاد کرتے

رہتے ہیں، اطراف میں طول طویل اسفار ہوتے رہے، مگر قیام مدرسہ میں رہا، اس کے بعد وقفے وقفے سے حضرت والا کے اصلاحی و دعوتی اسفار رائے چوٹی و مضافات کے ہوتے رہے، ۲۲ر فروری ۲۰۲۱ء کو آخری سفر ہوا۔

بنگلور کا سفر

قادیانیوں کی سرگرمی جنوب ہند میں ہمیشہ سے بڑے پیانے پر جاری رہی، قادیانیوں کو نظام سرکار میں بڑا رسوخ حاصل تھا، آج بھی کیرالہ، تملناڈ، کرناٹک اور آندھرا پردیش میں قادیانی بہت مضبوط اور منظّم ہیں۔ حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا فکر دامن گیر رہا کرتا تھا، حضرت کی سرپرستی میں مؤرخہ: ۲ر۳ر۴ر ستمبر ۱۹۹۴ء کو مدرسہ شاہ ولی اللہ بنگلور میں سہ روزہ تربیتی کیمپ منعقد ہوا، جس میں مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری، مولانا ارشد مدنی صاحب دامت برکاتہم، مولانا عبدالعلیم صاحب فاروقی دامت برکاتہم، مولانا محمد اسماعیل صاحب کٹکی وغیرہ اکابر نے شرکت فرمائی، ریاست کرناٹک کے پانچ سو سے زیادہ علماء نے اس تربیتی کیمپ میں شرکت کی، پڑوس ریاستوں سے بھی اکابر علماء کے وفود شریک ہوے، آخری دن چھوٹے میدان میں بہت بڑا اجلاس عام منعقد ہوا، اس میں تمام فرقوں کے عوام اور علماء نے شرکت فرمائی اور متفقہ طور پر قادیانیوں کے خلاف ٹھوس اور مؤثر قرار دادیں منظور کی گئیں، جس سے بوکھلا کر قادیانیوں نے مناظرے کا چیلنج کیا، ہم نے اسے قبول بھی کرلیا، تربیتی کیمپ کے بعد ''ولسن گارڈن'' کے قادیانی دفتر میں ان کے مبلغین سے روبرو گفتگو ہوئی جس میں بندے کے ساتھ بنگلور کے کئی علماء بھی شریک تھے، قادیانی لاجواب ہوے تو انھوں نے آئندہ مجمع عام کے روبرو مناظرہ کا تقاضہ رکھا، اسے منظور بھی کرلیا گیا، مگر بعد میں قادیانی اس سے بھی پیچھے ہٹ گئے، اس تربیتی کیمپ کے بعد جنوبی ہند کے مختلف مقامات پر قادیانیوں کے ساتھ کشمکش شروع ہوئی اور نا ختم ہونے والے مسلسل تقاضے سامنے آنے لگے، اس سہ روزہ تربیتی کیمپ کا کنوینر راقم الحروف ہی تھا اور جمعیۃ علماء کرناٹک کے زیر اہتمام یہ سب کاروائی انجام پارہی تھی، حضرت

قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان تمام جز وکل میں ہمارے سرپرست مشیر اور مددگار تھے، تفصیلی رپورٹ آج بھی کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر میں محفوظ ہوگی، قاری صاحبؒ ایک شریک کار کی طرح خطوط تحریر فرماتے، علماء کو فون کرتے، پھر اکابر کو صورتحال سے مطلع کرتے، جہاں ضرورت محسوس کرتے سفر فرماتے یا دیگر علماء کو متوجہ کرتے۔

تین قادیانی مبلغین کی توبہ

چلتا گیا میں پھول بناتے گئے چھالے
صحرا کو مری لغزش پا یاد رہے گی

لکھنے میں تو یہ داستاں چند جملوں میں سما رہی ہیں؛ لیکن جتنے بڑے خطے پر یہ کام پھیلا ہے وہ کئی سو مربع میل کی سرزمین ہے اور وہاں بسنے والے مسلمانوں کی لاکھوں کی آبادی اور پچیس سال کی مدت عمل ہے، اس میں صرف اگر ضروری اور قابل ذکر امور تحریر کیے جائیں تو بھی کئی دفتر بھر جائیں گے، مثال کے طور پر ایک کارگزاری لکھی جاتی ہے۔

ضلع چترادرگ ومضافات (کرناٹک) اور ضلع اننت پور ومضافات (آندھرا پردیش) میں ۲۰۰ر سے زائد بستیوں میں قادیانی مبلغین اپنا کام کر رہے تھے، کئی کئی سرکل انچارج، سیکڑوں سینٹر کے تحت ۲۰۰ر سے زیادہ گاؤں اس فتنے کی لپیٹ میں تھے اور قادیانی اتنے منظم ہو چکے تھے کہ مرد تو مردان کی خواتین بھی ''لجنۃ اماء اللہ'' کی ممبر تھیں، قادیان کے سالانہ جلسے میں یہاں سے سینکڑوں لوگ سفر کر کے جایا کرتے تھے، یہاں کے بچے قادیان کے مدرسے میں پڑھتے تھے، ۲۳ر مارچ کو جب قادیانی یوم مسیح موعود مناتے تو بہت سے سماجی اور مذہبی مسلم کارکنان از راہِ رواداری و ہمدردی ان کے اجلاس میں شرکت کرتے تھے، مسلمانوں کی یہ غفلت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ وہ قادیانیوں کو اپنے ہی جیسا مسلمان سمجھتے تھے، کئی جگہ تو قادیانی مبلغین اور اماموں کے ساتھ بھولے بھالے لوگوں نے اپنی بیٹیاں بھی بیاہ دی تھیں، اس طرح قادیانی مبلغین رشتہ داریاں قائم کر کے کافی اثر ورسوخ بنا چکے تھے، برسوں سے یہی صورت حال

’’بلہاری، کپل، ہاسپیٹ، داونگیرہ وغیرہ‘‘ علاقوں کی بھی تھی۔ قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ان حالات سے مطلع کیا گیا تو آپ نے ان علاقوں کا سفر کیا، یہاں سے جانے والے علماء کو متوجہ کیا اور جنوب کے علماء واہل مدارس کو خط لکھا۔ دارالعلوم دیوبند میں ان علاقوں کے زیر تعلیم طلبہ کی ذہن سازی بھی کرتے رہے، یعنی ہر وہ کام جوان کے بس میں تھا، انجام دیا اور راقم الحروف کو مکلّف بنایا کہ ان علاقوں کا سفر کریں، حالات کا جائزہ لیں اور جہاں جو انتظام ہو سکے اس میں دیر نہ کریں؛ چنانچہ دارالعلوم امدادیہ رائے چوٹی کی جانب سے پہلی مرتبہ منظّم طور پر ۲۰۰۳ء میں مولانا مسعود عالم صاحب، قاری شاکراللہ صاحب، مولانا محمد اکبرعلی صاحب وغیرہ اساتذہ نے جنجرا میلی، نیتر پلی، بیلوڑ، تالکیرہ، بھوپ سمدرم، کنیگل، کمبد ور، چترادرگ، رائے درگ، ہچ بی ہلی، ہڑپن ہلی، بیچہ پور جیسے گاؤں اور قصبات کا سفر کیا اور مدرسے کی طرف سے مکمل کئی سال با تنخواہ مبلغین کا ان علاقوں میں تقرر کیا گیا، مکاتب قائم کیے گئے، علاقہ کے مدارس کو متوجہ کیا گیا، الحمدللہ چند برسوں میں قادیانی مبلغین واپس چلے گئے اور یہ علاقے محفوظ ہو گئے۔ بیچہ پور جو قادیانیوں کا بڑا مرکز تھا، یہاں لوگ سالانہ قادیانی جلسے میں پابندی سے آیا کرتے تھے، مرزا طاہر سے اسی چھوٹے سے گاؤں کے پچاس سے زیادہ لوگ بیعت تھے، الحمدللہ سب دوبارہ مشرف بہ اسلام ہو گئے اور رائے چوٹی پہنچ کر حضرت فدائے ملت سے بیعت ہوئے، یہی کار گزاری تقریباً بیسیوں دیہات کی ہے، سب کی تفصیلی رپورٹ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کو بھیج دی گئی ہے، بلہاری میں مدرسہ کاشف العلوم قول بازار کے مہتمم مرتضٰی خان صاحب اور وہاں کے سر قاضی غلام غوث صاحب اشرفی نے پورے ضلع میں تعاقب جاری رکھا، قاری صاحب نے بلہاری کا سفر فرمایا، ان محنتوں کے نتیجے میں الحمدللہ مؤرخہ ۲۱؍دسمبر ۲۰۰۸ء کو تین قادیانی مبلغین عبدالشکور، محمد اسماعیل، محمد اسحاق نے توبہ کی، یہ برسہابرس تک آندھراپردیش و کرناٹک میں سرکل انچارج کے طور پر کام کر چکے تھے اور چوتھے خلیفہ مرزا طاہر سے بیعت تھے، ان کی توبہ کی داستاں بہت دلچسپ ہے، جس کی تفصیل لکھنے کا موقعہ یہاں نہیں ہے، صرف اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ

ختم نبوت اور اجرائے نبوت اور رفع ونزول عیسیٰ اور ظہور مہدی وغیرہ کے علمی موضوعات سے زیادہ جس بات کی وجہ سے یہ قادیانیت سے بدظن ہو کر تائب ہوئے وہ صرف اتنا تھا کہ راقم الحروف ان کو بار بار سمجھاتا تھا کہ قادیانیت مستقل ایک مذہب ہے اور اس کا نبی مرزا غلام احمد قادیانی ہے اور قادیانیوں کے نزدیک مرزا غلام احمد قادیانی کے الہامات اور اس کی باتیں اسی طرح قابل قبول ہیں جس طرح ایک مسلمان کے نزدیک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں یعنی آسان لفظوں میں قادیانی تعلیمات کے اعتبار سے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے، قادیانیوں کی آسمانی کتاب قرآن شریف کی طرح ''تذکرہ'' ہے اور یہ تذکرہ مرزا غلام قادیانی کے رویا، کشوف اور الہامات کا مجموعہ ہے، اس کو قادیانی وحی مقدس کہا کرتے ہیں، میری اس بات کا وہ روزانہ لاحول پڑھ کر انکار کرتے رہے؛ لیکن ان کی عقیدت کو اس دن بہت ٹھیس پہنچی جس دن انھوں نے میرے بعض سوالات کے سلسلے میں براہ راست مرزا مسرور سے بات کی اور بلہاری، کپل اور ہاسپیٹ کی صورتحال سے اپنے پانچویں خلیفہ مرزا مسرور کو واقف کرایا، چونکہ یہ تینوں مبلغین مرزا طاہر کے مریدین تھے، اس لیے پانچواں خلیفہ اپنا پیر بھائی سمجھ کر ان کے ساتھ مساوات و مدارات کا خصوصی اہتمام کرتا تھا اور تحفظ ختم نبوت کی بڑھتی ہوئی محنت کے بعد یہ اپنے علاقوں میں جن حالات سے دو چار تھے، اس لیے بھی مرزا مسرور ان سے خصوصی ربط رکھتا تھا، جس دن مرزا مسرور نے ہماری طرف سے اٹھائے گئے سوالات کے جوابات میں ان مبلغین کو یہی بات کہہ دی کہ ''احمدیت مستقل مذہب ہے'' اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام یعنی مرزا غلام احمد قادیانی کی ہم امت ہیں اور وہ ہمارے نبی ہیں اور یہ ایک نظام خلافت ہے جس پر ہمارا عقیدہ ہے، جب کوئی مسلمان اپنے عقیدے کے خلاف کچھ سننا گوارا نہیں کرتا بلکہ سب کچھ ''آمنا وصدقنا'' کرتا ہے تو آپ لوگ بھی جماعت احمدیہ کے مبلغین اور علماء ہیں، آپ کسی کی باتوں میں نہ آئیں اور اپنے مذہب کی خدمات انجام دیتے رہیں، اللہ تعالیٰ نے ان تینوں مبلغین کے لیے مرزا مسرور کی اس بات کے بعد ہدایت کی

راہ آسان کردی، وہ پلٹ آئے، انھوں نے توبہ کی، قاری صاحب مرحوم کو یہ سب تفصیلات معلوم ہوئیں اور ان مبلغین سے ملاقات کرائی گئی تو بے انتہا خوش ہوئے۔ الحمد للہ ان تینوں حضرات نے تقریباً پچاس بستیاں جن کو انھوں نے ہی قادیانی بنایا تھا، دوبارہ اسلام میں داخل کردیا، آج بھی الحمد للہ وہاں ہمارے مکاتب اور ائمہ ہیں، تحفظ ختم نبوت ہاسپیٹ جو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہدایت پر قائم کی گئی تھی، وہاں الحمد للہ اب تک سید ابرار صاحب اور مولانا الطاف صاحب تحفظ ختم نبوت کا کام انجام دے رہے ہیں۔ ۲۸ر فروری ۲۰۰۹ء سے پہلے تک حالات بڑے سخت تھے؛ لیکن ۲۸ر فروری کو بلہاری میں ایک بہت بڑے پیمانے پر اجلاس کیا گیا، جس میں تمام فرقوں کے علماء وعوام اور پورے علاقے کے سیاسی وسماجی کارکنان نے شرکت کی اور وہاں مضبوط مؤثر قرار دادیں منظور کی گئیں، اس اجلاس کے بعد الحمد للہ حالات کافی تبدیل ہو چکے ہیں اور 'احمدیہ مسلم مشن' کا حلقۂ اثر سمٹ کر محدود ہوتا جارہا ہے، اس بات کا افسوس ہمیشہ رہے گا کہ ہماری خواہش کے باوجود قاری صاحب مرحوم پچھلے چند برسوں میں بے انتہا مصروفیت کی وجہ سے بلہاری، ہاسپیٹ، کپل وغیرہ کے اسفار نہ کرسکے، صرف رائے چوٹی تک آپ کا سفر محدود ہوگیا، وہیں سارے احباب حاضر خدمت ہوجاتے تھے۔

بلہاری کا سفر

بلہاری کا آخری سفر مؤرخہ: ۵ر اگست ۲۰۰۷ء کو ہوا، اس کی کارگذاری کچھ اس طرح سے ہے کہ جس دور میں تحفظ ختم نبوت کا کام آندھرا پردیش اور کرناٹک کے بارڈر کے علاقوں میں جاری تھا، باوجودیکہ ہم تمام فرقوں کے مذہبی پیشواؤں اور عمائدین کو اپنے ساتھ شامل رکھتے تھے، خاص طور پر جماعت اہل حدیث کے علماء سے اتحادِ عمل کے ساتھ ہی یہ خدمت انجام دے رہے تھے، اگرچہ زمینی سطح پر ان کا کوئی قابل ذکر تعاون ہمارے ساتھ نہیں تھا؛ لیکن ان کی طرف سے کوئی مخالفت بھی نہیں تھی، ہم اپنے احباب کے ساتھ اہتمام سے ان کے مدرسوں میں چلے جایا کرتے تھے اور علماء کرام سے بھی ملاقات کرلیا کرتے تھے اور موضوع سے متعلق کتابیں

پمفلٹ وغیرہ ہدیۃً پیش کرتے تھے اور دعا کی درخواست کرتے رہتے تھے۔

اس علاقے کے اکثر علماءِ اہل حدیث نظریاتی اعتبار سے مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ کے ہم خیال تھے، مولانا مرحوم کا تعلق دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء سے بہت مشہور ہے۔ یہ حضرات اس کا لحاظ بھی رکھتے تھے، ہمارے اس اتحاد و اتفاق کو کس کی نظر لگ گئی معلوم نہیں، یا ہم سے کیا چوک ہوگئی، آج تک ہماری سمجھ میں نہیں آسکا، کہ قادیانیوں کی شکست کے بعد اہل حدیث ہمارے بالمقابل آگئے اور وہ سب کچھ ہونے لگا جو جماعت اہل حدیث کہیں بھی اہل سنت والجماعت کے ساتھ کرتی تھی، انھوں نے پمفلٹ شائع کرنے شروع کیے، چیلنج کرنے شروع کیے، دعوت وتبلیغ کے ساتھیوں کے ساتھ فضائل اعمال کو لے کر مباحثہ کا بازار گرم کر دیا، حتی کہ 'رائے درگ' کے علاقے میں عید کے دن عید گاہ میں عید کی زائد تکبیروں کو لے کر مسلمانوں میں مار پیٹ ہوگئی، میں آج تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ اس فتنے کو پورے 'رائل سیما' میں کیوں پھیلا دیا گیا، جو کچھ ''رائے درگ'' میں ہو رہا تھا، وہی سب کچھ گاؤں، گاؤں ہونے لگا، بہت سے سنجیدہ لوگوں نے صلح ومصالحت کی کوشش کی، مگر ناکام رہے، ایک عرصے کی خاموشی کے بعد جب اپنے اکابر کا اشارہ ہوا، کہ کسی کی مخالفت نہ کرو؛ لیکن اپنے مسلک کی حفاظت تو کرلو، اس موقع پر حضرت مولانا سید شاہ صبغۃ اللہ بختیاری رحمۃ اللہ علیہ کی بات یاد آئی، جو کہا کرتے تھے کہ آئندہ علماءِ دیوبند کے بالمقابل یہاں اہل حدیث کھڑے ہو جائیں گے، جو بیرون ملک کی یونیورسٹیوں سے پڑھ پڑھ کر آرہے ہیں اور ان کو اچھی طرح سے اپنے موقف اور جماعت کے بارے میں نہیں معلوم وہ اہل سنت والجماعت کی مخالفت کو ہی دین کی خدمت سمجھتے ہیں۔ بندہ عرصے تک لوگوں کو صرف یہی سمجھاتا رہا، فضائل اعمال کی تعلیم امت کے لیے مفید ہے اور شیخ نے جس ترتیب سے اسے تحریر کیا ہے، مسجدوں اور گھروں میں اس کی تعلیم سے نہ ہی کفر وشرک اور گمراہی پھیلنے کا اندیشہ ہے اور نہ ہی مسلمانوں کے عقیدے اور عمل میں فساد آئے گا۔

روزانہ کا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعت میں نکلنے والے اور فضائل اعمال کے

حلقے میں شرکت کرنے والے دین دار ہوتے جا رہے ہیں، اسی طرح عرصے تک ہم یہی سمجھاتے رہے کہ ہم رفع یدین نہیں کرتے، جہراً آمین نہیں پکارتے اور امام کے پیچھے سورہ فاتحہ نہیں پڑھتے، پھر بھی ہماری نماز ہو جاتی ہے، اس کے دلائل یہ ہیں کہ کبھی زبردستی کسی اہل حدیث کو ہم نے اس کے علامتی مسائل پر عمل کرنے سے نہیں روکا؛ بلکہ اہل سنت والجماعت کو ان کے مسائل کے دلائل سنجیدگی سے سمجھاتے رہے، مگر افسوس کہ ہمارے کرم فرماؤں کی طرف سے تشدد بڑھتا رہا وہ بالمقابل آتے رہے اور پھر وہی ہوا جس کو مناظرہ کہا جاتا ہے اور جس کا انجام ہوا کہ غیر مقلدین کو شکست ہوئی اور بار بار مجمع عام میں رسوائی اٹھانی پڑی اور شاید ان کو احساس بھی ہوا ہو کہ ہم تشدد کے غلط راستے پر چل رہے ہیں، اس لیے انھوں نے اب خاموشی اختیار کر لی ہے، مگر میں ان کے نزدیک آج بھی ان کی شکست کی نشانی بنا ہوا ہوں اور علاقے بھر کے تمام اہل سنت والجماعت مسلمان پورے شرح صدر کے ساتھ اپنے دین پر عمل کر رہے ہیں اور اب کسی کے جھوٹے پروپیگنڈوں سے متأثر نہیں ہو رہے ہیں، کیونکہ ایسی بحثوں اور مناظروں میں شرکت کرنے والے اپنی آنکھوں سے ہمارے مدمقابل کو شکست خوردہ اور لا جواب دیکھنے والے بڑی تعداد میں موجود ہیں، اسی طرح ایک بڑی تعداد ان کی بھی ہے، جو وقتی طور سے ایسے ظاہر پرست علماء سے متأثر ہو گئے تھے، مگر حقیقت سامنے آنے کے بعد رجوع کیا، یہ ایک طویل داستان ہے جو درمیان میں اس لیے ذکر کر دی گئی کہ اس سے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اسفار کا ایک بہت بڑا حصہ جڑا ہوا ہے۔

''رائے درگ'' کا سفر اور مدرسے کا افتتاح

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ یہاں کے بچے قادیان جا کر تعلیم حاصل کرتے تھے، مگر قادیانیوں سے شکست کے بعد رائے درگ کے احباب نے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک چھوٹا سا مدرسہ بنایا، جو اب ''مدرسہ انوار العلوم'' کہلاتا ہے اور ایسے چھوٹے چھوٹے کئی مدرسے

علاقے میں بنائے گئے، ردّ قادیانیت کی تمام کارروائی حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں انجام پارہی تھی، اسی لیے اس مدرسے کا افتتاح بھی قاری صاحب سے کرانا طے پایا، بظاہر یہ کوئی ایسی کارروائی نہیں تھی جو کسی کے خلاف ہو مگر غلط فہمیوں اور بدگمانیوں کا کیا علاج ہے، شیطان وسواس الخناس ہر جگہ موجود ہے اور اپنا کام کرتا رہتا ہے، بیکار نہیں بیٹھتا، اس نے ایک طبقے کو خوب ورغلایا اور ہوا یہ کہ اشتہارات وغیرہ چھپ جانے کے بعد غلط بیانی کر کے جلسے کی منسوخی کا آرڈر حاصل کرلیا گیا، حقیقت سامنے آنے اور فریقین کے بات چیت کے بعد اس منسوخی کو اس حکم نامہ سے تبدیل کردیا گیا کہ راقم الحروف کا شہر رائے درگ میں داخلہ ممنوع ہے۔

ذمہ داران کو پہلے سے اس بات کا خدشہ تھا، حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ بنگلور سے رات کی ٹرین سے بلہاری کے لیے روانہ ہوئے، صبح ہم لوگ بلہاری پہنچ گئے تو تمام حالات قاری صاحب کے علم میں آئے، بلہاری سے رائے درگ کا فاصلہ تقریباً ۴۰ رکلومیٹر ہے، بلہاری کرناٹک میں ہے اور رائے درگ آندھرا پردیش میں ہے حالات تیزی سے بگڑتے جارہے تھے، پل پل کی خبریں آرہی تھیں، ایسے موقع پر عافیت کا راستہ واپسی کا اور جلسے کی منسوخی کا تھا اور حاسدین نے یہی سمجھ بھی رکھا تھا؛ اسی لیے ہمارے بہت سے علماء کرام نے جن کی شرکت جلسے میں طے تھی، حالات کو دیکھتے ہوئے عذر کرلیا، صرف ہم چند لوگ باقی بچے، فیصلہ حضرت قاری صاحب کو کرنا تھا کہ کیا کیا جائے، قاری صاحب نے تخلیہ میں بندے سے کچھ ضروری باتیں معلوم کیں اور میرا اپنا رجحان پوچھا، میں نے تنہائی میں ان حالات سے نمٹنے کے لیے اپنی حکمت عملی قاری صاحب کے روبرو رکھ دی، مزید میں نے آبدیدہ ہوکر علاقے کے حالات سنائے کہ قادیانیوں کے کامیاب تعاقب کے بعد اس مخصوص فرقے کی طرف سے جابجا میرے ساتھ یہی ہورہا ہے، مگر اللہ کا شکر ہے کہ یہ میرا کوئی جلسہ رکوا نہیں سکے ہیں مگر آج کا یہ جلسہ آپ پر منحصر ہے، اگر آپ ساتھ رہتے ہیں تو میں ہر قربانی دینے کے لیے تیار ہوں، کیونکہ میرے ہی داخلے پر پابندی ہے، حضرت والا نے سب تفصیلات سن کر دعا فرمائی اور رائے درگ کے لیے روانہ ہو

گئے، ساتھ میں قاری مرتضیٰ خان صاحب، مولانا خالد گیاوی صاحب بھی تھے، میں نے اپنی گاڑی سب سے علاحدہ کرلیا کہ ناگاہ بارڈر پر کوئی ناگوار واقعہ پیش آئے تب بھی یہ حضرات مجھے چھوڑ کر شہر رائیدرگ پہنچ جائیں۔ مخالفین نے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا تھا، خوب بند وبست کر رکھا تھا مگر تمام انتظامات کے علی الرغم ہمارا قافلہ قاری صاحب کی قیادت میں شہر رائے درگ پہنچ گیا، ایسے حالات میں جو شور وغوغا اور ہنگامہ آرائیاں ہوتی ہیں سب کچھ اس ماحول میں برپا تھا، جلسہ گاہ میں فورس لگی ہوئی تھی، مسجد، مدرسے کے پاس پولیس تعینات تھی، شہر میں بھی روزانہ سے زیادہ پولیس گشت کر رہی تھی اور مخصوص فرقے کے سر پھرے نوجوانوں کی زبان پر راقم الحروف کی گرفتاری کا ہی مطالبہ تھا، منزل پر پہنچ کر حضرت قاری صاحب کو الگ تھلگ ایک کمرے میں ٹھہرایا گیا، مولانا خالد گیاوی بڑے مستعد اور چاق و چوبند ہو کر خدمت میں حاضر رہے، دار العلوم کے کئی وفادار فضلاء مولانا عرفان صاحب قاسمی، مفتی عبدالعزیز صاحب قاسمی وغیرہ سایہ کی طرح ساتھ ساتھ لگے رہے، بندہ عمائدین شہر اور ذمہ داروں کے ساتھ الگ ایک ہال میں بیٹھ گیا، جس بات کا سب کو خدشہ تھا وہ گھڑی آگئی، پہلے ایس آئی سی آئی، اس کے پیچھے ڈی ایس پی صاحب بنفس نفیس تشریف لے آئے اس کو حضرت قاری صاحب کی کرامت ہی کہا جائے گا کہ وہ اپنی قیام گاہ میں مصروف دعا تھے اور بندہ ان افسران سے بات کرنے میں کامیاب ہوگیا، ایک طویل گفت وشنید کے بعد یہ طے پایا کہ اس شہر کے بزرگ عالم دین اور جمعیۃ اہل حدیث کے ریاستی صدر جو ہم سے ۲۷؍نومبر ۲۰۰۵ء میں ''گرمکنڈہ'' کے مناظرے میں شکست کھا چکے ہیں اور اپنی خفت مٹانے کے لیے ان کی جماعت یہ سب کچھ کر رہی ہے، وہ ہمارے سوالات کے جوابات لے کر کتابوں سمیت اسی اسٹیج پر آجائیں، ہم اپنی غلطی تسلیم کر لیتے ہیں اور مجمع عام میں ان سے معذرت چاہ لیتے ہیں، اس طرح دو فرقوں کا اختلاف ایس پی صاحب کی نگرانی میں آج یہاں ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا۔ اس پر پولیس والے راضی ہو گئے، دوسری بات کہ پابندی میری تقریر پر لگی ہوئی تھی اور شہر میں داخلہ میرا ممنوع تھا، مگر ہم سب کے بزرگ جو دیوبند سے

اسی کام کے لیے تشریف لائے ہیں، ہزاروں مسلمان ان سے عقیدت رکھتے ہیں، آندھرا پردیش کے اکثر علمائے کرام ان کے شاگرد ہیں، اسٹیج پر تشریف لائیں گے، کچھ نصیحت کریں گے اور افتتاحِ مدرسہ کی دعا کردیں گے اور لوگ ان کی زیارت کرلیں گے اور ان سے ملاقات کرلیں گے۔ پولیس افسران اس پر بھی راضی ہوگئے، اس طرح ہم کو جلسے کی بھی اجازت مل گئی، اس موقع پر بطور تحدیث نعمت کے یہ بات تحریر کررہا ہوں کہ حکومت کے سی آئی ڈی محکمے کی رپورٹ جو ان تمام مقامات سے اکٹھا کی گئی تھی اور خاص طور سے 'تروپتی'، 'گرمکنڈہ' ضلع 'چتوڑ' سے وہ مکمل ہمارے حق میں تھی، اس محکمہ نے الحمدللہ ہر جگہ بندے کے بارے میں اچھی رپورٹ درج کی تھی اور حسن اتفاق یہ تھا کہ سی آئی ڈی کا ایک ریٹائرڈ ایس پی چندر شیکھران دنوں شہر 'اننت پور' میں موجود تھا، اس نے پولیس افسران کو سچائی بتائی کہ میں رائل سیما میں اتنے برسوں سے تعینات تھا، کہیں بھی میں نے فساد کا ذمہ دار دیوبند کے علماء کو اور خاص طور سے ان مفتی صاحب کو نہیں پایا، جس کے داخلے اور لیکچر پر آپ لوگوں نے رائیدرگ میں پابندی لگائی ہے۔ اس کو ہم اپنے درمیان حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی کی برکت سمجھیں گے کہ ہم کو بھی اس شرط پر تقریر کی اجازت مل گئی کہ آپ کا خطاب ریکارڈ کیا جائے گا، اگر خطاب کا کوئی حصہ قابل اعتراض رہا تو اس پر کیس درج کردیا جائے گا، ان تمام کارروائی کے درمیان بعض خواص نے ایس پی صاحب سے ملاقات کرکے ان کو دارالعلوم دیوبند، جمعیۃ علماء ہند اور ان کے اکابر کے بارے میں واقف کرایا تو انھوں نے خودخواہش ظاہر کی کہ میں دیوبند سے آئے ہوئے بزرگ سے تنہائی میں ملاقات کرنا چاہتا ہوں، اس ملاقات میں ایس پی صاحب ایسا کریں گے، ہم لوگوں کو اندازہ نہیں تھا، ہوا یہ کہ قاری صاحب کمرے میں کھڑے تھے، حسین وخوبصورت چہرہ، سفید کپڑوں میں ملبوس اور صبح سے جس یکسوئی کے ساتھ ذکر وتسبیح میں لگے ہوئے تھے، اس کے انوارات سے کمرہ ایسا بھرا ہوا تھا کہ اس کا کچھ بیان نہیں، ہم سوچ رہے تھے کہ ایس پی صاحب کا شکریہ ادا کریں گے، کہ آپ نے ہم کو جلسے کی اجازت دی، مگر ہوا یہ کہ ایس پی صاحب کمرے

میں پہنچتے ہی قاری صاحب کے قدموں میں گر پڑے، بڑی مشکل سے ان کو اٹھایا گیا، زبان پر ''آشیرواد، آشیرواد، چھما، چھما'' کا لفظ تھا۔ قاری صاحب کو دیکھ کر بالکل بے قابو ہو گئے تھے، رخصت ہوتے ہوتے قاری صاحب کے کھانے پینے سے بچی ہوئی کچھ چیزیں بڑے اصرار اور اہتمام سے بطور تبرک اپنے پریوار کے لیے لے گئے، جلسے کے بعد ہم لوگوں نے شکرانہ ادا کیا اور حضرت قاری صاحب کو لے کر بنگلور روانہ ہو گئے، بہت تقاضے کے باوجود ''اُرواکنڈہ'' نہیں جا سکے، اس مدرسے کے مہتمم مولانا مستقیم صاحب کا اصلاحی تعلق قاری صاحب سے ہے، ارواکنڈہ پورا شہر حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ سے بیعت ہے، متعدد بار قاری صاحب کے اسفار اس علاقے میں ہوتے رہے ہیں، اس طرح رائے چوٹی سے شروع ہو کر آندھرا پردیش اور کرناٹک کے دور دراز علاقوں تک حضرت کا فیض ان کی نگرانی میں ختم نبوت کی محنت، مدارس و مکاتب کا قیام یہ سب ایک ایسا صدقہ جاریہ ہے اور دین کے لیے اس علاقے میں اتنی بڑی پشت پناہی ہے کہ دور رہنے والوں کو اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا، افسوس اس بات کا ہے کہ ایسے اخلاص و وفا کے پیکر، ہمدرد، سرپرست اور مربی کی جتنی قدر کرنی چاہیے تھی ہم نہیں کر سکے، کسے پتہ تھا کہ ۲۲ر فروری ۲۰۲۱ء کو حضرت قاری صاحب کا رائے چوٹی کا آخری سفر لکھا جائے گا۔ مدرسے والی مسجد میں دینی تعلیمی بورڈ، اصلاحِ معاشرہ کے عنوان پر تفصیلی خطاب فرمایا، خطاب کے آخر میں امام مسجد مولانا رشید احمد صاحب زیدمجدہ کی دختر کا نکاح پڑھایا اور دعا فرمائی، شہر و مضافات کے اکثر علماء کرام اس موقع پر حاضر رہے، خطاب عام کے علاوہ کافی وقت علماء کرام کے ساتھ گزرا، بعد عصر مدرسے کے اساتذہ کے ساتھ عصرانہ ہوا، بعد عشاء پھر ایک طویل نشست مدرسے میں ہوئی، جس میں اپنے اکابر کے احوال و واقعات اور علمی لطیفے سناتے رہے اور حاضرین محظوظ ہو کر سنتے رہے، رات ''کدری'' روانہ ہونا تھا، مگر مولانا سلیم صاحب قاسمی کے اصرار پر رات کا قیام رائے چوٹی میں فرمایا، اسی طرح صبح ایک بار پھر علماء شہر، محبین و متعلقین سے ملاقات ہوئی اور یہاں سے کدری اور کدری سے بنگلور ہو کر واپس ہوئے، کسے پتہ تھا کہ اب ہمیشہ کے لیے قاری

صاحب رائے چوٹی سے رخصت ہو رہے ہیں، رمضان میں طبیعت کی ناسازی کا علم ہوا۔
رائے چوٹی کے علماء اور ائمہ نے دعاؤں کا اہتمام کیا، مسجدوں میں دعائیں کرائی گئیں، مگر قضا و قدر کا فیصلہ کچھ اور ہی تھا کہ مؤرخہ: ۸؍شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ مطابق: ۲۰۲۱ء بروز جمعہ بوقت عین نماز جمعہ اطلاع آئی کہ قاری صاحب اللہ کو پیارے ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔
جانے والے کو حسن خاتمہ مبارک ہو اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا ہو، آمین، سچ کہا ہے کسی نے:

یہ خاتمہ نہیں ہے یہ ہے حسن خاتمہ
سب کو خدا نصیب کرے، کیا وفات ہے

تحریکِ ختم نبوت کے بلند پایہ قائد ورہنما

مولانا مفتی سید صدیق احمد سکریٹری مجلس تحفظ ختم نبوت نلگنڈہ

فروغ شمع تو باقی رہے گی صبح محشر تک
مگر محفل تو پروانوں سے خالی ہوتی جارہی ہے

قرآن مجید کی بیان کردہ صداقت کے مطابق موت ایک اٹل حقیقت ہے، کل نفس ذائقة الموت لیکن یہ بھی ایک سچائی ہے کہ جب دنیا سے بڑی اور عبقری شخصیات رخصت ہوتی ہیں تو نظامِ زندگی کی چولیں گویا ہل جاتی ہیں، اس لیے شاعر کا یہ کہنا بالکل بجا اور درست ہے کہ:

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

مخدوم ومکرم محسن ومربی حضرت الاستاذ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری بھی ایسی ہی عظیم المرتبت اور جلیل القدر عبقری شخصیات میں سے تھے، جن کی رحلت سے محفلیں سونی ہوگئیں، علم وفضل، اصلاح وتربیت اور رشد وہدایت کی مسندیں ویران ہوگئیں۔ایک عہد کا خاتمہ ہوا، ایک باب ختم ہوا۔علمی دنیا میں زلزلہ، عوامی حلقوں میں بھونچال آپڑا۔حضرت کیا تھے؟ بس وہ اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے۔

وليس على الله بمستنكر
أن يجمع العالم في واحد

آپ کی ذات ستودہ صفات مجموعۂ کمالات علمیہ وعملیہ تھی۔ حسنِ اخلاق کا مجسمہ اخلاق نبویہ کے پیکر مرنجان مرنج اور آپ کی صورت وشکل جلال وجمال کا حسین امتزاج۔ آپ کی شخصیت دلکش دلنواز، دل آویز تھی اور آپ کی صحبت کیمیا اثر تھی۔ وللہ درالقائل:

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہی کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
انہی کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہی کا کام ہے دینی مراسم کی نگہبانی
رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں کو لگے پانی
جو ہوں خلوت میں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

آپ امیر الہند اسلامیانِ ہند کے میرِ کارواں تھے، آبروئے ہند جمعیۃ علماء کے روحِ رواں تھے اور تحریکِ ختم نبوت کے بلند پایہ قائد ورہنما تھے، قیادت وسیادت کے ان تمام محاذوں پر آپ کی ذات علامہ اقبال کے اس شعر کی مصداق تھی:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جان پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لئے

یوں تو حضرت قاری صاحب کی شخصیت ہشت پہلو اور آپؒ کی خدمات ہمہ جہت تھیں لیکن مجھے حضرت قاری صاحب کی ان خدمات وکارناموں پر روشنی ڈالنا ہے جو آپ نے تحریک ختم نبوت کے قائد ورہنما کی حیثیت سے انجام دیے ہیں، اس سلسلہ میں چند ضروری تفصیلات ملاحظہ ہوں:

کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کا باوقار منصب

مؤرخہ ۲۹؍تا ۳۱؍اکتوبر ۱۹۸۶ء کو مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں، مفکر ملت حضرت مولانا منظور نعمانی، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب کی زیر نگرانی رابطۂ اسلامی مکہ مکرمہ کے جنرل سکریٹری الشیخ عبداللہ عمر النصیف کو مدعو کر کے مہتمم دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی صدارت میں تحفظ ختم نبوت کا عالمی اجلاس منعقد کیا، اس اجلاس میں بڑوں کی نظر آپ رحمۃ اللہ علیہ پر اس طرح پڑی کہ اس عظیم الشان اجلاس کا کنوینر آپ ہی کو بنایا گیا۔

حضرت کی ذات منایالاکابر ومرجع الاصاغر تھی۔ آپ نے اس موقع پر ختم نبوت اور قادیانیت سے متعلق اکابر کی کتابوں کو منظر عام پر لانا مناسب سمجھا، تقریباً ایک درجن سے زائد کتابوں کو کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی طرف سے طبع کروایا اور ہر ایک پر پیش لفظ کے نام سے مختصر طور پر مصنفین کا تعارف بھی قلم بند فرمایا۔ اجلاس میں حضرت قاری صاحب کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کے ناظم مقرر ہوئے، جب کہ صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور ناظم اعلی حضرت مفتی سعید احمد صاحب تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

عہدہ کا پاس ولحاظ

حضرت نے اس ذمہ داری کو اس طرح پورا کیا کہ اس کو باقاعدہ تحریک کی شکل دی اور اس کو فعال بنانے کے لیے بہت سے امور انجام دیے جیسے رجال کار کی تیاری کے لیے تربیتی کیمپوں کا انعقاد، مستقل طور پر تحفظ ختم نبوت کے شعبہ کا قیام جو آج بھی دارالعلوم میں چل رہا ہے ختم نبوت اور قادیانیت کے موضوع پر کتابوں اور پمفلٹس کی طباعت واشاعت، ہر ریاست واضلاع میں تحفظ ختم نبوت کمیٹیوں کا قیام، ہندوستان بھر میں جلسوں کا پروگرام، ضرورت پڑنے پر مباحثے ومناظرے، وقتاً فوقتاً اکابرین سے استفادہ کے لیے خصوصی اجلاس، اوردارالعلوم

دیوبند میں محاضرات کا سلسلہ۔

مزید براں دسیوں مصروفیات کے باوجود خود حضرت والا کا سفر اور ہندوستان کی ہر ریاست میں آپ کے دورے و اسفار اور دارالعلوم دیوبند کے رابطۂ مدارس کے اجلاس میں بھی تحفظ ختم نبوت سے متعلق مستقل طور پر ایک خصوصی نشست کا انعقاد، مجلس شوریٰ میں اس شعبہ کی کارکردگی کی رپورٹ، مکاتب کا قیام، مبلغین کے دورے اور مدارس کی لائبریریوں میں اس سے متعلقہ کتابوں کی فراہمی پر زور۔ نجی و انفرادی ملاقات میں بھی اس کام کی فکر۔

کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر سے کام کرنے والوں سے رابطہ، ان کی حوصلہ افزائی اور کام میں کمزوری پیدا ہونے پر توجہ اور کام کو دلچسپی سے کرنے پر زور اور بحسن و خوبی انجام دینے پر تشجیع و ہمت افزائی اور ترغیب کے لیے دوسروں کے سامنے ان کی خدمات کا تذکرہ۔

خود حضرت والا کا اس کام کے کرنے والوں سے خصوصی تعلق، مشورہ طلب کرنے پر مفید مشوروں سے نوازنا۔ اس طرح حضرت نے اپنے آپ کو اس کام سے ایسا جوڑ لیا تھا اور ہر ایک کو اپنے قریب ایسا کر لیا تھا کہ ہر ایک یہی سمجھتا کہ حضرت میرے ہیں اور دل ہی دل میں ہر کوئی کہتا دل می کشد کہ جا ایں جا است۔

صدیوں میں ایسی شخصیات خال خال نظر آتی ہیں، جن کی خدمات کا دائرہ بڑا وسیع، جن کی شخصیت عوام و خواص میں یکساں مقبول، جن کی ذات سے دین کے ہر شعبہ کو حیات نو و تازگی ملتی تھی۔

سالہا باید کہ تا یک کودکے ناداں
عالمے گردد نکو یا شاعر شیریں سخن
قرنہا باید کہ تا یک سنگ اصلی ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
روزہا باید کشیدن انتظارِ بے شمار
تا کہ در جوف صدف باراں شود دُرِّ عدن

حضرت سے ہمارا تعلق اکتوبر کے اجلاس تحفظ ختم نبوت سے ہوا، جہاں ہم نے حضرت کو کتابوں میں دیکھا۔ اکابرین کی جو کتابیں بطور ہدایا اس اجلاس میں دارالعلوم کی طرف سے ملیں، اس کا پیش لفظ حضرت کے قلم سے تھا۔ پھر کبھی کبھار ملاقات دیوبند کے سفر کے موقع پر ہوجاتی، دارالعلوم دیوبند نے اس عالمی اجلاس میں علمائے کرام کو مدعو کر کے جس کام کی طرف توجہ دلائی تھی، کہ قادیانیوں کا تعاقب ہو، عقیدۂ ختم نبوت کا تحفظ ہو، اس کے لیے جو کمیٹی کل ہند سطح پر منتخب ہوئی اس میں ہمارے علاقہ متحدہ ریاست (آندھرا و تلنگانہ) کے مؤقر عالم دین ناظم مجلس علمیہ اے پی، حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب رکن شوری دارالعلوم دیوبند کو نائب صدر منتخب کیا گیا تھا۔

ضلع نلگنڈہ میں حضرت قاری صاحب کی آمد وتشریف آوری

حضرت سے ہمارا یہ تعلق ورابطہ تاحیات مستقل قائم رہا۔ حضرت کی آمد پر خود دارالعلوم نلگنڈہ میں دو تربیتی کیمپ اور پانچ بڑے بڑے اجلاس منعقد ہوئے، جس میں تقریباً ریاست کے ہر ضلع کے نمائندہ علمائے کرام شریک تھے۔ پہلے سفر کے موقع پر حضرت کو عربی میں سپاس نامہ راقم الحروف نے پیش کیا۔ دوسرے سفر میں قران السعدین ہوا۔ دو مبارک شخصیتیں ایک ساتھ دارالعلوم نلگنڈہ کے اجلاس میں شریک تھیں۔

ایک امام العصر حضرت العلامہ انور شاہ کشمیری کے صاحبزادے حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری قدس سرہ جن کو ردقادیانیت سے اور تحفظ ختم نبوت سے گہری دلچسپی اور بہت مضبوط تعلق تھا، اس کے بعد دوسرے شیخ الاسلام کے داماد استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند قاری سید محمد عثمان صاحب نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند، جن کا خصوصی مشن ہی ردقادیانیت تھا۔

حضرت سے اگرچہ ہمارا بہت گہرا تعلق اور قلبی لگاؤ تھا، کام کی مناسبت سے حضرت سے ہم نے بہت استفادہ کیا۔ خاص کر ہمارے علاقہ میں دور دراز گئے گذرے انٹیریر علاقوں کے دورے فرمائے۔

الحمدللہ حضرت کی آمد کی برکت سے علاقوں سے قادیانی نکل گئے۔اور ہماری سرزمین ان ملعونوں کے ناپاک قدم سے پاک ہوگئی۔اللہ کا فضل کہ اب کوئی ان کا اڈہ نہ رہا۔اس سلسلہ میں جن حضرات کا تعاون رہا اس میں مولانا عبدالرشید صاحب نکریکل، مولانا عبدالرحمٰن صاحب، مفتی امان اللہ صاحب، جناب عبدالباری صاحب مولانا نجم الدین صاحب، مولانا اسمٰعیل شریف صاحب، جناب عبدالرشید خان صاحب، سریاپیٹ کے حافظ عبدالغنی صاحب، حافظ خلیل صاحب، مولانا اطہر صاحب اور جماعتی احباب جناب غیاث بھائی وغیرہ۔

کئی مقامات پر حضرت کے اجلاس ہوئے۔ایک ایک دن میں کبھی دو اور تین بھی اجلاس ہوتے۔بعض اسفار حضرت کے سہ روزہ وہفت روزہ بھی ہوئے۔حضرت سے تیس مساجد و پانچ مدارس کا افتتاح ہوا اور دس مساجد و سات مدارس کا سنگ بنیاد رکھایا گیا۔نلگنڈہ کے علاوہ ریاست کے اکثر اضلاع میں حضرت کے دورے و جلسے ہوئے۔سفر کا محرک و داعی راقم الحروف ہی ہوتا اور سفر میں معیت کا شرف بھی حاصل رہتا۔

وہ اضلاع جن میں حضرت کے اسفار ہوئے وہ یہ ہیں: کھمم، بھدرا چلم، خوشمنچی، گنٹور، ستینہ پلی، وجے واڑہ، جگیہ پیٹ، اونگول، نندیال، کرشنا، محبوب نگر، رنگا ریڈی، ورنگل، نلگنڈہ کے ہر منڈل میں حضرت کے قدوم میمنت لزوم پڑے۔سریاپیٹ، کوداڑ، حضورنگر، مریال گوڑہ، دیورکنڈہ، تنگاترتی، نوتنکل، نکریکل، نارکٹ پلی، چوٹ اوپل، بھونگیر وغیرہ۔

ملک بھر میں تحفظ ختم نبوت کی ریاستی شاخوں کا قیام

تحفظ ختم نبوت کے عالمی اجلاس کے بعد دارالعلوم دیوبند نے تحفظ ختم نبوت کی جدوجہد کو باقاعدہ تحریک کی شکل دی اور حضرت قاری عثمان صاحب کو ناظم بنا کر ذمہ داری انہیں سپرد کی۔حضرت نے اس کو اس طریقہ پر نبھایا کہ آج پورے ہندوستان میں اس کے خلاف سرگرمیاں ہیں اور اس میں جان ڈالی اور اس کو فعال بنانے و متحرک کرنے، اپنے تئیں جس قدر جتنا ممکن ہوسکا، آپ نے اپنے آپ کو اس میں جھونکا۔

اس میں اپنی صلاحیتوں توانائیوں علمی و عملی وفکری کوششوں اور قلبی و قلمی وقدمی وآہ سحر گاہیوں کے ذریعہ الحمدللہ اس قدر بھرپور عملی میدان میں کام کیا کہ کشمیر سے لے کر کنیا کماری تک ممبئ سے گوہاٹی تک ہندوستان بھر کے دورے کیے، علما کرام کو متحرک کیا، ہر جگہ مجلس تحفظ ختم نبوت کمیٹیاں قائم فرمائیں۔ حضرت کی ان خدمات کو دیکھتے ہوے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب اور حضرت مولانا سید احسان الدین صاحب ناظم دارالعلوم نلگنڈہ کے مشورہ سے راقم الحروف نے میں حضرت کو مدعو کیا۔ الحمدللہ حضرت کی آمد کی برکت سے علما کرام میں بیداری پیدا ہوئی۔

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

ہمارا کام پہلے سے چل رہا تھا۔ عزیز ملت حضرت مولانا عبدالعزیز نے راقم الحروف کو کھمم کے علاقے منگور کے ایک گاوں سامبائی گوڑہ میں قادیانیوں کی سرگرمیوں کو ختم کرنے کے لیے اور ان کے تعاقب کے لیے زبیر بھائی کے ساتھ روانہ کیا تھا اور اس کی سرگرمیاں تیز ہوگئی تھیں، اور ریاستی سطح پر حضرت ہی کی کوششوں و دباو سے حیدرآباد میں نائب ناظم مجلس علمیہ حضرت مولانا سید اکبرالدین صاحب قاسمی اور مولانا عبدالقوی صاحب کی ہمت پر مدرسہ اشرف العلوم اکبر باغ حیدرآباد میں ریاستی ومرکزی مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام/جون کو عمل میں آیا۔ حسب ذیل افراد پر کمیٹی تشکیل دی گئی۔ صدر حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب، ناظم مجلس علمیہ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، نائب صدر حضرت مولانا سید اکبرالدین صاحب قاسمی ومفتی عبدالمغنی صاحب، معتمد حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب، شریک معتمد مولانا عبدالقوی صاحب ناظم مدرسہ اشرف العلوم، نائب معتمد مفتی سید صدیق احمد صاحب دارالعلوم نلگنڈہ۔

حیدرآباد کے تمام ہی ذمہ دار اکابر ونامور علما کرام سے حضرت نے ملاقاتیں فرمائیں حضرت کو اس کام سے اس درجہ شغف تعلق وعشق تھا کہ اپنے مقام ومرتبہ سے فروتر ہوکر ہر اس عالم اور ذمہ دار شخص سے ملاقات کے خواہاں تھے جس سے اس کام میں کچھ پیش رفت ہو سکے اور

قادیانیت کا قلع قمع ہو سکے۔ بعض اوقات ہمیں کبیدگیٔ خاطر میں مبتلا ہونا پڑتا جب کہ بہت سے حضرات حضرت کے مقام ومرتبہ سے ناشناس وناقدر نظر آتے تھے۔ لیکن حضرت کو ایک ہی فکر دامن گیر ہوتی تھی کہ ہر شخص اس فتنہ کی سنگینی اور اس کے برے عواقب ونتائج سے باخبر ہو اور جہاں موقع ملتا وہ کبھی نہ چوکتے۔ اور تقریباً تمام ہی بڑے مدارس اور معروف اداروں کا دورہ فرمایا اور وہاں حضرت کے بیانات اسی موضوع پر ہوئے۔ دارالعلوم حیدرآباد، دارالعلوم رحمانیہ، دارالعلوم سبیل السلام، المعہد العالی، اشرف العلوم، فیض العلوم، سراج العلوم حشمت پیٹ، مجلس علمیہ حیدرآباد وغیرہ میں آپ کے بیانات ہوئے۔

تحفظ ختم نبوت کے کام سے بے لوث تعلق اور لگاو

اللہ نے آپ کو جس علمی صلاحیت وقابلیت سے نوازا تھا، جس علوشان وعظیم المرتبت ہونے کے ناطے آپ کی شخصیت تھی، آپ نے کبھی اس کو خاطر میں نہیں لایا۔ کام میں عشق اور تن من دھن کی بازی سے اپنی حیثیت کو بالائے طاق رکھ کر چھوٹوں کی خواہش پوری فرماتے اور صعوبت سفر برداشت فرماتے اور ان کی حوصلہ افزائی کے لیے چھوٹے سے چھوٹے گاؤں کے دورے فرمائے۔

آپ نے اپنے اس عمل سے ہمیں یہ پیغام دیا کہ امت کے اندر چل پھر کر ان کے عقائد کی اصلاح انہیں فتنوں سے بچانے، انہیں عقیدہ ختم نبوت پر جینے اور مرنے، اور اسلام کے نام پر دھوکے سے بچنے وبچانے، صحیح اسلام سے وابستگی کے لیے وقت پر ہر طرح سے تیار رہنا چاہیئے۔ آپ نے اس سلسلہ میں جس قدر جاں فشانیاں کی ہیں، وہ ہم خدام کے لیے موعظت و عبرت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

آپ ایسے موقع پر جب کہ چھوٹے چھوٹے گاؤں کے دورے ہوتے جو آپ کے جسم ناتواں وطبع نازک کے بھی خلاف ہوتے لیکن آپ نے کبھی اپنے ماتھے پر کوئی شکن پڑنے نہیں دی۔ بوجھ محسوس نہیں کیا بلکہ خوشی خوشی یہ پیغام دے گئے۔

حاصل زندگی رہ نثار یارے کردم
شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

حضرت مفتی سعید احمد نے ایک مرتبہ مجلس تحفظ ختم نبوت دیوبند کے اجلاس میں فرمایا کہ میں بھی اس شعبہ کا ذمہ دار ہوں لیکن مجھ سے کچھ کام ہو نہیں پاتا۔ رپورٹیں کبھی کبھی کچھ سن لیتا ہوں؛ لیکن کام تو یہی قاری عثمان صاحب کر رہے ہیں اور ماشاء اللہ بہت خوب کر رہے ہیں۔ نلگنڈہ کے اجلاس میں حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری نے اسی سے ملتی جلتی بات حضرت قاری صاحب کے بارے میں فرمائی اور کہا کہ پورے ہندوستان میں ہمارے باپ کے چھوڑے ہوئے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچا رہے ہیں۔

آپ نے اس شعبہ کو اس قدر مستحکم اور اس طور پر اس کا دائرہ وسیع کیا اور اس کام کے تحفظ و بقا کے لیے رجال سازی فرمائی، جس کی زندہ مثال حضرت مولانا شاہ عالم صاحب ہیں، جن پر آپ نے اعتماد کر کے اپنا نائب بنایا اور سبھی کے لیے اب وہی مرجع ہیں اور اس شعبہ کے ذمہ دار ہیں۔ آپ اس سلسلہ میں کتابیں، پمفلٹس اور اسٹیکرس کی طباعت پر زور دیا کرتے، اس کے علاوہ علاقائی زبانوں میں موضوع سے متعلق لٹریچر کی نشر واشاعت کی طرف بھی توجہ دلاتے اور مدارس میں مبلغین رکھنے اور کتب خانوں میں تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت کی کتابوں کے رکھنے کی بہت زیادہ تاکید فرماتے۔

حضرت جہاں بھی تشریف لے جاتے، کام کی اہمیت بتاتے، کام کی فکر دلاتے، مجلس تحفظ ختم نبوت کمیٹی نہ ہوتی تو قائم کراتے۔ اور جہاں ہے ان کو فعال بنانے کی طرف توجہ دلاتے۔ اور دارالعلوم دیوبند کو بھی رپورٹ بھیجنے کی فکر دلاتے۔ اسفار کے دوروں کو قلم بند کرنے کی بھی ہدایت دیتے۔ ہر مدرسہ میں اس کے رد میں کتابوں کو رکھنے، اس موضوع سے متعلق مواد جمع کرنے کی ہدایت دیتے۔ اور یہ بار بار فرماتے کہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند سے رابطہ میں رہیں اور کتابیں منگوائیں، مبلغ بھی رکھیں۔

کام کرنے والوں پر اعتماد اور ان کی حوصلہ افزائی

راقم الحروف پر اعتماد کر کے جن علاقوں کے لوگ حضرت سے ملاقات کے لیے آتے اور موقع نہ ہوتا کہ حضرت وہاں تشریف لے جاسکیں تو حضرت راقم الحروف کو حکم دیتے کہ ان کے ہاں دورہ کرلو اور انہیں بھی کہتے کہ مفتی صدیق کو بلالو۔

اور کئی مقامات پر جہاں وقت کی قلت کی بنا پر حضرت نہیں پہنچ سکے تو کہتے کہ مفتی صدیق کو لے جائیں۔ چنانچہ حضرت ہی کے حکم پر راقم الحروف کے متعدد دورے حسب ذیل مقامات پر ہوئے۔ ایلور، نیلور، نندیال، کرنول، چنتہ پلی ضلع محبوب نگر (جو قادیانی کا گڑھ ہے) اور کوتہ کوٹہ کے گاؤں رامنتا پورم وغیرہ، وشاکھاپٹنم، راجمنڈری، کاکیناڈا، نرساراوپیٹ، ستنہ پلی، تنگیڑا، تینالی، کارم پوڈی، باپٹلہ، ورنگل، قاضی پیٹ، ہنم کونڈہ وغیرہ مہاراشٹرا کے علاقے چندراپورم، مرکل میٹہ، امیچری، پاٹن، جیوتی وغیرہ اور ٹاملناڈو کے علاقوں میں مدراس، ادرام پٹنم، میل وشارم، مدھیہ پردیش کے کچھ علاقوں کے سفر ہوئے۔

ہماری مجلس پر اعتماد کر کے ضلع نلگنڈہ کے معلمین مکاتب کے لیے حضرت نے دارالعلوم دیوبند سے امداد جاری کروائی اور ان کے مشاہرات دارالعلوم دیوبند سے ملتے تھے۔ لیکن راقم الحروف نے تین سال بعد خود ہی اس غیرت پر کہ دارالعلوم دیوبند کی ہم کو امداد کرنا ہے نہ یہ کہ دارالعلوم سے امداد لیں، امداد کے حصول کو مناسب نہیں سمجھا۔

حضرت کی فکر یہ ہوتی کہ اس کو کام سمجھ کر کام کریں۔ باقاعدہ اہتمام کے ساتھ منظّم انداز میں ختم نبوت کا کام کریں اور رپورٹ بھی دارالعلوم دیوبند کو بھیجا کریں۔ چنانچہ ہماری رپورٹیں آنے پر مسرت کا اظہار فرماتے۔ آئینہ دارالعلوم دیوبند، اور جنوری، ستمبر، جولائی مئی ہماری رپورٹیں شائع ہوئیں۔ ..... سے آئینہ دارالعلوم کی اشاعت مسدود ہوگئی۔ راقم الحروف نے بیس سالہ رپورٹ تحریراً حضرت کی خدمت میں پیش کی۔ سیکڑوں صفحات پر ہونے کے باوجود حضرت نے بہت غور سے دیکھا، پڑھا، بہت دعاؤں سے نوازا اور کہا کہ ایسا منظّم کام اب تک ہمارے سامنے پیش نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ بڑوں کے حسن ظن کی لاج رکھ لے۔ تقبل اللہ جھدنا۔ آمین۔

موضوع سے متعلق بیانات میں حضرت قاری صاحب کا خاص امتیاز

ختم نبوت اور قادیانیت کے موضوع پر آپ کا مطالعہ اس قدر گہرا تھا کہ کوئی بھی بات بغیر سند وحوالہ کے نہ کہتے تھے۔ دوسرے جس موضوع کو بھی اٹھاتے اس پر کامل ومکمل جامع ومرتب تفصیلی وتحقیقی مواد پیش فرماتے۔ شرح وبسط کے ساتھ آپ کا بیان ہوتا اور آپ کا دل موہ لینے والا خطاب ذہنوں اور دماغوں میں سمو جاتا اور آپ کی یہ ہدایت ہوتی کہ کوئی بھی بات بلا تحقیق نہ کہیں۔

اور یہ بھی فرماتے کہ کوئی بھی بات مکمل طور پر صاف اور واضح عوام کے سامنے آنا چاہیے کہ جس سے کہ کوئی انہیں اشتباہ نہ رہے۔ جیسے قادیانی اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ تمہاری ایمانی تعریف پر تو ہم مسلمان کہلائے جاسکتے ہیں۔ پھر کیوں ہم پر فتوے جڑتے ہو۔ ہم کو بھی دیکھنا چاہیے کہ اس میں کہاں ہم سے چوک ہوئی ہے۔ کیا بیان میں وضاحت میں کمی ہے؟ مثلاً عام کتابوں میں ایمان کی یہ تعریف ملتی ہے۔ "**إقرار باللسان عمل بالأركان وتصديق بالجنان**" حضرت فرماتے کہ یہ تعریف مجمل ہے۔ حضرت علامہ کشمیری نے اسی اشتباہ کو دور کرنے کے لیے "**اكفار الملحدين في أصول الدين**" میں جامع تعریف یوں رقم فرمائی: "**التصديق بكل ما جاء به الرسول والتزام أحكامه والتبرا عن كل دين سواه**"۔ تو اَب قادیانی ملعونوں کو اس حدیث سے استدلال کا موقع ختم ہوگیا جو "**من استقبل قبلتنا وصلى صلاتنا وأكل ذبيحتنا**" سے دھوکہ دیا کرتے ہیں۔

یوں تو بہت سی احادیث آپ اپنے بیان میں پیش فرماتے لیکن چند ایسی احادیث تھیں جن کو حضرت بشارت کے طور پر ملنے والے اجر وثواب کے طور پر بار بار ذکر فرماتے تھے۔ اہل علم اس سے اچھی طرح باخبر ہیں۔ مثلاً یہ حدیث: "**قال النبي صلى الله عليه وسلم: إنه سيكون في أمتي قوم لهم مثل أجر أولهم يأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويقاتلون أهل الفتن**"۔

کام کرنے والوں کے ساتھ ذاتی تعلقات وعنایات

کام کرنے والوں کے ساتھ حضرت قاری صاحب کا تعلق صرف ضابطہ کا نہیں تھا کہ کسی تنظیمی ضرورت کے موقع پر ہی رابطہ کیا جائے، بل کہ حضرت قاری صاحب کام کرنے والوں کے ذاتی مسائل میں بھی دلچسپی لیتے، ان کی خوشی وغم میں شریک ہوکر اپنی خاص شفقت ومحبت کا احساس دلاتے، چنانچہ راقم الحروف کے لیے خانگی طور پر حضرت کی اس قدر عنایتیں تھیں کہ میرے چھوٹے لڑکے سید محمد انس سلمہ سے حضرت کو بہت انس تھا..... میں ہمارے اس لڑکے کی پیدائش پر انہیں دعاوں سے نوازا اور اس کے بعد ہر سفر میں حضرت پہلی ہی گفتگو میں انس کی خیریت دریافت کرکے دعاؤں سے نوازتے۔ فون پر بھی جب گفتگو ہوتی حضرت اس کی تعلیم کے بارے میں اور صحت کے بارے میں ضرور پوچھتے۔ یہاں تک کہ جب حفظ قرآن مکمل ہوا، حضرت حیدرآباد کے ایک پروگرام میں شرکت کے موقع سے تشریف لائے ہوے تھے۔ خاص کر نلگنڈہ کا سفر فرما کر خود ہی اپنی تشریف آوری سے ہمیں ممنون کرم فرما کر انس سلمہ کا ختم قرآن کرکے چلے گئے اور یہ بھی ہدایت دی تھی کہ کسی کو نہ بتائیں۔

گھر کے تمام افراد پر حضرت کی خصوصی نوازشیں ودعائیں تھیں۔ ہمارے بڑے لڑکے سید جنید طلحہ سلمہ کی شادی میں بھی تشریف لانے کا فیصلہ فرمایا، ٹکٹ بھی بن چکا تھا، لیکن سفر سے کچھ دیر قبل بڑے بھائی کی سخت علالت کی بنا پر ملتوی فرمادیا۔ ہمارے دوسرے لڑکے سید سعد سلمہ کے بیرونی ملازمت کے سلسلہ میں حضرت ہی کی دعاؤں پر روانہ کیا گیا۔ والد صاحب کے انتقال پر بھی سخت صدمہ کا اظہار فرمایا اور ایک مرتبہ سفر میں نلگنڈہ پہنچتے ہی پہلے قبر پر جاکر دعائے مغفرت فرمائی، بہر حال حضرت کا اس دنیا سے کوچ فرمانا جہاں ملت کا عظیم خسارہ ہے، دارالعلوم دیوبند جس کے حضرت کارگزار مہتمم تھے، ادارالمباحث الفقہیہ جس کے حضرت سرپرست تھے، جمعیۃ علماء جس کے حضرت قائد تھے اور کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت جس کے وہ روح رواں تھے اور سیکڑوں اداروں کے سرپرست جس طرح کا نقصان ہوا ہے۔ وہیں ذاتی طور پر، خاندانی طور پر

راقم الحروف کے لیے بھی بہت بڑی محرومی ہے۔ اللہ ہی ہمیں حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے۔

اللّٰهم أجرنا في مصيبتنا و لا تفتنا بعده و لا تحرمنا أجره و اخلف لنا خيرًا منها. آمين.

حضرت کی دعاؤں سے محروم ہو گئے۔ اللہ ہی اپنے فضل سے ہمارے حق میں کی ہوئی دعاؤں کو قبول فرمائے۔

ذهب الذين يعاش في اكنافهم

زمین کھا گئی آسمان کیسے کیسے

اب کون ہے ایسا جو حضرت کی طرح ہمیں اپنی شفقتوں، عنایتوں، لطف وکرم اور مشوروں وخصوصی دعاؤں سے نوازے، زندگی میں ہم نے حضرت کی بہت کچھ ناقدری کی، خاص کر اسفار میں ہم سے حضرت کو بہت ایذا پہنچی، آپ نے مجسم حلم بن کر برداشت کیا۔ حضرت کی نرم خلقی سے غلط فائدہ اٹھا کر جو بھی گستاخیاں کی ہوں، اللہ اپنے فضل سے معاف فرمائے اور حضرت کو احسانات کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور ہمیں مواخذہ سے بچائے۔ ایسے موقع پر ہم ان کی روحانیت سے یہی عرض کریں گے:

شکر نعمتہائے تو چنداں کہ نعمتہائے تو
عذر تقصیرات من چنداں کہ تقصیرات من

اللہ اللہ کیسی مہربان، کرم فرما وعظیم شخصیت تھی جو ہمیں داغ مفارقت دے گئی۔ یہ دلی صدمہ ہے۔ شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے پر اولاد جس طرح اپنے آپ کو یتیم محسوس کرتی ہے، اسی درجہ کا غم دکھ والم ہمیں ہے۔ ہم حضرت کے لیے بجز دعا کے اور کیا تحفہ پیش کریں۔ حضرت جب بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے اس دعا پر ختم فرماتے۔ ہم بھی اسی کے متمنی اور حضرت کے حق میں دعا گو ہیں۔ **اللّٰهم اجعل نبينا لنا فرطًا وحوضه لنا موردًا واحشرنا في زمرته واستعملنا بسنته وتوفنا على ملته واجعلنا من حزبه. آمين بجاه خاتم النبيين**

صلی اللّٰه علیه وسلم.

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

نور اللّٰه مرقده وبرد اللّٰه مضجعه. تقبل اللّٰه حسناتهم وتجاوز عن سيئاتهم وأدخلهم في جنات النعيم جنات الفردوس. وشكر اللّٰه مساعيهم وضاعف اللّٰه أجرهم أضعافا كثيرة.

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

وصلى اللّٰه تعالى على خير خلقه محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، برحمتک يا أرحم الراحمين، والحمد للّٰه رب العلمين.

صدیوں رہیں گی آپ کی یادیں سکونِ دل

مولانا شاہ عالم گورکھپوری نائب ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت، دارالعلوم دیوبند

میرے مولیٰ میری مدد فرما!!! زندگی میں آج اُن پر لکھنے کی باری آئی ہے جنہوں نے لکھنا سکھایا تھا۔ نہیں معلوم تھا کہ وقت وہاں بھی لا کھڑا کرے گا کہ جس کا کبھی واہمہ تک نہ گذرا ہو؛ اور زندگی کے ایک ایسے حادثے کو بھی لکھنا پڑے گا کہ جس کا کرب والم تعبیر میں لانا ممکن نہیں۔ لیکن کائنات کے اس تانے بانے میں لکھنا لکھانا بھی اپنے مرحومین کو یاد رکھنے کا ایک ذریعہ ہے تو سکونِ دل کے لیے قلم اٹھانا ہی پڑا۔

آئیں گے آپ یاد صدا ہر بہار میں
صدیوں رہے گا بزم سخن ور میں تذکرہ

اپنے ذاتی حوادث سے الگ تحفظ ختم نبوت کی خدمات بجالانے کے دوران بھی بے شمار حوادث سے گذرنا پڑا؛ مگر ایسا کبھی نہ ہوا کہ ہمت وحوصلہ نے قلم کا دامن چھوڑ دیا ہو۔ ابھی حضرت کے انتقال سے دو ماہ قبل ایک ایسے حادثہ کا شکار ہوا کہ خود اپنی زندگی کی امید جاتی رہی؛ لیکن ان حالات میں بھی جب حضرت کے پاس اپنی رودادِ غم سنانے بیٹھا تو حضرتؒ کے، پر اعتماد وحوصلہ بخش چند جملوں نے زندگی کے لیے اکسیر کا کام کیا ''انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہی فرمانے لگے؛ حوصلہ مت ہارو! میں دعا کرتا ہوں سب ٹھیک ہوجائے گا، اطمینان رکھو! لوگوں پر اس سے بڑے بڑے حادثے آتے ہیں''۔

قارئین کرام! یقین مانئے کہ حضرت مخدوم اور اس خادم کے مابین دل کو دل سے جو راہ ہوتی ہے وہ اتنی قوی تھی کہ ان جملوں سے پہاڑ سے بھی زیادہ وزنی غم کافور ہوتا نظر آیا، آنسو تھم گئے اور زندگی کو حوصلہ ملنے لگا۔ لیکن حضرت کی رحلت سے دل دماغ پر جو ایک سکتہ سا طاری ہے وہ دور نہیں ہوتا؛ آج دو ماہ گذرنے کو ہیں لیکن قلم اس لیے چلتا نہیں کہ جنھوں نے اسے چلانا سکھایا؛ نہیں معلوم تھا کہ مجھے ان پر بھی لکھنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے حضرت والا کو اپنا قرب اور کروٹ کروٹ چین وسکون نصیب فرمائے، آمین

آنکھیں ہیں اشکبار، قلم سوگوار ہے
صدیوں رہیں گی آپ کی یادیں سکون دل

اکتوبر ۱۹۸۶ء میں جب دارالعلوم دیوبند میں پہلا عالمی اجلاس تحفظ ختم نبوت منعقد ہوا تو اپنے ہم جماعت طلبہ کے ہمراہ اس ناچیز کو بھی ختم نبوت کے موضوع پر مقالہ لکھنے کا موقع ملا اور وہ مقالہ ہی کسی قدر حضرت قاری صاحبؒ سے متعارف ہونے کا سبب بنا اور یہ میرے عربی ششم کا سال تھا۔ پھر دورۂ حدیث شریف سے ۱۹۸۹ء میں فراغت کے بعد اپنے اساتذہ؛ بالخصوص حضرت مولانا قمر الدین صاحب گورکھپوری مدظلہ اور حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی مدظلہ کے مشورے سے راقم نے شعبۂ تحفظ ختم نبوت کو اپنی تعلیمی سرگرمیوں کے لیے منتخب کیا اور حضرت قاری صاحبؒ سے سابقہ شناسائی مزید گہری ہوتی چلی گئی۔ پھر حضرت قاری صاحبؒ کی شفقت اور مثالی انداز تربیت نے بہت جلد اس حد تک اپنا گرویدہ کیا کہ ۱۹۹۰ء میں خود کو تحفظ ختم نبوت کے لیے وقف کرنے کو ہی اپنی زندگی کا حاصل بنالیا۔ جبکہ قابل اعتماد اداروں میں موقوف علیہ تک کی کتابیں تدریس کے لیے مل رہی تھیں، عصری تعلیم میں جانے کے لیے بھی راستے ہموار تھے، بزنس خود اپنے گھر کی تھی، لیکن حضرت قاری صاحبؒ کے واسطے سے تحفظ ختم نبوت کی نت نئی خدمات سے ایک لگاؤ تھا جو کہیں جانے نہیں دیتا تھا اور نہ آج تک کہیں جانے دیا۔

اسی دوران جب میری زبان سے بار بار حضرت قاری صاحب کے تذکرے سن کر بندہ

کے والد ماجد (محمد حدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ) دیوبند ملاقات کے لیے آئے تو حضرت قاری صاحبؒ کی شفقت و محبت بچشم خود دیکھ کر واپسی میں فرمایا کہ اب دیوبند چھوڑ کر تمہیں کہیں نہیں جانا ہے۔ پھر تو خوشیوں کی اس سے بڑی سوغات دنیا میں اور کیا ہوسکتی تھی کہ روحانی مربی کی خواہش کے مطابق والد محترم کی اجازت بھی مل گئی، بلکہ حضرت والد صاحب (اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور اپنا قرب نصیب فرمائے، آمین) دیوبند میں مکان بنانے کی تدابیر میں تعاون بھی فرمانے لگے کیوں کہ بندہ اس وقت شادی شدہ بھی ہو گیا تھا۔

شعبۂ تحفظ ختم نبوت میں طالب علمی کا دور گذرنے کے بعد ۱۹۹۰ء میں جب عارضی تقرر ہوا تو یہ سب کچھ حضرت قاری صاحبؒ کی شفقت و محبت کا نتیجہ تھا، خادم کو مجلس سے متعلق مفوضہ امور بجالانے کے سوا دارالعلوم میں تقرر کے نشیب و فراز کو جاننے یا معلوم کرنے سے بھی سروکار صرف اور صرف اس لیے نہ تھا کہ اپنے بڑوں اور بزرگوں سے ملی معمولی سی سہی؛ علم کی بدولت یا حضرت قاری صاحب کی شفقت پدری کے سبب؛ اتنی عقل تو آ گئی تھی کہ:

تو بندگی چوں گدایاں بشرط مزدہ مکن
کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

حالت یہ تھی کہ اب دارالعلوم دیوبند کا بندہ ملازم ہو گیا تھا لیکن ہمت اتنی نہ تھی کہ تنخواہ کے سارے پیسے اپنے پاس رکھ لیتا۔ تنخواہ ملتے ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر جمع کر دیتا اور حسبِ ضرورت خرچ کے لیے لیتا رہتا۔ حضرت نے معاملات میں لین دین کی جو مثالی، بلکہ عدیم النظیر تربیت فرمائی، واقعی شریعت اور اسلامی تصوف کا وہ نادر نمونہ ہے جو بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس زمانے میں دس اور پانچ پیسے کی اہمیت گھٹتی جا رہی تھی اور باہمی ربط باپ بیٹے جیسا ہو تو اس کی حیثیت اور بھی کچھ نہیں رہ جاتی؛ لیکن حضرت جب پیسے دیتے تو اس کو بھی باضابطہ لکھتے اور لکھواتے اور پھر ادا بھی کرتے اور کھلے پیسے برقت نہ ہوئے تو کچھ بولے بغیر اٹھ کر گھر میں جاتے اور وہ پانچ پیسے لے کر آتے اور فرماتے ''اس کو رکھو'' انداز میں اگر شفقت ہوتی اجنبیت

بھی اس غضب کی ہوتی تھی کہ لینے سے انکار کرنے کی ہمت ہی نہ ہو سکتی تھی۔ جب کچھ زیادہ بے تکلفی ہوئی تو سفر میں بسا اوقات بندہ بول پڑتا کہ حضرت اس کی ضرورت نہیں۔ ایک دو دفعہ سننے کے بعد فرصت میں جب بھاری بھرکم انداز میں تنبیہ فرمائی تو عقل کھلی کہ لوگ تعلقات میں شریعت کا مذاق بناتے ہیں جب کہ پائی پائی کا حساب لکھنا اور صرف لکھنا ہی نہیں؛ بلکہ اس کے مطابق ادا کرنا اور پوری زندگی کو اس کے مطابق بنانا عین شریعت ہے۔ ایک پیسے کی حیثیت ادائیگی میں وہی ہے جو ایک لاکھ کی ہے۔ ادائیگی کے لیے مقررہ وقت کو بھی حضرت اتنی ہی اہمیت دیتے تھے یہاں تک کہ اگر دفتر سے فروخت شدہ کتب کی رقم شام تک مدرسہ میں جمع نہ ہوتی تو سخت تنبیہ فرماتے کہ اس کی ادائیگی یعنی محاسبی میں جمع کرنے میں تاخیر مت کرو۔ یہ عمل دیکھنے میں اگرچہ معمولی سا لگتا ہے لیکن حضرت اس کو اتنی اہمیت دیتے تھے کہ اب یہ عمل اس خادم کی زندگی کا معمول بن گیا۔

قارئین کرام! مجھے اس وقت یہ احساس شدت کے ساتھ ستا رہا ہے کہ بعض لوگ میری تحریر کو پڑھ اُکتا رہے ہوں گے اور بے لذت کی راگنی سمجھ کر مجھے یا اس مضمون کے ناشر کو کوسنا بھی شروع کر دیں گے؛ لیکن یاد رہے کہ ایسوں کے لیے میں نے یہ لکھنا شروع نہیں کیا ہے؛ یہ تو حقیقت پر مبنی وہ آپ بیتی ہے جسے ۱۹۹۰ء سے لے کر مئی ۲۰۲۱ء تک آنکھوں سے دیکھا اور عمل میں برتا ہے، اس میں لفاظی کے ذریعہ چاشنی پیدا کرنے کے لیے تصنع بھرے حکایات و واقعات کہاں سے لائے جا سکتے ہیں۔ اور معاف کیجیے گا جس نے قلم پکڑنا سکھایا ہے وہ اس منحوس فن سے کوسوں ہی نہیں بلکہ لاکھوں میل دور تھا، تو مجھ سے اس کی توقع فضول ہوگی۔ ہمارے حضرت جس طرح پائی پائی کا حساب لینا اور دینا سکھا کے ہی نہیں بلکہ ۳۲ سال تک مشق کرا کے گئے ہیں اسی طرح الفاظ کے استعمال میں احتیاط اور خواہ مخواہ حکایت آرائی سے اجتناب میں بھی عملی طور پر شریعت کا سبق سکھا، پڑھا گئے ہیں۔ بے محل اور بے جا القابات بلکہ اگر کسی غیر مستحق کے بارے میں لفظ ''حضرت'' لکھ دیا جاتا تو اس پر تنبیہ فرماتے اور جہاں چھوٹ جاتا تو اس پر تنبیہ

فرماتے۔ کسی سے سخت سے سخت اختلاف کے دنوں میں بھی ایسے الفاظ استعمال کبھی نہیں کرتے تھے کہ فریق مخالف سے معافی مانگنی پڑے یا اپنی عاقبت خراب ہو۔ بہرحال موضوع پر آیئے اور باہمی معاملات کو اس واقعہ کے تناظر میں دیکھیے۔

دسترخوان پر جب بیٹھتے تو کھانے میں یا مشروب میں کوئی چیز خاص آپ کے لیے آتی تو اس خادم کے لیے بھی اسی مقدار میں آتی، حتی کہ افطار میں یا سحر میں دودھ میں پسا ہوا بادام ایک کپ آپ کے لیے آتا تو اس خادم کے لیے بھی اتنا ہی آتا تھا۔ اگر اور کوئی مہمان شریک ہوتا تو اس کے لیے بھی یہی نظم ہوتا تھا۔ پورے رمضان سحری میں حضرت کے ساتھ اس طرح شریک رہتا کہ اپنا گھر بھول جایا کرتا تھا۔ رمضان کا مہینہ، سحری کا تنگ وقت، بیٹھنے کی جگہ نہیں، چڑھتے ہوئے زینے کی آخری چوکی پر بیٹھ کر خادم ومخدوم سحری کھاتے، امی جان (اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور تاحین حیات سکون وعافیت عطا فرمائے، آمین) جلدی جلدی گھر میں سے گرم گرم روٹی، چائے بادام اور دودھ سے لبریز پیالی وغیرہ تیار کرتیں اور حضرت خود ہی اٹھ اٹھ کر دسترخوان پر رکھتے۔ یہ تھی اس خادم کے ساتھ شفقت ومحبت لیکن معاملات میں ایسی اجنبیت ٹپکتی کہ دس پانچ پیسے بھی ادا کرتے اور اس کو باضابطہ لکھواتے تھے۔

۱۹۹۳ء کے اوائل میں کسی وجہ سے بندہ دارالعلوم سے مستعفی ہوگیا۔ حضرت نے بذریعہ خط پوچھا کہ عہدے سے استعفیٰ دیا ہے یا کام سے بھی؟ بندہ نے وضاحت کردی کہ صرف عہدے سے استعفیٰ ہے کام سے نہیں۔ تو فرمایا کہ رمضان کی تعطیل یہاں دیوبند میں گذارنے کا معمول بناؤ اور جس مدرسے میں ملازم ہو وہاں تدریسی مصروفیات سے جو بھی وقت بچے اس کو تحفظ ختم نبوت کے کام میں لگاؤ، تاکہ کام چلتا رہے۔ چنانچہ ۱۹۹۳ء تا ۱۹۹۵ء تین سال تک مسلسل یہی معمول رہا کہ رمضان کے پہلے عشرے میں دیوبند حاضر ہوجاتا اور رمضان کے معمولات کے علاوہ تمام اوقات دفتر تحفظ ختم نبوت میں صرف ہوا کرتے تھے، حضرت قاری صاحبؒ ان دنوں کا باضابطہ الاؤنس ادا کرتے اور اس کو بھی لکھواتے۔ ان میں سے بہت سی

تحریریں ابھی راقم کے پاس محفوظ ہیں۔

پھر ۱۹۹۶ء میں جب دوبارہ تقرر ہوا تو تحفظ ختم نبوت کے شعبے میں تدریسی نظام میں مصروفیت کے ساتھ ملک میں تحفظ ختم نبوت سے وابستہ اسفار کے سلسلے بھی بڑھتے چلے گئے۔ تجربہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ ٹرین کے سفر میں بھوک بھی زیادہ لگتی ہے اور نیند بھی زیادہ آتی ہے، حضرتؒ بیشتر اوقات مجھ ناچیز خادم کی رعایت میں کھانے پینے کے سامان خریدتے اور معمولی سا استعمال کر کے سب میرے حوالے کر دیتے، بندہ ٹرین میں خوب کھاتا اور نیند بھر سوتا، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جب پلیٹ فارم آجاتا اور سامان کھڑکی کے پاس لگا لیتے اس وقت مجھے نیند سے جگاتے تھے۔ بر بنائے شفقت سفر میں خود کو مخدوم اور اس خادم کو خادم سمجھنے کا مزاج ہی نہیں رکھتے تھے۔

مجھے خوب اچھی طرح سے یاد ہے کہ دیوبند سے دہلی کے لیے صبح ۶ بجے ایک اسپیشل بس چلا کرتی تھی جو جمعیۃ علمائے ہند کے دفتر سے بہت قریب ایک بڑی بلڈنگ کے پاس تک جاتی تھی، جب اس بس سے سفر ہوتا تو دہلی اتر کر کتابوں کا بنڈل اپنے کندھے پر رکھتے اور مجھے اپنا بیگ سامان وغیرہ جو عموماً ہلکا ہوتا تھما دیتے تھے۔ یا ایک بنڈل میرے اوپر لادتے تو دوسرا بنڈل خود اپنے کندھے پر بھی رکھ لیتے، میں بارہا پیش کش کرتا کہ ابھی ایک بنڈل رکھ کر چند منٹ میں واپس دوسرا لے جاؤں گا مگر وہ کبھی اس کے لیے تیار نہ ہوئے۔ بلکہ جب موقع ملتا تو اس پر تشجیع فرماتے کہ کتابیں اگرچہ بوجھ ہوتی ہیں اور بعض لوگ ناگوار بھی محسوس کرتے ہیں مگر تم ثواب کی نیت سے ضرور اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ کتابیں رکھا کرو، نہ معلوم کس کو تمھارے ذریعے سے وہاں پہنچنے والی کتاب سے ہدایت مل جائے۔ کبھی کبھی مثال میں حضرت مولانا سید ارشاد احمد صاحبؒ سابق مبلغ دار العلوم دیوبند اور دیگر علماء کے حوالے دیتے کہ یہ لوگ اتنے بڑے بڑے عالم گذرے ہیں پھر بھی موضوع اور مقصد سے متعلق کچھ نہ کچھ کتابیں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے اور ضرورت مندوں کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔

اگر بھاگلپور، پٹنہ وغیرہ کا سفر ہوتا یا وہاں سے ٹرین گذر رہی ہوتی تو پھر تو رفقائے سفر کی خوشیاں دوبالا ہو جاتی تھیں، کیوں کہ کہیں مولانا محمد قاسم صاحب مرحومؒ، سبل پور والے اور کہیں دگہی کے حاجی صاحب اور کہیں حافظ محمد صالح صاحب مرحوم اور کہیں مولانا قمر صاحب مدرسہ شاہ جنگی وغیرہ، حضرت سے ملنے آتے تو چاہے رات کے بارہ بج رہے ہوں بہت کچھ کھانے پینے کا سامان ساتھ لاتے اور حضرت کو اس سے بس اتنی سی دلچسپی ہوتی تھی کہ ہم خدام سیر ہو کر کھائیں؛ بلکہ ہم خدام ہی کے لیے منگواتے اور خود معمولی سا چکھ لیا کرتے اور بس۔ کبھی کبھی تو مغل سرائے، بکسر وغیرہ اسٹیشن آتے ہی تفریحاً مسکراتے ہوئے فرماتے: اب مت سونا، پٹنہ آنے والا ہے، یا بھاگلپور قریب ہے۔ اور یہ مرحومین بھی (اللہ ان کی قبروں کو نور سے بھر دے، آمین) خدا معلوم اب کس دنیا میں جا بسے؛ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ گویا تحفظ ختم نبوت کے وفد کی آمد کے انتظار میں بیٹھے ہوں؛ بس جہاں اطلاع ملی، قسم قسم کے کھانے تیار کر کے ٹرین میں پہنچانا ان کے لیے عید کا سماں پیدا کرتا تھا۔

قارئین کرام! حضرت کی شفقت و محبت کے یہ چند نمونے راقم سطور نے پیش کیے جو شروع سے اخیر تک اس خادم کے ساتھ رہے۔ بقیہ حضرتؒ کی زندگی جن جن صفات حسنہ کی حامل تھی اس کی روداد لکھنا مقصد نہیں، اس پر اور لوگ قلم اٹھائیں گے۔ البتہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی خدمات سے وابستہ زندگی کی تاریخ پر ان شاء اللہ ضرور قلم اٹھانے کا ارادہ ہے اور بتوفیق اللہ اس کا ایک بڑا حصہ جو دارالعلوم دیوبند کے پندرہ روزہ اخبار ''آئینۂ دارالعلوم'' میں مطبوعہ ہے اس کو راقم سطور نے حضرت کی زندگی میں ہی مرتب بھی کر دیا ہے جو دو ہزار صفحات پر مشتمل چار جلدوں میں ہے۔ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی یہ علمی، قلمی و زریں تاریخ حضرت کی زندگی میں طبع ہونے سے رہ گئی، امید ہے کہ مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی حسبِ ہدایت جلد ہی منظر عام پر آ جائے گی۔ اور ان شاء اللہ کوشش ہوگی کہ اس تاریخ سے متعلق جو حصہ ''آئینہ دارالعلوم'' میں طبع ہونے سے رہ گیا ہے وہ بھی قارئین و متعلقین کے استفادہ کے لیے منظر عام پر آ جائے۔

بہرحال حضرت کی زیرِ نگرانی کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت میں ۳۱ سالہ زندگی کو چند صفحات میں لانا میرے لیے تو بہرحال مشکل ہے، وقت نے وفا کی تو آہستہ آہستہ کچھ نہ کچھ ان شاء اللہ اس لیے لکھتا رہوں گا کہ اپنے بڑوں کی یہ پاکیزہ عملی زندگی شاید اپنے لیے عمل کا ذریعہ بن جائے۔

اللّٰهم وفقنا لما تحب وترضى، واجعل آخرتنا خيرًا من الأولىٰ، آمين بحرمة النبي الكريم صلى اللّٰه عليه وسلم.

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحبؒ

ایک عظیم مربی، ایک ہمہ جہت شخصیت

مولانا محمد راشد گورکھپوری شعبۂ تحفظِ ختم نبوت جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

حضرت الاستاذ مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ، اپنی ذات میں ایک انجمن تھے، بلند پایہ شخصیت کے مالک، گوناگوں صفات وخصوصیات کے حامل اور مختلف النوع خوبیوں سے بہرہ ور تھے۔ ایسی عظیم المرتبت شخصیت کا رحلت فرمانا اور اس خالی جگہ کا پر نہ ہو پانا، ملک وملت کے لیے بہت بڑے خسارہ کی بات ہے۔

۸/شوال المکرّم ۱۴۴۲ھ، مطابق ۲۱/مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ جمعیۃ علمائے ہند کے صدر، دارالعلوم دیوبند کے کارگذار مہتمم اور استاذِ حدیث، بندہ کے خاص مربی اور سرپرست حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ کی وفات حسرت آیات کی خبر پاکر سخت صدمہ ہوا؛ لیکن مرضیٔ رب پر راضی رہتے ہوئے کلمہ استرجاع پڑھ کر دل کو تسلی دی۔

اپنے وطن گورکھپور کے سفر کی بنا پر آخری دیدار، تجہیز وتکفین اور نمازِ جنازہ وغیرہ میں شرکت کا موقع نہ ملنے پر دل کو سمجھایا کہ کچھ اسی طرح کی صورت سابق صدرِ جمعیۃ علما ہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے موقع پر بھی پیش آئی تھی، جب بندہ تحفظ ختم نبوت کے تربیتی کیمپ میں شرکت کی غرض سے اڑیسہ کٹک کے چند روزہ سفر پر ہونے کی وجہ سے شرکت سے محروم رہ گیا تھا۔

اس سفر میں حضرت الاستاذ مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نور اللہ مرقدہ، حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری قدس اللہ سرہ اور حضرت مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری زید فضلہ بھی تھے۔ بہرحال آخری دیدار کی حسرت دل میں ہی رہ گئی:

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نو رستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

حضرت قاری صاحب تربیتی پہلو سے ایک مثالی شخصیت کے مالک تھے، اپنے سعادت مند اور علم وفضل سے آراستہ اور بلند اقبال دونوں صاحبزادگان: حضرت مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری مدظلہ اور محترم جناب مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری حفظہ اللہ کی تربیت آپ نے جس انداز سے فرمائی، وہ اپنے آپ میں ایک مثال اور ہر ایک کے لیے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

بندے کی تمام تر نااہلی کے باوجود حضرت قدس سرہ بندہ پر بھی خاص شفقت وعنایت فرماتے تھے، دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی، پھر فراغت کے بعد وہاں تقرری اور اس کے بعد جامعہ مظاہر علوم کے لیے نشاندہی اور نامزدگی، اس کے علاوہ ملک کے طول وعرض میں منعقد ہونے والے تحفظ ختم نبوت کے تربیتی کیمپوں، مناظروں اور اصلاحی جلسوں میں شرکت کے حوالے سے، اس ناچیز کو حضرت الاستاذ علیہ الرحمہ سے بھرپور استفادہ کا موقع ملا۔

حضرت والا کی جو خدمات ہیں وہ مختلف جہات اور مختلف نوعیت کی ہیں، آپ نے ملی، سماجی، حدیثی، رجال سازی، افراد سازی، تعلیمی اور تربیتی خدمات کے علاوہ، تحفظ ختم نبوت کے میدان میں بھی قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے، کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے قیام سے لے کر اب تک اس کے ناظم رہے، اس سلسلے میں ملک کے طول وعرض میں اسفار کر کے ختم نبوت کا پیغام پہنچایا اور قادیانیت کی دسیسہ کاریوں سے امت کو متنبہ فرمایا۔

آپ کی تقریر میں خطیبانہ زیر وبم نہ ہو کر، متانت وسنجیدگی کا اظہار ہوتا تھا اور مدلل ومحقق گفتگو فرماتے، فنی اعتبار سے ایسی مستحکم ومضبوط گرفت ہوتی کہ قادیانیت تلملا اٹھتی اور اس کا

باطل ہونا اظہر من الشمس ہو جاتا۔

علمی اور تحریری طور پر قادیانیت کا تعاقب کرنے کے لیے جو محاضرات آپ نے تیار فرمائے ہیں ان سے ہمیشہ استفادہ کیا جاتا رہے گا۔

۱- محاضرات علمیہ بر موضوع ردقادیانیت (تعارف وتعاقب)

یہ محاضرات پانچ اجزاء پر مشتمل ہیں:

پہلا جز/40 صفحات پر محیط ہے۔

دوسرا جز/32 صفحات پر۔

تیسرا جز/48 صفحات پر۔

چوتھا جز بھی/48 صفحات پر۔

اور پانچواں جز/40 صفحات پر محیط ہے۔

ان محاضروں میں قادیانی تلبیسات اور باطل تاویلات کا اچھی طرح پردہ چاک کیا گیا ہے، مرزا قادیانی کے دعاوی باطلہ، محدثیت، مہدویت، مسیحیت، نبوت ورسالت اور الوہیت ودیگر ہفوات وبکواسات کا عمدہ طریقے پر جائزہ لیا گیا ہے، تحقیقی اور الزامی دلائل دے کر دونوں طرح سے اتمام حجت کر دیا گیا ہے، ان محاضرات کو پڑھنے والا شخص قادیانیت کی اصلیت وحقیقت سے اچھی طرح باخبر ہو جائے گا -

حضرت والا نے مسلمانوں کو قادیانی فتنہ سے آگاہ کرنے کے لیے متعدد کتابچے ولٹریچر بھی رقم فرما کر شائع کروائے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) مسلمان ہوشیار رہیں!

اس میں قاری صاحب قدس اللہ سرہ نے مرزا قادیانی کی فریب کاریوں سے مسلمانوں کو ہوشیار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''مسلمانوں کو چاہیے کہ اس طرح کی عبارتوں سے دھوکہ نہ کھائیں؛ کیونکہ

مرزا قادیانی کے مذہب کے دو دور ہیں، ایک 1900 سے پہلے کا دور ہے اور دوسرا 1901 سے شروع ہوتا ہے، پہلے دور میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بڑی شد و مد کے ساتھ ختم نبوت پر اپنا ایمان ظاہر کیا ہے؛ لیکن دوسرے دور میں مرزا نے صاف طور پر اپنی نبوت کا دعوی کیا اور ناواقف مسلمانوں کو بہکانے کے لیے کہا کہ قرآن وحدیث پر میرا ایمان ہے مگر خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی مہر سے انبیا بنتے ہیں -(خلاصہ حقیق الوحی ص:٢٩)

(٢) ایمان اور کفر کی حقیقت

اس کتابچہ میں ایمان وکفر، ضروریات دین کی تعریف اور قادیانیت کا کفر ہونا واضح کیا گیا ہے، ضروریات دین کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: ''ضروریات دین سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے ہونا یقیناً معلوم ہو؛ چاہے عوام کے ایک ایک شخص کو اور چاہے ان کو عوام کا ایک بڑا طبقہ جانتا ہو اور ایک بڑا طبقہ نہ جانتا ہو: مثلاً وحدانیت، نبوت، رسالت، ختم نبوت، نیز نماز، روزہ، زکوۃ کا فرض ہونا اور شراب، خنزیر، زنا وغیرہ کا حرام ہونا''۔

(٣) قادیانی گروہ زندیقوں کی طرح تحریک ارتداد چلا رہا ہے

اس پمفلٹ میں قادیانی دجل سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ:

''قادیانیت کو اسلام کے مدمقابل ایک دین ومذہب کی حیثیت سے یہ گروہ پیش کرتا ہے مگر مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے لیے بطور زندقہ کے اسی کو سچا اسلام کا نام دیتا ہے مگر علمائے اسلام نے بتوفیق اللہ تعالی قادیانی گروہ کے اس دجل وتلبیس کا پردہ چاک کرکے رکھ دیا ہے اور اس کے پراگندہ لٹریچر سے ثابت کردیا ہے کہ اس گروہ کو مسلمانوں سے ہر ہر بات میں اختلاف ہے''۔

آگے دلائل سے اس اختلاف وزندقہ کو ثابت کیا گیا ہے۔

(۴) قادیانیت انگریزوں کا خودکاشتہ پودا

اس میں ثابت کیا گیا ہے کہ قادیانی گروہ اپنے آقا انگریزوں کے لیے جاسوسی کرتے ہیں اوراسی مقصد کے لیے انہیں جنم دیا گیا ہے، کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کا کام کریں اوراسلام ومسلمانوں کی شبیہ کو داغدار کریں۔

(۵) اگر قادیانی فتنہ کا مقابلہ نہ کیا گیا تو مسلم سماج مرتد ہو جائے گا

۱۴رجون ۱۹۹۷ءرکواردو پارک شاہجہانی جامع مسجد دہلی میں ایک عظیم الشان تحفظ ختم نبوت کانفرنس ہوئی، اسی کانفرنس کی تیاری کے موقع پر ''نئی دنیا'' کے نمائندہ جناب ودود ساجد صاحب نے حضرت قاری صاحب سے انٹرویولیا، اس پمفلٹ میں اسی کی تفصیل ہے۔

(۶) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری رسول ماننے کے بعد ہی کوئی شخص مسلمان بن سکتا ہے

اسی مذکورہ کانفرنس کے موقع پر ''ہفت روزہ راشٹریہ سہارا'' کے ایک نمائندہ کی طرف سے ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند، حضرت قاری صاحب سے انٹرویولیا گیا، جو تحریری شکل میں اس کتابچہ کے اندر محفوظ ہے۔ ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ، تحفظ ختم نبوت کے مناظروں اورمباحثوں کے تعلق سے ایسے مستعد اور متیقظ تھے کہ ہم جیسوں کے لیے قابلِ رشک اور لائق تقلید، اس کی صرف ایک مثال پیش کرتا ہوں:

> ''۲۰۰۴ء کی بات ہے، قصبہ بہوا ضلع فتح پور میں قادیانیوں سے بندہ کا ایک مناظرہ طے ہوا تھا، مناظرہ کی تاریخ جب طے ہوئی تو چار ماہ کا وقفہ تھا، وقت گذرتا رہا، مناظرہ کا دن قریب آ گیا؛ لیکن چونکہ قادیانیوں کے فرار کی تفصیلی تاریخ ذہن میں محفوظ

تھی، اس لیے اس طرف کوئی خاص توجہ نہیں ہوئی اور پہلے ہی سے فتح پور جانے کا کوئی خاص داعیہ پیدا نہیں ہوا، مگر حضرت قاری صاحبؒ نے تاریخ مناظرہ سے دو روز قبل بلا کر فرمایا کہ: ’’تاریخ مناظرہ قریب آ گئی، مناظرہ طے کیا ہے تو جانا چاہیے، آج ہی نکل جاؤ‘‘۔

چنانچہ بندہ فوراً کانپور روانہ ہو گیا اور حضرت مولانا متین الحق اسامہ قاسمی رحمہ اللہ سے ملاقات کر کے قصبہ بہوا روانہ ہو گیا، آگے کی تفصیل ’’روزنامہ راشٹریہ سہارا اردو‘‘ کے حوالہ سے ملاحظہ فرمایئے:

’’فتح پور ضلع کی بندکی تحصیل کے قصبہ بہوا میں گذشتہ جمعہ کی شب میں بہوا کے ہی ایک باشندہ نے قادیانیت پر لعنت بھیجتے ہوئے توبہ کر کے جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ کے ناظم مولانا سید حبیب احمد کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا...... قادیانیت سے تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہونے والے عالمگیر خاں نامی شخص نے حاضرین کے روبرو اپنا ایک تحریری و دستخط شدہ بیان پڑھ کر سنایا اور قادیانیوں کے جھوٹے دعووں کی قلعی کھولی اور بتایا کہ ساڑھے چار ماہ قبل مجلس تحفظ ختم نبوت کانپور کی تحریک پر دارالعلوم دیوبند کے مبلغ مولانا محمد راشد گورکھپوری و دیگر حضرات اور قادیانیوں کی تنظیم جماعت احمدیہ بہوا کے صدر کے مابین مرزا غلام احمد قادیانی کے مختلف دعووں کے عنوان پر چار گھنٹے مباحثہ کے بعد ایک مناظرہ طے ہوا تھا۔ عالمگیر خاں نے بتایا کہ مورخہ ۲۶ر فروری ۲۰۰۴ء کے مذکورہ مباحثہ میں قصبہ کے لوگوں کے سامنے یہ بات بھی طے ہوئی تھی کہ چار ماہ کی مدت کے بعد قصبہ میں جماعت احمدیہ کے صدر اور مبلغین ختم نبوت کے درمیان ایک مناظرہ ہوگا جو شخص اس مناظرہ میں حاضر نہیں ہوگا وہ شکست کھانے والا سمجھا جائے گا اور اسے توبہ کرنی ہوگی، عالمگیر خان نے بتایا کہ الحمدللہ مبلغین ختم نبوت بہوا میں موجود رہے اور قادیانی مبلغین راہِ فرار اختیار کر گئے‘‘۔

بہر حال گوناگوں خوبیوں کی مالک شخصیت ہمیشہ کے لیے ہم سے جدا ہو گئی، اللہ تعالیٰ ان کی خدمات قبول فرما کر بہترین جزا عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہم سب کو ان کی تقلید کرتے ہوئے تحفظ ختم نبوت کے لیے قبول فرمائیں، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

❍❖❍

مجاہدختم نبوت

مولوی محمد عامر مئوی متعلم شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند

فرق ضالہ اور علماء دیوبند

ہر دور اور ہر زمانے میں حق و باطل کے درمیان معرکہ آرائی جاری رہی ہے، وقت کے لحاظ سے نت نئے فتنے سر اٹھاتے رہے ہیں، اور ان فتنوں کی سرکوبی کرنے والے بھی ہر دور میں سرگرم عمل رہے ہیں، جب باطل ابھرتا ہے تو چاہتا ہے کہ حق اور اہل حق کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کردے؛ مگر وہ جس شدت کے ساتھ سر اٹھاتا ہے اسی شدت کے ساتھ اسے سرنگوں اور ذلیل بھی ہونا پڑتا ہے؛ اس لئے کہ ہر زمانے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ ایسے مخصوص بندوں کو چنا، جنہوں نے ان فتنوں کے قلع قمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا، اور اسے اپنی زندگی کا اولین مقصد بنالیا، اور اسی میں اپنی زندگیاں تج کردیں؛ تاکہ امت محمدیہ -علی صاحبہا الف الف تحیۃ وسلام- کے افراد کہیں ان فتنوں کے دام فریب میں نہ آجائیں۔

غرض ہر زمانے میں جنم لینے والے فتنوں اور فتنہ پردازوں کے آگے کوئی نہ کوئی مرد آہن، سینہ سپر اور آہنی دیوار بن کر کھڑا ہوجاتا ہے، خصوصاً جب دارالعلوم دیوبند کا قیام ہوا -اور اب اس کی ابتدائے آفرینش سے تقریباً ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصہ ہونے کو ہے- تو اس درمیان فتنوں سے نمٹنا اور نبرد آزما ہونا، ابنائے دارالعلوم دیوبند کا تمغۂ امتیاز رہا ہے، وہ ہر ہر

فتنے کے استیصال واستحصال کے لیے ہمہ وقت پیش پیش رہے ہیں، جب بھی دنیا کے کسی گوشے میں کسی فتنے نے لوگوں کو اپنی آغوش میں لینا چاہا تو علمائے دیوبند کسی کی پرواہ کیے بغیر اس کو نیست ونابود کرنے کے لئے دل وجان سے لگ گئے، اور سر دھڑ کی بازی لگادی، یہاں تک کہ اسی میں اپنی پوری پوری زندگیاں تج کر دیں، یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی فتنہ ان کے درمیان پنپے اور وہ خاموش تماشائی بنے رہیں، ان کے اندر ''حمیت دینی'' کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، اور ایسا کیوں نہ ہوتا؛ جبکہ حمیت دینی ہی پر تو دارالعلوم دیوبند کی بنیاد پڑی تھی؛ اس لئے یہ جذبہ علمائے دیوبند کے اندر بہ درجۂ اتم موجود ہے، ان کے اس جذبہ اور حمیت دینی کی یہ واضح علامت ہے کہ جب فتنۂ قادیانیت نے سر اٹھایا تو اسے کچلنے کے لئے انہوں نے اپنی پوری پوری زندگیاں داؤ پر لگادیں۔

قادیانیت اور علمائے دیوبند

''پنجاب'' (ہند) کے ضلع ''گورداس پور'' کی تحصیل کے قصبہ ''قادیان'' میں ۵۶-۱۲۵۵ھ ہجری، مطابق ۱۸۴۰-۱۸۳۹ء بروز جمعہ ''غلام احمد بن غلام مرتضی'' نامی ایک بچے کی پیدائش ہوئی جو بچپن ہی سے انتہائی بدخلق، بدگو اور شرارتی تھا، چوری کرنے کی عادت بھی تھی، جب بڑا ہوا تو قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہوگیا؛ بلکہ یوں کہا جائے کہ اس کا تن ہر قسم کی بیماریوں کی آماجگاہ تھا تو بیجا نہ ہوگا، آگے چل کر اس نے عجیب وغریب دعوے کئے، شروع میں تو اپنے آپ کو محدث، مجدد، مبلغ وغیرہ کہتا رہا، پھر ذرا ہمت بڑھی تو مسیح موعود ہونے کا دعوی کیا اور جب ترقی کر کے گمراہی کے اعلی درجے پر پہنچ گیا تو نبوت کا دعوی کر بیٹھا، کبھی خود کو آخری نبی محمد کہتا، تو کبھی اپنے آپ کو خدا کا بیٹا اور مریم۔ ان سب ہفوات سے بہت سارے لوگ اس کے جال میں پھنس کر گمراہ ہوگئے اور باقاعدہ ایک جماعت تیار ہوگئی، جنہیں قادیانی کہا جاتا ہے؛ جب کہ اس فتنے کو قادیانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب اس فتنے نے اپنے پاؤں پھیلانے شروع کئے تو اکابر و منتسبین دارالعلوم دیوبند نے سنتِ صدیقی پر عمل پیرا ہو کر اس کو تہہ تیغ کرنے میں کوئی دقیقہ نہیں

اٹھا رکھا، جس کا خاطر خواہ فائدہ یہ ہوا کہ یہ فتنہ تقریباً دفن ہوگیا۔

پھر ۱۹۴۷ء عیسوی میں تقسیم ہند کے بعد قادیانیوں نے اپنی سرگرمیوں کا مرکز ''ربوہ'' (پاکستان) کو بنالیا اور اعلیٰ پیمانے پر قادیانیت کے فروغ کے لئے مصروف عمل ہوگئے؛ لیکن فضلاء و منتسبینِ دارالعلوم دیوبند نے انہیں یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا اور لگاتار اس فتنے کی سرکوبی میں لگے رہے؛ چنانچہ ان کی مسلسل تگ ودو اور دوڑ دھوپ کی بنا پر پاکستان کی قومی اسمبلی نے ان قادیانیوں کو ۱۹۷۴ عیسوی میں غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا اور ۱۹۸۶ عیسوی میں مرحوم صدر پاکستان جنرل ضیاء الحق نے ''امتناع قادیانیت آرڈیننس'' لاگو کر دیا، جس کی بنا پر قادیانیوں کے موجودہ سربراہِ اعلیٰ ''مرزا طاہر قادیانی'' نے پاکستان سے راہ فرار اختیار کی اور لندن میں جا کر پناہ لی، جب قادیانیوں نے دیکھا کہ یہاں ان کی دال گلنا مشکل ہے، تو انہوں نے دوبارہ ''ہندوستان'' کا رخ کیا اور یہاں آکر اپنی ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔

کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا قیام

علماء دیوبند نے جب ان کی سرگرمیوں کو دیکھا تو انہیں فکر دامن گیر ہوئی اور قادیانیوں کے دجل وفریب اور ان کی دسیسہ کاریوں ومکاریوں کو آشکارا کرنے اور اس پر قدغن لگانے کے لیے متحرک ہوگئے اور اس فتنہ کے تعاقب اور اس کی تردید کے لئے منظمہ طور پر اجتماعی جدوجہد کی ضرورت کا احساس مسلمانوں میں عموما اور مدارس میں خصوصاً پیدا کرنے کے لئے ۲۹ تا ۱۳/ اکتوبر ۱۹۸۶ عیسوی میں سہ روزہ عالمی اجلاس ''تحفظ ختم نبوت'' کے عنوان پر دارالعلوم دیوبند میں منعقد کیا گیا، قاری صاحب علیہ الرحمۃ اُس کے کنوینر بنایے گئے، جس میں دنیا بھر کے بڑے بڑے علماء کو اس مسئلہ کی حساسیت پر غور وفکر کرنے اور لائحۂ عمل تیار کرنے کے لئے مدعو کیا گیا، الحمدللہ کانفرنس توقع سے کہیں زیادہ کامیاب ثابت ہوئی اور اس کے مفید اثرات مرتب ہوئے، نیز شرکاء اجلاس میں قادیانی فتنہ کے تعاقب وتردید کا ایک نیا عزم وحوصلہ پیدا ہوا اور وہ یہ تجویز پاس کر کے واپس گئے کہ ''اس کی ہلاکت خیزیوں کی بنا پر منظم ہو کر ملک گیر پیمانے پر اس کا

مقابلہ کیا جائے گا''۔ خیر اسی اجلاس میں ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا انعقاد بھی عمل میں آیا، جس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کی غرض سے ارتدادی فتنہ، قادیانیت کی فریب کاریوں سے ان کو واقف کرانے اور یہ بتانے کے لیے کہ قادیانیت کے بارے میں امت مسلمہ کی ایک ہی رائے اور فتویٰ ہے کہ: اس کے ماننے والے دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔

اس مجلس کے ناظم عمومی اُستاذ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری علیہ الرحمہ کو بنایا گیا؛ جب کہ استاذ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ کو ناظم منتخب کیا گیا۔ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی نظامت میں یہ مجلس ابتدائے آفرینش سے ہی قادیانیت کی تردید و بیخ کنی کے لیے وسیع پیمانے پر خدمات انجام دیتی رہی ہے۔

کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کا طریقۂ کار

اُستاذِ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب علیہ الرحمۃ نے مجلس کے قیام کے بعد، قادیانیت کے تعاقب، اس کی بیخ کنی اور اس کے استحصال کے جتنے بھی طریقے ہو سکتے تھے اسے اپنانے میں ذرا بھی دریغ نہیں کیا، ہر ممکنہ پہلو سے اس کے استحصال کے لئے کوشاں رہتے اور جیسی ضرورت ہوتی اس کے مطابق عمل شروع فرماتے، اگر ضرورت محسوس ہوئی تو جگہ جگہ کیمپ لگائے گئے، دورے کیے گئے، اجلاسِ عام کئے گئے اور میٹنگیں کی گئیں، اگر ضرورت پڑی تو مناظرے بھی کئے گئے اور جب جیسی ضرورت پیش آئی اسے کرگزرنے میں ذرا بھی تأمل اور پس وپیش نہیں فرمایا؛ بلکہ پوری دل جمعی و یکسوئی کے ساتھ سرگرم عمل ہوگئے، ذیل میں اس کی کچھ تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے تربیتی کیمپ

فتنۂ قادیانیت کے تعاقب اور اس کے استحصال کے لیے ماہر رجالِ کار پیدا کرنے اور ائمہ مساجد کو اس کی شر انگیزیوں سے آگاہ کرنے کے مقصد سے دارالعلوم دیوبند نے دسمبر

۱۹۸۸عیسوی میں ’’دس روزہ تربیتی کیمپ‘‘ کا اہتمام کیا، جس میں بحیثیت مربی خصوصی کے مناظر اسلام فاتح قادیانیت حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب علیہ الرحمہ کو مدعو کیا گیا۔ حضرت والا اس موضوع پر ہندوستان میں متخصص شخصیت ہیں، اور ۱۹۳۴عیسوی میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد آریہ سماجیوں، رافضیوں اور قادیانیوں سے تقریباً ۷۰؍مناظرے کئے ہیں، حضرت موصوف کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ کرام نے بھی روزانہ قادیانیت کے مختلف عنوانات پر شرکاء کیمپ کو مستفید فرمایا۔

دارالعلوم دیوبند میں تربیتی کیمپ کا یہ پہلا تجربہ تھا؛ اِس لئے پہلے مرحلے میں صرف مغربی اضلاع کے بڑے مدارس کے نمائندگان کو دعوت دی گئی، اس کیمپ میں باہر کے ۲۷نمائندگان کے علاوہ دارالعلوم کے درجاتِ تکمیل وافتاء کے ایک سو سے زائد طلبا نے حصہ لیا اور بحمد للہ شرکاء نے پوری دلچسپی کے ساتھ اس میں حصہ لیا اور اپنے قیمتی اوقات کو کارآمد بنایا، پھر ۱۹۸۹عیسوی میں دوبارہ دارالعلوم میں ’’دس روزہ تربیتی کیمپ‘‘ کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں بحیثیت مربی خصوصی حضرت مولانا منظور احمد صاحب چنیوٹی رحمۃ اللہ علیہ (پاکستان) تشریف لائے، آپ ردقادیانیت کے موضوع پر مسلمہ شخصیت ہیں، آپ نے مختلف مقامات پر تقریباً ۲۲؍مرتبہ قادیانیوں سے براہِ راست مناظرہ کیا ہے، بہرکیف! آپ تشریف لائے اور مسلسل کئی دنوں تک شرکاء اجلاس ومندوبین کو مستفید فرماتے رہے۔

اس کیمپ میں مختلف صوبہ جات کے ۵۴؍نمائندگانِ مدارس نے شرکت فرمائی، علاوہ ازیں دارالعلوم دیوبند کے تکمیلات کے تقریباً سوا سو طلبا نے بھی اُن تربیتی اسباق میں شریک ہوکر استفادہ کیا، یہ کیمپ بھی کافی حوصلہ افزا ثابت ہوا اور توقع سے کہیں زیادہ کامیاب ہوا۔ اس کے بعد دارالعلوم میں کیمپوں کا یہ سلسلہ ۲۰۰۸عیسوی تک موقوف ہوگیا؛ جب کہ دیگر مقامات پر حسب ضرورت ان کیمپوں کا انعقاد عمل میں آتا رہا، اور بحمد اللہ ۲۰۰۸عیسوی تک ۶۹؍کیمپوں کا مبارک سلسلہ چلا جس کے خاطر خواہ مفید اثرات مرتب ہوئے۔

دوسری طرف قادیانی پنڈت بھی بڑے زور وشور کے ساتھ سادہ لوح لوگوں کو گمراہ کرنے میں لگے ہوئے تھے؛ چنانچہ جب قادیانی فتنے کی شرانگیزیاں روز افزوں بڑھنے لگیں تو زیادہ سے زیادہ مستند رجالِ کار تیار کرنے کے لئے مرکزی دفتر کی نگرانی میں ۲۰۰۸ عیسوی سے تعطیل کلاس ہوتے ہی ۲۰ رشعبان المعظم سے دارالعلوم دیوبند میں مختلف مدارس کے تقریباً سو فضلاء کی تربیت کے لئے پانچ روزہ تربیتی کیمپ لگانے کا سلسلہ پھر شروع کر دیا گیا، جو پندرہ نشستوں پر مشتمل ہوا کرتا ہے۔ آخری یا کسی ایک نشست میں استاذ محترم فاتح قادیانیت حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری علیہ الرحمہ اپنے وقیع کلمات سے طلبہ کو مستفید فرماتے ہیں۔

تربیتی کیمپوں کا یہ سلسلہ بلاتخلف ۲۰۱۹ عیسوی تک جاری رہا؛ لیکن عالمی وبا ''کورونا'' کی وجہ سے یہ سلسلہ پھر موقوف ہو گیا۔ شروع سے لے کر اس وقت تک دارالعلوم دیوبند میں گیارہ تربیتی کیمپوں کا انعقاد عمل میں آچکا ہے؛ جب کہ دیگر علاقوں کو ملا کر کیمپوں کی مجموعی تعداد ۱۲۱ ہے۔

تربیتی کیمپوں کی افادیت

تربیتی کیمپوں کے پروگراموں میں شرکت کرنے والے حضرات کو اگر چہ عموماً ردقادیانیت کے موضوع سے ایک خاص حد تک مناسبت ہو جاتی ہے؛ مگر بعض شرکاء کو تو ردقادیانیت کی تردید میں اچھی خاصی مہارت پیدا ہو جاتی ہے، جو بفضلہ تعالیٰ قادیانی مبلغین اور قادیانی پنڈتوں کو بالمشافہ گفتگو میں بھی لاجواب کر دیتے ہیں اور خدائے وحدہ لاشریک لہ کی ذات عالی پر اعتماد کر کے مناظرے کے چیلنج بھی قبول کر لیتے ہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کے اجلاس عام

قادیانی پنڈتوں کی سرگرمیاں اور ریشہ دوانیاں بڑے زوروں پر تھیں، یہ لوگوں سے صرف بالمشافہ بات کر کے ہی اپنے دام فریب میں نہیں پھنساتے تھے؛ بلکہ جگہ جگہ اجلاس عام اور پروگرام کر کے عام لوگوں کو راہ راست سے گمراہ کرنے کا سامان مہیّا کرتے تھے، جس کی وجہ

سے سادہ لوح عوام اپنی کم علمی کی بناء پر ان کے جال میں آسانی سے پھنس جاتے اور ان کے ہمنوا بن جاتے تھے۔ استاذ محترم حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ نے جب قادیانیوں کی یہ سرگرمیاں دیکھی تو انتہائی متفکر ہوئے اور بھولے بھالے عوام کو گمراہی سے بچانے اور ان کے سامنے قادیانیوں کے فریب کو آشکارا کرنے کے لئے اجلاس عام کا سلسلہ شروع کرایا؛ چنانچہ- رپورٹ کے مطابق- جب یہ اطلاعات موصول ہوئیں کہ دسمبر ۱۹۹۱عیسوی کو قادیانیوں کے جشن صد سالہ میں شرکت کے لئے ان کا موجودہ سربراہ ''طاہر احمد'' لندن سے ''قادیان'' آئے گا اور اپنے دہلی قیام کے دوران ''مسلم احمدیہ مشن ہاؤس'' کا افتتاح بھی کرے گا۔ تو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ اس کی آمد کے موقع پر ''قادیانی مشن'' دہلی میں عوامی تقریبات کرے اور سادہ لوح مسلمان اس میں شریک ہوکر قادیانیوں کے فریب کا شکار ہوجائیں۔

لہٰذا ''مشن ہاؤس'' یا اس کے قرب وجوار کی کالونیوں میں خصوصاً اور دہلی کے تمام علاقوں میں عموماً ردّ قادیانیت کے پروگرام رکھے گئے، جو وقفہ وقفہ سے تقریباً چار ماہ تک چلتے رہے۔ دہلی کے مدارسِ عربیہ مدرسہ امینیہ، مدرسہ حسین بخش، مدرسہ عبدالرب، مدرسہ باب العلوم جعفرآباد، مدرسہ قبرستان بہاری کالونی اور تقریباً ۷۰ر مساجد میں پروگرام ہوئے، جن میں دارالعلوم دیوبند اور دیگر اداروں کے علماء نے ٹھوس تقریریں فرمائیں اور قادیانی فریب کا پردہ چاک کیا۔ اس کے بعد متعدد مقامات پر جہاں جیسی ضرورت پڑی اجلاس عام کرائے گئے اور قادیانیوں کی دسیسہ کاریوں وہ مکاریوں کو عیاں کیا گیا۔ رپورٹ کے مطابق اب تک ہونے والے اجلاسِ عام کی مجموعی تعداد ۲۷۴ ہے۔

مختلف علاقوں کے دورے

متأثرہ علاقوں میں کام کی دیکھ بھال اور اس کی نوعیت کو سمجھنے کے لئے خود کبھی استاذ محترم حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ تشریف لے جاتے اور کبھی مولانا شاہ عالم صاحب مدظلہ العالی کو روانہ فرماتے، علاوہ ازیں دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تبلیغ کے مبلغین حضرات بھی مرکزی دفتر

کے تحت حسبِ ضرورت متأثرہ مقامات کا دورہ کرتے رہے۔ نیز دفتر میں سال بھر زیرِ تربیت بعض جید الاستعداد طلبہ کو بھی تنہا یا مبلغین حضرات کے ساتھ بھیجا گیا۔ رپورٹ کے مطابق اب تک ۱۱۰ مختلف علاقوں کے دورے کئے جا چکے ہیں۔

میٹنگیں

فتنۂ قادیانیت کو فرو کرنے کے لیے قاری صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی پوری زندگی کھپا دی، اسکے ابطال کیلئے ہمہ وقت متفکر رہتے، نیز اس کو تہہ تیغ کرنے کے لئے حسب ضرورت کیمپ لگانا، اجلاس کرنا، اور متأثرہ مقامات کے دورے کرنا، یہ سب منصوبہ بندیاں استاذ محترم قاری صاحب علیہ الرحمہ کے دماغ کی اپج اور مغز ماری کا نتیجہ تھا، اسی طرح حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ نے کام کی ترتیب اور اس کے پہلو پر غور وفکر کرنے نیز کام کو مزید استحکام اور پائیدار بنانے کے لئے علاقائی میٹنگوں کا انعقاد فرمایا، جس میں کبھی خود ہی تشریف لے جاتے اور کبھی دیگر حضرات کو روانہ فرماتے، رپورٹ کے مطابق مختلف علاقوں میں ہونے والی ان میٹنگوں کی مجموعی تعداد ۶۲ ہے۔

قادیانیوں کے ساتھ مناظرے

مجلس تحفظ ختم نبوت کے رفقاء جب قادیانیت سے متأثرہ مقامات پر پہنچ کر اپنے فریضے کی ادائیگی سرانجام دیتے تو وہاں کے قادیانی پنڈت سادہ لوح لوگوں کو بہلاتے وپھسلاتے، نیز لوگوں کو اپنے دام فریب میں مبتلا رکھنے کے لئے ان کے ذریعے یا براہ راست وہاں کام کرنے والے رفقاء سے حیات ووفات عیسیٰ اور ختم نبوت جیسے مسائل پر بحث ومباحثہ کے لیے اصرار کرتے، تاکہ عوام سمجھیں کہ یہ مسائل مقرر اور طے شدہ نہیں ہیں اور قادیانی ٹولہ بھی مسلمانوں ہی کا ایک فرقہ ہے، صرف فروعی مسائل میں قدرے اختلاف ہے، حالانکہ یہ ایک زبردست مغالطہ ہے، بہرحال رفقاء مجلس قادیانیوں کے اس قسم کے چیلنجوں کو قبول کرتے اور ان سے بحث

ومباحثہ کرتے ہیں، بصورت دیگر سادہ لوح لوگوں کے بہک جانے اور راہ راست سے بھٹک جانے کا اندیشہ ہے، متعدد ایسی جگہوں پر- جن کی تعداد ۲۶ ہے- رفقاء مجلس نے چیلنجوں کو قبول کر کے قادیانی پنڈتوں کے دانت کھٹے کر دیے اور ذلیل وخوار کر کے انہیں راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر دیا؛ بلکہ بعض مقامات پر مناظرے طے ہونے کے بعد بھی قادیانیوں کو مناظرہ کی ہمت نہ ہوئی اور مناظرہ سے پہلے ہی ان کی ہوا نکل گئی، یوں آپ ہی آپ ذلیل وخوار ہوئے، اور بعض لوگوں نے تو اپنی رسوائی کا بدلہ لینے کے لیے کام کرنے والے علمائے کرام کے خلاف جھوٹے مقدمات دائر کر دئے؛ لیکن اللہ کی مدد یہاں بھی شاملِ حال رہی اور علمائے کرام یہاں بھی سرخرو ہوئے اور مقدمات میں کامیابی حاصل ہوئی، یوں قادیانیوں کو یہاں بھی منہ کی کھانی پڑی۔

قادیانیت سے توبہ کرنے والے

رفقاء مجلس نے فتنۂ قادیانیت کی تردید اور اس کی بیخ کنی کے لئے اپنے آپ کو گویا بلکل وقف کر دیا تھا، ان کی انہی کوششوں اور محنتوں کا ثمرہ تھا کہ جو لوگ قادیانیوں کے چنگل میں پھنس کر مرتد ہو گئے تھے اسلام قبول کرنے لگے؛ چنانچہ مختلف علاقوں کے بے شمار لوگ تائب ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور بعض حضرات نے تو علی الاعلان قادیانیت سے توبہ کی اور جگہ جگہ اپنے تائب ہونے کا پوسٹر بھی لگوایا، یہ حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ اور ان سے تربیت پانے والے حضرات کی محنتوں اور خلوص ہی کا اثر تھا اب تک تقریباً ۴۶ رمختلف مقامات کے سیکڑوں؛ بلکہ ہزاروں لوگوں نے قادیانیت سے توبہ کی اور جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے؛ بلکہ بعض دفعہ تو ایک ہی ساتھ ۲۷ رگھرانے کے سیکڑوں لوگ تائب ہوئے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کی شاخیں

مجلس تحفظ ختم نبوت کے انعقاد کے بعد ہی سے حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کی زیرنگرانی ردقادیانیت پر نہایت قابل قدر اور وقیع خدمات انجام دی گئیں۔ اس مجلس سے جڑ کر

قادیانیت کے سد باب کے لئے رفقاء مجلس کے علاوہ دیگر مختلف مقامات کے علماء و ذمہ داران حضرات اس کی بیخ کنی کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور درمیان راہ اگر کچھ مشاکل و پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں تو اس کو سلجھانے اور راہِ عمل تجویز کرنے کے لئے مرکزی دفتر سے رابطہ قائم کرتے ہیں اور ضرورت پڑنے پر ردِ قادیانیت کے پروگرام میں مبلغین کو دعوت بھی دیتے ہیں؛ جب کہ بعض علاقے کے ذمہ داران نے اپنے یہاں ردِ قادیانیت کے کام کو باقاعدہ اور منظّم طریقے پر کرنے کے لیے دارالعلوم دیوبند کی زیرِ نگرانی ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' قائم فرمایا ہے جو ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی باضابطہ شاخیں ہیں، جس کے باقاعدہ صدور اور نظماء وغیرہ مقرر ہیں اور گاہے گاہے مجلس کی رپورٹیں مرکزی دفتر کو ارسال کرتے رہتے ہیں۔ ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے تحت مستقل طور پر مختلف مقامات پر شاخوں کے قیام کے کچھ مدت بعد مرکزی دفتر نے بعض تجربات کی روشنی میں یہ مناسب نہیں سمجھا کہ کل ہند مجلس کی صوبائی و ضلعی شاخیں تشکیل کرنے کی تحریک کی جائے؛ اگرچہ بعض صوبوں میں -جیسا کہ ذکر کیا گیا- بعض حضرات نے قائم بھی کر لی ہیں؛ تاہم جس طرح سے دارالعلوم دیوبند کے انداز پر تعلیم و تربیت کا نظام چلانے والے مدارسِ اسلامیہ اپنے آپ کو دارالعلوم دیوبند کی شاخ متصور کرتے ہیں، ٹھیک اسی طرح تحفظ ختم نبوت اور تعاقب قادیانیت کا کام جو مجالس تحفظ ختم نبوت، دارالعلوم دیوبند کے رہنمایانہ خطوط و ہدایات کی روشنی میں اعتدال اور سنجیدگی کے ساتھ ملکی قانون کے دائرے میں رہ کر سر انجام دے رہی ہیں اور کل ہند مجلس کو اپنی خدمات کی رپورٹ ارسال کرتی رہتی ہیں، وہ بھی ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کی شاخیں ہیں؛ چنانچہ ان کی ارسال کردہ رپورٹوں کا خلاصہ ماہِ صفر اور شعبان کی مجلسِ شوریٰ میں ہر سال پیش کیا جاتا ہے۔

متأثرہ بستیوں میں مکاتب کا قیام

تقریباً سترّہ اٹھارہ سالوں سے دارالعلوم دیوبند نے ناخواندہ و پسماندہ بستیوں میں مکاتب اسلامیہ جاری کیے ہیں، جو ترجیحی طور پر قادیانیت سے متأثرہ علاقوں میں جاری ہیں، بنا

بریں ان کے معلمین کو تعلیم دینے کے ساتھ ساتھ قادیانی فرقہ کی سرکوبی و بیخ کنی کی ذمہ داریاں بھی دی جاتی ہیں اور علاقے کے ذمہ دار حضرات کی رپورٹ پر معلمین کا جزوی یا کلی مشاہرہ دارالعلوم دیوبند سے روانہ کیا جاتا ہے، ۲۰۱۷ عیسوی کی رپورٹ کے مطابق ایسے ۳۹ مکاتبِ اسلامیہ کے لیے دس تعاون دراز کیا جاتا رہا ہے، حضرت الاستاذ قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری علیہ الرحمۃ ان کی نگرانی فرماتے رہے؛ جب کہ شعبہ کے مبلغ جناب حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب کو وقفہ وقفہ سے ان مکاتب کے تعلیمی جائزہ کے لیے نیز قادیانی فتنہ کے متعلق معلمین کی کاوشوں کے معائنہ کے لیے بھیجا جاتا ہے، موصوف محترم بڑی جانکاہی سے معائنہ و جائزہ لے کر تفصیلی رپورٹ پیش فرماتے ہیں۔

محاضرات کا آغاز

باطل فرقوں کی تردید اور بیخ کنی کے مقصد سے رجال کار کی تیاری اور انہیں باطل فرقوں کے نشیب و فراز سے آگاہ کرنے کے لیے ۱۴۱۵ھ ہجری سے دارالعلوم دیوبند کے تکمیلات کے طلبہ کے لئے محاضرات کا سلسلہ شروع کیا گیا؛ چنانچہ جب استاذِ محترم قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری علیہ الرحمہ کو ردقادیانیت پر محاضرات پیش کرنے کی ذمہ داری تفویض ہوئی تو آپ مذکورہ موضوع پر پانچ محاضرے مرتب فرمائے، جسے ۱۴۱۵ھ ہجری سے ہر سال پیش کیا جا رہا ہے، اس کے علاوہ ٦ رموضوعات: ردشیعیت، ردغیر مقلدیت، ردمودودی، ردعیسائیت، رد ہندو اِزم، جن کو مختلف اساتذۂ کرام بروز جمعرات بعد نماز ظہر دو دو گھنٹوں میں طلبہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ سال کے اخیر میں تمام محاضرات کا سالانہ امتحان بھی ہوتا ہے اور جلد از جلد نتائج حاصل کر کے شعبان المعظم میں تقسیم انعامات کا خصوصی اجلاس منعقد کیا جاتا ہے اور طلبہ کو انعامات سے نوازا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ پورے سال محاضرات کے انتظام و انصرام کی ذمہ داری ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کے دفتر کے ذریعے کی جاتی ہے، جس کے لیے حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب

مدظلہ العالی خصوصی طور پر وقت لگاتے ہیں اور انتہائی جانفشانی اور جدوجہد کے ساتھ مفوضہ ذمہ داریاں سرانجام دیتے ہیں۔

ردقادیانیت کی تدریب وتمرین

فتنۂ قادیانیت کے زور کو دیکھتے ہوئے خاص طور پر اس کے نشیب وفراز سے واقف کرانے اور اس کا عملی وتحقیقی طور پر تعاقب کرنے کے لیے شروع ہی سے دارالعلوم دیوبند کے دورۂ حدیث سے ممتاز نمبرات سے فارغ ہونے والے چار طلبہ کا ہر سال ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' دارالعلوم دیوبند کے مرکزی دفتر میں ایک سال کے لئے داخلہ منظور کیا جاتا ہے، جنہیں ایک مقررہ نصاب کے مطابق موضوع کے ہر ہر پہلو اور گوشے سے متعلق ضروری مواد فراہم کر کے مطالعہ کرایا جاتا ہے۔ نیز موضوع کی مناسبت سے مقالات بھی لکھوائے جاتے ہیں، یوں انہیں ردقادیانیت کے زیروزبر سے آگاہی کے بعد اخیر سال تک انہیں اس قابل بنادیا جاتا ہے کہ اس راہ میں آنے والے پُر پیچ مشاکل ودشواریوں کا بلاجھجک سامنا کرسکیں، ان طلبہ کی تعلیم وتدریس کی نگرانی استاذِ محترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری علیہ الرحمۃ فرماتے نیز ان طلبہ کے مقالات اور ان کے خلاصۂ اسباق پر بھی نظر رکھتے تھے۔

واضح ہو کہ مرکزی دفتر میں مشق کرنے والے تمام طلبا کا باقاعدہ ششماہی وسالانہ امتحان بھی ہوتا ہے۔ ۲۰۱۷ عیسوی کی رپورٹ کے مطابق مرکزی دفتر میں تربیت یافتہ طلبا کی کل تعداد تقریباً ۷۵ ہے؛ لیکن ۲۰۱۸ عیسوی کی مجلسِ شوریٰ میں شعبہ کے لئے اب چار فضلاء کے بجائے دس فضلائے دارالعلوم دیوبند کے داخلہ کی تجویز منظور کی گئی ہے، جس کی بنا پر اب تک تربیت یافتہ طلباء کی تعداد تقریباً سو ہو چکی ہے، علاوہ ازیں ردقادیانیت کی مشق وتمرین کے لیے کسی بھی مدرسہ کے کوئی فاضل یا استاذ یا کوئی صاحب دارالعلوم دیوبند آنا چاہتے ہیں تو اہتمام سے اجازت کے بعد اُن کے کھانے پینے کا انتظام دارالعلوم کی جانب سے کیا جاتا ہے؛ تاکہ انہیں مکمل یکسوئی میسر رہے اور مقصد میں کسی قسم کا خلل واقع نہ ہو، اس کے بعد انہیں ردقادیانیت پر

متعینہ کتب کی مشق وتمرین کرائی جاتی ہے، سہ ماہی کورس کرنے والے ان حضرات کی مشق وتمرین کی ذمہ داری مجلس کی ابتدائی آفرینش سے استاذِ محترم حضرت مولانا قاری محمد عثمان صاحب علیہ الرحمہ سرانجام دیتے تھے؛ لیکن ۱۴۱۷ھ ہجری میں جناب مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری مدظلہ العالی کی تقرری ہونے کے بعد زیادہ تر کام حضرت موصوف انجام دینے لگے؛ جب کہ استاذِ محترم قاری صاحب علیہ الرحمہ فضلاء کے مقالات وغیرہ دیکھنے لگے۔

ردقادیانیت پر اہم کتب کی اشاعت وتقسیم

کسی بھی فتنے کی سرکوبی کے لئے سب سے پہلے اس کے اَفکار ونظریات اور اس کی حقیقت سے واقفیت ضروری ہے؛ کیونکہ جب ہم اس کے نظریات وخیالات سے باخبر ہی نہ ہوں گے تو پھر کیسے؟ اور کیوں کر اس کی تردید کرسکیں گے؟ اس لئے کسی بھی فتنہ کی حقیقت سمجھنے اور علی وجہ البصیرت اس پر کام کرنے کے لئے سب سے پہلی ضرورت اس کے رد کی کتابوں کی ہوتی ہے؛ چنانچہ جب صفحۂ ہستی پر فتنۂ قادیانیت کا وجود نامسعود ہوا تو اکابر دارالعلوم دیوبند نے دیگر ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ -جیسا کہ ذکر کیا گیا- عالمی اجلاس کے موقع پر ہی ردقادیانیت کے موضوع پر دس چنیدہ کتابیں طبع کرائیں اور ان کا ایک ایک سیٹ مندوبین اجلاس کو ہدیہ کیا گیا، پھر کتابوں کی طباعت واشاعت کا یہ سلسلہ چل پڑا اور حسبِ ضرورت علاقائی تقاضوں کو سامنے رکھ کر ہینڈبل، پمفلٹ اور آویزاں کرنے والے پوسٹر بھی اردو، ہندی اور انگریزی میں تیار کرائے گئے۔ خاص طور پر جب ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' کو اس بات کی اطلاع موصول ہوئی کہ پرگتی میدان میں دہلی کے ''عالمی کتاب میلے'' میں ہر سال قادیانی بک اسٹال لگاتے ہیں اور مسلمانوں کو دھوکا دینے اور گمراہ کرنے کے لیے قسم قسم کے پمفلٹ تقسیم کرتے ہیں۔

اس اطلاع کے بعد مجلسِ شوریٰ کی ہدایت پر ۲۵رفروری تا ۴رمارچ ۲۰۲۱ عیسوی کو اس کتابی میلے میں ''مکتبہ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے بک اسٹال لگایا گیا، جس پر ''مکتبہ دارالعلوم دیوبند'' کے علاوہ ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت'' اور ''شیخ الہند اکیڈمی'' کی کتابیں رکھی گئیں، جن

میں سے تقریباً ۴۰؍ ہزار روپئے کی کتابیں فروخت ہوئیں۔

نیز اس سے قبل قادیانیوں نے جو مختلف کتابیں اور پمفلٹ شائع کرا کر تقسیم کئے تھے، ان سب کے جوابات اور ردّ پر مشتمل، دوسرے پمفلٹ کثیر تعداد میں تقسیم کئے گئے، اس طرح کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کی جانب سے مطبوعہ کتب و پمفلٹ کی مجموعی تعداد ۲۰۰۶ عیسوی کی رپورٹ کے مطابق ''اُردو زبان'' میں ۴۹، ''ہندی زبان'' میں ۱۷، اور ''انگریزی زبان'' میں ۸ ہے، جن کی مجموعی تعداد ۱۴۷ ہے۔

بڑے دکھ کی بات ہے کہ مجلس تحفظ ختم نبوت کی باگ ڈور سنبھالنے والے، اس کی مذکورہ ذمہ داریوں کے نگراں اور ہم سب کے مشفق و مربی استاذِ محترم جو کہ اپنے آپ میں ایک کارواں تھے، اب اس دنیائے فانی میں نہیں رہے، اللہ تعالیٰ استاذ محترم کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

محسن ملت

مفتی محمد سلیمان ظفر قاسمی فاضل دیوبند وایم اے جامعہ ہمدرد، ہمدرد نگر نئی دہلی

میں فی الوقت حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری علیہ الرحمہ کی مختلف جہتوں کا تذکرہ نہ کر کے حضرت اقدس کی ان خدمات کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں جو میرے اور حضرت اقدس کے درمیان روابط کا سبب بنے، وہ ہے تحریک تحفظ ختم نبوت کے متعلق جس کے حضرت مولانا محمد عثمان منصور پوری ناظم اعلی تھے۔ اس کے تحت آپ نے بہت ساری خدمات انجام دیں، جن کی تفصیلات نائب ناظم تحفظ ختم نبوت حضرت مولانا شاہ عالم گورکھپوری استاذ دار العلوم دیوبند پیش کریں گے۔

دہلی میں تحریک تحفظ ختم نبوت کا آغاز

حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں دہلی میں ہم لوگوں نے دہلی کے جنوبی حلقہ میں اس کا آغاز کیا اور جناب مولانا محمد الیاس قاسمی میواتی ساکن تغلق آباد ایکسٹینشن نئی دہلی کو اس حلقے کا صدر منتخب کیا گیا اور باضابطہ ایک تنظیم قائم کی گئی، جس کا قاری ربیع الحسن صاحب کی سرپرستی میں دکشن پوری مدن گیر نئی دہلی میں دفتر قائم کیا گیا اور آج کل اوکھلا میں یہ تحریک تحفظ ختم نبوت قاری محمد عارف صاحب امام مسجد اصلاح کی زیر سرپرستی جاری ہے۔

محسن ملت حضرت اقدس قاری محمد عثمان منصور پوری علیہ الرحمہ انتہائی سادہ اور پرخلوص

انسان تھے، تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں ایک مرتبہ ایک بڑا اجلاس ہمارے حلقہ تعلق آباد میں ہوا، جس میں حضرت اقدس بحیثیت مہمان خصوصی شریک تھے، رات کافی دیر تک اجلاس کا پروگرام چلا اگرچہ آپ کا دفتر جمعیۃ علماء ہند I.T.O. پر تھا، رات کافی دیر ہوگئی تھی، میں نے حضرت اقدس سے گزارش کی رات کافی گزر چکی ہے؛ اس لیے حضرت اقدس آج رات میری رہائش گاہ ہمدرد نگر میں ہی قیام فرمائیں، حضرت اقدس نے میری اس گزارش کو نہ صرف قبول فرمایا؛ بلکہ نہایت بشاشت کے ساتھ میرے گھر قیام فرمایا اور ناشتہ سے فارغ ہونے کے بعد رخصت ہوئے۔

تحفظ ختم نبوت کے تحت جو خدمات آپ نے انجام دیں میں اس کا کچھ تذکرہ یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں غالباً ۲۰۰۱ء میں لندن میں مرزا طاہر قادیانی نے احمدیت پر اجلاس صد سالہ کا اعلان کیا اور ہندوستان آکر اپنی اس باطل تحریک کو فروغ دینے کے لیے نئی دہلی میں ایک پریس کانفرنس کا اعلان کیا، جس میں اس وقت کے صدر جمہوریہ ہند سردار گیانی ذیل سنگھ کو مدعو کیا گیا وہ دعوت نامہ ہمارے ادارے جامعہ ہمدرد میں بھی ہمیں موصول ہوا تو اس سلسلے میں حضرت اقدس سے باہمی مشورے کے بعد فوری کارروائی کی گئی۔ فدائے ملت حضرت مولانا اسعد مدنی قدس سرہ صدر جمعیۃ علمائے ہند سے حضرت اقدس نے رابطہ کیا۔ آپ کی اس رائے کو فدائے ملت نے پسند فرمایا اور صدر جمہوریہ ہند کو حضرت فدائے ملت نے صاف الفاظ میں واضح کیا کہ قادیانیت ایک باطل تحریک ہے، جس میں آپ کی شرکت تمام ملت اسلامیہ ہند کو ناپسند ہے؛ چنانچہ اس پریس کانفرنس کو ناکام بنا دیا گیا۔

اس کے بعد ہم لوگوں نے محسن ملت حضرت اقدس مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری کی زیر سرپرستی دہلی میں تمام ائمہ مساجد اور علما دیوبند پر مشتمل تحریک تحفظ ختم نبوت کی مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند شاخ دہلی کا آغاز کیا اور پھر حضرت اقدس علیہ الرحمہ نے دارالعلوم دیوبند سے ایک مبلغ کو باضابطہ طور پر کام کرنے کے لیے مقرر فرمایا اور انہوں نے ایک عرصہ تک اس

علاقہ میں اصلاحی خدمات انجام دیں۔

خاندانی روابط

محسن ملت حضرت مولانا محمد عثمان منصور پوری علیہ الرحمہ سے دیرینہ خاندانی روابط رہے ہیں۔ جب والد محترم شیخ التفسیر حضرت مولانا سید حسن دیوبندی علیہ الرحمہ کا ۱۹۶۱ء میں وصال ہوا ہم چھ بہن بھائی بہت چھوٹے اور بالکل بے سہارا ہو گئے تھے برادر محترم حضرت مولانا شاہد حسن قاسمی علیہ الرحمہ استاذ دارالعلوم دیوبند تعلیم کے آخری مرحلے میں تھے اور والد محترم کے وصال کے چھ ماہ بعد فراغت ہوئی اس وقت ہماری پوری فیملی بہت مشکلات میں تھی۔

میں بھی بہت چھوٹا تھا؛ لیکن مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے بڑے بھائی مولانا شاہد حسن قاسمی اپنی نوکری کی درخواست لے کر قاری محمد عثمان منصور پوری صاحب کے پاس خانجہاں پور منصور پور ضلع مظفر نگر چلے گئے اور قاری صاحب کے نانا حضرت مولانا محمد حسن علیہ الرحمہ جو دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے ممبر تھے۔ اس لیے حضرت علیہ الرحمہ کی سفارش پر ہمارے بڑے بھائی کو دارالعلوم دیوبند میں خدمت تدریس کے لیے مامور کیا گیا، جس کی وجہ سے ہمارے گھرانہ پر حضرت قاری صاحب علیہ الرحمہ کے والد صاحب کا احسان عظیم ہے اور اس کے لیے ہم سب آج بھی دل سے دعا گو ہیں۔ خدا آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ خاص طور پر آپ کے دو فرزندگان حضرت مولانا محمد سلمان منصور پوری استاذ حدیث جامعہ قاسمیہ شاہی مرادآباد اور حضرت مولانا مفتی محمد عفان منصور پوری استاذ حدیث مدرسہ عربیہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ سے ملت اسلامیہ کی رہنمائی اور عظیم خدمات کا موقع عطا فرمائے۔

ملی خدمات

اَمیر الہند رابع وصدر جمعیۃ علماء ہند

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری

مولانا حکیم الدین قاسمی ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد

غالباً ۱۹۸۲ء-۱۹۸۳ء میں راقم مدرسہ نور العلوم ہر ہر پور پرتاپ گڈھ میں درجہ سوم کا طالب علم تھا۔ اس مدرسہ میں حضرت مولانا محمد حسین صاحب - جو علامہ بہاریؒ کے نام سے مشہور تھے- امتحان لینے تشریف لایا کرتے تھے۔ ان کے ضعیف ہوجانے کے بعد امیر الہند رابع، دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث، حضرت مولانا سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہ تشریف لانے لگے اور یہی وہ پہلا موقع تھا، جب ناچیز حضرت امیر الہند محترمؒ سے آشنا ہوا۔ امتحان سے حضرت سے رشتہ جڑا، پھر یہ رشتہ شاگردی میں تبدیل ہوا۔ بعد ازاں ہم درس بھی ہوئے؛ لیکن جو رشتہ زندگی کی آخری سانس تک جاری رہا؛ وہ ایک شفیق استاذ، مخلص مربی اور ہمدرد میر کارواں کی حیثیت سے رہا۔

ہر طالب علم کی طرح ناچیز کی خواہش بھی یہی تھی کہ دارالعلوم دیوبند، تعلیم کے حصول کی آخری منزل ہو۔ چنانچہ فضل الٰہی سے دارالعلوم نے اپنی آغوش تربیت میں جگہ دی۔ ناچیز تعلیم کے ساتھ ساتھ انجمن کی سرگرمیوں میں بھی بڑے ذوق وشوق کے ساتھ حصہ لیا کرتا تھا۔ ضلع پرتاپ گڑھ کی انجمن ''ندائے اسلام'' تھی۔ اس کے نگراں وسرپرست حضرت امیر محترم کی ہی

ذات گرامی قدر تھی۔ حضرت نہ صرف طلبہ کے تحریری وتقریری ذوق کی نگرانی فرمایا کرتے تھے؛ بلکہ تعلیمی واخلاقی تربیت پر بھی خصوصی توجہ فرمایا کرتے تھے اور راقم کی یہ خوش نصیبی ہی ہے کہ اس خصوصی توجہ میں ناچیز کا نام بھی شامل رہا ہے۔

ضلعی حدود سے آزاد، دارالعلوم دیوبند کی ایک بڑی انجمن ''بزم شیخ الاسلام'' ہے، جسے ''مدنی دارالمطالعہ'' بھی کہا جاتا ہے۔ جن دنوں اس انجمن کے صدر حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصور پوری ہوا کرتے تھے؛ انھیں دنوں راقم سکریٹری تھا۔ حضرت امیر الہندؒ اس انجمن کے سرپرست تھے، جس کے باعث اس کی سرگرمیوں پر خصوصی نظر رکھتے تھے۔ اس کے اکثر پروگراموں کی صدارت فرمایا کرتے تھے۔ چوں کہ راقم سکریٹری تھا، اس لیے دارالمطالعہ کے امور میں مشاورت ورہ نمائی کے لیے حضرت کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہوتا رہتا تھا۔

تعلیمی مراحل میں جب ناچیز 1989 میں دورہ حدیث شریف میں پہنچا، تو حضرت امیر الہندؒ ہمارے استاذ ہونے کے ساتھ ساتھ نسائی شریف میں ہم درس بھی ہوگئے۔ واقعہ یہ ہوا کہ نماز ظہر کے بعد پانچویں گھنٹہ میں ہم لوگوں کو، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نوراللہ مرقدہ نسائی شریف پڑھایا کرتے تھے، حضرت کے اس درس میں حضرت امیر الہندؒ کے علاوہ، حضرت مولانا ابراہیم صاحب پانڈور اور حضرت مولانا مفتی محمد سلمان صاحب منصوری پوری دامت برکاتہم بھی شرکت کیا کرتے تھے۔

1989 میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہوگئی۔ انھیں دنوں بھاگلپور بہار میں ہندو مسلم فسادات ہوگئے، تو حضرت مولانا سید محمد ارشد مدنی صاحب استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے مشورے سے حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنی نوراللہ مرقدہ سابق صدر جمعیت علمائے ہند نے مولانا معین الدین صاحب بھاگلپوری، محرر دارالعلوم دیوبند کے ہمراہ ناچیز کو بھی بھاگلپور بھیجا اور لٹے کٹے مسلمانوں کی بازآبادکاری کے کاموں میں مصروف عمل ہوگیا۔ ناچیز نے اکابر کے اعتماد پر پورا اترنے کی حتیٰ الامکان کوشش کی۔ چنانچہ 10/جون 1990 میں فدائے

ملت نور اللہ مرقدہ کے حکم سے، بحیثیت آرگنائزر جمعیت علمائے ہند سے عملی طور پر وابستہ ہوا۔ جمعیت علمائے ہند کے سفر وحضر میں بالعموم حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہ کی معیت اور خدمت کا شرف حاصل رہا۔اس وقت حضرت مولانا محمد اسرار الحق قاسمی صاحب نور اللہ مرقدہ جنرل سکریٹری اور حضرت مولانا اسجد مدنی صاحب ناظم دفتر تھے۔

26/جنوری 2001 کو کچھ گجرات میں تاریخ انسانی کا بھیانک زلزلہ آیا۔ابھی لوگ اس سے ابھر بھی نہ پائے تھے کہ اس کے محض ایک سال بعد ہی انسانیت سوز فرقہ وارانہ فسادات ہوئے، جس میں متاثرین کی راحت رسانی، باز آباد کاری اور خدمت انسانیت کے لیے قائد جمعیت حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب صدر جمعیت علمائے ہند- جو اس وقت جمعیت علمائے ہند کے ناظم عمومی تھے- کی سرکردگی میں جو حضرات منتخب کیے گئے، ان میں ناچیز کا نام بھی شامل تھا۔اسی موقع پر فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ نے راقم کو جمعیت علمائے ہند کا ناظم نامزد فرمایا۔

بعد ازاں 6/ مارچ 2008 کو جب حضرت امیر الہند، جمعیت علمائے ہند کے صدر نامزد کیے گئے، تو اس کے دو دن کے بعد، یعنی 8/ مارچ 2008 کو حضرت محترم نے مجلس عاملہ کے مشورہ سے ناچیز کو ناظم عمومی نامزد فرمایا۔

جمعیت علمائے ہند میں ناظم عمومی کا عہدہ بڑی ذمہ داری اور اعتماد کا عہدہ ہوتا ہے۔ اراکین عاملہ کے ساتھ حضرت مرحوم کے اعتماد پر راقم نے پورا اور کھرا اترنے کی کوشش کی۔ چنانچہ حضرتؒ کے دور صدارت میں دیوبند اور دہلی میں ہوئی امن عالم کانفرنس ہو، یا دہشت گردی مخالف اجلاس، یا پھر قوم وملت کے دوسرے اہم سلگتے مسائل؛ ہر قدم پر حضرت مرحوم کے منشا کے مطابق خدمات انجام دینے کی کوشش کی۔ دہلی فسادات (23/ فروری تا 29 فروری 2020) کے بعد جب جمعیت علمائے ہند نے فساد متاثرین کی باز آبادکاری کرتے ہوئے دکان، مکان اور مساجد کی مرمت وتعمیر کرائی، تو حضرت خصوصی طور پر متاثرہ علاقوں میں

تشریف لے گئے اور درجنوں مکانات ومساجد کا افتتاح فرمایا۔ ان موقعوں پر حضرت نے ہمیشہ ناچیز کو یاد فرمایا؛ بلکہ ایک دفعہ افتتاحی پروگرام رکھ دیا گیا؛ لیکن کسی ضروری کام کی وجہ سے مقررہ تاریخ میں شرکت نہ کرسکنے کا عذر سامنے آیا، تو حضرت نے ناچیز کی شرکت کو یقینی بنانے کے لیے پروگرام کو ہی ملتوی کردیا اور دوسری تاریخ میں پروگرام رکھوایا۔

حضرت مرحوم ہمیشہ راقم کے ساتھ شفقت ومحبت اور خصوصی تعلق کا معاملہ فرمایا کرتے تھے۔ پچھلے دنوں لاک ڈاون کے عرصے میں ناچیز بیمار ہوا، تو میری صحت کے تعلق سے بہت فکر مند رہا کرتے تھے اور بار بار بذریعہ فون طبیعت کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے خصوصی دعاوں سے نوازا کرتے تھے۔

حضرت مولانا معزالدین احمد صاحب قاسمی گونڈویؒ (1961-13/ستمبر 2020) کے انتقال کے بعد حضرت نے ناچیز کو رویت ہلال کمیٹی امارت شرعیہ ہند کا سکریٹری نامزد فرمایا، جو حضرت کے حسن اعتماد کا عملی مظہر تھا۔

پھر قدرت کا فیصلہ یہ ہوا کہ 21/مئی 2021 کو حضرت صدر محترم اللہ کو پیارے ہوگئے۔ جس کے بعد 27/مئی 2021 کو مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں ناظم عمومی جمعیت علمائے ہند حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صاحب دامت برکاتہم کو صدر منتخب کیا گیا اور ناچیز کو ان کی جگہ ناظم عمومی بنایا گیا۔ اس ذمہ داری کو قبول کرتے ہوئے حضرت صدر محترم بہت یاد آئے اور یوں محسوس ہوا جیسے کہ ابھی ابھی یتیم ہوئے بچے کو اچانک گھر کی مکمل ذمہ داری سونپ دی جائے۔ چوں کہ قانون فطرت یہی ہے کہ رضائے مولیٰ برہمہ اولیٰ ہوتا ہے، اس لیے ہم بھی حضرت کی وفات کے خدائی فیصلہ پر صبر کی تلقین کرتے ہوئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت صدر محترم کی بال بال مغفرت فرمائے اور ہم سبھی پسماندگان کو صبر جمیل بخشے، آمین۔

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ کا

عہد صدارت

(۲۰۰۸ء تا ۲۰۲۱ء)

مولانا عظیم اللہ صدیقی شعبۂ نشر و اِشاعت جمعیۃ علماء ہند

○ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نوراللہ مرقدہ ٦/مارچ ۲۰۰۸ء کو جمعیۃ علماء ہند کے عبوری صدر منتخب ہوئے۔ ۵/اپریل ۲۰۰۸ء کو اجلاس مجلس منتظمہ میں آپ کو مستقل صدر منتخب کیا گیا۔

○ آپ جمعیۃ علماء ہند کے آٹھویں صدر تھے، آپ کل ۱۳/سال ۲/ماہ ۱۵/دن جمعیۃ علماء ہند کے صدر رہے۔ مدت کے اعتبار سے حضرت مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ صاحبؒ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور فدائے ملت مولانا اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کے بعد چوتھے طویل المیعاد صدر ہیں۔

○ آپ کے صدر منتخب ہونے کے وقت جمعیۃ علماء ہند کے درج ذیل شعبے تھے:

(۱) اصلاحِ معاشرہ (۲) مرکزِ دعوتِ اسلام (۳) الجمعیۃ بک ڈپو (۴) ہفت روزہ الجمعیۃ و شانتی مشن (۵) اصلاح المسلمین (٦) کمپیوٹر سینٹر (۷) وظائفِ بیوگان (۸) اسکالر شپ برائے پروفیشنل تعلیم (۹) محمودیہ لائبریری (۱۰) شعبۂ نشر و اشاعت (۱۱) مسلم سکریٹریٹ

(۱۲) ادارہ المباحث الفقہیہ (۱۳) دینی تعلیمی بورڈ (۱۴) ریلیف فنڈ (۱۵) شعبۂ اکاؤنٹ (۱۶) شعبۂ مراسلات (۱۷) شعبۂ تنظیم (۱۸) جمعیۃ چلڈرن ویلیج انجار۔

- دیگر منسلک تنظیمیں: (۱) مسلم ٹرسٹ فنڈ دیوبند (۲) امارتِ شرعیہ ہند
- آپ کے دورِ صدارت میں مذکورہ بالا شعبے فعال تھے، تاہم درج ذیل شعبے کسی نہ کسی وجہ سے غیر متحرک تھے، جن کا آپ کے دورِ صدارت میں دوبارہ احیا ہوا۔

(۱) مرکزی دینی تعلیمی بورڈ جمعیۃ علماء ہند (۲) ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند (۳) شعبۂ دعوتِ اسلام جمعیۃ علماء ہند

مرکزی دینی تعلیمی بورڈ جمعیۃ علماء ہند

دورِ صدارت سے قبل

مرکز کی طرف سے محض 160 مکاتب

مقامی جمعیتوں کے زیر اہتمام دس ہزار مکاتب

دورِ صدارت کے بعد

- ۲۰۱۱ء مرکزی دینی تعلیمی بورڈ کا احیا، صدر اور ناظمِ عمومی کا انتخاب
- مرکز کے زیر اہتمام 268 مکاتب
- مقامی یونٹوں کے ذریعہ 24915 مکاتب
- ضلعی و صوبائی یونٹوں کا قیام
- پرائمری کلاسوں کے لیے جدید نصابِ تعلیم
- جونیئر سیکنڈری کلاس کا جدید نصابِ تعلیم
- تعلیمِ بالغان کے لیے بنیادی کورس
- ہر سال دس روزہ دینی تعلیمی بیداری مہم
- مکاتب کے اساتذہ کی ٹریننگ

ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند

صدارت سے قبل

حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے دورِ صدارت میں ۱۹۹۱ء تا ۲۰۰۵ء اس کے تحت کل آٹھ فقہی اجتماعات ہوئے، ان کے وصال کے بعد یہ سلسلہ رک گیا۔

صدارت کے بعد

۲۰۱۳ء میں حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصوپوری صاحب کے دورۂ صدارت میں اس کا احیاء ہوا، اس کے بعد آٹھ سالوں میں مزید آٹھ فقہی اجتماعات منعقد ہوئے، اس طرح اہم موضوعات پر کل ۱۶؍فقہی اجتماعات منعقد ہوئے ہیں۔

شعبۂ دعوتِ اسلام جمعیۃ علماء ہند

صدارت سے قبل

یہ شعبہ بالکلیہ طور سے غیر فعال تھا۔

صدارت کے بعد

۲۰۱۳ء میں اس شعبہ کو دوبارہ فعال کیا گیا اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث مفتی محمد راشد اعظمی صاحب کو اس کا کنوینر بنایا گیا، اس کے بعد ''اسلام کا تصورِ امانت اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' مصنفہ مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھیؒ، ''انجام گداگری'' مصنفہ مولانا مناظر احسن گیلانیؒ، ''ہماری دعاء کیسے قبول ہو؟'' وغیرہ شائع ہوئی ہیں۔

شعبۂ ریلیف جمعیۃ علماء ہند

صدارت سے قبل

یہ پہلے بھی فعال تھا، تاہم آپ کے دورِ صدارت میں باضابطہ علیحدہ فنڈ قائم کیا اور بہت

سارے ریلیف کے کام ہوئے۔

صدارت کے بعد

اس کام کے لیے باضابطہ جمعیۃ ریلیف فنڈ کے نام سے علیحدہ فنڈ قائم کیا گیا، اس کے تحت درج ذیل آفات اور فسادات کے موقع پر خدمات انجام دی گئیں

(۱) بہار سیلاب ۲۰۰۸ء

(۲) آسام بوڈو فساد ۲۰۱۲ء

(۳) مظفر نگر فساد ۲۰۱۳ء

(۴) کشمیر بارانی سیلاب ۲۰۱۴ء

(۵) چنئی بارانی سیلاب ۲۰۱۵ء

(۶) بہار سیلاب ۲۰۱۷ء

(۸) کیرل سیلاب ۲۰۱۸ء

(۹) دہلی فساد ۲۰۱۹ء۔۲۰۲۰

- ان کے دورِ صدارت میں درج ذیل شعبوں کا اضافہ ہوا:

(۱) جمعیۃ یوتھ کلب جمعیۃ علماء ہند

۲۰۱۳ء میں اس کا قیام عمل میں آیا۔

اب تک:

383 کیمپوں کا انعقاد

17836 افراد نے تربیت حاصل کی

86 افراد گورنر ایوارڈ سے سرفراز ہوے

(۲) جمعیۃ اوپن اسکول

۲۰۲۰ء میں قیام عمل میں آیا

اب تک:

200 مدرسے جمعیۃ اوپن اسکول کے پینل میں شامل ہوئے۔

3500 طلبہ نے جمعیۃ اوپن اسکول کے داخلے میں شرکت کی۔

200 اساتذہ کو اعظم کیمپس پونے میں ٹریننگ دی گئی۔

(۳) جمعیۃ سد بھاوٴنا منچ

مسلم اور غیر مسلم طبقے کے بااثر افراد کو ایک منچ پر لانے کے لیے جمعیۃ علماء ہند نے ۲۰۱۹ء میں جمعیۃ سد بھاونا منچ قائم کیا۔

(۴) جمعیۃ لیگل سیل

۲۰۱۶ء میں دفتر میں باضابطہ ایک شعبہ قائم کیا گیا، جس کے تحت ایڈوکیٹ محمد نور اللہ لوگوں کے مقدمات کی پیروی کرتے ہیں۔

دورِ صدارت کی چند اہم تحریکات

دہشت گردی مخالف کانفرنسیں

۲۰۰۸ء میں دارالعلوم دیوبند سے دہشت گردی کے خلاف فتوی حاصل کیا گیا، اس کے بعد پورے ملک میں دوسو سے زائد دہشت گردی مخالف کانفرنسیں منعقد ہوئیں۔ ۳۱ر مئی ۲۰۰۸ء کو صدارت کے قریب دو ماہ بعد دہلی میں تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی۔

۲۰۱۳ء میں دیوبند اور دہلی میں سارک ممالک کے علماء کو مدعو کیا گیا اور اس موقع پر امنِ عالم کانفرنس منعقد ہوئی۔

رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ ۲۰۰۹ء سے متعلق تحریک

رائٹ ٹو ایجوکیشن ایکٹ ۲۰۰۹ء کی وجہ سے دینی مدارس زد میں آرہے تھے، اس لیے

اس سے متعلق دہلی میں اگست ۲۰۱۰ء میں ایک تاریخی کانفرنس منعقد ہوئی، اس میں اس وقت کے وزیر تعلیم جناب کپل سبل خود شریک ہوے اور جمعیۃ علماء ہند کی تجویز کو قبول کرتے ہوے مدارس اور دھارمک پاٹھ شالاؤں کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا۔

مسلمانوں کیلئے ریزرویشن اور انسدادِ فرقہ وارنہ فساد بل کی تحریک

یہ جمعیۃ علماء ہند کی قدیم تحریک ہے، اس کو لے کر ۲۰۱۱ء میں ملک وملت بچاؤ تحریک چلائی گئی، ملک کے وزیر اعظم سے متعدد بار ملاقات کی گئی، اس کا خاطر خواہ اثر ہوا، آندھرا پردیش وغیرہ چند ریاستوں میں مسلمانوں کو ریزرویشن دیا گیا، اسی طرح یو پی اے سرکار نے انسدادِ فساد کے لیے ۲۰۱۳ء میں بل پارلیامنٹ میں پیش کیا، لیکن بی جے پی کی ہرزہ سرائی کی وجہ سے یہ بل آگے نہیں پیش ہوا۔

دلت اور مسلم کھان پان

یہ تحریک حضرت فدائے ملتؒ کے دور میں چلی تھی، بعد میں موقوف ہوگئی۔ ۲۰۱۶ء میں اسے دوبارہ زندہ کیا گیا، اس کے تحت لکھنو اور دہلی میں کانفرنس اور مجلسیں منعقد ہوئیں۔

مسلمانوں کے مختلف طبقات کو متحد کرنے کی کوشش

۲۰۱۶ء میں اجمیر شریف میں جمعیۃ علماء ہند کا اجلاسِ عام منعقد ہوا، جہاں مسلمانوں کے سبھی مسالک کے لوگ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوے، اس کے بعد سال ۲۰۱۷ء میں عظمتِ اولیاء کانفرنس منعقد ہوئیں، جن کی وجہ سے مسلمانوں کے دونوں بڑے طبقوں میں دوری ایک حد تک کم ہوئی۔

دہشت گردی کے نام پر گرفتار مسلم نوجوانوں کی پیروی

اس کے تحت ہر سال ایک سو پچاس سے زیادہ مقدمات کی جمعیۃ علماء ہند اور اس کی ریاستی شاخ جمعیۃ علماء مہاراشٹر مقدمہ لڑتی ہے۔

❍❖❍

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری اور

جمیۃ علماء ہند

مولانا محمد یاسین جہازی شعبہ تصنیف وتالیف جمعیت علمائے ہند

راقم کا شمار ان بدنصیب لوگوں میں کرنا خلاف واقعہ نہیں ہوگا، جنھوں نے بزرگوں کا زمانہ تو پایا، ان کی خصوصیات و امتیازات سے آگاہی بھی پائی؛ لیکن ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے کے بجائے تشنہ کام ہی رہا۔ ناچیز کو یہ یاد نہیں ہے کہ امیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہ سابق صدر جمعیت علمائے ہند و استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند کا پہلا دیدار کب ہوا۔ شاید دارالعلوم دیوبند کے زمانۂ طالب علمی میں طلبہ کی انجمنوں کے پروگراموں میں حضرت کا پہلا دیدار کیا۔ دارالعلوم دیوبند کی انجمنیں در اصل طلبہ کے ذوقِ تحریر و تقریر کو جلا بخشنے اور انتظامی امور کی تربیت کا بنیادی زینہ سمجھی جاتی ہیں، اس لیے حضرت اس حوالے سے طلبہ کی تعمیر و تربیت کے لیے خصوصی امتیاز رکھتے تھے۔

حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہ سے شاگردی کا پہلا رشتہ 2004 میں قائم ہوا، جب ناچیز دارالعلوم دیوبند میں مولویت کے سال ہفتم میں پہنچا۔ بعد ازاں دورۂ حدیث شریف میں مؤطا امام مالکؒ حضرت سے پڑھی۔ درجہ ہفتم کے سال میں ناچیز کا کراٹا فائٹ شو میں دایاں ہاتھ فیچکر ہو گیا تھا، جس کے باعث تقریباً چالیس پینتالیس دن درس گاہ میں حاضری نہیں دے سکا تھا۔ ساتھ ہی یہ غلطی ہوگئی تھی کہ بیماری کے لیے رخصت کی درخواست نہیں دی تھی، جس کا

نقصان یہ ہوا کہ غیر حاضریاں سو سے متجاوز ہونے کی وجہ سے شعبہ اہتمام نے اگلے سال کی ترقی روک دی تھی؛ لیکن چوں کہ سالانہ امتحان میں نمبرات اچھے تھے، اس لیے ترقی کے لیے یہ شرط لگادی گئی کہ کسی استاذ سے یہ سفارش کرالیں کہ میں اگلے سال درس میں پابندی سے حاضری دوں گا اور استاذ کی نگرانی میں رہوں گا۔ اس سفارش کے لیے راقم کئی مؤقر اساتذہ کی خدمت میں حاضر ہوا؛ لیکن سفارش حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ بالآخر حضرت امیر الہند مرحوم کی خدمت میں بھی حاضر ہوا۔ حضرت نے پہلا سوال یہی کیا کہ کیا تم میرے شاگرد ہو؟ ناچیز کا جواب ہاں میں تھا، لیکن چوں کہ زمانۂ طالب علمی میں راقم کسی استاذ محترم کی زیر تربیت رہنے کا مزاج نہیں رکھتا تھا، اس لیے شاید حضرت نے اس کمزوری کو بھانپتے ہوئے سفارش کرنے سے منع کر دیا اور اس طرح سے حضرت سے قربت اور ان کے منفرد اندازِ تربیت سے فائدہ اٹھانے کا حسین موقع ناچیز نے گنوادیا، جس کا آج شدت سے احساس ہو رہا ہے۔

جب اگست 2009 میں راقم جمعیت علمائے ہند سے عملی طور پر وابستہ ہوا، تو حضرت اس کے صدر محترم تھے۔ ابتدائی دنوں میں شعبۂ نشر و اشاعت میں معاون کار رہا۔ بعد ازاں مباحث فقہیہ میں معاونت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اس کے بعد تصنیف و تالیف کا شعبہ ''مرکز دعوت اسلام'' سے وابستہ ہوا۔ حضرت اس شعبہ سے خصوصی دل چسپی لیتے تھے اور راقم سے وقتاً فوقتاً رپورٹ طلب فرمایا کرتے تھے اور خصوصی رہ نمائی سے نوازا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت اچانک دفتر میں تشریف لائے، کاموں کا جائزہ لیا اور رپورٹ طلب کی۔ ناچیز نے اپنی کارکردگی پیش کی، تو مسرت کا اظہار فرمایا اور خوب دعاؤں سے نوازا۔

حضرت امیر الہند ناچیز کے وطن میں

13/ ذی الحجہ 1437ھ مطابق 16/ ستمبر 2016ء بروز جمعہ حضرت امیر الہندؒ اور حضرت مولانا حکیم الدین صاحب قاسمی حالیہ جنرل سکریٹری جمعیت علمائے ہند، ضلع بھاگلپور بہار میں واقع کروڈیہہ تشریف لائے۔ یہ وہی گاؤں ہے جو 1989ء کے بھاگل پور فساد میں

جمعیت علمائے ہند کا امدادی مرکز تھا اور فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ بارہا حالات کے جائزہ کے لیے تشریف لائے اور حضرت مولانا حکیم الدین صاحب قاسمی تقریباً تین مہینے تک یہاں رہ کر ریلیف اور بازآبادکاری کا کام انجام دیتے رہے۔ حضرت فدائے ملتؒ کے میزبان حضرت قاری صالح صاحب نور اللہ مرقدہ ہوا کرتے تھے، جو حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ تھے۔ جن کا 5/اگست 2016 بروز جمعرات انتقال ہو گیا تھا۔ حضرات اکابرین کا یہ سفر حضرت قاری صالح صاحب نور اللہ مرقدہ کی تعزیت اور ان کے صاحب زادہ حضرت مولانا مصلح الدین صاحب استاذ مدرسہ حسینیہ لال دروازہ جونپور یوپی کی صاحب زادی کا نکاح پڑھانے کے لیے تھا۔ حضرات اکابر کے یہاں قدم رنجہ فرماتے ہی اس سفر کے اصل میزبان حضرت قاری صاحبؒ کے صاحب زادگان؛ بطور خاص حضرت مولانا مصلح الدین صاحب دامت برکاتہم، حضرت مولانا فہیم الدین، مولانا بہاء الدین، عظیم الدین اور حافظ حارث صاحبان نے ان کی شایانِ شان استقبال کیا۔

بندہ ناچیز کو جب اس علاقے میں ان دونوں بزرگوں کی آمد کی خبر معلوم ہوئی، تو مسرت کی انتہا نہ رہی اور یہ طے کیا کہ ان کی مبارک آمد کو یادگار بنایا جائے۔ چنانچہ اس کے لیے کوشش کی گئی اور راقم کے گاوں جہاز قطعہ گڈا جھارکھنڈ میں ایک عظیم الشان استقبالیہ اجلاسِ عام کا اعلان کر دیا گیا اور اس کے لیے زور و شور سے تیاری شروع کر دی گئی۔ جس میں علاقے کے سبھی مدارس کے ذمہ داران، ائمہ کرام اور مؤذنین حضرات کو خصوصی دعوت دی گئی۔

ان دونوں معزز مہمانوں کی کروڈیہہ پہنچے کی اطلاع ملتے ہی دار العلوم دیوبند کے صدر شعبہ خطاطی حضرت مولانا قاری عبد الجبار صاحب قاسمی، شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا مظہر الحق صاحب قاسمیؒ اور ناچیز ان حضرات کی خدمت میں کروڈیہہ حاضر ہوا اور اجلاس میں تشریف آوری کی درخواست پیش کی؛ لیکن ہماری بدقسمتی کہیے کہ حضرت امیر الہندؒ سفر کی تھکن کی وجہ سے کافی کمزوری محسوس کر رہے تھے اور ساتھ ہی طبیعت بھی علیل ہو گئی تھی، اس لیے حضرت ارادہ

کر لینے کے باوجود اجلاس میں شرکت نہیں فرما سکے، البتہ حضرت مولانا حکیم الدین صاحب قاسمی نے شرکت فرمائی اور تقریباً دو گھنٹے کے خطاب سے اہل جہاز قطعہ کو مستفیض فرمایا۔

اجلاس کی صبح حضرت مولانا حکیم الدین صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی معیت میں راقم بدلو چک پہنچا، جہاں حضرت امیر الہندؒ مقیم تھے۔ شادی کا ایک پروگرام طے تھا، جس میں حضرت امیر الہندؒ نے مولانا ابوطلحہ صاحب قاسمی کا نکاح پڑھایا اور ظہرانہ تناول کرنے کے بعد تقریباً بیس آدمیوں پر مشتمل ایک قافلہ کے ساتھ مولانا داود صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ- جو حضرت فدائے ملت نور اللہ مرقدہ کے مجاز بیعت تھے- کے اہلِ خانہ سے تعزیت کے لیے سنہولی تشریف لائے۔ یہاں ان کے اہلِ خانہ سے تعزیت کرتے ہوے جانشین فدائے ملت حضرت مولانا سید محمود اسعد مدنی صاحب کا مکتوب تعزیت نامہ دیا گیا اور حمد و نعت کے بعد حضرت امیر الہندؒ کا پر مغز خطاب ہوا۔ اس میں انھوں نے روح کی حقیقت، موت کی صداقت اور اعمال کے حسن و قبح کی بنیاد پر مردگان کے ساتھ معاملہ پر جامع و سیر حاصل کلام کیا۔ حضرت کی تقریر کے دوران شاید ہی کوئی ایسی آنکھ ہو، جس سے آنسو نہ چھلکے ہوں اور شاید ہی کوئی ایسا دل ہو، جس پر بے قراری کی کیفیت طاری نہ ہوئی ہو۔ پھر یہاں سے یہ قافلہ چمپا نگر بھاگلپور پہنچا، جہاں حضرت امیر الہندؒ کے ساتھی حضرت مولانا ظہیر صاحب کے یہاں قیام و طعام ہوا۔

اگلے دن صبح یعنی 18 ستمبر 2016 کو وکرم شلا سے دہلی کے لیے روانہ ہوگئے۔ اس سفر میں ناچیز حتیٰ المقدور حضرت امیر الہندؒ کے ہم رکاب رہا؛ لیکن افسوس یہ ہے کہ شاید یہ سفر ہمارے علاقے کے لیے حضرت کا آخری سفر ثابت ہوا۔ اس کے بعد دوبارہ آپ اس علاقے میں تشریف نہ لا سکے اور یہ خطہ آپ کی آمد سے جن انوار و برکات سے مستفیض ہوا کرتا تھا، اس سے ہمیشہ کے لیے محرومی مقدر ہوگئی۔

حضرت امیر الہند اور جمعیت علمائے ہند

امیر الہند حضرت مولانا سید قاری محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہ 13-12 اکتوبر

1996 میں جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا مدعو خصوصی بنائے گئے۔ 7/مارچ 2002 میں مجلس عاملہ کے رکن منتخب ہوئے۔ ان دنوں کبھی آپ رکن عاملہ اور کبھی مدعو خصوصی کی حیثیت سے جمعیت کی میٹنگوں میں شرکت کرتے رہے۔ 6/مارچ 2008 کو جمعیت علمائے ہند کے عبوری صدر منتخب کیے گئے۔ 30/دسمبر 2010 کو چوتھے امیر الہند کے طور پر آپ کا انتخاب عمل میں آیا۔ آپ نے پچاس مجلس عاملہ کے اجلاس، آٹھ منتظمہ کے اجلاس اور پانچ اجلاس عام کی صدارت فرمائی۔ جن اجلاس ہائے عاملہ کی صدارت کی، اس کی فہرست درج ذیل ہے:

1	5/اپریل 2008	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
2	10/مئی 2008	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
3	31/مئی 2008	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
4	یکم جولائی 2008	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
5	26/اگست 2008	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
6	8/نومبر 2008	بمقام مدرسہ کنز العلوم شاہین نگر حیدر آباد
7	30/دسمبر 2008	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
8	13-14/فروری 2009	بمقام بالواس انٹرنیشنل ہوٹل ممبئی
9	10/جولائی 2009	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
10	31/اکتوبر و یکم نومبر 2009	بمقام شیخ الہند ہال دیوبند
11	8/جنوری 2010	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
12	8/اپریل 2010	بمقام برکت اللہ پبلک اسکول گاندھی نگر بھوپال
13	5/جولائی 2010	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
14	19/ستمبر 2010	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
15	19/اکتوبر 2010	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند

16	29/دسمبر 2010	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
17	5-6/مارچ 2011	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
18	21-22/جولائی 2011	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
19	14-15/اکتوبر 2011	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
20	27/فرروری 2012	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
21	17 مئی 2012	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
22	28/اگست 2012	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
23	12/دسمبر 2012	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
24	15/اپریل 2013	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
25	29/اگست 2013	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
26	18-19/نومبر 2013	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
27	یکم مارچ 2014	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
28	24/مئی 2014	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
29	19/نومبر 2014	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
30	14-15/مئی 2015	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
31	22/جولائی 2015	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
32	12/نومبر 2015	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
33	18-19/فروری 2016	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
34	23/مئی 2016	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
35	28/ستمبر 2016	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
36	11/نومبر 2016	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند

37	6/اپریل 2017	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
38	24/جولائی 2017	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
39	27/اکتوبر 2017	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
40	12/جنوری 2018	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
41	30/جون 2018	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
42	22/اکتوبر 2018	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
43	7/فروری 2019	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
44	4/اگست 2019	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
45	11/ستمبر 2019	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
46	20/نومبر 2019	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
47	2/جنوری 2020	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
48	13/جولائی 2020	بمقام مدنی لائبریری دیوبند
49	22/اکتوبر 2020	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
50	29-30/جنوری 2021	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند

درج ذیل آٹھ مجلس منتظمہ آپ کی صدارت میں منعقد ہوئی

1	15/اپریل 2008	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
2	8-9/نومبر 2008	بمقام حیدرآباد
3	یکم تا 3/نومبر 2009	بمقام دیوبند
4	6-7/مارچ 2011	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
5	18-19/مئی 2012	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
6	25-26 مئی 2014	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند

7	27/اکتوبر 2017	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند
8	12/ستمبر 2019	بمقام دفتر جمعیت علمائے ہند

اور پانچ اجلاس ہائے عام کی بھی صدارت فرمائی

1	9-8/نومبر 2008	انتیسواں اجلاس عام بمقام حیدرآباد
2	یکم تا 3/نومبر 2009	تیسواں اجلاس عام بمقام دیوبند
3	19/مئی 2012	اکتیسواں اجلاس عام بمقام رام لیلا میدان دہلی
4	16-15 مئی 2015	بتیسواں اجلاس عام بمقام رام لیلا میدان دہلی
5	13-12/نومبر 2016	تینتیسواں اجلاس عام بمقام اجمیر راجستھان

آپ کی عمر 75/سال، 9/ماہ، 9 دن ہوئی، جس میں 14/سال 2 ماہ، 15 دن تک جمعیت علمائے ہند کی صدارت کے فرائض انجام دیتے رہے، جب کہ 10 سال، 7 ماہ 21 دن امیر الہند رہے۔ آپ کے دورِ صدارت میں جمعیت علمائے ہند نے ملکی وملی مسائل پر قابل ذکر خدمات انجام دیں، جو یقیناً آپ کے لیے صدقۂ جاریہ کا باعث بنیں گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امیر الہند مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل بخشے۔

امیر الہند حضرت مولانا قاری محمد عثمان کے

سیاسی افکار و نظریات

مولانا امداد الحق بختیار قاسمی اُستاذِ حدیث و عربی اَدب جامعہ اِسلامیہ دار العلوم حیدر آباد

سیاسی قوت کی ضرورت و اہمیت

سیاسی قوت کے حامل افراد ہی زندگی کے تمام شعبوں کا رخ طے کرتے ہیں، جن کے پاس سیاسی قوت ہوتی ہے، انہیں ہی فیصلے لینے کا اختیار ہوتا ہے اور ان کے فیصلے سے کسی بھی شعبۂ حیات میں بڑی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اپنے ملک میں اپنی پوزیشن بہتر بنانے، اپنی اہمیت منوانے، اپنی ضرورت ثابت کرنے، اپنے حقوق حاصل کرنے اور اپنی سوسائٹی اور اپنے مذہبی شعار کے تحفظ کے لیے سیاسی قوت کا حصول انتہائی ناگزیر ہے؛ بالخصوص اگر آپ کسی جمہوری ملک میں ہیں اور اقلیت میں ہیں تو اس کی ضرورت اور بڑھ جاتی ہے۔ جمہوریت میں سیاست سے بے اعتنائی، غفلت اور کنارہ کشی قومی خودکشی کے مترادف ہے، یہ ایسی خودکشی ہے، جس میں آپ کا اکیلے کا نقصان نہیں ہوتا؛ بلکہ آپ اپنی پوری قوم کی مصیبت کا سبب بنتے ہیں، ایک با عزت، باوقار اور برابر درجہ کا شہری رہنے کے لیے سیاست میں سرگرم حصہ داری نہایت ضروری ہے، سیاسی قوت کی اسی اہمیت اور ضرورت کے پیش نظر امیر الہند قاری محمد عثمان صاحب منصور

پوری نے بہت ہی بلیغ اور جامع جملہ ارشاد فرمایا ہے:

''اس ملک میں صرف رعایا کے طور پر رہیں اور ہماری کسی درجہ میں کوئی طاقت نہ ہو، یہ تو مر جانا ہے''۔

چنانچہ حضرت امیر الہندؒ فرماتے ہیں کہ یہ فیصلہ انتہائی ناگزیر ہے کہ ہمیں اس ملک میں کس قوت کے ساتھ رہنا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''مسلمان تذبذب کے شکار ہیں کہ کس طریقہ پر ہم یہاں ملک میں رہیں گے، رہنا ہے یا نہیں رہنا ہے؟ لہٰذا (اس ملک میں ہمیں) کس قوت کے ساتھ رہنا ہے؟ کس ضعف کے ساتھ رہنا ہے؟ یہ ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا''۔

سیاسی قوت حاصل کرنے کی حکمتِ عملی

حضرت امیر الہند اس حوالے سے بھی متفکر اور کوشاں تھے کہ مسلمانوں کو برادرانِ وطن میں اپنا اعتماد بحال کرنے کے لیے ان کے ساتھ رابطے مضبوط کرنے چاہیے، اس تعلق سے کسی بھی مفید حکمتِ عملی کو اختیار کرنا چاہیے، تاکہ ملکی سطح پر عوام سے بھی ان کا رابطہ مضبوط ہو اور لیڈران سے تعلقات اچھے ہوں اور اپنی اہمیت کا انہیں اندازہ دلایا جا سکے، چنانچہ مثال کے طور امیر الہند ایک مثال پیش فرماتے ہیں:

''ایک نظام بنائیں مثلاً مہینہ میں کسی بستی میں ۱۰رمسلمانوں کا ایک وفد جائے، اس بستی کے نمائندوں سے ملاقات کرے، بات چیت کرے، اس طرح کی کوئی شکل عملی طور پر کرنی چاہیے۔ اس وقت اس طرح کی حکمتِ عملی کی ضرورت پہلے سے ہزار گنا زیادہ ہے''۔

علماء کی سیاست میں حصہ داری

اسلام میں سیاست اور دین و مذہب دو الگ چیز یا زندگی گزارنے کے دو الگ راستے نہیں ہیں، دینِ اسلام زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے اور وقت اور حالات کے تقاضے کے

پیشِ نظر کسی بھی شعبہ میں اپنی خدمات پیش کرنا دین کی ہی خدمت ہے؛ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر اب تک اہلِ علم کا ایک طبقہ سیاسی میدان میں بھی اپنی خدمات انجام دیتا آیا ہے۔

ہندوستان جیسے جمہوری ملک میں اس کی اہمیت کئی گنا بڑھ جاتی ہے، یہاں جمہوریت کی بقا، دستور کے تحفظ اور مسلمانوں میں سیاسی بیداری اور شعور پیدا کرنے کے لیے علما کی سیاست میں شرکت کا بڑا کردار رہا ہے، آزادی سے قبل بھی اور آزادی کے بعد بھی علمائے دیوبند نے اپنے آپ کو سیاست سے کبھی الگ نہیں کیا، غیر فرقہ پرست سیاسی پارٹیوں میں شمولیت اختیار کی، بہت سے مواقع پر اپنے موقف کو مضبوطی سے رکھا، حکومت کی غلط پالیسی کی برملا تنقید کی، بہت سے ملی مسائل میں حکومت کو اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور کیا۔

لیکن اس کے باوجود علما کا ایک بڑا طبقہ تعلیمِ دین اور عبادت تک محصور ہو کر رہ گیا، سیاست کو ایک گندا کنواں سمجھ کر آنکھ، ناک اور منہ بند کر کے اس کی طرف سے چہرہ ہی پھیر لیا، جس کے برے نتائج سے ہندوستانی مسلمان اس وقت دوچار ہو رہے ہیں۔

حضرت قاری صاحبؒ علما کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”ہمیں اسی حال میں اور اسی ملک میں رہنا ہے، ہمیں کسی اور ملک نہیں جانا ہے؛ اس لیے ہمیں جیسے اور کام کرنے ہیں: تعلیم کے، تصنیف کے، امارت شرعیہ کے وغیرہ وغیرہ، اسی طرح اس وقت ہمیں سیاسی قوت حاصل کرنی ہے، جس درجہ میں بھی ہو اور جس طرح بھی حاصل ہو سکتی ہو“۔

امیر الہند مزید فرماتے ہیں:

ہمیں جمہوریت کو لے کر چلنا ہے، ہمارے لیے اس وقت یہی ایک شکل ہے اور کوئی شکل نہیں ہے، یہی اَہون البلیتین ہے۔

سیکولر سیاسی پارٹیوں میں علما کی شمولیت

صرف تنقید، اپنی مظلومیت کا رونا رونے یا کنارے بیٹھ کر تماشا دیکھنے سے کبھی ہمارے

اندرونی حالات نہیں بدلتے، اس کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ ہم خود میدان میں کودیں، اپنی اہمیت منوائیں، ظلم اور ناانصافی کے خاتمہ کے لیے عملی خدمات پیش کریں، لہٰذا بالعموم تمام مسلمانوں اور بالخصوص علما کو حکمتِ عملی اور مصلحت کے طور پر ملک کی سیکولر پارٹیوں میں شمولیت اختیار کرنی چاہیے، جمہوریت اور دستور کی بالادستی باقی رکھنے اور فرقہ پرستی کے سامنے دیوارِ آہنی کھڑی کرنے کے لیے اپنا سرگرم کردار ادا کرنا چاہیے؛ چنانچہ حضرت امیر الہند اس حوالے سے ارشاد فرماتے ہیں:

> ''آپ کو اپنے اپنے علاقے کی غیر فرقہ پرست پارٹی میں شامل ہونا چاہیے اور سیکولر نمائندوں کو کھڑا کرنے کے لیے آپ کو آگے بڑھنا ہوگا، حکمتِ عملی کے طور پر ووٹ کی اہمیت سمجھئے اور مسلم اور غیر مسلم دونوں ووٹر تیار کریں، ووٹر لسٹ میں ناموں کا اندراج کروائیں، اسی طرح جمہورت برقرار رہ سکتی ہے''۔

مفادِ قوم کی خاطر سیاست بھی عبادت ہے

ہم نے عبادات اور نیک خدمات کے دائرے کو تنگ کر دیا ہے؛ چند اعمال کے بجالانے کو ہی ہم عبادت سمجھتے ہیں اور ایک مخصوص دائرے کے عمل کو ہی ہم خدمت جانتے ہیں؛ جب کہ اسلام جامع نظامِ حیات کا نام ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہے، لہٰذا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں زندگی کے کسی بھی شعبہ میں کام کیا جائے، وہ بھی اسلام اور مسلمانوں کی خدمت ہوگی، اسی پس منظر میں خدمت کے جذبہ سے سیاسی مناصب حاصل کرنا بھی ملک وملت کی بہترین خدمت ہے، اس حوالے سے قاری صاحب اپنے قیمتی الفاظ میں فرماتے ہیں:

> ''جمعیۃ علماء الیکشنی سیاست نہیں کرتی؛ لیکن وہ اس بات کی ترغیب دیتی ہے کہ علما اور عام مسلمان غیر فرقہ پرست پارٹی کے ممبر بنیں، ایم ایل اے بنیں، ایم ایل سی بنیں، ارکان اسمبلی بنیں، ہم اسے بھی مسلمانوں کی خدمت سمجھتے ہیں اور ملک کی خدمت سمجھتے ہیں''۔

موجودہ سیاسی حالات میں علما کے کام کے محاذ

ہندوستان کی موجودہ صورتِ حال میں بھی کیا علما کو مدارس، مساجد، مراکز اور خانقاہوں میں ہی اپنی خدمت کو محصور رکھنا چاہیے یا ان سب کے ساتھ ساتھ انہیں ملت کے وجود کی بقا کے لیے ملک کی سیاست کو بھی اپنی خدمات کا میدان بنانا چاہیے، جس طرح آزادی سے پہلے ہمارے اکابر و اسلاف نے اسلامی تعلیم کے ساتھ ملک کی سیاست کو بیخ و بن سے اکھاڑنے میں بہادرانہ پیش قدمیاں کیں اور اپنی جرأت کے انمٹ نقوش چھوڑے، ٹھیک اسی طرح اس وقت کے پر آشوب حالات بھی اس بات کے متقاضی ہیں کہ اہلِ علم مسندِ تعلیم و ارشاد سے نکل کر راہِ سیاست میں آبلہ پائی سے گزریں اور منجدھار میں پھنسی ہوئی امت کی کشتی کے لیے ناخدائی کے فرائض انجام دیں، حضرت قاری صاحب اس سلسلے میں اپنے کلیدی بیان میں ارشاد فرماتے ہیں:

> ''ان موجودہ حالات میں اپنی نسلوں (مسلمانوں) کو سنبھالنا (حفاظت کرنی) ہے، جیسے ان کے ایمان کا سنبھالنا ہے، ان کے اعمال کو سنبھالنا ہے، ایسے ہی اس ملک میں رہتے ہوئے ان کی جو پوزیشن ہے اور ان کو کیا کرنا ہے کس طرح کھڑا ہونا ہے، ان سب کو بھی سنبھالنا ہے''۔

مسلمانوں کی الگ سیاسی پارٹی

اس ملک میں یہ ایک متنازع مسئلہ (Controversial issue) رہا ہے کہ مسلمانوں کی کوئی الگ سیاسی پارٹی ہونی چاہیے یا نہیں، جہاں بعض مسلمان اس کے تعلق سے مثبت سوچ رکھتے ہیں، وہیں بہت سے مسلمان اس کی شدید مخالفت کرتے ہیں، نیز اس ملک کے فرقہ پرست عناصر اور جانب دار میڈیا بھی ایسی کسی پارٹی کو برداشت کرنے کو تیار نظر نہیں آتی، وہ واویلا مچاتے ہیں، اکثریتی طبقہ کو ایسی کسی پارٹی کے وجود سے ڈراتے اور اکساتے ہیں؛ انہی جیسی وجوہات کے پیشِ نظر ہندوستانی مسلمانوں نے آزادی کے بعد سے اب تک اس جانب ١٠ ارفیصد بھی توجہ نہیں دی، وہ دوسروں کی پارٹی میں ہی اپنی وفاداری ثابت کرتے رہے،

ان کی پارٹی مضبوط کرتے رہے، ان کے جھنڈے کو اٹھاتے اور ان کے مینوفیسٹو کو روبہ عمل لاتے رہے؛ لیکن نہ خود ایسے مسلم لیڈروں کو ان پارٹیوں میں کوئی بڑا مقام ملا اور نہ ہی انڈین مسلم کو ایسے مسلم سیاسی لیڈروں اور برادرانِ وطن کی سیاسی پارٹیوں سے کوئی خاطر خواہ فائدہ پہنچا۔

لہٰذا مسلمانوں کی ایسی سیاسی پارٹیاں ہونی چاہیے، جن میں تمام برادرانِ وطن کی شرکت ہو، قائدِ اعلیٰ مسلمان ہو اور ہر طبقے اور ہر مذہب کے لوگ اس کے ممبر ہوں، حضرت امیر الہند اسی حوالے سے فرماتے ہیں:

> ''مسلمانوں کی کوئی ایسی پارٹی جس کا قائد بھی مسلمان ہو اور تمام ارکان و ممبران بھی صرف مسلم ہوں، ایسی پارٹی فرقہ پرست کہلائے گی اور ایسی کسی پارٹی کی تشکیل اور کامیابی اس ملک میں ممکن نہیں ہے''۔

البتہ ملک کے ہر طبقہ اور ہر مذہب کو ساتھ لے کر کسی سیاسی پارٹی کی تشکیل عمل میں آئے تو اس کے مثبت نتائج وجود پذیر ہوں گے اور مسلمانوں کی ایسی سیاسی پارٹی قائم ہونا وقت کا تقاضا ہے، چنانچہ اس حوالے سے امیر الہند فرماتے ہیں:

> ''اگر کوئی مسلمان غیر مسلموں کو بھی شامل کر کے کوئی پارٹی بناتا ہے تو کیا اس کو بھی مسلم پارٹی کہا جائے گا؟ یا جمہوری اور سیکولر پارٹی کہا جائے گا؟ کیا مسلمان کے لیے کوئی سیاسی پارٹی بنانا ناجائز ہے؟ جب غیر مسلم کسی پارٹی کا ذمہ دار اور قائد ہو کر سیکولر ہو سکتا ہے تو مسلمان قائد ہو کر سیکولر کیوں نہیں ہو سکتا؟''۔

ہجومی تشدد اور ظلم کی صورتِ حال میں مسلمانوں کا موقف

اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں پر چوطرفہ حملے جاری ہیں، شدت پسند عناصر کے حوصلے بلند ہیں، جہاں مسلمانوں کے خلاف بہت سے کام بالکل پردہ کے سامنے حکومتی سرپرستی میں انجام دیے جارہے ہیں، تو وہیں بہت سے ایجنڈوں کو حکومت اپنی پشت پناہی کے ذریعہ شدت پسند عناصر کے ذریعہ نافذ کر رہی ہے، مسلمان سر اٹھا کر نہ چلیں اس رسم کو مضبوط کرنے

کے لیے ان کو لقمۂ تر بنایا جارہا ہے، بہ آسانی ان پر حملے کیے جارہے ہیں اور تشدد کا نشانہ بنا کر ان کو موت کے گھاٹ اتارا جارہا ہے، اب تک ایسے سیکڑوں واقعات سے سرزمین ہند کی آبرو پامال ہوچکی ہے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کا ایک طبقہ خوف کا شکار ہے، دوسری طرف اسلام عدمِ تشدد کا سبق سکھاتا ہے، تو کیا ایسے حالات میں بھی ہمیں عدم تشدد کے راستہ پر چل کر ظالموں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہیے؟ نیز ان حالات میں مسلمانوں کو کیا لائحۂ عمل اختیار کرنا چاہیے، اس حوالے سے امیر الہندؒ اپنے ایک جرأت مندانہ بیان میں قومِ مسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''عدم تشدد کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر کوئی ہمیں مار رہا ہے تو ہم اس کے سامنے سپر ڈال دیں گے، ہم خود تشدد کا اقدام نہیں کریں گے؛ لیکن اگر کوئی ہمارے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرتا ہے، تو کیا ہم گھر میں گھس جائیں گے؟ آزادی کے بعد جب مسلمان خوف میں مبتلا تھے تو حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا کہ خود کسی پر حملہ نہ کرو؛ لیکن اگر کوئی آپ پر حملہ کرے تو اتنا مقابلہ کرو کہ چھٹی کا دودھ یاد دلا دو۔ ایک عدمِ تشدد (آزادی سے قبل) انگریز کے مقابلہ تھا کہ ہم انگریزی فوج کا مقابلہ نہیں کریں گے؛ لیکن اگر آج بھی عدمِ تشدد کا وہی مطلب لیا جائے تو یہ غلط ہوگا، آج ہمارے ساتھ اگر کوئی غلط معاملہ کر رہا ہے: جسمانی اعتبار سے کر رہا ہے، مالی اعتبار سے کر رہا ہے، عزت کے اعتبار سے کر رہا ہے، تو اس کے مقابلہ کا جو طریقہ ہے وہ کیا جائے گا، اپنے مال، بیوی اور اولاد کی حفاظت کریں گے، چاہے ہماری جان چلی جائے۔ جمعیۃ یوتھ کلب کا مقصد یہی ہے کہ مسلمان یہاں رہتے ہوئے سر اونچا کر کے چلیں، باعزت بن کر رہیں، اگر آپ خود ہی مرعوب ہو جائیں گے، تو وہ آپ کو اور زیادہ مرعوب کریں گے''۔

مسلمانوں کو جمہوری انداز میں اپنے مسائل کو لے کر کھڑا ہونا چاہیے

تمام ہندوستانیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا معاملہ کرنا یہ ایک دستوری اور

جمہوری فریضہ ہے؛ لیکن رواداری کا کیا مفہوم ہے؟ کیا اس رواداری کے نام پر ظالم کو بے لگام چھوڑ دیا جائے گا؟ اس حوالے سے حضرت قاری صاحب ایک اہم پیغام امت کے نام کرتے ہیں:

> ''ہم جو بار بار یہ کہتے ہیں کہ غیر مسلم برادرانِ وطن کے ساتھ رواداری برتیں، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم بزدل ہو کر گھر میں بیٹھ جائیں، نفرت کا جواب نفرت سے تو نہیں دیا جائے گا؛ لیکن اگر کوئی براہِ راست ہم سے ٹکرا جائے تو کیا ہم اپنے ہاتھ روک لیں گے؟ رواداری کا یہ مطلب نہیں ہے؛ بلکہ مظاہرے، میمورنڈم اور کسی بھی چیز کے دفاع اور مقابلہ کے جتنے بھی جمہوری طریقے ہیں۔ ان سب کو اختیار کیا جائے گا''۔

(ہندوستانی) دستور کے ساتھ ہم نے عہد کیا ہے کہ ہم ہمدردی اور رواداری کا معاملہ کریں گے، اپنی ذات سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے اور جو کوئی اس دستور کے خلاف کرے گا ہم ان کے خلاف جمہوری انداز میں آواز اٹھائیں گے، یہ کام بھی ہم دین سمجھ کر کرتے ہیں۔

اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ کے

دورِ صدارت میں فقہی اجتماعات

مرتب: مفتی ذکاوت حسین قاسمی شیخ الحدیث ومفتی مدرسہ امینیہ دہلی

حامداومصلیاومسلماوبعد!

کہاں تک تاب لائے ناتواں دل ❖ کہ صدمے اب مسلسل ہوگئے ہیں
یہاں تک بڑھ گئے آلامِ ہستی ❖ کہ دل کے حوصلے شل ہوگئے ہیں
اُنھیں صدیوں نہ بھولے گا زمانہ ❖ یہاں جو حادثے کل ہوگئے ہیں
جنھیں ہم دیکھ کر جیتے تھے ناصر ❖ وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہوگئے ہیں

ناصر کاظمی

''دنیا فانی ہے، اس لیے دنیا میں پیدا ہونے والی ہر چیز فانی ہے، ہر شخص کو فنا ہے، دوام تو بس اللہ تعالی کی ذات کو ہے۔ اور فنا ہونے والی ہر شئ کا ایک وقت متعین ہے، تاہم یہ سال (۲۰-۲۰۲۱ء) بہت سے لوگوں کا وقت موعود بن گیا، بڑی تعداد میں صلحاء اور اہل علم اس سال اللہ رب العزت کو پیارے ہوگئے''۔ (تذکرہ مولانا معزالدین گونڈوی صفحہ ۱۲)

مذکورہ بالا الفاظ میں ۸/مارچ ۲۰۲۱ء کو اپنے قلمِ فیض رقم سے دنیا کی فنا کا درس دینے والا فرشتہ صفت عظیم انسان از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کا محدث، کارگزار مہتمم، جمعیۃ علماء ہند کا صدر،

امیر الہند رابع، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا لاڈلا داماد، ہزاروں علماء ومفتیان کا معلم، لاکھوں مسلمانوں کا مذہبی قائد، تقریباً ڈھائی ماہ بعد ۲۱مئی ۲۰۲۱ء جمعہ کی مبارک ساعتوں میں فنا کا عملی نمونہ بن کر دارفنا سے دار بقا کی طرف رحلت کر جائے گا، یہ کس کو معلوم تھا؟، یقیناً اس پیش آمدہ عظیم سانحے سے سب بے خبر تھے، بس خالق کائنات ہی اس حادثے کے راز داں اور علیم وخبیر تھے۔ **وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتَابًا مُؤَجَّلاً.** [آل عمران: ١٤٥]

عجب قیامت سا حادثہ ہے

۲۰-۲۰۲۱ء کا سال اپنی نوع بہ نوع گردشوں، حوادث، آلام ومصائب، خصوصاً کورونا کال، عالمی وبائی بیماری، قفل بندی، لاک ڈاؤن، دینی وعلمی شخصیات کی وفات، اکابرین ملت واعیانِ امت کی بڑی تعداد میں سفرآخرت پر روانگی، حرمین شریفین کی سنسانی، مساجد ومدارس کی طویل بندش وویرانی، بھکمری، فقر وتنگی، اپنے غریب خانوں، عشرت کدوں اور بنگلوں میں نظر بندی اور اقتصادی تنگی وکساد بازاری کے لئے عالمی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا،

اسی عالمی وبا اور حوادث ومصائب کے طویل قہر سامانی کے دور میں امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب کی وفات حسرت آیات (۲۱مئی ۲۰۲۱ء) بھی ملت کا ایک بہت بڑا حادثہ اور جمعیۃ علماء ہند کے لئے عظیم خسارہ ہے، دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کے مختلف اجتماعات اور پروگراموں میں مولانا مرحوم کی عدم موجودگی اور کمی کو شدت سے تادیر محسوس کیا جائے گا اور ان کی خدمات جلیلہ کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا، ان شاء اللہ۔

عجب قیامت سا حادثہ ہے، اشک ہے آستیں نہیں ہے
تیری جدائی سے مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
تیری لحد پہ خدا کی رحمت، تری لحد کو سلام پہنچے
مگر تیری مرگِ ناگہاں کا، مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

عربی کا مشہور مقولہ ہے: **إنـمـا الـمـرء حـديـث بعده فكن حديثًا حسنًا لمن**

وعـــی (آدمی وفات کے بعد ایک کہانی بن جاتا ہے، پس تم یادر کھنے والوں کے لیے اچھی کہانی بننے کی کوشش کرو) حقیقت بھی یہی ہے، دنیا میں ان لوگوں کو ہی خیر وخوبی کے ساتھ دیر تک یاد رکھا جاتا ہے جو عوام وخواص سب کے لیے نفع بخش اور مفید زندگی گزار کر جاتے ہیں، اپنی ذاتی منفعت پر قومی منفعت کو مقدم رکھتے ہیں اور ذاتی مفادات پر ہر حال میں قومی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں، ممدوح گرامی، عالی مرتبت حضرت قاری محمد عثمان صاحب منصور پوری کی حیات طیبہ اسی مقولے کا مظہر تھی، وہ ایسے ہی قابل رشک اور قابل قدر نافع ترین افراد میں سے تھے۔ امیر الہند حضرت قاری صاحب منصور پوری اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہ بیک وقت مختلف پلیٹ فارموں سے ملک وملت اور مدارس اسلامیہ کی قیادت فرماتے ہوئے عظیم خدمات انجام دے رہے تھے، ان کی ذات ہمہ گیر اور جامع شخصیت کی حامل تھی، ایک طرف وہ خالص مذہبی، علمی و دینی اور باطنی کمالات سے متصف ہو کر عالمی شہرت یافتہ علمی مرکز از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر جلوہ افروز تھے تو دوسری طرف اس کے بالمقابل ہندوستانی مسلمانوں کی سب سے عظیم اور سب سے قدیم تنظیم جمعیۃ علماء ہند کی مسند صدارت پر فائز رہتے ہوئے سماجی، ملکی، ملی، رفاہی اور معاشرتی پیچیدہ مسائل کی گتھیاں سلجھا رہے تھے اور ان دونوں عظیم مناصب کے ساتھ ہی متفقہ طور پر ہندوستانی مسلمانوں کی شرعی و مذہبی امارت شرعیہ ہند کے آپ امیر وحاکم بھی تھے، اسی لیے آپ امیر الہند کے لقب سے بھی ملقب تھے۔

حالات کے تقاضوں اور نزاکتوں کے پیش نظر ۵/اپریل ۲۰۰۸ء سے تاوفات جمعیۃ علماء ہند کی صدارت فرماتے ہوئے اس پلیٹ فارم سے جو متعدد اور متنوع خدمات انجام دی ہیں ان میں ایک ممتاز اور نمایاں خدمت ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کو عملی میدان میں متحرک اور فعال بنانے کی بھی ہے، جس کی قدرے تفصیل ان سطور میں بیان کرنا مقصود ہے مگر اس سے قبل تمہیدی طور پر شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کا ایک بیش قیمت اقتباس پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں، تا کہ موجودہ زمانے کے بہت سے موہوم اور مبہم سوالات کا جواب بن کر یہ اقتباس دفع دخل مقدر کا

مصداق بن سکے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک موقع پر دو ٹوک لکھا تھا کہ ''ایک مسلمان کی زندگی کا کوئی شعبہ مذہب سے مستغنی نہیں ہوسکتا، مسلمانوں کو ہندوستان میں رہ کر غیر مسلم اقوام سے معاملات پڑتے ہیں، ان کو ضرورت پڑتی ہے کہ اپنی ہم وطن اقوام کے ساتھ کیوں کر رہیں؟ شرعاً کس قسم کے معاملے کے مجاز ہیں اور گورنمنٹ کے ساتھ ہمارا کیا معاملہ ہونا چاہئے؟ پھر مسلمانانِ عالم کے ساتھ ہمارے تعلقات کی نوعیت کیا ہے؟ ان کی ہمدردی یا تعاون وتناصر کے احکام کا تعلق ہم سے کس حد تک ہے؟ پس کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان صلوٰۃ وزکوٰۃ وحج، نکاح، طلاق، بیع وشراء وغیرہ میں تو مذہبی فتوے کے محتاج ہوں اور معاملاتِ ملکی اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ تعلقات کے احکام شریعت میں نہ ہوں یا ان کو اس کی حاجت نہ ہو۔

اگر سیاست کو مذہب سے کوئی تعلق نہیں یا علماء کا ان مسائل میں دخل دینا ان کے فرائض میں داخل نہیں ہے تو میرے خیال میں کتب فقہ ہی سے ابواب جہاد وسیر وغیرہ کو نکال دینا چاہئے اور جب ایسا نہیں ہوسکتا تو آپ سمجھ لیجئے کہ معاملاتِ سیاست کے اس حصہ میں جس کا تعلق مذہب سے ہے، مسلمانوں کو علماء کی اس سے کم ضرورت نہیں جس قدر کہ مسائل عبادات ومعاملات میں، بلکہ ایک معنی سے زیادہ ہے اور علما کے فرائض میں یہ فریضہ بھی اہم ہے کہ وہ ان کلی معاملات میں اپنے اوقات عزیز کو صرف کریں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مسائل عبادات ومعاملات میں علماء کے انفرادی فتاویٰ بھی کافی ہوجاتے ہیں، مگر ان معاملات کلی واساسی میں علماء کی انفرادی آرا یا فتاویٰ ہرگز مفید ومثمر نہیں ہیں، ان وجوہ سے جمعیۃ علماء کے وجود کی مسلمانان ہندوستان کو سخت ضرورت ہے۔ (شیخ الاسلام کی سیاسی ڈائری: ۷؍۴۵)

جمعیۃ کے پہلے اجلاس (منعقدہ ۲۸؍دسمبر ۱۹۱۹ء بہ مقام امرتسر) میں حضرت مفتی اعظم مفتی محمد کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جمعیۃ کے قیام کی ضرورت کا ان الفاظ میں اظہار فرمایا تھا:

''جمعیۃ علماء ہند کے قائم کرنے سے کسی دوسری مذہبی یا سیاسی انجمن سے مصادمت یا مزاحمت مقصود نہیں ہے، بلکہ علماء اپنی آواز کو وقیع بنانے کے لئے جمعیۃ منعقد کر رہے ہیں، اور یہ قاعدہ ہے کہ افراد کی آواز اتنی طاقت نہیں رکھتی جتنی کہ متحدہ جمعیۃ اور انجمن رکھتی ہے''۔

کس سن میں جمعیۃ کی کیا کارکردگی رہی؟ اور ملت اسلامیہ ہند یہ کو کیا مشکلات پیش آئیں؟ پھر جمعیۃ نے کیا حل پیش کیا؟ آزادئ وطن میں جمعیۃ کا کردار اور قربانیاں کیا رہیں؟ آزادی کے بعد ملک وملت اور شعائر اسلام کے تحفظ کے لئے کیا اقدامات کیے؟ ملک میں جمہوری نظام کی بحالی اور دستور کو جمہوری شکل دینے میں کیا کوششیں کیں؟ ہندوستانی گنگا جمنی تہذیب کو بچانے اور آپسی بھائی چارہ کو عام کرنے اور فروغ دینے میں کیا کیا طریقے اور حکمتیں اختیار کیں؟ قدرتی مصائب وآفات اور سیلاب وفسادات میں بلاتفریق مذہب وملت کیسی بے لوث وبے نظیر ریکارڈ توڑ خدمات انجام دیں، ملزمین ومحبوسین کی راحت رسانی، رہائی وآزادی کے لیے عدالتوں سے مقدمات کی طویل قانونی جدوجہد کی کیسی تاریخ رقم کی؟ مظلومین کی کب کب اور کس کس طرح فریادرسی کی؟ تمام سوالات کے جوابات جمعیۃ کی تواریخ، رودادوں اور اکابرین جمعیۃ کے تذکروں وسوانحات میں تو موجود ہیں ہی، مگر وطن عزیز کا چپہ چپہ اور کوچہ کوچہ بھی اس کا شاہد عدل ہے۔ بقول میر تقی میرؔ:

پتہ پتہ ، بوٹہ بوٹہ حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

ادارۃ المباحث الفقہیہ کا قیام

ہمارے اکابر واسلاف کی اسی مقدس جماعت ''جمعیۃ علماء ہند'' نے حصول آزادی اور مذکورہ بالا خدمات وقربانیوں کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی دینی اور مذہبی رہنمائی اور شرعی قیادت کا فریضہ بھی ہمیشہ انجام دیا ہے، تا حال دے بھی رہی ہے اور تا قیامت دیتی رہے گی ان شاء

اللہ۔ جمعیۃ علماء ہند کے عہدیداران اور اکابر مرکز یہ میں روزِ اول سے ایسی سر برآوردہ اور مایہ ناز شخصیات شامل رہی ہیں جن کو اپنے دور میں پیشوائی کا ممتاز مقام حاصل رہا ہے۔ اسی لئے جمعیۃ علماء ہند کے اجلاسہائے عام اور مجالس منتظمہ اور مجالس عاملہ کی پاس کردہ تجاویز کو بعض خاص حالات میں امت مسلمہ کی طرف سے مذہبی فتاویٰ کی حیثیت سے انقیاد اور قبولیت کا مقام حاصل ہوتا رہا ہے نیز تغیرات اور انقلابات زمانہ کے پیش نظر جدید پیش آمدہ شرعی مسائل کی تنقیح وتحقیق اور اجتماعی غور وفکر کے ذریعہ استنباط مسائل کے لئے جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ نے ۱۹۷۰ء میں مستقل ایک شعبہ ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کے نام سے قائم کیا تھا اور سید الملت حضرت مولانا مفتی سید محمد میاں صاحب دیوبندی نور اللہ مرقدہٗ کو اس کا مدیر اور نگراں مقرر فرمایا تھا۔ اس دور میں رویت ہلال، حق تصنیف کی بیع اور کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے مسائل پر شرعی تحقیق اور تنقیح کا کام انجام پذیر ہوا۔ اول الذکر مسئلہ پر فقہی اجتماع بھی منعقد ہوا۔ مولانا موصوف تاحیات اس ادارہ کے مدیر اور سربراہ رہے۔ سید الملتؒ کے وصال کے بعد بھی کسی نہ کسی عنوان سے یہ سلسلہ جاری رہا۔ اکتوبر ۱۹۸۵ء میں نفقہ مطلقہ کے مسئلہ پر علماء کانفرنس اس سلسلہ کی اہم کڑی تھی، پھر حضرت فدائے ملتؒ کی مسلسل تحریک اور جدوجہد سے ۱۹۹۰ء میں مجلس عاملہ نے اپنی اہم تجویز کے ذریعہ ادارۃ المباحث الفقہیہ کی نشأۃ ثانیہ اور جدید مسائل میں اجتماعی غور وفکر کا سلسلہ دوبارہ شروع کرنے کا فیصلہ فرمایا۔ (تذکرہ فدائے ملت ص: ۷۵۲)

ادارۃ المباحث ایک معہد وتربیت گاہ بھی

ادارۃ المباحث الفقہیہ علم وتحقیق اور فقہ وفتاویٰ خصوصاً جدید پیش آمدہ مشکل مسائل کے اجتماعی واجماعی شرعی حل کیلئے تو کوشاں ہے ہی، ساتھ ہی ملک بھر میں پھیلے مدارس اسلامیہ کے نئے فاضلین وفارغین کے لئے ایک فقہی جولان گاہ اور معہد وتربیت گاہ بھی ہے، ۱۹۹۱ء سے ۲۰۲۱ء تک منعقد ہونے والے فقہی اجتماعات اور ان کے لئے لکھنے والوں کی ہر بار بڑھتی تعداد کے پیش نظر یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ ادارہ تجربہ کار، عمر رسیدہ اور فقہ وتحقیق کے ماہرین وراسخین کی

موجودگی ونگرانی میں مستقبل کے لئے نوجوان مفتیان، اربابِ علم اور تشنگان علم کی رہنمائی، تربیت اور رجال سازی کا اہم فریضہ بھی انجام دے رہا ہے، اس کی واضح دلیل یہ ہے کہ پہلے فقہی اجتماع میں صرف ۷۹ر مساہمین ومقالہ نگاران کے اسمائے گرامی درج ہیں تو پندرہویں فقہی اجتماع میں ۲۷۹ر اور سولہویں فقہی اجتماع میں کورنائی بندشوں کے باوجود ۲۴۴ر اہل قلم وارباب افتاء اور مقالہ نگاران کے اسمائے گرامی مذکور ہیں۔

ذمہ داران سے امید کیجاتی ہے کہ جوہر شناسی و گوہر تراشی کا یہ بیش قیمت ونفع بخش سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رکھیں گے۔ ان شاء اللہ

جس طرف بھی چل پڑے ہم آبلہ پایان شوق
میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
خار سے گل، اور گل سے گلستاں بنتا گیا
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحبؒ کے زمانہ صدارت میں منعقدہ کل آٹھ فقہی اجتماعات

نوٹ: ادارہ مباحث فقہیہ کے تحت اب تک کل سولہ اجتماعات ہوئے ہیں جن میں سے پہلے آٹھ حضرت فدائے ملتؒ کی عہد صدارت میں اور آخری آٹھ حضرت قاری صاحبؒ کی زمانہ میں یہاں سطور ذیل میں سولہ میں سے آخری آٹھ فقہی اجتماعات کی اجمالی کارگذاری، شرکاء کی تعداد، تاریخ، مقام اور عنوانات کی تفصیل پیش خدمت ہے:

نواں فقہی اجتماع

بعنوان: (۱) بیع حقوق کی بعض صورتیں (۲) زمینوں کی بیع کی بعض مروجہ صورتیں (۳) کرایہ داری میں حق وراثت کا مسئلہ (۴) کرایہ داری میں ڈپازٹ کی شرعی حیثیت (کل

چار موضوعات زیر بحث تھے)

منعقدہ: ۲۱-۲۲/رجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۱/۲/جون ۲۰۱۳ء

بمقام: شیخ الہند ہال، مدنی ٹیکنیکل، دیوبند

اسمائے گرامی شرکاء نواں فقہی اجتماع: ۱۲۲/حضرات کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ: آخری اجلاس میں ایک ہزار سے زائد حضرات علماء ومفتیان اور طلبۂ عظام شریک ہوئے۔

دسواں فقہی اجتماع

بعنوان: منیٰ ومزدلفہ میں قصر واتمام کا حکم

(۲) مدارس میں رقوم زکاۃ کی فراہمی اور طریقۂ استعمال

(۳) حقوق کی بیع کی بعض مروجہ شکلیں اور ان کا شرعی حکم۔

منعقدہ: ۱۷/۱۸/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۹/۲۰/مارچ ۲۰۱۴ء۔ بمقام: حج ہاؤس بمبئی۔

فہرست شرکاء دسواں فقہی اجتماع: ۱۸۷/حضرات مفتیان کرام وعلماء عظام کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ: ان کے علاوہ بمبئی واطراف کے مدارس کے اساتذۂ کرام اور ائمہ مساجد کی ایک بڑی تعداد شریک رہی، آخری اجلاس میں ''امام اعظم ابوحنیفہؒ کانفرنس'' کے عنوان پر ایک عظیم الشان اجلاس منعقد ہوا، جس میں شرکاء کی تعداد ہزاروں سے متجاوز تھی۔

نوٹ: دسویں اجتماع میں نمبر تین پر ''حقوق کی بیع'' کا عنوان دوسری مرتبہ آیا ہے، نویں اجتماع میں بھی یہ موضوع زیر بحث تھا، مگر اس موضوع کو مزید قابل تنقیح سمجھ کر دسویں اجتماع کے لئے آگے بڑھا دیا گیا تھا اور اتفاق رائے سے اس موضوع پر کوئی تجویز منظور نہ ہوسکی تھی، اور یہ لکھا گیا تھا ''تمام تر بحث وتمحیص کے بعد شرکاء اجتماع کو یہ احساس رہا کہ اس موضوع پر ابھی

مزید غور کرنے کی ضرورت ہے اس بارے میں پوری تیاری کے ساتھ آئندہ بحث کی جائے۔
(فقہی اجتماعات کے اہم فقہی فیصلے وتجاویز ص ۸۲)

گیارہواں فقہی اجتماع

بعنوان: (۱) کمیشن اور اس کی مروجہ شکلیں (۲) فسخِ نکاح کی بعض وجوہ کی تنقیح (۳) تبدیل ماہیت کی حقیقت

منعقدہ: ۲۳ر تا ۲۵ر ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ مطابق ۱۳ر تا ۱۵ر فروری ۲۰۱۵ء۔ بمقام: دارالعلوم حیدرآباد، انڈیا

فہرست شرکاء گیارہواں فقہی اجتماع: ۱۵۲ر حضرات علماء کرام وارباب علم کے اسمائے گرامی درج ہیں

نوٹ: مذکورہ مندوبین علماء ومفتیان کے علاوہ حیدرآباد، تلنگانہ، آندھرا پردیش کے علماء وعمائدین نے بڑی تعداد میں شرکت کی، جن میں مندوبین کے علاوہ خاص طور پر ۵۴ر لوگوں کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

بارہواں فقہی اجتماع

بعنوان: (۱) باپ بیٹوں کے مشترکہ کاروبار کی چند اہم صورتیں (۲) میڈیکل انشورنس اور اس کی چند شکلیں۔

منعقدہ: ۲۶ر تا ۲۸ر رجب ۱۴۳۷ھ مطابق ۴ر تا ۶ر مئی ۲۰۱۶ء۔ بمقام: دارالعلوم رحیمیہ، بانڈی پورہ، سری نگر، کشمیر، انڈیا

فہرست شرکاء بارہواں فقہی اجتماع: ۱۸۲ر حضرات مفتیان کرام کے اسمائے گرامی درج ہیں۔

نوٹ: مذکورہ مندوبین علمائے کرام کے علاوہ ریاست جموں وکشمیر کے مفتیان کرام ودیگر علمائے عظام اور خواص حضرات کے اسمائے گرامی بھی درج ہیں اور آخر میں لکھا ہے ان حضرات کے علاوہ کشمیر واطراف کے سینکڑوں علمائے کرام نے بھی شرکت کی۔

نوٹ: مولانا معز الدین صاحب مرحوم کی کتاب میں صرف بارہ اجتماعات کی تفصیلات ہیں جو یہاں مکمل ہوچکی ہیں۔

تیرہواں فقہی اجتماع

بعنوان: (۱) زکاۃ میں ضمِ اموال کا حکم (۲) قبضہ کی حقیقت اور انٹرنیٹ کے ذریعے معاملات کی بعض مروجہ شکلیں۔

منعقدہ: ۱۰؍تا ۱۲؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ مطابق ۸؍تا ۱۰؍فروری ۲۰۱۷ء۔ **بمقام:** حج ہاؤس، مدراس، صوبہ تامل ناڈو۔

چودہواں فقہی اجتماع

بعنوان: (۱) طویل المیعاد قرض میں زکاۃ کا حکم (۲) حرمتِ مصاہرت سے متعلق چند اہم پہلو (۳) مصنوعی طریقۂ تولید کی چند شکلیں اور ان میں ثبوتِ نسب کا حکم (۴) مریض کی جان بچانے کے لئے روزہ توڑ کر خون عطیہ کرنے کا حکم۔

منعقدہ: ۵؍تا ۷؍ جمادی الثانیہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۱؍تا ۲۳؍فروری ۲۰۱۸ء۔

بمقام: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، ضلع بھروچ، صوبہ گجرات

پہلے موضوع پر ۶۸؍دوسرے موضوع پر ۸۹؍اور تیسرے موضوع پر ۸۷؍مقالہ نگار حضرات مفتیان کرام کے مقالات ادارہ مباحث فقہیہ کو موصول ہوئے، یعنی کل ۲۳۵؍ارباب علم نے مقالہ نگاری کے ساتھ شرکت فرمائی، جب کہ غیر مقالہ نگار مقامی و بیرونی علماء حضرات کی تعداد اس پر مستزاد تھی۔

پندرہواں فقہی اجتماع

بعنوان: (۱) فرنچائز کا شرعی حکم (۲) موبائل اپلی کیشن کے ذریعہ ٹیکسی وغیرہ کرایہ پر لینے کی ایک نئی شکل (۳) سرکاری وغیر سرکاری چند منافع بخش اسکیموں کا شرعی حکم (۴) انٹرنیٹ کے ذریعے لین دین کی چند جدید شکلیں (کل چار عنوانات پر یہ اجتماع منعقد ہوا)

منعقدہ: ۱۹/تا ۲۱/رجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۶/تا ۲۸/مارچ ۲۰۱۹ء

بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی

پہلے موضوع پر کل ۶۴/دوسرے موضوع پر کل ۵۷/تیسرے موضوع پر کل ۱۰۰/اور چوتھے موضوع پر کل ۵۸/مقالہ نگار حضرات مفتیان وعلمائے کرام کے مقالات ادارہ مباحث فقہیہ کو موصول ہوئے، اس طرح مجموعی طور پر کل ۲۷۹/اہل علم وارباب افتاء نے مقالے لکھ کر یا بھیج کر شرکت فرمائی، غیر مقالہ نگار علماء کرام اور شرکاء کی تعداد الگ ہے۔

سولہواں فقہی اجتماع

بعنوان: (۱) شرکت ومضاربت کی بعض قابلِ تنسیخ شکلیں (۲) عقود الصیانۃ (سروس کنٹریکٹ) کی مختلف شکلیں اوران کا شرعی حکم (۳) سر پر بالوں کی افزائش وزیبائش کی بعض صورتیں اوران کا شرعی حکم۔

منعقدہ: ۳/تا ۵/شعبان ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۷/تا ۱۹/مارچ ۲۰۲۱ء

بمقام: مدنی ہال، مرکزی دفتر جمعیۃ علماء ہند، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی

پہلے موضوع پر ۷۰/دوسرے موضوع پر ۹۰/اور تیسرے موضوع پر ۸۴/مقالات ادارے کو موصول ہوئے ہیں یعنی کل ۲۴۴/ارباب فقہ وفتاویٰ نے مقالے لکھ کر ارسال کیے ہیں۔

ضروری وضاحت: جمعیۃ علماء ہند کے ادارۃ المباحث الفقہیہ کے کل سولہ فقہی اجتماعات میں سے شروع کے آٹھ اجتماعات ۱۹۹۱ء سے ۲۰۰۵ء تک فدائے ملت امیر الہند حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہ وبرد مضجعہ کے دورِ صدارت میں منعقد ہوئے، حضرت فدائے ملت کے انتقال کے بعد فقہی اجتماعات کا یہ علمی سلسلہ موقوف رہا، سات سال کے وقفے کے بعد امیر الہند رابع حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند کے حکم پر ۲۰۱۳ء سے یہ مبارک سلسلہ پھر جاری ہوگیا اور بفضل اللہ العظیم تا حال جاری وساری ہے اور مستقبل میں بھی جاری رہے گا ان شاء اللہ۔

فقہی تجاویز کے تعلق سے حضرت قاری صاحبؒ کی دو اہم نصیحتیں

حضرت قاری صاحبؒ فقہی اجتماعات کی رسمی انجام دہی، خانہ پری اور غیر مؤثر مجالس کے انعقاد کے ہرگز قائل نہ تھے؛ بلکہ نہایت فکر مندی، جگر سوزی و جاں سوزی کے ساتھ منظور شدہ تجاویز کو اہمیت دینے اور ان کو مفید عام بنانے کے لیے مستقل کوشاں رہتے تھے۔ اس کا واضح ثبوت آخری سولہویں فقہی اجتماع میں تمام حاضرین وشرکا کے سامنے آپ کی فکر انگیز و درد آمیز تقریر ہے، اس میں دیگر مفید وضروری نصائح کے ساتھ آپ نے تمام اہل علم، مفتیان کرام و مقالہ نگاران کو متوجہ فرماتے ہوئے خصوصاً دو باتیں بیان کی تھیں:

(۱) ادارۃ المباحث الفقہیۃ کے اجتماعات میں اتفاق رائے سے منظور شدہ تجاویز کو اہمیت ووقعت کی نگاہ سے دیکھیے، خصوصاً اپنے اپنے دارالافتاؤں سے ان ہی تجاویز اور فیصلوں کے مطابق فتاوی صادر کیجیے، ان سے اعراض وانحراف کر کے قوم کو فتنوں اور آزمائشوں میں مبتلا مت کیجیے، اس دور کا یہی اجماعِ امت ہے، اس اجماع سے شذوذ وخروج مت کیجیے۔

(۲) یہاں متفقہ طور پر طے شدہ اور اجماعی تجاویز کو امت میں عام کیجیے، محدود اور مخصوص نہ رکھیے، اپنی تحریروں اور تقریروں سے ان فیصلوں کو سب لوگوں تک پہنچانے کی فکر اور عملی کوشش کیجیے۔

شرکاے اجلاس کو یاد ہوگا کہ سولہویں اجلاس کی آخری دو نشستوں میں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ نے ان تجاویز کو عام کرنے کی اور زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے حوالے سے تمام حاضرین سے رائے اور مفید مشورے بھی طلب کیے تھے؛ بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ زبانی رائے دینے کے بجائے آپ حضرات تحریری انداز میں مشورے دیں کہ فقہی اجتماعات کی ان تجاویز کو مؤثر ومفید تر بنانے اور عام وخاص سبھی لوگوں تک پہنچانے کے لیے کیا کیا تدابیر اور شکلیں اختیار کی جاسکتی ہیں اور کون کون سے اقدامات مفید تر اور مناسب ہوسکتے ہیں؟ چناں چہ بار بار بڑی فکرمندی کے ساتھ جب حاضرین سے آپ کا یہ مطالبہ زور پکڑتا گیا تو بہت سے تجربہ کار صائب

الرائے اور وسیع النظر حضرات نے اپنی بیش قیمت اور مفید آراء قلم بند کر کے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں وہیں جلسے کی اسٹیج پر ہی پیش کر دی تھیں۔ اور آپ نے ان تمام رقعات کو اپنی فائل میں رکھتے ہوئے ان حضرات سے مزید فرمایا تھا کہ جن حضرات کو اس تعلق سے کوئی اور رائے دینی ہو وہ جلسے سے فارغ ہو کر بھی مجھے اپنی رائے پیش کر سکتے ہیں۔

یہ تھیں حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی آخری اجتماع کی دو خاص نصیحتیں اور متانت و سنجیدگی کے ساتھ فقہی تجاویز کو مفید و موثر بنانے اور عام تر کرنے کی لگن اور کڑھن۔ حضرت رحمہ اللہ کے ذہن و دماغ میں نہ معلوم کون کون سی اہم تدابیر ہوں گی؟ اور کون کون سے اقدامات کا تخیل اور نقشہ ہوگا؟ مگر اچانک مرض اور غیر متوقع ناگہانی رحلت نے ان تمام دفاتر کو بند کر کے تلامذہ و اخلاف کو ان کے ادھورے منصوبے اور سنہرے خوابوں کی تکمیل کی عظیم ذمہ داری حوالے کر دی اور سچے جانشینوں و مخلص عقیدت مندوں نے دل کے کانوں سے ان کے اس پیغام کو سن کر لبیک کہتے ہوئے جام صبر نوش کر لیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

ظلمتِ شب میں ہمیشہ تو جلا مثلِ چراغ
چھو نہ پائیں مگر کبھی تجھ کو ہوائیں الوداع
یہ درو دیوار، یہ صحنِ چمن، یہ رونقیں
کس طرح تیری رفاقت کو بھلائیں الوداع
دیکھ کس چاہت سے لب بستہ ہیں سب تیرے لیے
کہہ رہی ہیں درد میں ڈوبی فضائیں الوداع
ہم سے محرومِ تمنا آج تیرے واسطے
کر رہے ہیں اپنے رب سے التجائیں الوداع

❍❖❍

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوریؒ

بحیثیت امیر الہند

مولوی اظہر القمر متعلّم شیخ الہند اکیڈمی، دار العلوم دیو بند

پیکر ہستی میں افراد کی آمد و رفت کا سلسلہ ابتداء آفرینش ہی سے جاری ہے اور تا قیامت جاری رہے گا، مگر گلزار کہن کے کچھ افراد ایسی امتیازی شان کے حامل ہوتے ہیں، جن کی جدائی پر دنیا صدیوں آنسو بہاتی ہے، وہ اپنے پیچھے ایسی یادگاریں چھوڑ جاتے ہیں، جن پر دنیا ہمیشہ اپنی عقیدت و محبت کا خراج پیش کرتی ہے اور آنے والوں کے لیے ان میں درس عبرت پنہاں ہوتا ہے۔

یقیناً استاذ محترم امیر الہند رابع حضرت اقدس قاری سید محمد عثمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی انہیں عبقری اور یگانۂ روزگار شخصیات میں سے تھی، جنہیں برسوں یاد رکھا جائے گا اور جو اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر وقت کے تقاضوں اور سماج کے چیلنجوں سے نبرد آزما ہو کر برق و باد کی مخالفتوں اور طوفان بلاخیز کی موجوں کا رخ اپنی حکمت عملی، اپنی فراست ایمانی اور عزم و مصلحت اندیشی سے موڑ دیتے ہیں۔

قاری محمد عثمان صاحب تعلیم و تربیت، قرأت و خطابت، نظامت و قیادت میں سے ہر میدان کے عمدہ شہسوار تھے۔ آپ سے متعلق بہت سی ذمہ داریاں رہیں اور آپ بہت سے عہدوں پر بھی فائز رہے۔ من جملہ ان عہدوں کے آپ ۲۰۱۰ء کو ''امیر الہند'' کے عہدے پر بھی جلوہ اَفروز ہوئے اور تقریباً دس سال تک ''امارتِ شرعیہ ہند'' کے ذریعہ بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

''امارت شرعیہ ہند'' کا باقاعدہ قیام، ملکی سطح پر مسلمانوں کی شیرازہ بندی، نظام شرعی کا قیام اور مسلمانوں کے مسائل کو کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرنے کے لیے اکابرِ امت اور دانشورانِ ملک کی جدوجہد اور اتفاق رائے سے ۲ نومبر ۱۹۸۶ء کو عمل میں آیا۔

اس کے سب سے پہلے ''امیر'' محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ منتخب کیے گئے ۔۱۹۹۲ء میں ان کی وفات کے بعد فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہٗ اس منصب جلیل پر فائز ہوئے۔

آپ کے بعد ۲۰۰۶ء میں ''مہتمم دارالعلوم دیوبند'' حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ ''امیر الہند'' ثالث منتخب ہوئے، الغرض ایک طویل عرصے تک اکابر عظام کی سرپرستی اور نگرانی میں عمارت سرگرم عمل رہی۔

۲۰۱۰ء میں ''امیر الہند ثالث'' کے انتقال کے بعد حسبِ دستورِ ''جمعیت'' و ''امارتِ شرعیہ'' کے ذمہ داران نے ۳۰ ردسمبر ۲۰۱۰ء کو نمائندہ اجتماع منعقد کرنے کا اعلان کیا، جس کے لیے اربابِ حل وعقد اور اصحابِ رائے علماء کرام ودانشوران قوم کو دعوت دی گئی۔

حسبِ اعلان ۳۰ ردسمبر ۲۰۱۰ء کو صبح، بہادر شاہ ظفر مارگ، دہلی میں نمائندہ اجتماع منعقد ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی اور نظامت کے فرائض حضرت مولانا متین الحق اسامہ صاحب کانپوری رحمۃ اللہ علیہ نے انجام دیے۔

اجلاس کی دیگر کارروائیوں کے بعد ''امیر الہند'' کے انتخاب کا مرحلہ آیا، جس کے لیے نمائندہ اجتماع نے ''امیر الہند'' کا نام طے کرنے کے لیے درج ذیل ۱۹ رافراد پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی:

(۱) حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب صدر مجلسِ علمیہ آندھرا پردیش ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

(۲) حضرت مولانا محمد ازہر صاحب خلیفہ شیخ الاسلامؒ رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند

(۳) حضرت مولانا محمود اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند

(۴) حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب قاسمی استاد دارالعلوم دیوبند

(۵) حضرت مولانا محمد راشد صاحب استاد دارالعلوم دیوبند

(٦) حضرت مولانا مفتی عبداللہ معروفی صاحب استاد دارالعلوم دیوبند

(۷) حضرت مولانا انوار احمد جامعی

(۸) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب

(۹) حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی

(۱۰) حضرت مولانا ظفر الدین صاحب

(۱۱) حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب

(۱۲) حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب

(۱۳) حضرت مولانا قاری محمد امین صاحب

(۱۴) حضرت مولانا مفتی افتخار احمد صاحب

(۱۵) حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب

(۱٦) حضرت مولانا حیات اللہ قاسمی صاحب

(۱۷) حضرت مولانا محمد اقبال قاسمی

(۱۸) حضرت مولانا قاری شوکت علی صاحب

(۱۹) حضرت مولانا صدیق اللہ چودھری

مندرجہ بالا کمیٹی نے تقریباً ایک گھنٹے طویل غور وخوض اور بحث وتمحیص کے بعد ''امیر الہند رابع'' کے لیے کثرت رائے سے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کا نام تجویز کیا۔

اس منتخبہ کمیٹی کے فیصلے کا اعلان حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب نے کیا۔ اس کے بعد ملک کے طول وعرض سے آئے ہوئے علماء کرام (جن کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی) اور دیگر شرکاء مجلس نے پورے جوش وخروش کے ساتھ امیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت سمع وطاعت کی۔

امیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ سادگی کی مجسم تصویر تھے۔ آپ کے تقوی، عجز وانکساری، تواضع وللّٰہیت کی مکمل آئینہ دار، آپ کا وہ مختصر خطاب ہے، جسے آپ نے ''امیر الہند'' کے انتخاب کے بعد فرمایا۔ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اس عظیم منصب اور ذمہ داری کا میں اہل نہیں، میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ تھی کی اتنی بڑی ذمہ داری میرے سپرد کی جائے گی، مگر اب اس بحث میں پڑنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آپ حضرات کی طرح کمیٹی کے فیصلہ کا میں بھی پابند ہوں۔ حسب استطاعت ذمہ داری کو پوری کرنے کی کوشش کروں گا۔ ہم سب کو اپنی اپنی جگہ حتی المقدور اس نظام شرعی کے بقا وقیام واستحکام کے لیے کوشش کرنی چاہیے۔

قاری صاحب کی خدمات

امارت شرعیہ ہند کے تحت بہت سے شعبہ جات ہیں، جن میں امیر الہند رابع کی بہت سی خدمات ہیں، ان سب کو احاطہ تحریر میں لانا مشکل ہے، تاہم چند ایک باتیں ذکر کردی جاتی ہیں۔ امارت شرعیہ کے تحت چلنے والے شعبوں میں سب سے زیادہ اہم محکمہ شرعیہ کا شعبہ ہے، قاری صاحب نے امیر بنتے ہی امارت کے جملہ شعبہ جات کا جائزہ لیا اور اس شعبہ پر خصوصی توجہ فرمائی، اور جہاں محاکم شرعیہ اب تک قائم نہیں ہوئے تھے، وہاں ان کے قیام سے متعلق فرامین جاری کیے، اور اب تک جن علاقوں میں محکمہ شرعیہ کا قیام تو عمل میں آ چکا ہے؛ مگر ان میں سے بعض علاقوں میں کسی عارض کی وجہ سے محکمہ شرعیہ کی سرگرمیاں معطل ہو چکی ہیں، ان کو از سر نو شروع کرنے سے متعلق بھی فرامین جاری فرمایا؛ چنانچہ اس وقت ملک کے مختلف صوبوں کے مختلف اضلاع میں پوری سرگرمی کے ساتھ چلنے والے محاکم شرعیہ کی تعداد سو سے زائد ہے اور تقریباً تین سے چار ہزار تک مقدمات فیصل ہو چکے ہیں۔

تربیتی کیمپ

امارت شرعیہ ہند کے نظام کو مربوط، منظّم، مستحکم اور فعال بنانے کے لیے، نیز افراد سازی

کے لیے امارت شرعیہ ملک کے طول وعرض میں تربیتی کیمپ منعقد کرتی ہے۔

قاری صاحب نے ملک کے مختلف صوبوں میں تربیتی کیمپ لگانے سے متعلق فرمان جاری فرمایا ور متعدد صوبوں میں دوروزہ تربیتی کیمپ لگائے، جن میں سینکڑوں علما نے شرکت فرما کر محکمہ شرعیہ کو سمجھا اوراس کے اصول وآداب سے آگاہی حاصل کی، ایک رپورٹ کے مطابق جن صوبوں میں تربیتی کیمپ منعقد کیے گئے ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۹-۱۰ جون ۲۰۱۲ کو جمعیۃ علماء آندھراپردیش نے حیدرآباد میں صوبائی سطح پر دوروزہ میں تربیتی کیمپ منعقد کیا۔

جس میں حضرت امیر الہند رابع رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ، حضرت مولانا مفتی شبیر احمد قاسمی، مولانا مفتی محمد سلمان منصور پوری اور حضرت مولانا مفتی راشد صاحب اعظمی وغیرہم نے شرکت فرمائی۔

اس کے بعد ۱۶ جنوری ۲۰۱۳ کو صوبہ کرناٹک کے مقام ہاسن میں ایک روزہ تربیتی کیمپ لگایا گیا، جس میں مولانا افتخار احمد قاسمی مولانا شمس الدین قاسمی، مولانا مفتی زین العابدین صاحب اور مولانا معزالدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صوبہ کے مختلف مقامات سے آئے ہوئے ایک سو سے زائد علما وعمائدین کو محکمہ شرعیہ کا نظام، طریقہ کار اور قضا کے اہم مسائل وآداب سے واقف کرایا۔

اسی طرح ۲۱-۲۲ دسمبر ۲۰۱۴ کو دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ، کشمیر میں دوروزہ تربیتی کیمپ کا انعقاد عمل میں آیا، جس میں حضرت امیر الہند رابع رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی، مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری نے بطور خاص شرکت فرمایا۔ وہاں کے موقر علماء کرام ومفتیان عظام نے پوری دل چسپی سے شرکت کر کے قضا وآداب قضا اور محکمہ شرعیہ کا نظام عمل، غور سے سنا اور پورے کشمیر میں اس نظام کو رائج کرنے کا مکمل عزم وارادہ کا اظہار کیا۔

ان تمام کے علاوہ ۲۰-۲۱ نومبر ۲۰۱۴ کو مدنی ہال نئی دہلی میں اور ۱۲-۱۴ اگست ۲۰۱۶ کو شیخ الہند ہال دیوبند میں پورے ملک کے ذمہ دار محاکم شرعیہ کا دوروزہ تربیتی ومشاورتی اجتماع بھی منعقد ہوا، جس میں تقریبا دو، تین سو علما نے شرکت فرمایا۔

بیت المال

اس شعبہ سے حسب گنجائش و آمد، مدارس عربیہ کے طلبہ کو، بیوگان و یتامی کو وظائف دیا جاتا ہے، قاری صاحب نے اس شعبہ کے نظام کو فعال بنانے کی ہدایت دی اور مستحقین کو برابر ہر ماہ وظیفہ دیا جارہا ہے، اس کا بھی جائزہ لیتے رہتے تھے۔ چنانچہ فی الحال گیارہ بیواؤں کو ماہانہ پانچ سو وظیفہ دیا جاتا ہے، اور کچھ طلبہ کو بھی تعلیمی وظیفہ دیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی متعدد شعبہ جات ہیں جو قاری صاحب کے زیر نگرانی چلتے تھے: ان شعبہ جات میں ایک شعبہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی ہے۔ امیر الہند رابع نے منصب امارت پر فائز ہونے کے بعد جہاں امارت شرعیہ کے نظام کا جائزہ لیا، اس کے متعدد شعبہ جات کو مزید فعال بنانے کے احکام جاری فرمائے، تو وہیں اس شعبہ کو بھی مزید متحرک کرنے کی ہدایت دی۔

مختلف موضوعات پر اصلاحی پمفلٹ تیار کروانے کا حکم جاری فرمایا۔

چنانچہ آپ کے حسب حکم مختلف موضوعات پر پمفلٹ کئی ہزار کی تعداد میں طبع کرا کے تقسیم کرائے گئے۔

الغرض آپ کا دور امارت دس سالوں پر محیط ہے، جب سے آپ کو امارت کی ذمہ داری ملی، تب سے تا دم آخر، اس کی مکمل نگہداشت فرمایا اور ملت اسلامیہ ہند کے کے فلاح و بہبود کے سلسلے میں سرگرم عمل رہے۔ حضرت امیر الہند، جوش وجذبہ کا سیل رواں تھے۔ ماقبل میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت سے متعلق کئی عہدہ تھے اور ملکی سطح کے، اس کے باوجود حضرت ہر شعبہ کی مکمل نگرانی کرتے، اس کی ترقی کے لیے ہمیشہ مصروف عمل نظر آتے۔

بالآخر امیر الہند رابع استاذ محترم، استاذ الاساتذہ حضرت قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ کی ۲۱ مئی ۲۰۲۱ بروز جمعہ جان جان آفریں کے سپرد کر دیے اور اپنے پیچھے یادوں کا بہت بڑا ذخیرہ چھوڑ گئے، جو ملت اسلامیہ ہند کے دلوں کو ایک مدت تک لڑتے رہیں گے۔

منظومات ومراثی

محوِ حیرت ہیں سراپا عندیہ کیسے لکھیں؟

(مرثیہ بروفات: اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ)

ازقلم: (مفتی) اسرار احمد دانشؔ نجیب آبادی

اِک مکمل فلسفہ اِک نظریہ کیسے لکھیں ❖ محوِ حیرت ہیں سراپا عندیہ کیسے لکھیں

اُف کہ اِک فکر و نظر کا تجزیہ کیسے لکھیں ❖ اِک جہانِ علم کا جغرافیہ کیسے لکھیں

عقل ہے ماؤف، دل سکتہ میں، لرزہ ہاتھ میں ❖ مرثیہ بہر سکون و تسلیہ کیسے لکھیں

سُن کے آتا ہے کلیجہ منہ کو، ایسا حادثہ ❖ کس طرح کھولیں زباں، وہ داہیہ کیسے لکھیں

زندگانی جس کی تھی اِنسانیت کا اِک متن ❖ اُس کتابِ زندگی پر حاشیہ کیسے لکھیں

تھی بہت خوش خط کتاب زندگی کی ہر سطر ❖ کیا اُسے عنوان دیں اور تمہدیہ کیسے لکھیں

ہو محلّٰی بالفضائل فطرۃً جس کا وجود ❖ اُس کا حالِ تجلیہ اور تزکیہ کیسے لکھیں

جس پہ نازاں ہو تقدس اور فدا پاکیزگی ❖ اُس سراپائے قدس کا مرثیہ کیسے لکھیں

کھینچ لائیں حسن کی تصویر، ہے ممکن مگر ❖ حسن کا جو ناز تھا وہ زاویہ کیسے لکھیں

خلوتوں کا حال ممکن ہی نہیں لکھیں، مگر ❖ جلوتیں بھی اُس کی رشکِ تخلیہ کیسے لکھیں

ہوگئی تاریک محفل، دم بخود ہیں اہلِ دل ❖ آہ! اَب ہم کیف کا دورانیہ کیسے لکھیں

ملتِ ہندیہ پر پھر آج ٹوٹا ہے پہاڑ ❖ کس کو دیں آواز ہم یہ اَلمیہ کیسے لکھیں

صدرِ جمعیۃ اَمیر الہند رخصت ہوگیا ❖ آہ! حالِ ملتِ اسلامیہ کیسے لکھیں

اُن کی نسبت کا شرف دانشؔ ہمیں بھی ہو گیا

اِس عطا پر اپنے رب کا شکریہ کیسے لکھیں

❍❖❍

منظوم تأثرات

بروفات حسرت آیات امیر الہند
حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ
اُستاذ حدیث دار العلوم دیوبند، صدر جمعیۃ علماء ہند

ازقلم: (مفتی) اسرار احمد دانشؔ نجیب آبادی

سمرقند و بخارا کے نہیں اَعیان کو دیکھا
نہ ہی اپنے سلف اَعلامِ ہندوستان کو دیکھا
نہ اُن اَسلاف کے اَخلافِ عالیشان کو دیکھا
مگر ہاں، اُن کے ایک عکسِ حسیں ذیشان کو دیکھا
حسیں یادِ سلف یعنی شہِ عثمانؔ کو دیکھا
شَرَف یہ ہے ہمیں، ہم نے ابو سلمانؔ کو دیکھا

ہے دل عظمت سے پُر، کتنے عظیم انسان کو دیکھا
شہِ مدنیؔ کے داماد و ختن عثمانؔ کو دیکھا
اَمیر الہند رابع کو، ابوعفانؔ کو دیکھا
شہِ محمودؔ کی جاں، قلب کے اَرمان کو دیکھا
بجا ہے گر کہیں کہ فخرِ ہندوستان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلمانؔ کو دیکھا

وہی سلمانؔ جو یادِ سلف محبوبِ ملت ہیں
فقیہ وقت، فخرِ قوم ہیں، شیخ طریقت ہیں

یہاں عفانؔ جو ایک عالمِ قرآن و سنت ہیں
عظیم المرتبت داعی، شہنشاہِ خطابت ہیں
خوشا! اُن کے مربی، والدِ ذیشان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلمانؔ کو دیکھا

بتائیں کون تھا جو ہوگیا اوجھل نگاہوں سے
پتہ ہے کون تھا جو کم نہ تھا دنیا کے شاہوں سے
شہِ بے تاج، مستغنی تھا جو فوجوں سپاہوں سے
جو جاکر مل گیا عقبیٰ میں اپنے سربراہوں سے
یہی ہے جس میں ہم نے سیرت وقرآن کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلمانؔ کو دیکھا

تھا حسن یوسفی اور اُس میں مصطفوی اَدائیں تھیں
جبیں سے پھوٹتی ہر وقت نورانی شعاعیں تھیں
خدا نے لحنِ داوٗدی سی دیں اُن کو نوائیں تھیں
حسب کی اور نسب کی بھی فضیلت دائیں بائیں تھیں
یہ لگتا ہے کہ ظلِّ یوسفِ کنعان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلمانؔ کو دیکھا

اُصولی زندگی تھی ہر عمل میں استقامت تھی
یہی سب سے بڑی اُس ذاتِ عالی میں کرامت تھی
بہت محبوب شب پچھلے پہر رب کی عبادت تھی
سویرے سوگئے، کہ زندگی بھر کی یہ عادت تھی
بچشم خود اسی ایک بندۂ رحمان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلمانؔ کو دیکھا

مثالی وصف تھے سارے نرالی شان پائی تھی
تواضع از سرِ تا پا، بظاہر خوشنمائی تھی
شہنشاہی میں جس کی واقعی شانِ گدائی تھی
عیاں آثارِ تقویٰ تھے مسلّم پارسائی تھی
سعادت ہے کہ ایسے پیکر ایمان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلمانؔ کو دیکھا

مجازِ اسعدؔ مدنی تھے وہ عالم بلند پایہ
تھا شیخ ارشدؔ کا اُن پر پیری میں بھی آج تک سایہ
بذاتِ خود اَمیر کارواں، ملت کا سرمایہ
تھاہردم فکراُن کو بلغوا عني ولو آيه
اُمڈتے دل میں اُن کے دعوتی طوفان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلمانؔ کو دیکھا

تھی صبح نو، گیاؔ میں ہوگیا جس سے سویرا تھا
جہاں پر جہل تھا، بدعات تھیں، چھایا اندھیرا تھا
گیارہ سال پھر اَمروہہؔ میں جلوہ بکھیرا تھا
وہی جو مرکزِ دیں حضرتِ قاسمؔ کا ڈیرا تھا
یہاں مثل بدر، اُس ماہ ضو اَفشان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلمانؔ کو دیکھا

اُسے پھر مادرِ علمی میں آخر میں بلایا تھا
لہو دے کر یہاں اُس نے ہے گلشن کو سجایا تھا

سبھی کو پھر تو اُس نے اپنا گرویدہ بنایا تھا
وہ میرِ کارواں تھا ایک دن ایسا بھی آیا تھا
یہاں مسند نشیں اُس صاحبِ ایوان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلماںؔ کو دیکھا

وہ رخصت ہوگیا جس کی زمانے کو ضرورت تھی
جو شخصیت حدیثِ پاک کی مسند کی زینت تھی
جسے ہر وقت فکرِ پہرۂ ختم نبوت تھی
یقیں محکم، عمل پیہم، جواں پیری میں ہمت تھی
اَکابر کے اَمیں اُس خوب تر اِنسان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلماںؔ کو دیکھا

زمیں روتی ہے غم میں آسماں حیران و ششدر ہے
اندھیرا چھا گیا ہے، چھپ گیا ماہِ منور ہے
کھڑا زائر ہے اور بس سامنے ایک قبرِ اطہر ہے
لبوں پر ہے دعائے مغفرت اَشکوں سے منہ تر ہے
نہ پوچھو کیا ہے گذری جب ہے قبرستان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلماںؔ کو دیکھا

ہے آخر میں دعا یا رب! عطا کر عفو تام اُن کو
دے اپنی رحمتوں سے خاص جنت میں مقام اُن کو
بروز حشر ہم سب کا الٰہی کر اِمام اُن کو
ملے محشر میں ہم راہیِ اصحابِ عظام اُن کو
کبھی دانشؔ نے تجھ سے ہے نہیں حرمان کو دیکھا
شرف یہ ہے ہمیں ہم نے ابو سلماںؔ کو دیکھا

دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

منظوم تعزیت نامہ بر سانحۂ اِرتحال

اُستاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

ازقلم: مفتی حفیظ اللہ حفیظؔ قاسمی بستوی ناظم تعلیمات جامعہ سراج العلوم بھیونڈی وناظم تنظیم جمعیۃ علماء مہاراشٹر

نازشِ اُم المدارس، فخرِ ہندوستان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

صدر جمعیۃ اَمیر الہند، نائب مہتمم ❖ جس کی اِک نظرِ عنایت سے تھی آسان ہر مہم

کھولتا تھا جو رموزِ سنت و قرآن کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

باعثِ رشکِ بہاراں بن گیا جس کا قدوم ❖ جس سے مہکا گلشنِ علم و اَدب دارالعلوم

موڑتا تھا بادِ صرصر کے ہر اِک طوفان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

نغمہ ختم نبوت روز و شب گاتا رہا ❖ تابِ عشقِ مصطفیٰ سے دل کو گرماتا رہا

توڑ دیتا تھا یہ حق، باطل کے ہر اَرمان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

پیر دانائے طریقت عالمِ نحریر تھا ❖ ملتِ بیضاء کے خوابوں کی حسیں تعبیر تھا

ناز تھا بازی گرانِ ساغر و سندان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

تابشِ عثماںؒ سے با رونق تھا دارالاہتمام ❖ خوب دیدہ زیب تھا دارالمطالعہ کا نظام

آؤ روئیں عندلیبِ زیبِ چمنستان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

بانکپن اس کا رہا کرتا تھا رشکِ انجمن ❖ سرنگوں آکر جہاں ہوتے تھے سارے پیل تن

یاد رکھے گا زمانہ ہیبتِ ذیشان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

مدتوں آئے گی دامادِ حسینؒ احمدؒ کی یاد ❖ غم زدہ نظرِ عنایت پاکے ہوجاتے تھے شاد

زخم خوردہ دل نہیں بھولیں گے اس احسان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

طرزِ تدریس وخطابت بھی رہا ضرب المثل ❖ اُس کی سحر انگیز تحریریں رہیں بس بے بدل
ہائے ہم نے کھو دیا کس پرکشش عنوان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو
تشنگانِ علم پر ٹوٹا ہے پھر غم کا پہاڑ ❖ رو برو پھر آ گئی اَب جہل کی مضبوط آڑ
کون روکے گا خوش اُسلوبی سے اس عدوان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو
ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُس کو عندلیبانِ چمن ❖ مادرِ علمی کے سارے تشنگانِ فکر و فن
کون محفل میں بکھیرے گا حسیں مسکان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو
آہ! سرتاجِ امارت آہ! صدرِ جمعیۃ ❖ واقف اسرارِ تعلیم و رموزِ تربیت
چاند سورج کر گیا سلمانؒ اور عفانؒ کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو
کھو کے صدر جمعیۃ رو رہے محمودؒ ہیں ❖ سلسلے رنج و الم کے گھر میں لا محدود ہیں
خانوادہ رو رہا ہے نیک دل انسان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو
سید ارشدؒ صدر جمعیۃ بھی ہیں آشفتہ حال ❖ مرگِ بہنوئی، بہن کی بیوگی کا ہے ملال
آرزوئیں ڈھونڈتی ہیں جنتی مہمان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو
جس کی فہمائش سے حاصل تھا محبت کا شعور ❖ غم زدہ ہے کھو کے اُس کو سر بسر منصور پور
رو پڑے سب مرد و زن اس شیخ عالی شان کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو
اے خدا! اُم المدارسؒ کو ملے نعم البدل ❖ زلزلوں کی زد میں ہے کاخِ تقدس آج کل
تو ہی بس آباد کر سکتا ہے ہر ویران کو ❖ دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو
اے حفیظؔ اِک التجا ہے ہر دلِ غمگین میں ❖ بھیج دے عثمانؒ کو رب اعلیٰ علیین میں

فضل سے اپنے سکوں دے دے ہر اِک حیران کو
دیر تک روئے گی دنیا حضرتِ عثمانؒ کو

❍❖❍

چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

منظوم اظہارِ تعزیت بر وفات حسرت آیات

اَمیر الہند، اُستاذ العلماء حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب نور اللہ مرقدہٗ

اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیو بند، صدر جمعیۃ علماء ہند

نتیجۂ فکر: (مفتی) سید حسن ذیشان قادری رائے چور

دو چمن کا نیک مالی، شانِ شفقت چل دیا
چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

تو زمانے میں، مثالِ حلم و اُلفت بے نظیر ❖ خدمتِ جمعیتِ علماء ہے تیری ملک گیر
تھی دیانت تیری عالی، تو امارتؔ کا امیر ❖ کون ہے؟ ہوتا نہیں جو تیری سطوت کا اسیر

دو چمن کا نیک مالی، شانِ شفقت چل دیا
چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

بزمِ قاسمؒ میں نمایاں تھا تیرا علمی مقام ❖ تو موطاؔ کا محدث، فیضِ مشکوٰۃؔ تمام
عظمتِ کاشانۂ ملت کا، تھا تجھ سے قیام ❖ دیوبندؔ کی جستجو میں، تھا مثالی اہتمام

دو چمن کا نیک مالی، شانِ شفقت چل دیا
چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

نقش تیرا خوب تر تھا خلق تیرے لا جواب ❖ یادِ مولیٰ جس سے آئے، حسن تیرا ماہتاب
تو امیر الہندؔ تھا، اور المباحثؔ کا عقاب ❖ صدق میں تھا نیک خو، اور عدل میں روشن کتاب

دو چمن کا نیک مالی، شانِ شفقت چل دیا
چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

تربیت تیری مؤثر، گفتگو تیری عجیب ❖ تو عزیمت میں موٗفق، نسبتوں کا تو نجیب
تو سلیم القلب تھا، قاسمؒ کے حجرے کا نقیب ❖ گوشۂ خلوت کا ذاکر، رہبرِ دینِ حبیبﷺ

دو چمن کا نیک مالی، شانِ شفقت چل دیا
چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

تو اَسالیبِ اَدب کا اِک اَدیبِ باکمال ❖ قاطعِ مرزائیت تھا، تھا محدث بے مثال
خوب تھی پوشاک تیری، حلم میں تھا کچھ جلال ❖ مسکراتا ایک چہرہ، دلربا تیرا جمال

دو چمن کا نیک مالی، شانِ شفقت چل دیا
چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

فضل سے اللہ کے، کنبہ تیرا فیضان ہے ❖ ذرے ذرے میں جہاں، پرعلم ہے قرآن ہے
تیرے ورثے میں کوئی، سلمان ہے عفان ہے ❖ اِن مآثر کا مدبر، قاریٔ عثمانؒ ہے

دو چمن کا نیک مالی، شانِ شفقت چل دیا
چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

آج قاسم کا چمن، خاموش ہے دارالعلوم ❖ ٹوٹتے جاتے ہیں اس سے، روز ہاں علمی نجوم
آپ سے تھی میکدے میں روز اِک رندوں کی دھوم ❖ آپ کے جانے سے نالاں ہے دارالعلوم

دو چمن کا نیک مالی، شانِ شفقت چل دیا
چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

رحمتیں رحمان کی ہوں، تیرے مرقد پر سدا ❖ تا حشر پھیلائی جائے، تجھ پہ رحمت کی ردا
روزِ محشر تجھ کو آئے، خلد کی صالح ندا ❖ یہ دعا ذیشان کی ہے، سن لے مالک اے خدا

دو چمن کا نیک مالی، شانِ شفقت چل دیا
چھوڑ کر گلشن کو روتا، شاہِ عظمت چل دیا

❍❖❍

منظوم اظہارِ تعزیت

امیر الہند استاذ العلماء

حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری نور اللہ مرقدہ

ستاذِ حدیث و معاون مہتمم دار العلوم دیوبند، صدر جمعیت علماء ہند

نتیجہ فکر: (مفتی) سید حسن ذیشان قادری رائے چور

نقش تیرا خوب تر تھا، خلق تیرے لاجواب ❖ یادِ مولیٰ جس سے آئے، حسن تیرا ماہتاب
تو امیر الہند تھا، اور ہوشمند تیرا خطاب ❖ صدق میں تھا نیک خو، اور عدل میں روشن کتاب
تربیت تیری مؤثر، گفتگو تیری عجیب ❖ تو عزیمت میں مؤفق، نسبتوں کا تو نجیب
تو سلیم القلب تھا، قاسمؒ کے حجرے کا نقیب ❖ گوشۂ خلوت کا ذاکر، رہبرِ دینِ حبیب
تو اسالیبِ ادب کا اک ادیبِ باکمال ❖ قاطعِ مرزائیت تھا، تھا محدث بے مثال
خوب تھی پوشاک تیری، حلم میں تھوڑا اجلال ❖ مسکراتا ایک چہرہ، دلربا تیرا جمال
فضل سے اللہ کے، کنبہ تیرا فیضان ہے ❖ ذرے ذرے میں جہاں پر، علم ہے قرآن ہے
تیرے ورثے میں کوئی، سلمان ہے عفان ہے ❖ ان مآثر کا مدبّر، قاریٔ عثمانؒ ہے
آج قاسم کا چمن، خاموش ہے دار العلوم ❖ ٹوٹتے جاتے ہیں اس سے، روز ہاں علمی نجوم
آپ سے تھی میکدے میں روز اک رندوں کی دھوم ❖ آپ کے جانے سے نالاں، آج ہے دار العلوم
رحمتیں رحمان کی ہوں، تیری مرقد پر سدا ❖ تا حشر پھیلائی جائے، تجھ پہ رحمت کی ردا

روزِ محشر تجھ کو آئے، خلد کی صالح ندا
یہ دعا ذیشان کی ہے، سن لے مالک اے خدا

❍❖❍

نازشِ دوراں نہیں رہے

عظیم المرتبت، قافلۂ سالار مسافرانِ جلیل، مربی مشفق،

اُستاذی المحترم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری صاحب نوراللہ مرقدہ

کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند، صدر جمعیۃ علماء ہند کی وفات حسرت آیات پر کہی گئی ایک نظم

غمزدہ تلمیذ: طارق بن ثاقب خادم: معہد ترتیل القرآن ملت نگر، ارریہ (بہار)

ہے واقعہ کہ نازشِ دوراں نہیں رہے ❖ تاریکیاں ہیں تابشِ عرفاں نہیں رہے
بے تابیاں ہیں مرکزِ احساں نہیں رہے ❖ ومیاں ہیں قاسمِ فیضاں نہیں رہے
علم و عمل کے مہر درخشاں نہیں رہے ❖ حلم و وقار کے مہ تاباں نہیں رہے
انسانیت کے اعلیٰ نگہباں نہیں رہے ❖ اقدارِ دل نواز کے سلطاں نہیں رہے
حقانیت کے دُرفشِ میداں نہیں رہے ❖ اس دور کے عظیم اک انساں نہیں رہے
فطرت کے جاں نواز غزل خواں نہیں رہے ❖ حسنِ سخن کار و کش خوباں نہیں رہے
لہجے پہ جن کے بربط جبریل کا گماں ❖ ہوتا تھا ایسے قاری قرآں نہیں رہے
یعنی ہمارے مہرباں استاذِ محترم ❖ مولانا قاری حضرتِ عثماں نہیں رہے
یکساں تھا جن کا ظاہر و باطن بہ فضل رب ❖ ایمان کا وہ جوہرِ رخشاں نہیں رہے
واللہ وہ مرید نہ تھے اک مراد تھے ❖ اللہ کی زمیں کے تھے مہماں نہیں رہے
گم گشتۂ راہِ حق کے تھے جو مرشد عظیم ❖ یعنی مریض دل کے وہ درماں نہیں رہے
لفظوں سے ان کے لپکے نکلتے تھے نور کے ❖ نورانی گفتگو کے وہ سحباں نہیں رہے
اپنی صفوں میں جو رہے ممتاز عمر بھر ❖ اپنی ادا میں جو تھے نمایاں نہیں رہے
جو حد اعتدال کے تھے آخری نشان ❖ وہ رفعتِ کمال میں پنہاں نہیں رہے
جو کھولتے تھے علم و ہنر کے سنہرے باب ❖ وہ صاحب کلید زر فشاں نہیں رہے
جن کا ہر ایک گام شعور حیات تھا ❖ درسِ حیات کا وہ دبستاں نہیں رہے

محدود ان کا تھا نہ کبھی حیطۂ عمل ❖ مشکل گھڑی میں وہ کبھی حیران نہیں رہے
یکتا تھے زیرکی میں نہیں اس میں کوئی شک ❖ دانش وری کی شمعِ فروزاں نہیں رہے
جن کی حیا سے غیرتِ ناہید پست تھی ❖ وہ صاحب جمال دُرفشاں نہیں رہے
وہ بولتے تھے جب تو فضا ہوتی مشکبار ❖ اپنے سکوت میں تھے جو بستاں نہیں رہے
جن کے وجود کو کہیں اک گنج شائگاں ❖ ہر مستمند کے وہ مہرباں نہیں رہے
واللہ! یہ بھی سچ ہے کہ ہم بے بسوں کے بیچ ❖ حضرت تھے ایک ولولۂ ساماں نہیں رہے
پاکیزگی و زہد و ورع میں تھے بے مثال ❖ خوئے حیا میں نائب عثمانؓ نہیں رہے
جن کی دلیل سے کٹی باطل کی شاہِ رگ ❖ وہ حق کے ایک خنجر براں نہیں رہے
رونق تھی جن کی ذات سے دار العلوم میں ❖ صد حیف! وہ ہی لعل بدخشاں نہیں رہے
قدرت نے ان کو دی تھی بہت ژرف بیں نگاہ ❖ وسعت میں اس کی جو رہے کوشاں نہیں رہے
بچے ہیں کیسے، کہیے میاں، خیریت تو ہے؟ ❖ میرے وہ حال چال کا پرساں نہیں رہے
تشنہ بہت ہے داستاں میری حیات کی ❖ تکمیل جن سے ہوتی وہ عنواں نہیں رہے
شرمندہ ان کے خواب کی تعبیر ہو سبھی ❖ کھلتا تھا جن سے ہر درِ امکاں نہیں رہے
ان کا بہت حضورِ مولیٰ سے پیار تھا ❖ وہ روشنی شمع شبستاں نہیں رہے
سبطِ رسول کا تھا جنہیں پاس خسروی ❖ آلِ رسول کے وہ طرح داں نہیں رہے
سلمانؔ اور عفاںؔ کو دے عمر تو دراز ❖ اپنے کرم سے کیے جیو! ہر گام سرفراز
ان کے ہر ایک آل کو ملت میں ارجمند ❖ اپنی عطا سے سیدہؔ رشدہ کو کر بلند
عظمت فزوں ہو، دل کو میسر ہو ان کے چین ❖ شاداں رہیں ہمیشہ اے ربِ مشرقین
ان کے سروں پہ ماں کا رہے سایۂ طویل ❖ سب کے لیے بنی رہیں وہ موجِ سلسبیل
پسماندگان کو صبر دے، لطف و کرم کے ساتھ ❖ ربی! تو رکھ انہیں بڑے ناز و نعم کے ساتھ

مرقد کو ان کے نور سے بھر دے مرے خدا
ہر لمحہ تجھ سے ہے یہی طارقؔ کی التجا

❍❖❍

اشکھائے فراق

بہ موقع رحلت حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ

معاون مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

تاریخ پیدائش: منصور پور ۱۹۲۲ء—— فراغت ۱۹۶۵: از دارالعلوم دیوبند

وفات ۲۱رمئی ۲۰۲۱ء/۸رشوال المکرّم ۱۴۴۲ھ جمعۃ المبارک

کاوشِ قلم: احقر محمد قاسم صاحب لوہاروی (محصل جامعہ بلاس پور)

آہ امیر الہند حضرت قاری عثمان میاں ❖ لٹ گئی ہے تیرے جانے سے بہارِ گلستاں

وائے ناکامی کہ وہ داغِ جدائی دے گئے ❖ اور اچھے کارنامے ساتھ اپنے لے گئے

مادرِ علمی کا ہے اب بوٹا بوٹا سوگوار ❖ غنچہ غنچہ مضطرب ہے ڈالی ڈالی بے قرار

تھے محدث وہ مفسر اور امیر کارواں ❖ اور تھے اسلامیانِ ہند کے وہ ترجماں

مادرِ علمی رہا دار العلوم دیوبند ❖ جس کے یہ ثابت ہوئے تھے ایک ابن ہوش مند

پاک طینت، نیک سیرت، پیکر ہر علم وفن ❖ وہ مربی وہ معلم، مصلحِ اہلِ زمن

تھے بڑے نامی گرامی، قابل تکریم تھے ❖ معتبر تھے عالموں میں لائق تعظیم تھے

ان کی فطرت میں رچی تھی سادگی عجز و نیاز ❖ خلوتوں میں کرتے تھے اللہ سے راز و نیاز

مانے جاتے تھے مجالس میں بہت ہی معتبر ❖ چاند کی صورت رہے اسٹیج پر وہ جلوہ گر

صاف کردار وعمل کے تھے، تہجد خیز تھے ❖ جو مواعظ ہوتے تھے، سارے نصیحت خیز تھے

حافظہ اُن کا تھا، صاف شستہ تھی زباں ❖ وہ زمانے میں رہے ہیں، دینِ حق کے ترجماں

حضرت مدنی کے تھے وہ ایک منظور نظر ❖ علم وفن کے وہ لُٹاتے، قیمتی لعل و گہر

مدتوں سے وہ رہے تھے، شہر دیوبند میں مقیم ❖ عالموں کے درمیاں وہ رکھتے تھے منصب عظیم
ان کے شاگردوں کی دنیا میں ہوئی لمبی قطار ❖ ان کے جانے سے ہوئے اہل تعلق بے قرار
مدتوں جاری رہا فیض از ہر ہند میں ❖ خوب پھیلا فیض ان کا سارے ہندوستان میں
ان کا فیض علم وفن جاری زمانے میں ہوا ❖ نام نامی شیخ عثمانؒ کا زمانے میں ہوا
آج سلمانؔ اور عفانؔ پر گرا کوہِ اَلم ❖ فرطِ غم سے خانوادہ مدنیؒ کی آنکھیں ہیں نم
گھر کے ہر خورد وکلاں کو ہو عطا صبر جمیل ❖ کر حفاظت روز وشب ان سب کی اے ربّ جلیل
حشر تک آباد ساقی کا یہ میخانہ رہے ❖ روز وشب گردش میں قاسمؔ جام و پیمانہ رہے

یہ دعا قاسمؔ کی ہے مغفور ہوں یا رب اَمیر
حشر میں اُن کو عطا ہو سایۂ عرشِ عظیم

❍❖❍

صاحبِ فکر و نظر، پیکرِ عرفان گیا

(مفتی) لئیق احمد راغبؔ بارہ بنکوی اُستاذ جامعہ اسلامیہ عربیہ رحمانیہ ٹانڈہ رام پور

فخرِ اسلام گیا، شانِ مسلمان گیا
صاحبِ فکر و نظر، پیکرِ عرفان گیا

آسمان اور زمین کیوں نہ بہائیں آنسو
جب کہ اِک ختمِ نبوت کا نگہبان گیا

صاحبِ حلم و حیا، حامل عثمانی صفت
زمزمہ سنج وفا، وقت کا عثمان گیا

مضمحل پھول تو کلیاں ہوئی غمگین سبھی،
سسکیاں دے کے عنادل کو مہربان گیا

سبطِ اَولاد علی اور ولیوں کا ولی
صاحبِ سوزِ دروں عالمِ ذیشان گیا

چشم باطل میں سدا، درد کی صورت جو رہا
روٹھ کر ہم سے وہی قاریٔ قرآن گیا

جس کے جذبوں سے لرزتا تھا شبستانِ دروغ
گل بداماں صد افسوس! وہ اِیوان گیا

ہم تو سمجھتے تھے کہ ٹھہرے گا ابھی اور لئیقؔ
حکم ربی جو ملا خلد کا مہمان گیا

❍❖❍

پھر آنکھیں ہوئیں ہیں نم دیدہ

پھر آنکھیں ہوئیں ہیں نم دیدہ پھر درد سے دل حیران ہوئے
ہر ایک بشر ہے رونے لگا، رخصت جو سنا عثمان ہوئے

یہ کس کی جدائی سے ہر سو رنجور ہوئی ہے ساری فضا
مفقود ہوئی پھولوں سے مہک ہر ایک چمن ویران ہوا

جو بحرِ علومِ نبوی میں ڈوبے تھے سراپا رات اور دن
اس شیریں بیانی لہجے سے پھر طالب دیں انجان ہوئے

موسوم امیرِ ہند سے جو مشہور تھے سارے عالم میں
اَفسوس کہ شفقت سے ان کی محروم سبھی انسان ہوئے

جو محفل علم و ہنر جن سے آراستہ روز و شب تھی یہاں
بے نور ہوئی ہے ہر محفل ہر قصرِ سخن سنسان ہوئے

نالاں ہیں سراپا جمعیۃ مقبول صدر کے جانے سے
وہ چھوڑ چلا ہے دنیا کو اسلاف کی جو پہچان ہوئے

دن رات مصائب کا عالم ہر وقت حوادث کی بارش
محسوس یہ ہوتا ہے ناظمؔ ہر سمت بپا بحران ہوئے

بیاد: حضرت قاری محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ

محمد زبیرالہندی

جو رخِ چمن کا نکھار تھا، وہ کہاں گیا، اُسے ڈھونڈ لا

وہ جو روحِ رنگ بہار تھا، وہ کہاں گیا، اُسے ڈھونڈ لا

جہاں رفعتوں کو بھی ناز ہو، وہ مقام اُس کا نصیب تھا

وہ جو اختروں میں شمار تھا، وہ کہاں گیا، اُسے ڈھونڈ لا

اے نگار صبح چمن ذرا وہ سخن شناس و عطا شعار

جو سراپا مثل بہار تھا، وہ کہاں گیا، اُسے ڈھونڈ لا

جو خزاں راتوں میں بھی اے ثمر تھا سفیرِ بزم جنوں یہاں

جو وبا میں وجہِ قرار تھا، وہ کہاں گیا، اُسے ڈھونڈ لا

مری چشم تر یہ ظروفِ غم، سو نچوڑنے ہیں، مگر ابھی

جو قرارِ قلبِ نزار تھا، وہ کہاں گیا، اُسے ڈھونڈ لا

ہیں اُسی کے دم سے یہ رونقیں جو حریم جاں سے ہیں منسلک

وہ جو روشنی کا منار تھا، وہ کہاں گیا؟ اُسے ڈھونڈ لا

تھے طیور جس پہ غزل سرا وہی آج نذرِ خزاں ہوا

وہ جو سایہ دار چنار تھا، وہ کہاں گیا؟ اُسے ڈھونڈ لا

میں تو خوار اہل نظر میں ہوں، مجھے چھوڑ دے مرے حال پر

وہ جو اہل دل کی پکار تھا، وہ کہاں گیا؟ اُسے ڈھونڈ لا

لوحِ وصال دقیقہ فہم اَمیر الہند قاری محمد عثمانؒ

۱۴۴۲ھ

از: مفتی محمد شاکر نثار مدنی قاسمی اُستاذ حدیث وفقہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڈھ

نحمده الشكور الحميد ونصلي على النبي الكريم
۱۴۴۲ھ

أعوذ بالله الودود الشهيد من الشيطان الرجيم
۲۰۲۱ء

بسم الله المتين العزيز الرحمن الرحيم
۱۴۴۲ھ

قال الحي العليم:
أولئک أصحاب الجنة هم فيها خالدون
۱۴۴۲ھ

قال البديع المعيد: أدخلوا الجنة لا خوف عليكم
۲۰۲۱ء

قال المبدئ المعز: سلام عليكم بما صبرتم
۱۴۴۲ھ

قال الخالق السلام: كل من عليها فان
۱۴۴۲ھ

قال الحبيب المصدق عليه الصلاة والسلام:
تحفة المؤمن الموت
۲۰۲۱ء

غفر له الواحد الولي
۱۴۴۲ھ

نوَّر مرقده الستار الجامع
۱۴۴۲ھ

مرقد قمر زماں قاری سید محمد عثمانؒ
۲۰۲۱ء

آہ اشرف زماں قاطع قادیانیت
۱۴۴۲ھ

مرقد یادگار اسلاف مرد عادل امیر الہند
۱۴۴۲ھ

صدر جمعیۃ علماء ہند ومعاون مہتمم ملجأ اہل اسلام دار العلوم دیوبند
۲۰۲۱ء

معدن کرم صدر جمعیت علماء ہند
۱۴۴۲ھ

آہ عالی وقار صدر جمعیت علماء ہند
۱۴۴۲ھ

شمع جمال قاری سید محمد عثمان علیہ الرحمہ
۲۰۲۱ء

محدث ناطق از ہر ہند دار العلوم دیوبند
۱۴۴۲ھ

آہ! معدن گوہر اُستاذ دار العلوم دیوبند
۲۰۲۱ء

آہ! اہل فہم رکن رکین جمعیت علماء ہند
۱۴۴۲ھ

آہ! قبلۂ علم اُستاذ گرامی قدر
۲۰۲۱ء

عالی نسب عثمان ذوالقمرین
۲۰۲۱ء

عالم مصنف اُستاذ دار العلوم دیوبند
۲۰۲۱ء

عالی مقام معاون مہتمم دار العلوم دیوبند
۱۴۴۲ھ

اَشعار

چراغ محافل ولادت ہے تیری ترا سال رحلت فروغِ عموم
۱۳۶۳ھ ۱۴۴۲ھ

[ہاتف غیب بولا وہ خوش خوش گئے منشور عالی سے باغ ارم
۲۰۲۱ء

ہاتف رشد از شاکر بگفت] عالم نافع داخل جنت بود
۲۰۲۱ء ۱۴۴۲ھ

[سالِ وفات شد عیاں تاج خلق در جناں
۱۴۴۲ھ

از چاک دل شاکر نثار مدنی] از بندہ حقیر محمد شاکر اعظمی
۱۴۴۲ھ ۲۰۲۱ء

صنعت مربع بروصال اَمیر الہند قدس سرہ

۲۰۲۱ء

❖	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	❖
۲۰۲۱ء	عارف	کامل	نافع	شارح	قاید	ماہر	صابر	طاہر	۲۰۲۱ء
۲۰۲۱ء	کامل	نافع	شارح	قاید	ماہر	صابر	طاہر	عارف	۲۰۲۱ء
۲۰۲۱ء	نافع	شارح	قاید	ماہر	صابر	طاہر	عارف	کامل	۲۰۲۱ء
۲۰۲۱ء	شارح	قاید	ماہر	صابر	طاہر	عارف	کامل	نافع	۲۰۲۱ء
۲۰۲۱ء	قاید	ماہر	صابر	طاہر	عارف	کامل	نافع	شارح	۲۰۲۱ء
۲۰۲۱ء	ماہر	صابر	طاہر	عارف	کامل	نافع	شارح	قاید	۲۰۲۱ء
۲۰۲۱ء	صابر	طاہر	عارف	کامل	نافع	شارح	قاید	ماہر	۲۰۲۱ء
۲۰۲۱ء	طاہر	عارف	کامل	نافع	شارح	قاید	ماہر	صابر	۲۰۲۱ء
❖	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	۲۰۲۱ء	❖

یہ مصرعہ ۶۴ ؍ بار پڑھا جاسکتا ہے، اور ہر چہار طرف سے اُستاذ گرامی قدر اَمیر الہند حضرت مولانا وقاری سید محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اُستاذ حدیث ومعاون مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند (ولادت رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ مطابق اگست ۱۹۴۴ء متوفی ۸؍شوال ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۲۱ء بروز جمعہ) کے سال رحلت کا عدد (۲۰۲۱ء) برآمد ہوتا ہے، جو (۱۴۴۲ھ) کے مطابق ہے۔

از عطائے حق شاکرؔ منجیر پٹی
۱۴۴۲ھ

ازقلم بندشاکر قاسمی اُستاذ بیت العلوم
۲۰۲۱ء

رفتگان

۲۰۲۱ء

تبرکات واِفادات

تحدیثِ نعمت

(**ایک یادگار تحریر:** اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ)

اِس سال ۲۴؍ شعبان المعظم ۱۴۴۲ھ مطابق ۷؍ اپریل ۲۰۲۱ء بروز بدھ حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کی دعوت پر برادرِ عزیز مولانا مفتی قاری سید محمد عفان منصور پوری سلمہ کے بیٹے عزیزم سید محمد ہشام سلمہ کے حفظِ قرآن کی تکمیل کی مناسبت سے ایک باوقار تقریب دیوبند میں منعقد ہوئی تھی، جس میں منصور پور اور دیوبند کے خاندان کے تقریباً سبھی حضرات اور دیگر متعلقین علماء اور اَساتذۂ دارالعلوم نے شرکت فرمائی۔ اِس موقع پر حضرت والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ نے ''تحدیثِ نعمت'' کے طور پر ''احقر پر اللہ تعالیٰ کے بعض اہم انعامات کا تذکرہ اور اُن کی ترغیب وتحریص'' کے عنوان سے ایک تحریر مرتب فرما کر سبھی حاضرین کی خدمت میں پیش کی، جس میں خاص طور پر نسلوں کی دینی تربیت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور اِس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے احسانات کا شکریہ اَدا کیا گیا ہے۔ یہ یادگار تحریر اِفادہ کے لئے ذیل میں پیش کی جارہی ہے۔ (مرتب)

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ﴾ [سورة الضحىٰ: ١١]

''**حَــدِّثْ**'' تحدیث سے مشتق ہے، جس کے معنی بات کرنے کے ہیں، مراد یہ ہے کہ اے محمد! آپ (اپنے اوپر ہونے والی) اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا لوگوں کے سامنے ذکر کیا کریں کہ یہ بھی شکر گذاری کا ایک طریقہ ہے۔ (معارف القرآن) ہر نعمت کا شکر اَدا کرنا واجب ہے، دینی ہو یا دنیوی۔ (تفسیر مظہری)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تَحْدِيْثُ النِّعْمَةِ شُكْرٌ وَمِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ قَوْلُهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَنَا

سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ" وَنَحْوِ ذٰلِکَ. (تفسیر مظهری)

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے انعام کو ذکر کرنا شکر کرنے کی ایک شکل ہے، اِس سلسلے میں حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد ہے کہ: ''میں تمام اَولادِ آدم کا سردار ہوں اور میں اِس پر فخر نہیں کرتا ہوں''۔

اور اِمام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

وَمِنْهُ مَا رُوِيَ عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ قَالَ: مَا عَمِلْتَ مِنْ خَيْرٍ فَحَدِّثْ بِهٖ إِخْوَانَکَ لِيَقْتَدُوْ بِکَ. قَالَ: إِنَّ هٰذَا إِنَّمَا يَحْسُنُ إِذَا لَمْ يَتَضَمَّنْ رِيَاءً وَظَنَّ أَنَّ غَيْرَهٗ يَقْتَدِيْ بِهٖ. (تفسير كبير)

یعنی حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب تم سے کوئی نیک عمل ہو جائے تو اُس کو بھائیوں اور اَحباب سے بیان کرنا چاہئے؛ تا کہ وہ بھی اُس جیسا نیک عمل کریں۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اِس طرح اپنا نیک عمل دوسرے کے سامنے بیان کرنا اُسی وقت مستحسن اور پسندیدہ ہے جب کہ بیان کے وقت دل میں ریاکاری کا خیال نہ ہو، اور اس کو گمان ہو کہ دوسرے لوگ بھی اُس کو سن کر یہ عمل کریں گے۔

اور علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

وَقَدِ اسْتَحَبَّ بَعْضُ السَّلَفِ اَلتَّحَدُّثَ بِمَا عَمِلَ مِنَ الْخَيْرِ إِذَا لَمْ يُرِدْ بِهِ الرِّيَاءَ وَالْإِفْتِخَارَ وَعَلِمَ الْإِقْتِدَاءَ بِهٖ. (روح المعاني)

یعنی بعض سلف نے اپنے کئے ہوئے نیک عمل کو دوسروں کے سامنے بیان کرنے کو پسندیدہ قرار دیا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ دِکھلاوے اور بڑائی جتلانے کی نیت نہ ہو، اور اُسے اُمید ہو کہ اُس کے نیک عمل کے موافق لوگ بھی عمل کریں گے۔

مذکورہ بالا آیتِ کریمہ اور اُس کی تفسیر کی روشنی میں یہ امر پوری طرح واضح ہو گیا کہ خداوند رحمٰن ورحیم کی طرف سے بندے کو ملنے والی دینی ودنیوی نعمتوں کو بیان کرنا صرف مناسب ہی

نہیں؛ بلکہ اُن نعمتوں کی وجہ سے واجب ہونے والے شکر کو بجالانا ہے؛ جو ضروری ہے۔

اور شکر کے معنی ''نعمت کی قدردانی'' کے آتے ہیں۔ جس کے مقابلے میں لفظ ''کفران'' آتا ہے، جو ''ناقدری'' کے معنی میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں نعمت کی ناقدری کرنے پر سخت وعیدی کلمات اِرشاد فرمائے ہیں: ﴿وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ﴾ [إبراهيم: ٧]

ترجمہ:- اور وہ وقت یاد کرو جب کہ تمہارے رب نے تم کو اطلاع فرمادی کہ اگر تم شکر کروگے تو تم کو زیادہ نعمت دوں گا، اور اگر تم ناشکری کروگے تو میرا عذاب بڑا سخت ہے۔ (حضرت تھانویؒ)

اِس لئے راقم الحروف اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں کا ذکر کرکے اُس کا حق شکر اَدا کرنا چاہتا ہے، حاشا کلا! اِن کے بیان کرنے سے اپنی بڑائی اور ان پر فخر کرنا مقصود نہیں؛ بلکہ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے مسلمان بھی اللہ تعالیٰ سے ان نعمتوں کا سوال کریں اور ان کے حصول کی تدبیر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اِرشاد فرمایا: ﴿وَفِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ﴾ (المطففين: ٢٦) **(اور حرص کرنے والوں کو ایسی چیز کی حرص کرنا چاہئے)**

خداوند قدوس نے احقر کو بڑے نیک والدین کے ذریعہ دنیا میں وجود بخشا، جن کو خداوند کریم نے دین اسلام اور قرآنِ کریم سے بے حد تعلق عنایت فرمایا تھا، اور اکابر ومشائخ دیوبند رحمہم اللہ سے اُن کو بڑی عقیدت تھی۔ جناب والد سید محمد عیسیٰ صاحبؒ قصبہ منصور پور ضلع مظفر نگر کے باعزت خاندانِ سادات سے تھے، اور والدہ صاحبہ مرحومہ خانجہاں پور کے مؤقر خاندانِ سادات سے تھیں، احقر کے نانا مولانا سید محمد نبیہ صاحبؒ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے ممبر رہے ہیں، اور حضرت اقدس شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ اور اُن کے شاگرد رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خانوادے سے نانا جان کا بڑا قریبی وگہرا تعلق تھا، اور احقر کے دادا سید محمد ادریس مرحوم عالم تو نہیں تھے؛ لیکن قرآنِ کریم اور اکابر دیوبند سے اُن کو بھی بہت

تعلق تھا، انہی نسبتوں کا اثر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے والدین کو بھی قرآنِ کریم سے گہرا تعلق اور دینی عقائد واعمال پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے احقر کے والدین کو تین بیٹے اور چار بیٹیاں عطا فرمائیں، اُنہوں نے تینوں بیٹوں (سید محمد موسیٰ وسید محمد داؤد رحمہما اللہ اور راقم الحروف) کو حافظ قرآن بنانے کی دعائیں کیں، اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی دعا قبول فرمائی؛ چناں چہ تینوں حافظ بنے اور تراویح میں سناتے رہے۔ والدین مرحومین کی آرزو کے موافق شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ کی بیٹی (سیدہ عمرانہ مدنی) احقر کی زوجیت میں آئیں، اِس مبارک نکاح (جو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نور اللہ مرقدہٗ نے پڑھایا تھا) کا اثر ظاہر ہوا کہ احقر کی تینوں اولاد، دونوں بیٹے (مفتی محمد سلمان، مفتی قاری محمد عفان) اور ایک بیٹی کو اللہ تعالیٰ نے حفظ قرآنِ کریم اور اُس کو پڑھنے اور سنانے کی نعمت عظمیٰ سے نوازا ہے۔ **فللّٰہ الحمد والمنة.**

مفتی سید محمد سلمان کے تین بیٹے (مفتی حافظ سید ابوبکر صدیق، حافظ سید محمد عمر، حافظ سید محمد عدی) اور ایک بیٹی حافظ قرآن ہیں، اور احقر کی بیٹی (رشدیٰ سلمہا) کے ایک بیٹا اور دو بیٹیاں حافظ قرآن ہیں۔ مفتی قاری سید محمد عفان کا ایک بیٹا (سید محمد ہشام) ہے، وہ بھی حافظ قرآن بن گیا ہے، خداوند قدوس آئندہ بھی اِس گھرانے میں حفظ قرآن کا سلسلہ جاری رکھیں، جو قرآنِ کریم کے تاقیامت محفوظ رہنے کا ایک بڑا سبب اور ذریعہ ہے۔

چناں چہ سیدنا حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا تھا:

”کَیْفَ یَذْهَبُ الْعِلْمُ؟ (الْقُرْآنُ) وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَنُقْرِأُهُ أَبْنَائَنَا وَیُقْرِأُهُ أَبْنَائُنَا أَبْنَائَهُمْ ۔یعنی قرآن دنیا سے کیسے ناپید ہوجائے گا؟ جب کہ صورتِ حال یہ ہے کہ ہم خود قرآن پڑھتے رہتے ہیں، اور ہم اپنی اَولاد کو قرآن پڑھاتے ہیں، اور ہماری اَولاد بھی اپنی اَولاد کو قرآن پڑھائے گی۔

خلاصہ یہ کہ اِس طرح قرآنِ کریم قیامت تک نسلاً بعد نسل منتقل ہوتا رہے گا اور محفوظ

رہے گا۔

یہ تفصیلی روایت کا ایک ٹکڑا ہے، مکمل حدیث درج ذیل ہے، جس میں قرآنِ کریم کے احکام پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے دنیا میں تشویش ناک حالات پیدا ہونے کی وعید سنائی گئی ہے۔

عَنْ زِيَادِ بْنِ لَبِيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: ذَكَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا، فَقَالَ: ذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! كَيْفَ يَذْهَبُ الْعِلْمُ؟ (الْقُرْآنُ) وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَنُقْرِأُهُ أَبْنَائَنَا وَيُقْرِأُهُ أَبْنَائُنَا أَبْنَائَهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ زِيَادُ! إِنْ كُنْتُ لَأَرَاكَ مِنْ أَفْقَهِ رَجُلٍ بِالْمَدِيْنَةِ أَوَ لَيْسَ هٰذَا الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى يَقْرَؤُنَ التَّوْرَاتَ وَالإِنْجِيْلَ لَا يَعْمَلُوْنَ بِشَيْءٍ مِمَّا فِيْهِمَا. رواه الترمذي. (مشكاة المصابيح / كتاب العلم ص: ٣٨)

ترجمہ:- ’’ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ چل کر اُمتِ محمدیہ کو پیش آنے والے انتہائی پریشان حالات کا تذکرہ فرمایا، اور اِرشاد فرمایا کہ یہ حالات اُس وقت پیش آئیں گے جب کہ علم (قرآنِ کریم) جاتا رہے گا، اِس پر حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ نے یہ طالب علمانہ اشکال کیا کہ علم کیسے دنیا سے ناپید ہوجائے گا؟ جب کہ ہم خود قرآنِ کریم پڑھتے ہیں اور ہم اپنے بچوں، بچیوں کو قرآنِ کریم پڑھاتے ہیں، اور ہماری اولاد بھی اپنی اَولاد کو قرآنِ کریم پڑھائے گی، اور تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشکال کا اِزالہ فرمانے سے پہلے حضرت زیادؓ کو مخاطب کرکے فرمایا: تمہیں تمہارے ماں گم کرے (یعنی تم بڑے قابلِ رحم ہو) پھر فرمایا کہ میں اَب تک تمہیں مدینہ منورہ کے بڑے سمجھ دار لوگوں میں سے سمجھتا تھا، کیا دیکھ نہیں رہے ہو کہ یہود و نصاریٰ تورات و انجیل کو پڑھتے تو ضرور ہیں؛ لیکن اُن کے کسی حکم پر عمل نہیں کرتے‘‘۔

مطلب یہ ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد: ’’**ذَاكَ عِنْدَ أَوَانِ ذَهَابِ الْعِلْمِ**‘‘ سے قرآن کا بالکلیہ ناپید ہونا مراد نہیں؛ بلکہ مسلمان اُس کے احکام پر عمل کرنا

چھوڑ دیں گے، جیسے یہود ونصاریٰ نے تورات وانجیل پر عمل کرنا چھوڑ دیا ہے، عمل نہ کرنے کی وجہ سے اُن کے لئے ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

خلاصہ یہ کہ دین کی بقا کے لئے قرآنِ کریم کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہنا بھی ضروری ہے، اور ساتھ میں قرآنی تعلیمات اور شریعت پر عمل کا اہتمام بھی لازم ہے۔ ہم سب کو اِس بارے میں ضرور فکر مند رہنا چاہئے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری نسلوں میں دین واِیمان اور قرآن کی حفاظت کے فیصلے فرمائیں، اور ہمارا حشر آخرت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ فرمائیں، آمین۔

احقر محمد عثمان منصور پوری
خادم تدریس دار العلوم دیوبند

درسِ نظامی سے فراغت علم کی تکمیل نہیں

ناصحانہ خطاب بموقع: اختتام ''طحاوی شریف'' بمقام: دارالحدیث دارالعلوم دیوبند

بتاریخ: ۱۳؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۰؍مارچ ۲۰۱۹ء بروز بدھ بعد نماز مغرب

اَز: اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

(جمع وضبط: مفتی محمد ابراہیم قاسمی مراد پوری)

نحمده ونصلي علیٰ رسوله الكريم، أما بعد!

بہت سے اَحباب یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے دورہ پڑھ لیا تو ہم تعلیم سے فارغ ہوگئے، ہم نے فضیلت حاصل کرلی، اور ہم مکمل عالم بن گئے، اور اَب ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، تو یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

اِس لئے اِس موقع پر حضراتِ مشائخ یہ نصیحت فرماتے ہیں کہ مدرسہ سے فراغت کو علم کی تکمیل نہیں سمجھنا چاہئے؛ بلکہ یہ دراصل علم کا آغاز اور ابتداء ہے؛ گویا کہ یہ ساری کتابیں پڑھنے کے بعد آپ کے اندر اتنی صلاحیت پیدا ہوگئی ہے کہ اگر آپ محنت جاری رکھیں، تو اپنے علم میں اِضافہ کرسکتے ہیں، اِس لئے یہ سمجھنا کہ اَب تو میں فارغ ہوگیا، سند مل گئی، یا اعلیٰ نمبر سے پاس ہوگیا، تو اَب کتابیں دیکھنے کی کوئی ضرورت نہ رہی، یہ خیال نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ آگے علمی مشغلے میں لگ کر اپنی استعداد کو پختہ کرنے کی کوشش برابر جاری رہنی چاہئے۔

آفاتِ علم سے اپنے آپ کو بچائیں!

دوسری بات یہ ہے کہ علم کی آفات سے بچنا چاہئے، جن میں سب سے بڑی آفت ''کبر'' ہے۔ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ جب علم آتا ہے تو اُس کے ساتھ غیر محسوس طریقے پر آدمی کے دل

میں تکبر کے جذبات بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ''تکبر'' کا مطلب یہ ہے کہ ''اِنسان اپنے آپ کو برتر اور دوسروں کو اپنے سے کمتر سمجھے''۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حق سامنے آنے کے باوجود نفس اُسے قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتا؛ البتہ اگر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ کسی نعمت پر اُس کا شکر اَدا کیا جائے تو وہ الگ بات ہے؛ لیکن یہ کہنا کہ فلاں تو کم پڑھا ہوا ہے، اس کے مقابلے میں میرے پاس علم زیادہ ہے، تو میں اُس سے مرتبہ میں بلند ہوں، اِسی کا نام ''کبر'' ہے، جو بڑی ناپسندیدہ خصلت ہے۔ اِس کے مقابلے میں تواضع ہے جو پسندیدہ صفت ہے۔

تواضع اور خشیت کے ساتھ علم سیکھیں!

علم کے ساتھ جب خشیت آئے گی تو اُس سے تواضع پیدا ہوگی، اور آدمی با کمال ہوتے ہوئے بھی اپنے کو چھوٹا سمجھے گا۔ پند نامہ میں آپ نے پڑھا ہوگا:

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اُوست

یعنی جو لوگ گردن فراز، با حیثیت اور باکمال ہیں وہ تواضع کریں تو یہ کمال کی بات ہے، اور اگر غریب اور فقیر آدمی تواضع کرے تو یہ کوئی کمال کی بات نہیں؛ کیوں کہ وہ تو خود ہی بے حیثیت ہے۔

تو آدمی علم، عمل، عہدہ یا مال و دولت سے بہرہ ور ہونے کے باوجود تواضع سے پیش آئے اور اپنے کو دوسروں سے چھوٹا سمجھے، اور شیخی بگھارنے سے بچے، یہی دراصل خوبی اور کمال کی بات ہوتی ہے۔ اور اِس صفت کا تعلق دراصل دل کی کیفیت سے ہے، جس کا اظہار بسا اَوقات ظاہری عمل سے بھی ہو جاتا ہے۔

تواضع یہ ہے کہ اگر کوئی شخص خود نمازی ہو اور کوئی بے نمازی سامنے آ جائے، تو اُس سے بھی اپنے کو چھوٹا سمجھے۔ اِس کے برخلاف اگر دل میں یہ خیال ہو کہ میں تو پنج وقتہ نمازوں کا پابند ہوں اور نوافل کا بھی اہتمام رکھتا ہوں، اور یہ شخص ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھتا، اِس لئے میں

اس سے افضل ہوں، تو یہی ''کبر'' ہوجائے گا؛ کیوں کہ یہ کچھ پتہ نہیں کہ آخرت میں کس کا کیا مقام ہو؟

حضرت تھانویؒ کے ملفوظات

حکیم الامت، مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کا یہ ملفوظ قابل توجہ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ: ''میں اپنے آپ کو کسی مسلمان سے حتیٰ کہ اُن مسلمانوں سے بھی جن کو لوگ فساق وفجار کہتے ہیں فی الحال، اور کفار سے بھی احتمالاً فی المآل افضل نہیں سمجھتا، اور آخرت میں درجات حاصل کرنے کا کبھی مجھے وسوسہ نہیں ہوتا، کیونکہ درجات تو بڑے لوگوں کو حاصل ہوں گے''۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات ٦٧ اصلاحی خطبات ٢/٢٠٦)

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامتؒ کی مجلس میں علماء کے کبر وتواضع پر بحث ہورہی تھی کہ ایک عالم آخر کیسے اپنے آپ کو جاہل سے کمتر سمجھ سکتا ہے؟ کیونکہ جب اس نے علم پڑھا ہے تو یہ کیسے سمجھے کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں؟ تو حضرت حکیم الامتؒ نے نہایت جامع جواب ارشاد فرمایا کہ: ''کسی کمال کے سبب اکمل سمجھنا تو جائز ہے، لیکن افضل بمعنی مقبول سمجھنا جائز نہیں، پس یہ سمجھنا کہ میں عالم ہوں کوئی حرج نہیں، مگر اس پر اپنے آپ کو مقبول عند اللہ سمجھنا یہ بڑا خطرناک ہے، بس یہ سمجھے کہ ممکن ہے کہ باوجود اس کے جاہل ہونے کے اس میں کوئی ایسی خوبی ہو جس سے وہ اللہ تعالیٰ کو پسند آجائے، اور ہم گو بڑے عالم ہوں مگر ہم میں کوئی ایسی برائی ہو جس سے ہم ان کو پسند نہ آئیں پھر ہم کس کام کے؟''۔ (حکیم الامت کے حیرت انگیز واقعات ٩٠)

تو دیکھئے! حضرت نے باوجود انتہائی باکمال ہونے کے کس طرح تواضع کا اظہار فرمایا جو ہم سب کے لئے بہترین نمونہ ہے، یہی وہ اکابر ہیں جن پر ہم فخر کرتے ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

اپنی قلبی کیفیات کو درست کریں!

بہت دن پہلے میں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کی تحریر میں پڑھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو علوم حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی جانب منتقل ہوئے ہیں وہ صرف الفاظ ونقوش نہیں ہیں؛ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کی کیفیات کے ساتھ وہ علوم صحابہ تک پہنچے ہیں، اور پھر اُنہی کیفیات کے ساتھ تابعین اور تبع تابعین کی طرف منتقل ہوتے ہوئے حضرات علماء راسخین تک پہنچے ہیں؛ لہٰذا بافیض عالم وہی ہوسکتا ہے جو اُن کیفیات کے ساتھ علم دین کو سیکھے اور دوسروں تک پہنچانے کی فکر اور اہتمام کرے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا مکاشفہ

حضرت اَقدس شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ کا ''فیوض الحرمین'' میں یہ مکاشفہ مذکور ہے، حضرت فرماتے ہیں کہ ''میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اَقدس کی طرف توجہ کی، تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ آپ علیہ السلام کے قلب اَطہر سے نور کا ایک دھاگہ نکل رہا ہے، اور جہاں جہاں بھی اشتغال بالحدیث کا سلسلہ جاری ہے اور اُس میں جو اَفراد شریک ہیں، اُن میں سے ہر ایک تک اُس نورانی دھاگے کی روشنی پہنچ رہی ہے''۔

اللہ اکبر! اِس سے اشتغال بالحدیث کی غیر معمولی برکات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے؛ تاہم یہ بات جب ہی حاصل ہوگی جب کہ روحانی کیفیات کے ساتھ علم کو حاصل کیا جائے، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارا تعلق کسی صاحب نسبت مرشد اور مصلح سے ہو۔

کسی کو اپنا پیشوا بناؤ

ہمارے اکابر میں اِمام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہما اللہ تعالیٰ کتنے بڑے جبالِ علم ہیں؛ لیکن اِس کے باوجود اپنی قلبی کیفیات کو درست کرنے کے لئے اُنہوں نے سید الطائفہ حضرت اقدس حاجی اِمداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور روحانی فیض حاصل کیا؛ حالاں کہ حضرت حاجی صاحبؒ کسی مدرسہ سے فارغ اور باضابطہ عالم بھی نہیں تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اُن

کو جو روحانی مرتبہ عطا کیا تھا وہ بہت بلند تھا۔ اِسی لئے مذکورہ اکابر نے اُن سے اکتساب فیض ضروری سمجھا، اور محض اپنے ظاہری علم پر اکتفاء نہیں فرمایا۔

حضرت گنگوہیؒ اور حضرت حاجی صاحبؒ کی مکاتبت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تقریر میں یہ واقعہ سنایا کہ حضرت گنگوہیؒ کا قیام گنگوہ میں تھا، جب کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مکہ معظّمہ ہجرت فرمائی تھی، ایک عرصہ گذر گیا، حضرت گنگوہیؒ کی کوئی خیریت معلوم نہیں ہوئی، تو حضرت حاجی صاحبؒ نے مکہ معظّمہ سے خط لکھا کہ ''مولوی رشید احمد! بہت دن ہو گئے اپنے حالات لکھ کر نہیں بھیجے، مطلع کرو''۔ تو حضرت گنگویؒ نے نیاز مندی کے ساتھ یہ جواب لکھا کہ: ''حضرت! کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا لکھوں؟ لیکن حضرت کا حکم ہے تو لکھتا ہوں''۔

(۱) فرمایا کہ: ''جب سے آپ سے تعلق ہوا ہے تو اُمورِ شرعیہ اُمورِ طبعیہ بن گئے ہیں''۔ یعنی شرعی اُمور انجام دینے میں نفس پر کوئی بوجھ نہیں پڑتا؛ بلکہ نفس کی کیفیت ایسی ہوگئی ہے کہ وہ خود ہی شریعت پر عمل کا تقاضا کرتا ہے۔ جیسے پیاس لگنے پر پانی کا تقاضا اور بھوک لگنے پر کھانے کی خواہش ہوتی ہے۔

حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''اُمورِ شرعیہ کا اُمورِ طبعیہ بن جانا یہ کمالِ عمل کی دلیل ہے''۔ جو روحانی اعتبار سے بہت اعلیٰ مقام ہے۔

(۲) دوسری بات یہ لکھی کہ ''آپ سے تعلق ہو جانے کے بعد میری نظر میں مادح (تعریف کرنے والا) اور ذام (برائی کرنے والا) دونوں برابر ہو گئے''۔ یعنی کوئی تعریف کے پل باندھے تو میرا نفس پھولتا نہیں، اور اگر کوئی برائی کرے تو انقباض یا اشتعال پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''یہ کیفیت کمالِ تواضع کی علامت ہے''۔ بلاشبہ یہ ایسی اعلیٰ درجہ کی کیفیت ہے کہ عام لوگوں کے لئے اس کا تصور بھی دشوار ہے، مگر اہل اللہ کی نسبت کی برکت سے یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) اور حضرت نے اُس خط میں تیسری اور آخری بات یہ لکھی کہ ''آپ سے تعلق ہو جانے کے بعد قرآن وسنت کی نصوص میں کوئی تعارض محسوس نہیں ہوتا''۔

یعنی آیات یا اَحادیث کے درمیان جو بظاہر تعارض نظر آتا ہے، اُس کا کوئی نہ کوئی صحیح محمل یا تطبیق میرے سینے پر وارد ہوتی ہے، جس کی وجہ سے تعارض مرتفع ہو جاتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اِس طرح کی روحانی تربیت سے علم ظاہر کے اندر بھی جلا پیدا ہوتی ہے۔

اسی لئے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کے بعد فرمایا کہ ''یہ کمالِ علم کا مقام ہے''۔ کیوں کہ جب علم میں وسعت ہوتی ہے، تو اِشکالات اور تعارضات خود بخود مرتفع ہوتے چلے جاتے ہیں۔

بہر حال خلاصہ یہ نکلا کہ جب پیغمبر علیہ السلام سے منقول قلبی کیفیات کے ساتھ علم میں اشتغال ہوگا تو مراتب ودرجات بلند ہوتے چلے جائیں گے، اور فیض عام ہو جائے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اِس لئے یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے، اور اِس میں ہم سب کے لئے عبرت اور نصیحت کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں علم وعمل پر اِستقامت سے مالا مال فرمائیں، اور تادم آخر اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمائیں، آمین۔

بڑا دل سوز ہے ساقی……

۱۴۳۹ھ میں ''درسِ طحاوی شریف'' کے اختتام پر حضرت امیر الہند نور اللہ مرقدہٗ کی شان میں طلبہ دورۂ حدیث شریف کی طرف سے یہ منظوم تأثرات پرسوز اور پراثر ترنم میں پیش کئے گئے، جو بہت پسند کئے گئے، اور محبت وعقیدت کے ساتھ بار بار سنے گئے۔ (مرتب)

بڑا دل سوز ہے ساقی ترا یوں روٹھ کر جانا
کہ تیرے بعد لگتا ہی نہیں مے خانہ، مے خانہ

سنا ہے نام کی تاثیر ہوتی ہے مسمّٰی پر
تمہاری جب حیا دیکھی تو مصداق اُس کا پہچانا

حسین صورت، حسین سیرت، مبارک صحبتیں اُن کی
جو اُن کو اِک نظر بھی دیکھ لے ہوجائے دیوانہ

اَمیر الہند ہیں، ختمِ نبوت کے اَمیں بھی ہیں
شرافت اور بزرگی میں ہے شان اُن کی جداگانہ

الٰہی یہ مرے اَسلاف کی دل کش نشانی ہے
دعا ہے دیر تک گردش میں رکھ تو اُن کا پیمانہ

طحاوی کی نظر، انداز دل کش، دل نشیں لہجہ
حدیثِ پاک کے وہ بیش قیمت پھول برسانا

رقم ہے خانۂ دل میں حدیثِ دل بریں اُن کی
شبِ دیجور میں شمعِ اِرم سے نور برسانا

❍❖❍

زمانہ کو برا نہ کہیں!

خطاب بموقع اختتام ’’ابوداؤد شریف‘‘ بمقام حمیدی ہال جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
بتاریخ: ۷؍رجب المرجب ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۰؍فروری ۲۰۲۱ء بروز ہفتہ

از: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ
(جمع وضبط: مفتی محمد ابراہیم قاسمی مرادپوری)

یہ حسن اتفاق تھا کہ گذشتہ تعلیمی سال کے اخیر میں ۷؍رجب المرجب ۱۴۴۲ھ کو والد ماجد حضرت اقدس مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ مرادآباد تشریف لائے، بعد نماز مغرب جامع مسجد میں ’’اصلاحِ معاشرہ‘‘ کے موضوع پر مبسوط خطاب فرمایا۔ عشاء کے بعد ہی دیوبند واپسی کا پروگرام تھا؛ لیکن احقر کی حقیر درخواست پر ضعف اور تکان کے باوجود ’’حمیدی ہال‘‘ میں رونق اَفروز ہوکر احقر کے متعلق ’’ابوداؤد شریف‘‘ جلد ثانی کی آخری حدیث کا درس دیا۔ پھر مختصر دعا فرماکر دیوبند کے لئے روانہ ہوگئے۔ کیا پتہ تھا کہ یہ اس قسم کی آخری مجلس ہوگی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔ اس وقت یہی درس افادہ کے لئے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ (محمد سلمان منصور پوری)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[باب الرجل يسب الدهر]

وبہٖ قال حدثنا محمد بن الصباح بن سفيان وابن السرح قال حدثنا سفيان عن الزهري عن سعيد عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال اللّٰه عزوجل: يُؤْذِيْنِيُ ابْنُ أٰدَمَ يَسُبُّ الدَّهْرَ وَأَنَا الدَّهْرُ بِيَدِيُ الْأَمْرُ أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ. قال ابن السرح: عن ابن المسيب مكان سعيد واللّٰه

أعلم. (سنن أبي داؤد، آخر كتاب الأدب / باب الرجل يسب الدهر رقم: ٥٢٧٤)

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے لاک ڈاؤن کے باوجود دورۂ حدیث کے طلبہ کو اپنا سال بچا کر احادیث کی کتابوں کی تکمیل کا موقع ملا ہے، یہ کوئی اتفاقی چیز نہیں ہے؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں منظّم اور طے شدہ پروگرام کے تحت ہے، اسی کا نام تقدیر ہے اچھے حالات ہوں یا برے حالات؛ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ بہرحال حالات آئے اور تدریس کا انقطاع رہا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس انقطاع کو ختم کیا اور دوبارہ سلسلہ شروع ہوا اور اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کتاب سبقاً سبقاً مکمل ہورہی ہے، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

ہمارے اور آپ کے لئے تو یہ بہت آسانی کے ساتھ حاصل ہونے والی چیز ہے؛ لیکن جس زمانے میں یہ کتابیں نہیں تھیں، تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے قوتِ حافظہ رکھنے والے نفوسِ زکیہ پیدا کئے، جنہوں نے اِن اَحادیث کو اپنے اساتذہ وشیوخ سے سن کر محفوظ کیا، اور پھر یہ مجموعے تیار کئے۔

عجمی محدثین کی خدمات

عام طور پر یہ کام تیسری صدی کے شروع میں ہوا، اور یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ دورۂ حدیث کی جتنی اہم کتابیں آپ پڑھتے ہیں - بخاری شریف، مسلم شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف وغیرہ - یہ سب عرب سے باہر کے لوگوں کی تالیف کردہ ہیں، ایسی عظیم الشان کتابیں جن سے عرب بھی صرف نظر نہیں کرسکتے، یہ سب عجم میں لکھی گئی ہیں، ہم بھی عجمی ہیں، تو ایک معنی کر ہم سب کے لئے یہ عزت اور فخر کی بات ہے، جب قبیلہ اور خاندان میں کوئی ایک آدمی نیک نام ہوتا ہے تو پورے قبیلہ کے لئے فخر کی بات ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ کتابیں مرتب کرائیں اور اُن کی حفاظت کا اہتمام اور انتظام ہوا، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس یہ کتابیں موجود ہیں۔

ہر ایک محدث نے اپنے اپنے ذوق کے اعتبار سے اَحادیث مرتب کی ہیں، یہ سب

تفصیلات آپ کتابوں کے شروع میں پڑھ چکے ہیں، اور درمیان درمیان میں بھی بات آتی رہتی ہے۔ اِمام ابوداوٗدؒ کی اِس کتاب میں جمع شدہ وہ روایات ہیں جن سے حضرات ائمہ کرامؒ استدلال کرتے ہیں، آپ نے اپنی دانست میں باب کی صحیح روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے؛ لیکن کہیں کہیں کلام بھی کرتے ہیں؛ البتہ زیادہ تر اس میں صحیح اور معتبر روایات ہیں، پھر ایک بات یہ بھی ہے کہ اِمام ابوداوٗدؒ صرف بقدرِ ضرورت روایات لاتے ہیں، اور تکرار سے حتی الامکان پرہیز کرتے ہیں۔

اشتغال بالحدیث کی نعمت

بہرحال اللہ تعالیٰ کی اِس نعمت کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اُس نے حدیث شریف پڑھنے کا موقع عنایت فرمایا؛ لیکن پڑھنے کے بعد اُس کو آئندہ پڑھتے رہنے کا معمول بھی بنانا چاہئے، یعنی مطالعہ کرتے رہنا چاہئے، اللہ تعالیٰ پڑھانے کی توفیق دے دیں تو وہ الگ بات ہے؛ لیکن اگر موقع نہ ملے تو بھی حدیث کی کتابوں کی مراجعت اور مطالعہ کو جاری رکھنا چاہئے، اِس کی وجہ سے اَحادیث کے مضامین کا استحضار رہے گا، اور علم تازہ رہے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

آدمی کی ایک بڑی غلطی

بہرحال یہ کتاب؛ اللہ کے فضل وکرم سے آج مکمل ہورہی ہے، اس کے اخیر میں ایک روایت آئی ہے، اس کو آپ مشکوٰۃ شریف میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اِرشاد فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''يُؤْذِيْنِيْ ابْنُ آدَمَ'' یعنی آدم کا بیٹا اِنسان - وہ میرے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے، جیسے کسی انسان کو تکلیف پہنچانے کا معاملہ ہوتا ہے؛ حالاں کہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کو تو کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا؛ لیکن وہ عمل ایسا کرتا ہے کہ اگر انسان کے ساتھ ہو تو اُسے تکلیف ہوگی، جیسے گالی دینے سے اِنسان کو تکلیف ہوتی ہے''۔

پھر اس کی آگے وضاحت کی "یَسُبُّ الدَّهرَ" (یعنی زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے) کہتا ہے کہ بڑا خراب زمانہ ہے، اس لفظ سے اللہ تعالیٰ کو تکلیف ہوتی ہے؛ حالاں کہ زمانہ کے اندر جو بھی تصرفات ہورہے ہیں، اور جو حالات پیش آرہے ہیں، یہ کسی اور کے کرنے سے نہیں؛ بلکہ یہ تو اللہ ہی کے کرنے سے ہورہا ہے؛ یعنی کہا جاسکتا ہے کہ: "أَنَا الدَّهْرُ" یعنی میں ہی دہر ہوں، یعنی "أَنَا مُتَصَرِّفٌ فِي الدَّهْرِ" (یعنی میں ہی زمانہ کا مالک اور اُس میں ہر طرح کا تصرف کرنے والا ہوں) لہٰذا زمانہ کے اندر انقلابات اور برے حالات آنے پر اِنسان جو زمانہ کو برا بھلا کہتا ہے، تو گویا وہ مجھے ہی برا کہنے والا ہے، زمانہ کو برا بھلا کہنا گویا مجھے برا بھلا کہنا ہے۔

اور ایک معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ میری ناراضگی کا کام کرتا ہے، گویا یہ عمل اُس کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اِسی لئے فرمایا کہ یہ بات اچھی نہیں ہے، "وَأَنَا الدَّهْرُ" زمانہ تو میں ہی ہوں۔ اس کی وضاحت ہے "بِيَدِيْ الْأَمْرُ" یعنی سارے معاملات میرے قبضہ وقدرت میں ہیں، اس لئے فرماتے ہیں کہ دیکھو "أُقَلِّبُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ" یعنی جس سے زمانہ بنتا ہے رات اور دن کا اُلٹ پھیر؛ میں ہی تو کرتا ہوں، کوئی اور نہیں کرتا ہے، تو زمانہ کا خالق بھی میں ہی ہوں، زمانہ کے اندر جو تغیرات ہوتے ہیں وہ بھی میری ہی طرف سے ہوتے ہیں، تو زمانہ کو برا کہنا مجھے ہی کوسنا ہے، جب کسی اور کا اس کے اندر دخل ہی نہیں ہے، بلکہ سب کچھ میرا عمل ہے، میں نے پیدا کیا ہے، رات اور دن میں ہی پیدا کرتا ہوں، کبھی رات ہے کبھی دن ہے اور اس کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی میرے قبضہ میں ہے، تو وہ کسی اور کو برا نہیں کہہ رہا ہے، مجھے برا کہہ رہا ہے۔

صبر وشکر کی تعلیم

اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ بھی آرہا ہے اس کو صبر وشکر کے ساتھ قبول کرنا چاہئے، زمانہ میں آپ کے حق میں اچھے حالات پیش آرہے ہیں، تو اس پر شکرادا کیجئے، اور اگر کوئی برے حالات پیش آرہے ہیں، تو اس پر صبر کیجئے، یہی دو چیزیں

کامیابی کی ضمانت ہیں۔

اور سب سے اخیر میں امام ابوداؤد اس روایت کو لاکر گویا کہ اپنی پوری کتاب کی تعلیم وعظ ونصیحت کا خلاصہ کردیا کہ حالات دونوں طرح کے آئیں گے، اچھے حالات پر تو اللہ تعالیٰ کو سبھی اچھا کہیں گے، کوئی برا کہتا ہی نہیں؛ لیکن برے حالات آتے ہیں، تو زبان سے غلط جملہ نکل جاتا ہے، تو اس لئے صبر کے ساتھ زندگی گذارنی ہے اور شکر کو بجالانا ہے۔

اُس کے بعد تھوڑا سا سند پر کلام کیا ہے، کہ محمد بن الصباح بن سفیان اور ابن السرح یہ دو شیخ ہیں، تو ابن السرح کی روایت میں ''عن ابن المسیب عن أبي هريرة'' ہے، بجائے ''عن سعيد عن أبي هريرة'' کے اور محمد بن الصباح کی روایت جو متن میں ہے، اس میں ''سعيد عن أبي هريرة'' ہے۔

تَمَّ وَكَمُلَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ :- یہ ابوداؤد کی عبارت ہے یا کسی نے لکھ دی ہے؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت بھی ابوداؤد کی ہے، جیسے مشکوٰۃ شریف کے نسخہ میں شروع میں خطبہ لگا ہے، اور ایک خطبہ الگ سے ہے، تو اسے بھی مشکوٰۃ شریف کا سمجھتے ہیں کہ یہ بھی مشکوٰۃ شریف کا حصہ ہے، حالاں کہ اسے کسی ناشر اور طابع نے لگادیا ہے، اصل خطبہ تو آگے سے شروع ہورہا ہے۔ دعا کرلیں، اللہ تعالیٰ جو کچھ پڑھا گیا ہے اس کے مطابق زندگی گذارنے کی توفیق عطا فرمائیں، آپ حضرات کو اللہ تعالیٰ اس کو پڑھانے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔ (اخیر میں حضرت نے عربی میں دعا کرائی، جو ذیل میں درج ہے، سہولت کے لئے اس کا ترجمہ بھی شامل کردیا گیا ہے)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ.

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ.

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ.

اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّنَا لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنَا وَنَحْنُ عَبِيْدُكَ وَنَحْنُ عَلٰى

عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْنَا، نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْنَا نَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيْنَا وَنَبُوْءُ بِذُنُوْبِنَا فَاغْفِرْ لَنَا فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا أَنْتَ. اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا يَحُوْلُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ، وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ، وَمِنَ الْيَقِيْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَيْنَا مَصَائِبَ الدُّنْيَا، وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْيَيْتَنَا، وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا، وَانْصُرْنَا عَلٰى مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِيْبَتَنَا فِيْ دِيْنِنَا، وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا أَكْبَرَ هَمِّنَا، وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا، وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ، وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ.

(ترجمہ:- اے ہمارے رب! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر گذرے ہیں، اور اگر آپ نے ہمیں معاف نہ فرمایا، اور ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم نامراد لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اے اللہ تو ہمارا رب ہے، تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں، تو نے ہمیں پیدا کیا، اور ہم تیرے بندے ہیں، اور ہم اپنی طاقت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر کاربند ہیں، اور جو کچھ ہم نے کیا اس کے شر سے آپ کی پناہ مانگتے ہیں، ہمیں اپنے اوپر آپ کی نعمتوں کا اقرار ہے، اور ہمیں اپنے گناہوں کا اقرار ہے، آپ ہمیں معاف کر دیجئے، یقیناً آپ کے سوا گناہوں کو معاف کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ اے اللہ! تو ہمیں ایسا خوف عطا فرما جو ہمارے اور آپ کی نافرمانی کے درمیان حائل ہو جائے۔ اور ایسی اطاعت عنایت فرما جو ہمیں تیری جنت میں پہنچا دے۔ اور ایسا یقین مرحمت فرما جس سے تو ہماری دنیاوی مصیبتوں کو آسان کر دے۔ اور جب تک تو ہمیں زندہ رکھے تو ہمارے کانوں آنکھوں اور ہماری قوتوں سے ہم کو فائدہ پہنچا اور اُن میں سے ہر ایک وصف کو ہمارا وارث بنا۔ اور ہمارا انتقام اُن سے ضرور لے جنہوں نے ہم پر ظلم کیا۔ اور دشمنوں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔ اور ہمارے دین میں

مصیبت مت ڈال، اور دنیا کو ہمارے بڑے غم کی چیز مت بنا اور نہ اس کو ہمارے علوم کا محور بنا، اور نہ ایسے شخص کو ہم پر مسلط فرما جو ہم پر رحم نہ کرے۔ اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے، بے شک تو اور صرف تو ہی ہر ایک کی سننے والا ہر ایک کو جاننے والا ہے، اور ہماری توبہ قبول فرمالے، بے شک تو اور صرف تو ہی معاف کر دینے کا خوگر اور بڑی رحمت کا مالک ہے)

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالیٰ عَلیٰ خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ، آمين.

علم کے لئے خشیت ضروری ہے

خطاب: اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

جمع وترتیب: مولانا مفتی ابوجندل قاسمی

دار العلوم دیوبند کے اُستاذ حدیث اور نائب مہتمم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم اُستاذ حدیث ونائب مہتمم دار العلوم دیوبند نے یہ قیمتی خطاب ۳؍ ذی الحجہ ۱۴۲۴ھ کو مدرسہ بحر العلوم کشن پور ضلع مظفر نگر میں علماء وطلبہ کے ایک مجمع میں کیا تھا، جسے جناب مولانا مفتی ابوجندل صاحب نے نوٹ کرلیا تھا۔ اَب اِفادۂ عام کی غرض سے اسے قارئین کی نظر کیا جاتا ہے۔ (مرتب)

بعد از خطبہ مسنونہ، امابعد!

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ: مَنْهُوْمٌ فِي الْعِلْمِ لَا يَشْبَعُ مِنْهُ، وَمَنْهُوْمٌ فِي الدُّنْيَا لَا يَشْبَعُ مِنْهَا. (رواه البيهقي، مشكاة المصابيح ٣٢/١)

سیدنا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ دو حریص سیر نہیں ہوتے: (۱) علم کا حریص علم سے سیر نہیں ہوتا (۲) اور دنیا کا طلب گار دنیا سے سیر نہیں ہوتا ہے۔

اِسی مضمون کی ایک اور حدیث سنن دارمی میں سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفاً مروی ہے، جس میں اور زیادہ تفصیل ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

مَنْهُوْمَانِ لَا يَشْبَعَانِ: صَاحِبُ الْعِلْمِ وَصَاحِبُ الدُّنْيَا وَلَا يَسْتَوِيَانِ، أَمَّا صَاحِبُ الْعِلْمِ فَيَزْدَادُ رِضَى الرَّحْمٰنِ. وَأَمَّا صَاحِبُ الدُّنْيَا فَيَتَمَارٰى فِي الطُّغْيَانِ، ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ: ﴿كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰى. اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى﴾ وَقَالَ الْأٰخِيرُ: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ﴾ (مشكاة المصابيح ۲۷/۱، سنن الدارمي)

دو حریص دو لالچی کبھی سیر نہیں ہوتے، صاحب علم (علم کا حریص، علم دوست) اور صاحب دنیا (دنیا کا حریص، دنیا کا طلب گار) اور یہ دونوں برابر نہیں۔ بہرحال صاحب علم تو وہ رحمٰن کی خوشنودی زیادہ سے زیادہ حاصل کرتا رہتا ہے، اور صاحب دنیا تو وہ سرکشی میں بڑھتا رہتا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے (دوسرے دعویٰ کی دلیل کے طور پر) یہ آیت تلاوت فرمائی، یعنی انسان کو جب یہ گمان ہوجاتا ہے کہ میں کسی کا محتاج نہیں، مال دار ہوں، سب سے بے نیاز ہوں، جیسا کہ عموماً مال داروں اور صاحب اقتدار حکومت میں اس کا بکثرت مشاہدہ ہوتا ہے، تو اُن کے نفس میں طغیانی اور سرکشی اور دوسروں پر ظلم وجور کے رجحانات پیدا ہوجاتے ہیں، اور پہلے دعویٰ کی دلیل کے طور پر دوسری آیت: ﴿اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ﴾ تلاوت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی خشیت اس کے بندوں میں سے اہل علم ہی کو حاصل ہوتی ہے، جس کے نتیجہ میں وہ عموماً عقائد صحیحہ اور اعمالِ صالحہ کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی زیادہ سے زیادہ حاصل کرتے جاتے ہیں۔

اِن دونوں اَحادیث شریفہ کی روشنی میں آپ لوگوں کے اندر اور تمام طلبہ علوم دینیہ کے اندر علم حاصل کرنے کا بے پناہ شوق اور حد درجہ تڑپ اور اپنے اللہ کو راضی کرنے، اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا جذبہ ہونا چاہئے۔

علم کی قسمیں

علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) فرضِ عین (۲) فرضِ کفایہ۔

جو شخص جس لائن میں لگا ہوا ہے، جس نے جو راستہ اختیار کر رکھا ہے، اُس پر اُس لائن کا علم حاصل کرنا فرضِ عین ہے۔ مثلاً ایک شخص تاجر ہے، تو اُس کے لئے تجارت کے شرعی اُصول وضوابط سے واقف ہونا اور اُس کے مسائل کا جاننا فرضِ عین ہے۔ اِسی طرح ایک شخص ڈاکٹر ہے، اور ڈاکٹری کرتا ہے، تو اُس کے لئے ڈاکٹری سے متعلق شرعی مسائل کا جاننا فرضِ عین ہے، اور باقی اس سے زیادہ دیگر علوم کا حاصل کرنا فرضِ کفایہ ہے۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ اس بستی میں یا قریب میں ایسے عالم کا ہونا ضروری ہے جو احکامِ شریعت کا ماہر ہو اور ضرورت کے وقت اس کی طرف رجوع کیا جا سکے، اگر علاقہ میں کوئی بھی ایسا عالم نہ ہو، تو تمام لوگ فرضِ کفایہ کے تارک ہونے کی وجہ سے گنہگار رہوں گے۔

عالم ہونے کا مطلب

عالم کا مصداق ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور حلال وحرام کا علم حاصل کرے، خواہ کسی بھی ذریعہ سے حاصل ہو، جماعت تبلیغ میں جا کر حاصل کر لے یا بزرگوں کی صحبت میں رہ کر یا کسی عالم سے پوچھ کر؛ ہاں البتہ مدرسہ میں داخلہ لے کر اصطلاحی عالم بھی بن جائے تو نورٌ علیٰ نور۔

علماء کے لئے خشیت ضروری

حدیث شریف میں جو صاحبِ علم کو رحمٰن کی خوشی حاصل ہونے کی بشارت سنائی گئی ہے، یہ اُسی وقت ہے جب کہ خشیت اور خوفِ خدا ہو اور پھر برائیوں سے بچے، ورنہ خشیت کے بغیر رحمٰن کی خوشی حاصل نہیں ہوگی؛ کیوں کہ قرآنِ کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَآءُ﴾ [الفاطر: ٢٨] مطلب یہ ہے کہ خشیت اور خوفِ خدا علماء کا وصف خاص اور لازم ہے، جس میں خشیت نہیں، حقیقت میں وہ عالم کہلانے کا مستحق نہیں۔ صحیح معنی میں عالم وہ شخص ہے جو خلوت وجلوت میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو؛ چناں چہ سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی الہ عنہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ الْعِلْمُ عَنْ كَثْرَةِ الْحَدِيْثِ؛ وَلٰكِنَّ الْعِلْمَ عَنْ كَثْرَةِ الْخَشِيَّةِ. (ابن کثیر ۵۵٦/۳)

یعنی بہت سی احادیث یاد کر لینا اصل علم نہیں؛ بلکہ اصل علم وہ ہے جس کے ساتھ خوفِ خدا ہو۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

اَلْعَالِمُ مَنْ خَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ وَرَغِبَ فِيْمَا رَغِبَ اللّٰهُ فِيْهِ وَزَهَّدَ فِيْمَا سَخِطَ اللّٰهُ فِيْهِ. (ابن کثیر ۵۵٦/۳)

عالم وہ شخص ہے جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرے، اور جس چیز کی اللہ تعالیٰ نے ترغیب دی ہے، وہ اُس کو مرغوب ہو، اور جو چیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک مبغوض ہے وہ اس سے نفرت کرے۔

خشیت کی قسمیں

خشیت کی تین قسمیں ہیں: (۱) خشیتِ اعتقادی (۲) خشیتِ عملی (۳) خشیتِ حالی۔

خشیتِ اعتقادی کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو۔

خشیتِ عملی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے آدمی بتکلف اپنے کو احکامِ شرعیہ کا پابند بنائے۔

اور خشیتِ حالی کا مطلب یہ ہے کہ خشیت اور خوفِ خدا ملکۂ راسخہ کے درجہ میں ہو جائے، اور اتباعِ شریعت تقاضائے طبیعت بن جائیں۔

پہلے دو یعنی خشیتِ اعتقادی اور خشیتِ عملی علم کے لوازم میں ہیں، اور مامور بہ ہیں، جب کہ خشیتِ حالی ایک حال ہے، علم کے لوازم میں سے نہیں، کسی کو حاصل ہو جائے تو افضل ہے۔

خشیت اور خوفِ خدا کی علامت

احمد بن صالح مصریؒ فرماتے ہیں کہ کثرتِ روایت اور کثرتِ معلومات خشیۃ اللہ کی

علامت نہیں؛ بلکہ خشیت تو کتابُ اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مسلمین رحمہم اللہ کے طریقوں کے اتباع سے پہچانی جاتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۵۵۶)

اصل چیز یہی اتباعِ سنت ہے۔

اِمام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ کا واقعہ ہے کہ آپ کے ساتھ ایک دیہاتی تین روز تک رہا، تین دن کے بعد جانے لگا، آپ نے پوچھا: بھائی! آپ کیوں آئے تھے؟ کہنے لگا کہ ''مرید ہونے کے لئے آیا تھا''۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ ''پھر ہوتے کیوں نہیں؟'' تو جواب دیا کہ ''کوئی کرامت تو دیکھی نہیں''۔ آج کل بعض لوگ مرید بننے کے لئے یہ چیز دیکھتے ہیں کہ شیخ سے کسی کرامت کا ظہور ہوا یا نہیں۔ پھر حضرت نے فرمایا ''تم نے کیا اِن تین دنوں کے اندر خانقاہ میں کوئی عمل سنت کے خلاف ہوتا دیکھا ہے؟'' اُس شخص نے جواب دیا کہ ''نہیں!'' آپ نے فرمایا کہ ''اصل چیز اتباعِ سنت ہے''۔ اِس لئے بزرگوں کا مقولہ ہے: ''الاستقامة خير من ألف كرامة'' ۔ (یعنی سنت کی پابندی اور دین پر مضبوطی سے قائم رہنا ہزار کرامتوں سے بہتر ہے، اس کے ساتھ کوئی دوسری کرامت نہ ہو، تو یہ بذاتِ خود بہت بڑی کرامت ہے) علم برائے علم مقصود نہیں؛ بلکہ اصل اتباعِ سنت ہے، اور علم اُس کا ذریعہ ہے۔

اِس لئے ہمیں بھی اپنے اندر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے اتباع کا جذبہ ٹٹولنا چاہیئے، علم بڑھے تو اتباعِ سنت بھی بڑھے اور پھر خشیت بھی بڑھے، اِس کے بغیر علم علم نہیں؛ بلکہ جہالت ہے۔ مشہور مقولہ ہے:

علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

اخلاقِ حسنہ کا سبب خشیت ہے

پھر خشیت سے اخلاقِ حسنہ پیدا ہوتے ہیں، جس کے اندر جتنی زیادہ خشیت اور خوفِ خدا ہوگا، اُتنے ہی اُس کے اخلاق عمدہ ہوں گے، اور اخلاقِ حسنہ میں بھی سب سے بڑی چیز ''تواضع'' ہے۔ حضرت شیخ سعدیؒ کا مشہور شعر ہے:

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

مطلب یہ ہے کہ اگر بڑے لوگ مال دار یا عہدے دار اسی طرح علماء کرام اگر تواضع اختیار کریں، تو اُن کی یہ بہت عمدہ صفت ہے۔ فقیر آدمی جس کے پاس بڑائی نہیں وہ اگر تواضع کرے تو کوئی بڑی خوبی کی بات نہیں؛ کیوں کہ اُس کو تو تواضع کرنی ہے۔

بہرحال ایک عالم کے لئے ضروری ہے کہ وہ تواضع وانکساری کی دولت سے مالا مال ہو، کسی کو اپنے سے کمتر نہ سمجھتا ہو؛ بلکہ اپنے کو ہی دوسروں سے کمتر سمجھتا ہو۔

ہمارے اکابر میں سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کا ملفوظ ہے کہ: ''میں اپنے کو ہر مسلمان سے فی الحال اور ہر کافر سے احتمالاً فی المآل کمتر وحقیر سمجھتا ہوں''۔

ایک دوسرے موقع پر اِرشاد فرمایا کہ: ''بڑا بننے کا طریقہ یہ ہے کہ چھوٹا بنے، پھر خود بخود بڑا بن جائے گا، کتنے مسلمان ومشائخ ایسے ہیں کہ جنہوں نے تواضع اختیار کی اور اُس سے اُن کو بڑائی حاصل ہوگئی''۔

تواضع پیدا کرنے کے لئے اہل اللہ کی صحبت ضروری

یہ بات لوگوں میں مشہور ہے کہ علم کے ساتھ تکبر اور تعلّی آتی ہے، تو اِس تکبر اور تعلّی کو ختم کرنے کے لئے اُن علماء کاملین وصالحین کی صحبت ضروری ہے جو متبعین سنت ہیں۔ جس طرح کوئی بھی فن ہو اُس کے لئے پرکٹس کی ضرورت ہوتی ہے، بغیر پرکٹس کے اُس فن میں ملکہ ومہارت حاصل نہیں ہوتی۔

اِسی طرح اَخلاقِ حسنہ اور تواضع کے لئے اَولیاء کاملین کی صحبت اور اُن سے استفادہ ضروری ہے، اِس کے بغیر عموماً تواضع اور اخلاقِ حسنہ پیدا نہیں ہوتے۔

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ سے بیعت ہوئے؛ حالاں کہ حاجی

صاحب پورے عالم نہیں تھے؛ بلکہ کافیہ تک پڑھ رکھا تھا، اور کچھ حصہ مشکوٰۃ شریف کا پڑھا تھا، مگر بڑے بڑے جبالِ علم اُن سے بیعت ہوئے۔ حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ سے کسی شخص نے پوچھا تھا کہ ''کیا حاجی صاحبؒ عالم تھے؟'' فرمایا کہ: ''عالم گر تھے''۔ یعنی صحیح معنی میں عالم بنانے والے تھے۔

مدارسِ دینیہ کا مقصد

اِن مدارسِ دینیہ کا مقصد بھی یہی ہے کہ طلبہ علومِ دینیہ حاصل کر کے اپنے اندر خشیت اور خوفِ خدا پیدا کریں، نیز اپنے کو اخلاقِ حسنہ اور کمالِ علم وعمل اور تواضع سے مزین کریں۔ اِس کام کے لئے بزرگوں کے پاس آنا جانا چاہئے، اور اُن کی نصیحتوں کو غور سے سن کر اُن پر عمل کرنا چاہئے۔ اور موقع ملے تو بیعت بھی ہو جانا چاہئے۔ پھر علم تزکیۂ نفس کا ذریعہ بنے گا اور دل میں خشیت پیدا کرے گا، ورنہ بغیر خشیت کے علم تکبر اور تعلّی پیدا کرے گا، اور یہ علم وبالِ جان بن جائے گا۔

بہر حال علم کو اصل اور مقصود بنا کر حاصل نہیں کرنا ہے؛ بلکہ اصل مقصود عمل، اتباعِ سنت اور خشیت خداوندی ہے، اور علم اُس کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علم نافع عطا فرمائیں، اپنی خشیت اور خوفِ خدا نصیب فرمائیں، اتباعِ سنت کی توفیق اَرزانی فرمائیں، اخلاقِ حسنہ سے ہم سب کو مزین فرمائیں، آمین یا رب العالمین۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(ندائے شاہی اگست ۲۰۰۵ء)

طلبہ کو مطالعہ کی تاکید

خطاب: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

دار العلوم دیوبند کے اُستاذ حدیث حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ مؤرخہ ۱۷؍ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ کو جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں تشریف لائے اور عشاء کے بعد مدنی مسجد دار الطلبہ لالباغ میں طلبہ جامعہ سے اصلاحی خطاب فرمایا، جس کی تلخیص ''ندائے شاہی'' اگست ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔

خطبہ مسنونہ کے بعد آپ نے اپنے خطاب میں اس حدیث مبارک کی تشریح فرمائی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے خوش نصیب افراد کی تعریف فرمائی ہے جو دین میں جاہلانہ تاویلات، غلو پسندوں کی تحریفات اور باطل نظریات والوں کی تردید کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہمارے دینی مدارس میں طلبہ کو اِسی عظیم اور مبارک خدمت کے قابل بنانے پر محنتیں کی جاتی ہیں۔ آپ نے طلبہ کو تلقین کی کہ وہ پوری محنت اور جدوجہد کے ساتھ علم حاصل کریں، اور بالخصوص مطالعہ پر پوری توجہ دیں، کوئی سبق بلا مطالعہ کے ہرگز نہ پڑھیں اور مطالعہ کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ صرف ایک سرسری نظر ڈال کر جائیں؛ بلکہ سبق کی لغوی، نحوی، صرفی تحقیق اور مطالب سمجھنے کی کوشش کریں، اُس کے بعد جب سبق میں حاضر ہوں تو اُستاذ صاحب کی تقریر بغور سنیں۔ اگر وہ آپ کے سمجھنے کے موافق ہے تو اللہ کا شکر ادا کریں۔ اگر اُستاذ صاحب آپ کی سمجھ کے خلاف دوسرا مطلب بیان کریں تو اُسے سمجھنے کی اور اپنی غلطی جاننے کی کوشش کریں۔ سمجھنے میں نہ آئے تو پورے ادب واحترام کے ساتھ اُستاذ صاحب سے

سوال کر کے معلوم کریں۔

آپ نے فرمایا کہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ کی علمی ترقی کا راز یہی تھا کہ آپ مکمل مطالعہ کے بعد ہی سبق میں حاضری دیتے تھے۔

آپ نے فرمایا کہ آج طلبہ کی بے استعدادی کی سب سے بڑی وجہ مطالعہ میں غفلت ہے، اِس کوتاہی کی تلافی کرنا ضروری ہے، اِس کے بغیر کبھی بھی علمی امتیاز اور دینی خدمت کا اصل حق اَدا نہیں ہوسکتا۔

تقریباً ایک گھنٹہ حضرت والا نے نہایت قیمتی نصائح سے طلبہ کو مستفید فرمایا، اُس کے بعد آپ ہی کی دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔

(ندائے شاہی اگست ۱۹۹۹ء ص:۴۷)

علم دین کی فضیلت

خطاب: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد کا دوروزہ عظیم الشان اجلاس دستار بندی ۱۹-۲۰ر شعبان ۱۴۱۷ھ مطابق ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۶ء کو پوری آب وتاب کے ساتھ منعقد ہوا، جس میں جامعہ سے گذشتہ ۸ر سالوں میں فارغ ہونے والے فضلاء، مفتیان اور حفاظ وقراء کو اکابرین کے دست مبارک سے دستار فضیلت عطا کی گئی۔ اِس مبارک اجتماع کی کل تین نشستیں ہوئی، اور ہر نشست اِفادہ اور استفادہ کے اعتبار سے نہایت کامیاب رہی۔

اجلاس کی پہلی نشست میں دارالعلوم دیوبند کے اُستاذ حدیث اور مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کے ناظم حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری (نور اللہ مرقدہٗ) سے خطاب کی درخواست کی گئی۔ حضرت موصوف کرسی خطابت پر رونق افروز ہوئے اور تقریباً پون گھنٹہ اپنے پرمغز علمی بیان سے سامعین کو مستفیض فرماتے رہے۔ (مرتب)

خطبہ مسنونہ کے بعد حضرت نے قرآنِ کریم کی درج ذیل آیت کریمہ سے اپنے خطاب کا آغاز فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ [الزمر: ۹] (یعنی اے پیغمبر آپ فرمادیجئے کہ کیا جولوگ علم دین رکھتے ہیں اور جو لوگ علم دین نہیں رکھتے، دونوں برابر ہوسکتے ہیں) یعنی یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے؛ بلکہ بات واضح ہے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے علوم نبویہ سے سرفراز فرمایا ہے اُن کا مرتبہ اعلیٰ اور ارفع ہے، اور جو اُس سے محروم ہیں اُن کا مرتبہ علماء سے نیچا ہے۔ وہ اگرچہ اپنے اعمال اور عبادات کے اعتبار سے کتنے ہی اونچے ہوں؛ لیکن

عالم جو اپنی علمی مشغولیتوں پر اجر پاتا ہے اُس کے درجہ تک خالص عبادت گذار نہیں پہنچ سکتے۔ اِس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں اِرشاد فرمایا کہ ''جو عالم واقعی عالم ہے (یعنی جو اپنے فرائض وواجبات کو اَدا کرنے والا ہے) اُس کی فضیلت کثرت سے عبادت کرنے والے پر ایسی ہے جیسے میری (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی) فضیلت تم میں سے ادنیٰ درجہ کے مسلمان پر ہے۔ (سنن الترمذی/ ابواب العلم حدیث: ۲۶۳۵)

یہ ایک واقعہ کا اظہار ہے، کوئی فخر کے طور پر ایسا نہیں کہا جارہا، اِس لئے آج جن افتاء، تعلیم حدیث اور حفظ وتجوید کی جس دولت سے اللہ تعالیٰ نے مشرف فرمایا ہے، اُس کی عظمت کا احساس اَولاً خود اُن طلبہ کو ہونا چاہئے، اُنہیں یہ احساسِ کمتری نہ ہو کہ ہم تو صرف مولوی ہیں یا ہم صرف حافظ اور قاری ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت اُونچا مقام عطا فرمایا ہے، ہرگز ہرگز اس دولت کی تحقیر ذہن میں نہ آنی چاہئے۔

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: **''مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ ثُمَّ رَاٰی أَنَّ أَحَدًا أُوْتِيَ أَفْضَلَ مِمَّا أُوْتِيَ فَقَدْ اسْتَصْغَرَ مَا عَظَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی''**. (احیاء العلوم ۳٦۲/۱ بسند ضعیف) (یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم پڑھنے کی صلاحیت عطا فرمائی اور پھر وہ یہ سمجھے کہ کسی اور کو اِس سے اَفضل چیز دی گئی ہے تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے عظیم بنایا تھا اُسے اُس نے حقیر بنادیا)

آج اَفسوس کا مقام ہے کہ بچوں کو ابتداء ہی سے KG میں داخل کردیا جاتا ہے اور اُسے اتنا مصروف کردیا جاتا ہے کہ اُسے قرآنِ کریم پڑھنے کی فرصت نہیں ملتی، لڑکیوں میں بھی یہی ہورہا ہے۔ بہرحال جب صرف قرآنِ کریم پڑھنا اتنی بڑی دولت ہے تو اُس کا حفظ کرنا اور اُس کے معانی کو سمجھنا کتنی عظیم دولت ہوگی۔ اِس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اُس کے بعد حضرت موصوفؒ نے علم دین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پاک اِرشاد نقل فرمایا: **''أُغْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُسْتَمِعًا أَوْ مُحِبًّا وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَةَ فَتَهْلِكُ''**. (مجمع الزوائد ۱۲۷/۱) جس کا ترجمہ یہ ہے:

''بھائیو! یا تو عالم بن جاؤ یا متعلم (سیکھنے والے) بن جاؤ، اگر اِس کا بھی موقع نہیں ہے تو کم از کم علم کو سننے والے بن جاؤ، یعنی علماء کے وعظ ونصیحت کو سنو، اور اُن کی مجالس سے فیضیاب ہو۔ اور اگر اتنی بھی فرصت نہیں مل رہی ہے تو علم والوں سے محبت کرنے والے بن جاؤ''۔ تو یہ چار درجے ہیں، جن میں سے کوئی نہ کوئی درجہ تو ضرور حاصل کرنا چاہیے، پھر آگے فرمایا: ''وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِكُ'' (یعنی پانچواں درجہ اختیار مت کرنا ورنہ برباد ہوجاؤ گے)

اور وہ پانچواں نمبر کیا ہے؟ اُس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اِرشاد فرماتے ہیں: ''وَالْخَامِسُ أَنْ تُبْغِضَ الْعِلْمَ وَأَهْلَهُ''. (المعجم الأوسط للطبراني ٥/٢٣٠) (یعنی پانچواں درجہ یہ ہے کہ تم علم دین اور اہل علم سے بغض وعداوت رکھنے لگو) تو یہ بغض اور اہل علم کا استحقار ہرگز نہ ہونا چاہیے۔

ملا علی قاریؒ نے ''شرح فقہ اکبر'' میں لکھا ہے کہ جو شخص بغیر کسی وجہ کے کسی عالم سے بغض رکھتا ہے وہ کافر ہوجاتا ہے۔

اِسی طرح کسی سنت کا مذاق اُڑانا بھی بڑی محرومی کی بات ہے۔ سنت کی اہمیت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ ''جو شخص میری اُمت پر بگاڑ کے زمانے میں میری سنت کو لازم پکڑے اُس کو شہید کے برابر ثواب ملے گا''۔ (المعجم الاوسط للطبرانی حدیث:٥٤١٤) اِس میں زندگی کے ہر شعبے کی سنتیں شامل ہیں، صرف نماز ہی کی سنت مراد نہیں۔

اور فسادِ اُمت کا مطلب یہ ہے کہ اُمت میں بدعت جہالت اور فسق کا غلبہ ہوجائے، ایسے ماحول میں سنت پر عمل کرنا بڑا مشکل ہوتا ہے، اِس لئے اُس کا یہ عظیم ثواب اِرشاد فرمایا گیا، اور سنتوں کی حفاظت کرنے والے علماء کے لئے بھی احادیث طیبہ میں خوش خبریاں سنائی گئی ہیں۔

ہمارے ان عزیز طلبہ کی ذمہ داریاں بہت ہیں، اُنہیں بدعات وخرافات سے اُمت کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے، اور اُنہیں ہر وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اِرشاد پیشِ نظر رکھنا چاہیے:

يَحمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَاوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ. (مجمع الزوائد ١/١٤٥ وغيره)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ علم ناپید نہیں ہوگا؛ بلکہ بعد میں آنے والے لائق جانشین اس علم کے حامل ہوں گے، اور کام یہ کریں گے کہ اس علم میں جو غلو پسندوں نے تحریفات کردی ہوں گی، یہ علماء اُن تحریفات کا ابطال کریں گے۔ اِسی طرح دشمنانِ دین اور جاہل لوگوں نے جو قرآن وحدیث کی غلط تشریحات کر رکھی ہوں گی، اُن کی تردید کریں گے۔

تو آج ہمیں بھی اِن ذمہ داریوں کو انجام دینا ہے، باطل فرقوں کی تردید کوئی غیر شرعی کام نہیں ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآنی علوم میں ''علم مخاصمہ'' کو بھی خاص طور سے بیان کیا ہے۔ آج عام طور پر محض عربی کی شد بد ہوجانے پر اپنے آپ کو درسِ قرآن کا اہل سمجھ لیا جاتا ہے، جس سے گمراہیاں پھیل رہی ہیں۔

ذرا غور فرمائیں جب حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم باوجود عربی زبان جاننے کے بہت سی آیتوں کے معانی اُس وقت تک نہ سمجھ سکے جب تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی رہنمائی نہ فرمادی، تو ہم اور آپ بھلا محض عربی دانی سے کیسے قرآنِ کریم کی مراد تک پہنچ سکتے ہیں۔

الغرض دین کو مثبت انداز میں بیان کرنے اور پہنچانے کے ساتھ ساتھ باطل عقائد ونظریات کی تردید بھی علماء کی ذمہ داری ہے، اِسی کے ذریعہ دین کی حفاظت کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔

(ندائے شاہی فروری ۱۹۹۷ء ص: ۳۱-۳۳)

دین ''خیرخواہی'' کا نام ہے

خطاب بموقع: ۸۲؍واں سالانہ جلسہ دستار بندی جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ

بتاریخ: ۲۰؍محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۲۶؍دسمبر ۲۰۱۰ء بروز اتوار

اَز: اَمیر الہند رابع حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

(جمع وضبط: مفتی محمد اشتیاق صاحب قاسمی بہرائچی اُستاذ حدیث نور العلوم بہرائچ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبہ مسنونہ کے بعد اِرشاد فرمایا:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "اَلدِّيْنُ اَلنَّصِيْحَةُ، اَلدِّيْنُ اَلنَّصِيْحَةُ، اَلدِّيْنُ اَلنَّصِيْحَةُ". قِيْلَ لِمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ: قَالَ: "لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ". (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان أن الدين النصيحة رقم: ٥٥)

حضرات علماء کرام معزز بزرگو، بھائیو اور بہنو! آپ حضرات کل سے قرآنِ کریم اور اَحادیث نبویہ کی روشنی میں بڑے بڑے اَساتذہ اور علماء کرام سے نہایت قیمتی باتیں سماعت فرمارہے ہیں۔

یاد رکھئے کہ تقریر کوئی تفریح کی چیز نہیں ہے، دنیا میں تفریح کے لئے بہت سے سامان میسر ہیں؛ مگر وعظ ونصیحت سے لذت اور تفریح مقصود نہیں ہے۔ اِسی لئے نبی اکرم علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ مزاج نہیں بنایا تھا کہ آپ اُنھیں ایک ایک اور دو دو گھنٹہ کی تقریر سناتے، اور لوگ بس اِسی میں لگے رہتے۔

بخاری شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف وغیرہ میں کہیں یہ موجود نہیں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام طور پر گھنٹے دو گھنٹے کی تقریریں فرمائی ہوں۔

صرف ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد بیان شروع فرمایا اور بیان کرتے کرتے ظہر کا وقت ہوگیا، پھر ظہر کی نماز کے بعد بیان شروع کیا تو عصر کی نماز کا وقت ہوگیا، اور عصر کے بعد بیان شروع ہوا تو مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا۔ (مسلم شریف، کتاب الفتن/ باب اخبار النبی فیما یکون الی قیام الساعۃ رقم: ۲۸۹۲)

لیکن اس بیان میں کیا کیا باتیں اِرشاد فرمائیں، وہ سب تفصیلات یکجا دستیاب نہیں ہیں۔ اتنی وضاحت ضرور ہے کہ قیامت تک پیش آنے والی بہت سی باتوں کی آپ نے اِس بیان میں نشان دہی فرمائی۔

اور کتبِ اَحادیث میں جو آپ کے نصائح اور بیانات موجود ہیں، اُن میں زیادہ تر مختصر ہیں، جنہیں چند منٹوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

اِس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا یہ ہے کہ لوگوں کے سامنے صرف اتنی بات بتائی جائے جسے وہ بآسانی یاد رکھ سکیں۔

اِسی لئے اِس طرح کے جلسوں میں اپنے اَحباب کو مَیں یہ مشورہ دیا کرتا ہوں کہ تقریر کے ساتھ اِصلاحِ معاشرہ یا کسی اور دینی موضوع پر کچھ پمفلٹ ضرور چھاپے جائیں؛ تاکہ لوگ اُن کو ہاتھ میں لے کر جائیں، تو بہت سی باتیں اُن کو یاد رہیں گی، اور اجلاس کی اِفادیت میں مزید اِضافہ ہوگا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

"اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں بڑی کام کی باتیں اِرشاد فرمائی ہیں؛ چناں چہ ایک مرتبہ آپ نے بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی غرض سے تین مرتبہ یہ جملہ اِرشاد فرمایا: "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ، اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ، اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" (یعنی دین نام ہے نصیحت کا، دین نام ہے نصیحت کا، دین نام ہے نصیحت کا)

اُردو میں کسی اچھی بات کو "نصیحت" کہتے ہیں، مثلاً کسی سے کہا جائے کہ نماز پڑھو، ماں

باپ کی خدمت کرو، یہ ''نصیحت'' ہے۔

لیکن عربی میں نصیحت کے معنی صرف اتنے ہی نہیں ہیں؛ بلکہ اُس کا اصل مفہوم ''خیرخواہی کرنا'' ہے۔ اَب سوال پیدا ہوگا کہ ''خیرخواہی'' کس کے ساتھ کی جائے، اِس لئے عرض کیا گیا کہ ''اے اللہ کے رسول! یہ بھی بتادیجئے کہ کس کے ساتھ ''خیرخواہی'' کی جائے؟''۔

تو اُس کے جواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''**لِلّٰہِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ**''. (صحيح مسلم، كتاب الإيمان / باب بيان أن الدين النصيحة رقم: ٥٥) (یعنی اللہ کے حق میں خیرخواہی، اللہ کے رسول کے حق میں خیرخواہی، اللہ کی کتاب کے حق میں خیرخواہی، اور مسلمانوں کے جو مقتدا اور پیشوا ہیں اُن کے حق میں خیرخواہی، اور تمام مسلمانوں کے حق میں خیرخواہی)

اگر اِس حدیث پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اِس میں سارا دین سمٹ کر آ گیا ہے۔ اور آپ کا یہ اِرشادِ عالی ''**جوامع الکلم**'' میں شامل ہے، جو آپ کی من جملہ خصوصیات میں سے ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: ''**أُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ**'' (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے جامع مانع جملے اور عبارات عطا کی گئی ہیں) گویا کہ مفصل مضامین کو مختصر جملوں میں پیش کرنے کا ملکہ آپ کو عطا ہوا ہے۔

اِسی طرح آپ نے اپنی ایک اور خصوصیت بیان کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا: ''**جُعِلَتْ لِيَ الْأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُوْرًا**''. (المسند للإمام أحمد / مسند أبي هريرة رقم: ٩٧٠٥) (یعنی میرے لئے پوری زمین کو سجدہ گاہ اور پاکی کا ذریعہ بنادیا گیا ہے)

پہلی اُمتوں میں یہ طریقہ تھا کہ صرف عبادت خانوں میں ہی عبادت ہوسکتی تھی؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پوری اُمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنادیا کہ جہاں چاہو پاک جگہ پر نماز پڑھ لو۔

اِسی طرح پہلے پاکی حاصل کرنے کا طریقہ صرف پانی ہی تھا، اُسی سے طہارت حاصل کی جاسکتی تھی؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ساری اُمت کے لئے پوری زمین کو ذریعہ طہارت بنادیا، یعنی اگر پانی میسر نہیں ہے یا آدمی بیمار ہے، اور پانی نقصان دہ ہے، تو تیمّم کرکے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ پاک مٹی پر ہاتھ مار کر چہرے پر پھیر لیا جائے، اور دوسری مرتبہ ہاتھ مار کر کہنیوں پر پھیر لیا جائے، اِس طرح تیمّم کر لینے سے آدمی نماز کے قابل ہوجاتا ہے۔ اور یہ تیمّم وضو اور غسل دونوں کی طرف سے کافی ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے خیر خواہی

بہرحال یہ مختصر سی حدیث بہت جامع ہے، اِس میں پہلی بات یہ فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے خیر خواہی کی جائے۔ تو حضراتِ علماء نے اس کا مطلب اِس طرح سمجھایا کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ:

وہ اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے کامل و مکمل ہے۔

ساری دنیا میں جو بھی تصرف ہو رہا ہے، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ سے ہو رہا ہے۔

یہ نہیں کہ بڑے بڑے کام اللہ تعالیٰ کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کام کوئی دوسرا کرتا ہے؛ بلکہ ہر چیز کا اقتدار اور اختیار مکمل طور پر صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

وہ ایسی صفات رکھتا ہے کہ اُن میں اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، تبھی تو وہ اللہ ہے؛ کیوں کہ معبودِ حقیقی وہی ہے جس کا کوئی ہمسر اور شریک نہ ہو، وہ کسی کا تابع نہ ہو، اور سب چیزیں اُس کی تابع ہوں اور زمین وآسمان کی ہر نقل وحرکت اُسی کے حکم پر منحصر ہو، اور یہ بات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی میں نہیں پائی جاتی۔

مشرکین دوسروں کو اللہ کے برابر مانتے ہیں، اور اُلوہیت میں غیروں کو شریک کرتے ہیں، تو ایسے لوگوں کے متعلق ایک موقع پر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اِرشاد فرمایا: ﴿قُلْ

اَرَئَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ اللَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ﴾ (القصص: ۷۱) (اے محمد! آپ اُن سے پوچھئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ کے لئے رات مقرر فرمادیں، تو اللہ کے علاوہ کون معبود ہے جو تم کو دن کی روشنی لاکر دے، کیا تم سنتے نہیں ہو) یعنی اتنی کھلی ہوئی بات سن کر غور نہیں کرتے؟ حالاں کہ یہی ایک بات اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت اور وحدانیت پر یقین کرنے کے لئے کافی ہے۔

پھر آگے دوسرے انداز میں فرمایا: ﴿قُلْ اَرَئَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ النَّھَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِلَیْلٍ تَسْکُنُوْنَ فِیْہِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ﴾ [القصص:۷۲] (یعنی اے محمد! اُن سے پوچھئے کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ دن ہی دن رکھے تو اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو تمہیں وہ رات عطا کرے جس میں تم سکون حاصل کرتے ہو، کیا تمہیں نظر نہیں آتا؟)

الغرض مختلف انداز میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ اور پورے عالم میں تنہا متصرف ہونے کی کھلی ہوئی دلیلیں اور حجتیں پیش فرمائی ہیں۔

آپ دیکھیں کہ جس جگہ سورج کے طلوع اور غروب کا جو وقت ہے، اُس میں ایک منٹ پیچھے اور آگے نہیں ہوسکتا ہے۔ نہ رات میں کمی ہوسکتی ہے نہ دن لمبا ہوسکتا ہے۔

اِسی طرح چاند اپنے مدار میں گردش کررہا ہے، اُس میں بھی کوئی اِنسان کسی طرح دخل نہیں دے سکتا۔

اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنا تعارف اِس طرح کرایا: ﴿اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ ثُمَّ رَزَقَکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ھَلْ مِنْ شُرَکَآئِکُمْ مَنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِکُمْ مِنْ شَیْءٍ﴾ [الروم: ٤٠] (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر تمہیں روزی عطا فرمائی، پھر وہی تمہیں موت دیتا ہے، پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا، کیا تم نے جن کو اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے، اِن میں سے کوئی کام کرنے کی طاقت رکھتا ہے؟)

بے شک ہم نے اللہ کو نہیں دیکھا؛ لیکن اُس کے وجود پر کامل یقین ہے، اور بغیر دیکھے ماننے کا نام ہی اِیمان ہے، دیکھ کر اِیمان لانا معتبر نہیں ہے؛ کیوں کہ آخرت میں تو کافر بھی اِیمان کا دعویٰ کریں گے؛ مگر اُن کا اِیمان قبول نہ ہوگا؛ اِس لئے کہ وہ دیکھ کر اِیمان لائیں گے۔

البتہ ہر مؤمن کا جی چاہتا ہے کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی زیارت نصیب ہو؛ جیسا کہ سیدنا حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دربار میں درخواست پیش کی: ﴿رَبِّ اَرِنِـیْ اَنْـظُـرْ اِلَیْکَ﴾ (یعنی اے میرے پروردگار! ذرا مجھے اپنا جلوہ دکھا دیجئے، میں آپ کو دیکھنا چاہتا ہوں)

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ﴿لَـنْ تَـرَانِـیْ﴾ (یعنی موسیٰ! تم مجھ کو (دنیا میں) ہرگز نہیں دیکھ سکتے) یعنی تمہاری آنکھوں میں یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ ہماری تجلی کو برداشت کرسکیں، لیکن تم کو سمجھانے کے لئے یہ کہتا ہوں کہ تمہارے سامنے جو پہاڑ ہے اُس کو دیکھو، اگر یہ میری تجلی برداشت کرکے اپنی جگہ پر جوں کا توں برقرار رہ جائے، تو سمجھ لینا کہ تم بھی میری تجلی برداشت کرسکتے ہو، اور اگر یہ پہاڑ میری تجلی کا تحمل نہ کرسکے، تو تم بھی یقیناً برداشت نہ کرسکو گے۔

پھر آگے فرمایا: ﴿فَلَـمَّـا تَـجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا﴾ [الأعراف، جزء آیت: ۱۴۳] (یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کے رب اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پر اپنی تجلی کی، تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا، اور موسیٰ علیہ السلام اِس منظر کو دیکھ کر بے ہوش ہوکر گر پڑے)

تو معلوم ہوا کہ اِس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت نہیں ہوسکتی؛ لیکن اُسے دیکھے بغیر ہی اُس کی ذات وصفات پر اِیمان لانا اور اُس کے احکام وہدایات پر عمل کرنا ضروری ہے، اور یہی اللہ تعالیٰ کے حق میں خیرخواہی ہے، جس کا حدیث میں ذکر کیا گیا ہے۔

''کتابُ اللہ'' کے حق میں خیرخواہی

حضراتِ گرامی! قرآنِ کریم کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت عظیم کتاب عطا فرمائی ہے، جس طرح اِیمان اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، اِسی طرح قرآنِ کریم بھی بہت بڑا انعام ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے خطبہ کے کلمات میں یہ جملے بھی منقول ہیں:

"اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ بِالْإِیْمَانِ، وَلَکَ الْحَمْدُ بِالْإِسْلَامِ، وَلَکَ الْحَمْدُ بِالْقُرْآنِ".

(یعنی اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اِیمان بخشا اور اِس پر بھی آپ کا شکر ہے کہ آپ نے اِسلام جیسے عظیم مذہب سے نوازا، نیز یہ بات بھی قابل شکر ہے کہ آپ نے ہمیں قرآن کی نعمت سے سرفراز فرمایا)

اِس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال نہ ہوتی تو ہمارے دلوں میں ہرگز ہرگز اِیمان جاگزیں نہیں ہوسکتا تھا، ہم اگرچہ زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں میں اپنی ذات وصفات پر یقین راسخ فرمادیا ہے، جس پر جتنا بھی شکر اَدا کیا جائے کم ہے۔

اِس کے برعکس بڑے بڑے سائنسداں اور بڑے بڑے عقل مند لوگ جو زمین وآسمان کے قلابے ملاتے پھرتے ہیں، اُن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کے وجود کا یقین نہیں ہے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل نہیں ہے، اِس لئے اِس نعمت پر ہمیں ہر وقت شکر بجالانا چاہئے۔

ہر زمانے کا اِیمان لائق شکر ہے

اور ایمان کسی بھی زمانے کا ہو وہ لائق شکر ہے۔ ایک زمانہ وہ تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس روئے زمین پر موجود تھے۔

۴۰ر سال کی عمر میں آپ کو نبوت عطا ہوئی، اُس کے بعد آپ ۲۳ر سال تک اِس دنیا میں رہے، ۱۳ر سال مکہ معظّمہ میں اور ۱۰ر سال مدینہ منورہ میں۔

اِس عرصے کے دوران جس نے اِیمان کی حالت میں آپ علیہ السلام کی زیارت کی، اور اِیمان کی حالت ہی میں وہ اِس دنیا سے رخصت ہوا؛ خواہ مرد ہو یا عورت، اُسے ''صحابی'' یا ''صحابیہ'' کہتے ہیں۔

تو اِیمان والوں کا ایک دور وہ تھا کہ وہ اپنی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیا کرتے تھے، اور بعینہٖ معجزات کا مشاہدہ کرتے تھے۔

اُنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے چاند کے دوٹکڑے ہوتے دیکھا۔

اور آپ کی مبارک اُنگلیوں سے نکلنے والے پانی سے سیکڑوں کے لشکر کو سیراب ہوتے ہوئے دیکھا۔

وہ دیکھ رہے ہوتے کہ آپ کے ہاتھ میں کنکریاں ہیں جو کلمہ پڑھ رہی ہیں اور وہ کلمہ کو اپنے کانوں سے سن رہے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

اُس زمانے کے اِیمان والوں کا ایمان کتنا قوی ہوگا، اس کا ہم اندازہ نہیں لگا سکتے۔

لیکن آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے روضۂ اَقدس میں آرام فرما ہیں، اور ہمارے لئے یہ موقع نہیں رہا کہ ہم اپنی آنکھوں سے اِس دنیا میں آپ کی زیارت کرسکیں؛ اگرچہ ہمارے پڑھے ہوئے درود آپؐ کی خدمت میں فرشتے لے کر جاتے ہیں اور نام لے کر بتاتے ہیں کہ فلاں مرد یا فلاں عورت نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ (الترغیب والترہیب مکمل ص:٣٨١)

اور اللہ تعالیٰ ہر درود بھیجنے والے پر کم اَز کم ١٠/ رحمتیں نازل فرماتے ہیں۔ (المسند لاحمد بن حنبل ٢٩/٤، الترغیب والترہیب ص:٣٨٠)

حضرت شیخ الحدیثؒ کا معمول

ہمارے اکابر میں حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ ایک بزرگ گذرے ہیں، آپ کے پاس جا کر جو بھی کسی قسم کی پریشانی بیان کرتا، تو آپ سب کے لئے ایک ہی نسخہ تجویز فرماتے کہ ’’پیارے درود شریف پڑھا کرو‘‘، اور اس کی کوئی بھی تعداد متعین نہیں، جتنا ممکن ہوسکے پڑھو؛ کیوں کہ درود پڑھنے کی وجہ سے جس پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، اُس کی تمام پریشانیاں دور ہوجاتی ہیں۔

اور جو کوئی آپ کی قبر پر آکر درود وسلام پیش کرتا ہے تو آپ اُس کو خود سنتے ہیں، اور

جواب مرحمت فرماتے ہیں، اس لئے زیارت کے آداب میں سے ہے کہ جب وہاں حاضر ہوا جائے تو بالکل اسی طرح عاجزی کا اظہار کیا جائے، جیسے کہ آپ بالکل سامنے تشریف فرما ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ر برس تک تبلیغ فرما کر دنیا سے پردہ فرمایا، اِن ۲۳ر سالوں میں جن حضراتِ صحابہ وصحابیات نے اِیمان قبول کیا، اُن کے ایمان کے کیا ہی کہنے، سبحان اللہ! اُن کے ایمان سے ہمارے ایمان کا مقابلہ ہو ہی نہیں سکتا، تو بہت ممکن ہے کہ ہم اِس کی وجہ سے ایک طرح احساسِ کمتری میں مبتلا ہو جائیں کہ ہمارا ایمان تو بہت کمزور ہے، ہمیں آخرت میں کیا ملے گا؟

اِس لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک میں یہ بات ڈالی کہ بعد والوں کو بھی اُن کے اِیمان کی قدر و قیمت اور عظمت بتائی جائے؛ چناں چہ ایک موقع پر آپ علیہ السلام نے صحابہ سے دریافت فرمایا کہ: **"أَيُّ الْخَلْقِ أَعْجَبُ إِلَيْكُمْ إِيْمَانًا"** (یعنی تمہاری نظر میں سب سے زیادہ تعجب خیز ایمان کس کا ہے؟) تو صحابہؓ نے اولاً فرشتوں کا ذکر کیا، اِس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: **"وَمَالَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ"** (یعنی فرشتوں کے ایمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے، وہ تو اپنے پروردگار کے پاس رہتے ہیں)

تو حضراتِ صحابہ نے عرض کیا: **"فَالنَّبِيُّوْنَ"** (یعنی اگر ملائکہ نہیں تو انبیاء کرام کا ایمان سب سے بہتر ہے) تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ"** (یعنی انبیاء کے اِیمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے، حالاں کہ خود اُن پر وحی نازل ہوتی ہے) گویا کہ بدیہی طور پر اُنہیں یقین ہوتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، تو وہ ایمان کیوں نہیں لائیں گے؟

تو حضرت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پریشان ہوئے کہ کیا جواب دیں؟ بالآخر عرض کیا کہ "پھر تو ہمارا ہی ایمان سب سے تعجب خیز ہونا چاہئے"۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"وَمَالَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ"** (یعنی تمہارے اِیمان لانے میں کیا رکاوٹ ہے،

جب کہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟) تم مجھے دیکھ رہے ہو، اور میرے معجزات کا مشاہدہ کررہے ہو، تو تم ایمان نہیں لاؤ گے، تو کون لائے گا؟

اُس کے بعد اخیر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "**فَــإِنَّ أَعْـجَـبَ الْخَلْقِ إِلَيَّ إِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنِ مِنْ بَعْدِي يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا**". (مشكاة المصابيح حديث: ٦٢٤٣) (یعنی میری نظر میں سب سے زیادہ قابلِ تعجب ایمان اُن لوگوں کا ہے جو میرے بعد دنیا میں آئیں گے اور وہ اَوراق میں لکھی ہوئی کتاب اللہ کو دیکھ کر اُس پر ایمان لائیں گے)

یعنی چاہے اُن کو قرآن پڑھنا آتا ہو یا نہ آتا ہو؛ مگر اُن کے دل میں یہ یقین ہوگا کہ یہ اللہ کی سچی کتاب ہے۔

اِسی طرح صحابیِ رسول سیدنا حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ- جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں، اور جن کو پیغمبر علیہ السلام نے "**أَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ**" کا لقب عطا فرمایا ہے- نے ایک بے تکلف مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: "**يَا رَسُوْلَ اللّٰــهِ أَحَدٌ خَيْرٌ مِنَّا؟ أَسْلَمْنَا مَعَكَ وَجَاهَدْنَا مَعَكَ**" (یعنی اے اللہ کے رسول! کیا اُمت میں ہم سے بہتر بھی کوئی ہوسکتا ہے؟ کہ ہم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور آپ کے ساتھ جہاد کیا)

تو اِس کے جواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ: "**قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يُؤْمِنُوْنَ بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ**". (المواهب اللدنية ٤٠٢/٢ إسناده حسن) (یعنی اِیمان لانے کے اعتبار سے تم سے بہتر وہ لوگ ہوں گے جو تمہارے بعد دنیا میں آئیں گے، اُنہوں نے مجھ کو دیکھا نہیں ہوگا؛ لیکن پھر بھی میرے اُوپر ایمان لائیں گے)

تو اِن اَحادیث شریفہ میں نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو باتیں اِرشاد فرمائی ہیں، وہ ہم لوگوں پر بفضلہٖ تعالیٰ صادق آرہی ہے؛ اِس لئے کہ ہم نے اگرچہ پیغمبر علیہ السلام کی زیارت نہیں کی؛ لیکن ہم آپ کی رسالت پر تہہ دل سے اِیمان لائے ہیں۔

ہمارا اِیمان صحابہؓ سے کلی طور پر افضل نہیں

لیکن یہاں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مذکورہ بالا احادیث میں جو بعد والے اُمتیوں کے اِیمان کی فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ صرف اِس اعتبار سے ہے کہ وہ پیغمبر علیہ السلام کی زیارت اور معجزات وغیرہ کو دیکھے بغیر اِیمان لانے والے ہیں، ورنہ اِس میں کوئی شک نہیں کہ جن خوش نصیب حضرات نے اِیمان کی حالت میں پیغمبر علیہ السلام کی زیارت کی سعادت حاصل کی، اور اِیمان ہی پر اُن کی وفات ہوئی، اُن کا درجہ پوری اُمت میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہے۔ اُن کے درجہ تک بڑے سے بڑا قطب یا ولی بھی نہیں پہنچ سکتا؛ البتہ یہ بات طے شدہ ہے کہ بعد میں آنے والوں کا اِیمان بھی اللہ کے نزدیک قابل قدر ہے، اُسے ہلکے میں نہیں لینا چاہئے، اور کسی احساسِ کمتری میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔

خلاصہ یہ کہ گفتگو یہ چل رہی تھی کہ قرآنِ کریم کے حق میں خیر خواہی کرنی چاہئے، جس میں حفظ قرآن کے ساتھ ساتھ معانی کو سمجھنا اور جو مدارس قرآنی خدمت انجام دے رہے ہیں، اُن کا تعاون کرنا یہ سب شامل ہے۔

رسول اکرم علیہ السلام کے ساتھ خیر خواہی

اِسی کے ساتھ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیر خواہی کرنی ہے، جس کا تقاضا یہ ہے کہ آپ جس مشن کو لے کر دنیا میں تشریف لائے، اُس کو زندہ رکھا جائے، یہ مشن کیا ہے؟ یہ وہ چار ذمہ داریاں ہیں جنہیں آپ پوری زندگی اَدا فرماتے رہے، یعنی:

(۱) تلاوت کلام اللہ۔
(۲) کتاب اللہ کی تعلیم
(۳) حکمت کی تعلیم۔
(۴) تزکیہ۔

الحمدللہ ہمارے مدارسِ دینیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چاروں مقاصد کو پورا کررہے ہیں۔

قائدین ملت کے ساتھ خیر خواہی

چوتھی چیز مسلمانوں کے ائمہ کے ساتھ خیر خواہی ہے یعنی جو کسی بھی اعتبار سے اُمت کے مقتدا، پیشوا یا کسی جماعت کے امیر ہیں، اُن کی اطاعت کی جائے، اور اُن کی تعظیم دل میں بٹھائی جائے، اور مشورہ سے جو بات طے ہو جائے، اُس سے روگردانی نہ کی جائے۔

عام لوگوں کے ساتھ خیر خواہی

اور پانچویں چیز جو آپ نے ارشاد فرمائی وہ یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کے حق میں دینی و دنیوی ہر اعتبار سے خیر خواہی کی جائے، اس کے لئے جدوجہد اور کوشش کرنا اور جمعیۃ علماء ہند اور اس جیسی کسی بھی تنظیم سے وابستہ ہونا یہ بھی خیر خواہی کی ایک شکل ہے۔

اِسی طرح معاشرے کی اصلاح کی محنت اور بے دین اور بدعمل لوگوں کو راہِ راست پر لانے کے لئے کوششیں کرنا یہ بھی خیر خواہی میں داخل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام لوگوں کو کہی ہوئی باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

اِسلام میں صلہ رحمی کی اَہمیت

تحریر: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

رشتہ داروں کے حقوق سے متعلق یہ بیش قیمت مضمون حضرت والد ماجد، امیر الہند رابع نور اللہ مرقدہٗ کے دست مبارک سے لکھا ہوا آپ کے ذاتی کاغذات میں دستیاب ہوا، جو اپنے موضوع پر نہایت جامع اور مستند ہے۔ قارئین کے اِفادہ کے لئے اِس کو شائع کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

''صلہ رحمی'' کا مفہوم

''صلہ رحمی'' دو عربی کلمات سے مرکب لفظ ہے۔ ''صلہ'' کے معنی جوڑنا اور ''رحم'' کے معنی ''بچہ دانی'' ہے، جس سے مجازاً رشتہ ناطہ مراد ہوتا ہے؛ کیوں کہ یہی تعلقات کرامت کی بنیاد ہے؛ لہٰذا صلہ رحمی کا مطلب: ''رشتہ داروں اور اہل قرابت کے ساتھ اچھا برتاؤ کر کے تعلقات کو جوڑے رکھنا اور اُن کو استحکام بخشنا'' ہوتا ہے۔ اس کے مدمقابل ''رشتہ داروں سے بدسلوکی کرکے اُن کے ساتھ بے تعلقی کا معاملہ کرنا'' قطع رحمی کہلاتا ہے۔

علماء اخلاق کہتے ہیں کہ باہمی تعلق ومحبت کی جڑ دو انسانوں کا کسی معاملے میں اشتراک ہے، مثلاً: سبق، عمر، پیشہ، ذوق، وطن وغیرہ میں اشتراک کی وجہ سے دو شخصوں میں ایک ربط وتعلق قائم ہوجاتا ہے، اور دونوں اس رشتہ کے حقوق ادا کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں، مگر یہ اشتراک اکثر ٹوٹ بھی جاتے ہیں؛ لیکن رحم مادر کی وجہ سے دو انسانوں کا اشتراک خالقِ فطرت کا قائم کردہ ہے، جس کا توڑنا انسانی قوت سے باہر ہے، اور جو لوگ اس کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم نے اُن کو فاسق قرار دیا ہے؛ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے:

وَمَا يُضِلُّ بِهٖ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ. الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ. (البقرة: ٢٦-٢٧)

اور صرف اُن فاسقوں ہی کو اِس طرح کی مثال سے گمراہ فرماتا ہے، جو مضبوط کرنے کے بعد اللہ سے کئے ہوئے عہد کو توڑتے ہیں، اور اُس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے (یعنی رشتہ داری) اور ملک میں فساد مچاتے ہیں، یہی لوگ خسارے والے ہیں۔

اِسی فطری اشتراک کی نزاکت واَہمیت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً روایت ہے:

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: قَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالىٰ: أَنَا اللّٰهُ، أَنَا الرَّحْمٰنُ، خَلَقْتُ الرَّحِمَ وَشَقَقْتُ لَهَا مِنْ اسْمِيْ فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهُ وَمَنْ قَطَعَ بَتَتُّهُ. (سنن الترمذي، أبواب البر والصلة / باب ما جاء في قطيعة الرحم رقم: ١٩٠٧)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ میں اللہ ہوں، میں رحمٰن ہوں، میں نے رشتہ قرابت کو پیدا کیا ہے، اور اپنے نام رحمٰن سے اُس کو ''رحم'' کا نام دیا ہے، پس جو اُسے جوڑے گا میں اُس کو جوڑوں گا، اور جو اُس کو توڑے گا میں اُس کو توڑوں گا۔

ایک اور حدیث پاک میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

إِنَّ الرَّحِمَ حُجْنَةٌ مُتَمَاسِكَةٌ بِالْعَرْشِ تُكَلِّمُ بِلِسَانٍ ذَلَقٍ:

رحم مادرعرشِ خداوندی سے لپٹی ہوئی ایک شاخ ہے، وہ نہایت فصیح زبان کے ساتھ یہ دعا کرتا

اَللّٰھُمَّ صِلْ مَنْ وَصَلَنِيْ، وَاقْطَعْ مَنْ قَطَعَنِيْ، فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى: أَنَا اللّٰهُ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ، وَإِنِّيْ شَقَقْتُ الرَّحِمَ مِنْ اِسْمِيْ، فَمَنْ وَصَلَهَا وَصَلْتُهٗ، وَمَنْ بَتَكَهَا بَتَكْتُهٗ. (مسند البزار/ مسند أبي حمزة عن أنس ١١٦/١١ رقم: ٦٤٩٥)

ہے کہ ''اے اللہ! جو مجھے جوڑے آپ بھی اُس کو جوڑ کر رکھئے (یعنی اُس پر رحم فرمایئے) اور جو مجھے کاٹے آپ بھی اُسے کاٹ کر رکھ دیجئے''۔ تو اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ''میں ہی رحمٰن اور رحیم ہوں اور میں نے اپنے ہی نام سے رحم مادر کا نام مشتق کیا ہے، پس جو اُسے جوڑے گا میں بھی اُسے جوڑوں گا اور جو اُسے کاٹے گا تو میں بھی اُسے کاٹ کر رکھ دوں گا''۔

رشتہ داری کا حق

''رحم'' اور نام پاک ''رحمٰن'' میں حروفِ اصلیہ (ر ح م) کا لفظی اشتراک تقاضا کرتا ہے کہ رشتہ قرابت (جس کے لئے رحم نام تجویز ہوا) کا ویسا ہی حق ادا کیا جائے، جیسے باری تعالیٰ رحمٰن ورحیم کا؛ چناں چہ قرآنِ کریم کی مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ میں جہاں اللہ تعالیٰ کے بارے میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، فوراً ہی بذریعہ عطف رشتہ ناطوں کا خیال رکھنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اِرشاد ہے:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَ لُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ. (النساء، جزء آیت: ۱)

اُس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعہ تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، اور قرابت والوں کے حق سے خبردار رہو۔

اور بھی بہت سی آیاتِ کریمہ میں قرآنِ کریم نے اہلِ قرابت کے حقوق اَدا کرنے کی تاکید فرمائی، اور یہ عمل اختیار کرنے والوں کی مدح سرائی کی ہے۔ ایک جگہ اِرشاد ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ. (الروم: ١٤)

اور رشتہ دار کا حق اَدا کرو۔

سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا:

وَبِـالْـوَالِـدَيْـنِ اِحْسَـانًـا وَّذِیُ الْقُرْبٰی. (البقرة، جزء آیت: ۱۰)

اور والدین کے ساتھ اور رشتہ داروں کے ساتھ احسان کرو۔

سورۂ نحل میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰى. (النحل: ۱۳)

اللہ تعالیٰ عدل، احسان اور رشتہ داروں کو بخشش کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

سورۂ نور میں فرمایا گیا:

وَلَا يَأْتَلِ اُولُوْ الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰى. (النور:)

اور تم میں سے سرمایہ دار اور وسعت والے لوگ رشتہ داروں کو نہ دینے کی قسم نہ کھائیں۔

اور سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا:

وَاٰتَى الْـمَـالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْـقُـرْبٰـی وَالْيَتٰـمٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ. (البقرة: ۱۷۷)

اور محبت کے باوجود اپنے مال کو رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافر پر خرچ کرے۔

رشتہ داروں سے حسن سلوک کی تاکید

قرآنِ کریم اور اَحادیث قدسیہ کی ہدایات کی روشنی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت کو صلہ رحمی اور قرابت کے حقوق کی نگہداشت کی تاکید فرمائی۔ ایک موقع پر آپ نے اِرشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ! أَفْشُوْا السَّلَامَ، وَأَطْعِمُوْا الطَّعَامَ، وَصِلُوْا الْأَرْحَامَ، وَصَلُّوْا بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ، تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ.
(مشكاة المصابيح ص: ۱۰۸، سنن الدارمي رقم: ۲٦۷٤، سنن الترمذي رقم: ۲٤۸٥، سنن ابن ماجة، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها رقم: ۱۳۳٤)

اے لوگو! سلام کو عام کرو، اور کھانا کھلایا کرو، اور صلہ رحمی کرو، اور رات میں نماز پڑھو جب کہ لوگ سوئے ہوئے ہوں، تو تم بسہولت جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

ایک جگہ آپ نے صلہ رحمی کی ترغیب میں اِرشاد فرمایا:

مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُبْسَطَ لَهُ فِي رِزْقِهِ، وَيُنَسَأَ لَهُ فِي إِثْرِهِ فَلْيَصِلْ رَحِمَهُ. (صحيح البخاري، كتاب الأدب / باب من بسط له في الرزق بصلة الرحم رقم: ٥٩٨٦، صحيح مسلم رقم: ٢٥٥٧)

جو آدمی اِس بات کو پسند کرے کہ اُس کے رزق میں وسعت ہو، اور اُس کا نام تادیر باقی رہے، تو اُسے چاہئے کہ اپنے رشتہ داروں سے حسن سلوک کرے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض نیک اعمال کے صلے میں باری تعالیٰ دنیا میں بھی برکتوں سے نوازتا ہے۔ اِس حدیث میں صلہ رحمی کے نتیجے میں دنیا کی دو برکتوں کی بشارت ہے، ایک رزق کی وسعت اور دوسرے عمر میں زیادتی۔

شارحین حدیث اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صلہ رحمی کی دو صورتیں ممکن ہیں:

(۱) ایک یہ کہ اِنسان اپنی کمائی سے اہل قرابت کی مالی مدد کرے۔

(۲) دوسرے یہ کہ اپنے وقت اور زندگی کا کچھ حصہ اُن کی خدمت میں صرف کرے؛ لہٰذا باری تعالیٰ کی حکمت ورحمت کے عین مطابق ہے کہ رشتہ دار کی مالی مدد کے صلے میں اس کو رزق میں فراخی ملے، اور اُن کی خدمت کے صلے میں عمر میں برکت نصیب ہو۔

اِس کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ خاندان والوں کے ساتھ حسن سلوک اور اُن کے حقوق اَدا کرتے رہنے کی وجہ سے اِنسان کی زندگی راحت اور خوش دلی کے ساتھ گذرتی ہے، جس کی بنا پر اُس کی صحت بھی ٹھیک رہتی ہے، اور اس کا کاروبار بھی ٹھیک چلتا رہتا ہے۔

رشتہ داروں سے بدسلوکی کی مذمت

اہل قرابت کے ساتھ حسن سلوک جس طرح آدمی کو جنت میں لے جاتا ہے، اِسی طرح اُن کے ساتھ بدسلوکی پر سخت وعیدیں آئی ہیں، اور جنت کے راستے میں روڑا بن جاتی ہے۔ (کذا فی معارف الحدیث/کتاب المعاملات والمعاشرۃ ٦/ ٢٩٢ دارالاشاعت کراچی)

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم علیہ السلام نے اِرشاد فرمایا:

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ. (صحيح مسلم / كتاب البر والصلة والآداب رقم: ٢٥٥٦، صحيح البخاري رقم: ٥٩٨٤) قطع رحمی کرنے والا شخص جنت میں نہ جائے گا۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اوپر آیات واَحادیث میں رشتہ داروں کے حقوق اَدا کرنے کے سلسلے میں جو اَحکام اور ترغیبات آئی ہیں، جمہور مفسرین وشارحین حدیث کے مطابق اُن سے عام رشتہ دار مراد ہیں، خواہ ذو رحم محرم ہوں (جن سے ہمیشہ نکاح حرام ہوتا ہے) یا دوسرے۔ نیز حقوق سے مراد بھی عام ہیں، خواہ حقوقِ واجبہ ہوں جیسے: ماں باپ، اَولاد اور دوسرے ذوی الارحام کے حقوق، یا محض تبرع واحسان ہو۔ (کذا فی شرح النووی عن صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ/ باب بر الوالدین ص: ۱۵۳۰ تحت رقم: ۲۵۴۸ بیت الافکار الدولیۃ)

(ماہنامہ ندائے شاہی اپریل ۲۰۲۲ء)

❍❖❍

آسام کے تاریخی مناظرہ میں

قادیانیوں کی شکستِ فاش

رپورٹ: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

۱۴؍صفر ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۰؍مئی ۱۹۹۹ء بروز اتوار صوبہ آسام کے قصبہ بالی کوری ضلع بارپیٹا میں علماء اسلام اور قادیانیوں کے درمیان ایک تاریخی مناظرہ ہوا تھا، جس میں قادیانی مناظر لاجواب ہوگئے۔ جس کے نتیجے میں عوام الناس میں قادیانیت کے مکروفریب سے متعلق ذہن سازی ہوئی، اور گمراہی کے دروازے بند ہوئے، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔
اِس مناظرہ کی مفصل روداد حضرت امیر الہند مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوریؒ نے مرتب فرمائی تھی، جو ''ماہنامہ ندائے شاہی مرادآباد'' (اگست ۱۹۹۹ء) ص: ۴۰-تا-۴۵ میں شائع ہوئی۔ اِس رپورٹ میں قادیانیت سے متعلق اہم معلومات درج ہیں، اِس لئے اسے اِفادہ کی غرض سے شاملِ اشاعت کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قادیانیوں (نام نہاد احمدیوں) کا یہ شیوہ ہے کہ وہ سادہ لوح مسلمانوں کی ناواقفیت اور غربت سے فائدہ اُٹھا کر اُن کو طرح طرح کے لالچ اور فریب دے کر قادیانی بنانے کی تحریک چلاتے ہیں، اور جب اہلِ اسلام اُن کی ریشہ دوانیوں کا نوٹس لیتے ہیں، اور عام مسلمانوں کو مرزا غلام احمد قادیانی مدعی نبوت کے شرم ناک کیرکٹر اور جھوٹ کے واقعات قادیانی کتابوں کے

حوالوں سے سنا کر آگاہ کرتے ہیں کہ ایسا شخص تو شریف انسان کہلانے کے بھی قابل نہیں۔ اس کو مجدد، مہدی اور نبی کہنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے، تو قادیانی لوگ چراغ پا ہو جاتے ہیں، اور علاقہ کی سرکاری انتظامیہ اور سربرآوردہ مسلمانوں کے پاس جا کر رونا روتے ہیں کہ ہماری مخالفت کی جارہی ہے، ہم پر ظلم ڈھایا جارہا ہے، جب کہ ہم بھی مسلمان ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں وغیرہ۔

اِسی طرح کے حالات بالی کوری ضلع بارپیٹا آسام میں پیش آئے۔ تین چار سال سے اِس علاقے کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے قادیانی ریشہ دوانیوں کی اطلاعات موصول ہورہی تھیں، ساتھ ہی اُن کی روک تھام کے لئے تربیتی کیمپ اور اجلاسِ عام منعقد کئے جانے کی شدید ضرورت کا اظہار کیا جارہا تھا۔

چناں چہ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند کی نگرانی میں ۱۴-۱۵/اپریل ۱۹۹۹ء بالیکوری ہائر سکنڈری اسکول میں تربیتی کیمپ لگایا گیا، اور آخری دن اجلاسِ عام منعقد کیا گیا، جس میں ۱۰-۱۲/ہزار سے زیادہ مسلمانوں نے شرکت کی؛ جب کہ تربیتی کیمپ میں تقریباً تین سو علماء کرام ودانشور طبقہ نے شرکت کی، اور مکمل بصیرت کے ساتھ قادیانیت کی مکروہ حقیقت سے واقفیت حاصل کی۔

اِس تربیتی پروگرام میں اَمیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ کے علاوہ جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب بلندشہری، جناب مولانا محمد عرفان صاحب اور جناب مولانا شاہ عالم صاحب اور راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند سے شرکت کی۔ نیز مولانا صدیق اللہ صاحب چودھری کلکتہ سے تشریف لائے۔

تربیتی کیمپ اور اجلاسِ عام میں مرزا قادیانی کے باطل دعووں کی دھجیاں اُڑانے کے ساتھ تین چیزوں پر خاص زور دیا گیا:

(۱) مرزا قادیانی کا کیرکٹر اور خصوصاً اُس کا جھوٹ۔

(۲) اپنے نہ ماننے والے مسلمانوں کو مرزا قادیانی نے کافر اور جہنمی کہا ہے، اور مسلمان عورتوں کو کتیوں سے بڑھ کر کہا ہے۔ نیز اُن کو کنجریوں کی اَولاد اور خنزیر کہا ہے۔

(۳) مرزا نے قادیانیوں کو مسلمانوں سے بائیکاٹ کرنے کی تاکید کی ہے، مسلم میت کی نماز جنازہ پڑھنے سے روکا ہے۔

اِن سب اُمور کو حوالوں کے ساتھ بیان کرکے واضح کردیا گیا کہ تمام دنیا کے علماء ومفتیان کا فتویٰ وفیصلہ ہے کہ قادیانی گروہ کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں، یہ سب مرتد وزندیق ہیں اور شریعت اسلامیہ کا حکم ہے کہ قادیانی گروہ کے افراد کا بائیکاٹ کیا جائے، اُن کو سلام کرنا، بات چیت کرنا، رشتہ ناطہ کرنا، اُن کی دعوت میں شرکت کرنا، اُن کو اپنے یہاں مدعو کرنا وغیرہ سب اُمور ناجائز اور حرام ہیں۔

چناں چہ مسلمانوں نے اِس حکم شرعی پر سختی کے ساتھ عمل کرنے کا اجلاسِ عام میں اعلان کیا اور فوری عمل شروع کردیا؛ تاکہ قادیانی گروہ اپنے عقائد باطلہ سے توبہ کرے؛ مگر اُن زندیقوں نے روپئے کے لالچ میں کفر واِرتداد پر جمے رہنے کو ترجیح دی؛ بلکہ اُلٹا مسلمانوں کو موردالزام قرار دے کر سرکاری انتظامیہ محکمہ پولیس میں جاکر شکایت کی اور علاقہ کے MLA جناب عبدالرؤف صاحب اور کھیابادل خاں صاحب کے سامنے اپنی مظلومیت کا اظہار کیا ہے کہ بازار کے دوکان دار ہمارے ساتھ سامان فروخت نہیں کرتے، ہم بھوکے مر رہے ہیں، وغیرہ۔ اِس پر پولیس کے SP نے MLA اور بادل خاں سے مشورہ کرکے طے کیا کہ ۳۰؍مئی ۱۹۹۹ء کو بالیکوری میں دونوں فریق جمع ہوں اور اپنی اپنی بات ہمارے سامنے رکھیں، ہم بھی موجود رہیں گے۔ مسلمان فریق ۲۵؍نفر پر مشتمل ہوگا اور قادیانی فریق ۱۵؍نفر پر مشتمل ہوگا۔ موضوع بحث تین طے ہوئے: (۱) مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی۔ (۲) حیات ووفاتِ عیسیٰ۔ (۳) ختم نبوت واجراء نبوت۔

یہ سب اُمور تحریری شکل میں فریقین کے دستخطوں کے ساتھ طے ہوئے۔ نیز یہ کہ جو

فریق بحث کے موقع پر نہیں آئے گا اُس کو فریق ثانی کی آمد ورفت وغیرہ کا تمام خرچ اَدا کرنا پڑے گا۔ قادیانی گروہ نے مناظر کی تاریخ سے دو دن قبل انتظامیہ سے درخواست کی کہ مقررہ تاریخ پر ہمارے علماء نہیں آسکیں گے؛ لہٰذا تاریخ بدل دی جائے، مگر MLA عبدالرؤف صاحب وبادل خاں صاحب سے رابطہ قائم کرنے کے بعد انتظامیہ نے اُن کی یہ درخواست رد کردی، اور کہا کہ تمہاری مرضی کے مطابق ۴رمئی کی بات چیت میں ۳۰رمئی ۱۹۹۹ء کی تاریخ بحث ومناظرہ کے لئے طے کی گئی تھی، اَب اُس میں تبدیلی نہیں ہوگی۔

بہرحال مرکز دارالیتامی گوال پاڑہ آسام کے مہتمم جناب حافظ بشیر احمد صاحب قاسمی نے (جو تربیتی کیمپ کے لئے مرکز المعارف ہوجائی کی طرف سے ذمہ دار مہتمم بھی تھے) کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت کے دفتر کو مذکورہ بالا حالات سے مطلع فرمایا اور مقررہ تاریخ پر قادیانیوں کی حوالہ والی کتابیں ساتھ لے کر دارالعلوم کے وفد کے پہنچنے پر زور دیا۔ آخرکار احقر اور جناب مفتی محمود حسن صاحب بلندشہری اور جناب مولانا ادریس صاحب مبلغ تحفظ ختم نبوت ۲۹رمئی ۱۹۹۹ء کی شام کال گچھیا آسام جائے مقام پر پہنچ گئے۔

نیز حالات کی نزاکت کے پیش نظر از راہ کرم حضرت امیر الہند مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہم نے اپنے پروگرام میں تبدیلی فرماکر ۳۰رمئی کے بالیکوری کے مناظرہ میں شرکت فرمانا منظور فرمالیا، حافظ بشیر احمد صاحب نے سکریٹری مجلس تحفظ ختم نبوت مغربی بنگال جناب مولانا صدیق اللہ چودھری صاحب کو بھی دعوت دے دی تھی، موصوف بھی ۲۹رمئی کو تشریف لے آئے اور مرکز المعارف ہوجائی سے جناب مولانا شمس الدین صاحب مع اپنے تین رفقاء مولانا مجاہد الاسلام، مولانا پرویز عالم صاحب، مولانا عبدالقادر صاحب تشریف لائے۔ بہرحال ہم سب لوگ قیام گاہ کال گچھیا سے روانہ ہوکر صبح ساڑھے نو بجے مقام مناظرہ پر پہنچ گئے اور ٹھیک دس بجے ہائرسکنڈری اسکول کے ہال کمرہ میں اہل اسلام کے اسٹیج پر علماء اسلام تشریف فرما ہوگئے، اور علاقہ کے دیگر ذمہ دار علماء حضرات بھی آگئے، مگر قادیانی گروہ نہیں آیا، اس کا انتظار

کئے بغیر تلاوت کلام پاک کے ذریعہ پروگرام کا آغاز کردیا گیا، اور اَمیر الہند حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی مدظلہ العالی کوصدر اجلاس نے خطاب کی دعوت دی۔ حضرت موصوف کونوے فیصد بنگلہ زبان کے الفاظ ومحاورات استعمال کرنے کی قدرت حاصل ہے۔ موصوف نے اُسی زبان میں سیرتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر خطاب فرماتے ہوئے آپ کی صداقت اور اعلیٰ معیار زندگی کے واقعات سنانے کے بعد مدعی نبوت مرزا قادیانی کے جھوٹ اور شرم ناک کیرکٹر کے نمونے پیش فرمائے۔ (اِسی دوران تیرہ اَفراد کا قادیانی گروہ بھی پونے گیارہ بجے تین مرتبہ بلانے کے بعد ہال کمرہ میں آ گیا) یہ گفتگو اگر چہ ہال کمرہ میں ہورہی تھی؛ مگر لاؤڈ اسپیکر باہر بھی لگائے گئے تھے؛ کیوں کہ ہزاروں مسلمانوں کے پہنچنے کی توقع تھی اور ۱۰ ربجے سے ہی وہ آنے شروع ہوگئے تھے۔ مجمع کو کنٹرول کرنے کے لئے SSP مع مسلح پولیس دستے کے ساتھ وقت پر آ گئے تھے۔ حضرت امیر الہند مدظلہ کے افتتاحی خطاب کے بعد (جو تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا) جناب مولانا صدیق اللہ صاحب چودھری نے خالص بنگلہ زبان میں مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی پر مفصل گفتگو فرمائی، اور سیرت المہدی تذکرہ اور روحانی خزائن کے وہ مقامات کھول کھول کر بنگلہ میں ترجمہ کرکے سنائے، جن میں مرزا کے گھناؤنے کیرکٹر اور جھوٹ بولنے کے حوالے ہیں، اور جہاں اُس نے اپنے نہ ماننے والوں کو کافر وجہنمی کہا ہے، اور مسلمانوں سے بائیکاٹ کرنے کی تاکید کی ہے۔

موصوف کے بعد صدر اجلاس MLA جناب عبدالرؤف صاحب نے قادیانی گروہ کے ترجمان اے اے حسن کو گفتگو کا وقت دیا (جو کلکتہ کے قادیانی مشن سے آیا تھا) اُس نے موضوع سے ہٹ کر گفتگو شروع کردی کہ یہ لوگ صرف اپنے کو اہل اسلام کہہ رہے ہیں، اور ہمیں قادیانی احمدی کہہ رہے ہیں، یہ انداز صحیح نہیں ہے، مگر صدر اجلاس MLA جناب عبدالرؤف صاحب نے اُس کو روک دیا اور کہا کہ: ''علماء اسلام نے قادیانی کتابوں کے حوالے سے جو باتیں مرزا قادیانی کے بارے میں سنائی ہیں، پہلے اُن کے بارے میں بتایئے کہ یہ صحیح ہیں یا غلط؟'' اِس پر

قادیانی ترجمان نے مذکورہ کتابوں کو اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور یہ کہہ کر راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کی کہ ہم اپنی کتابوں سے ملا کر دیکھیں گے۔ اِس پر قادیانیوں سے کہا گیا کہ جو کتابیں مرزا قادیانی کی ہم پیش کررہے ہیں، اُن کے بارے میں لکھ دو کہ یہ قادیانی کتابیں نہیں ہیں، مگر وہ اِس پر تیار نہیں ہوئے، اسکول کے پروفیسران اور MLA وغیرہ نے بھی اُن کتابوں کو دیکھ کر اطمینان حاصل کیا اور قادیانی گروہ سے بار بار یہ مطالبہ دہراتے رہے کہ ان کا جواب دو، ورنہ قادیانیت سے توبہ کرو، مگر قادیانی گروہ کبھی مسلم فرقوں کی باہمی تکفیر کے مسئلہ کو اُٹھا کر بحث کا رخ موڑنا چاہتا تھا، کبھی حیات ووفات مسیح کی بحث چھیڑنے کی کوشش کرتا اور کبھی مرزا قادیانی کے مجدد اور مہدی ہونے کا تذکرہ کرتا تھا، مگر ہر موقع پر صدر اجلاس اور علماء اسلام اس کو ٹوک دیتے تھے، اور اصل موضوع مرزا کی زندگی پر گفتگو کے لئے مجبور کرتے تھے؛ لیکن قادیانی گروہ نے پہلے نمبر کے موضوع سے متعلق علماء اسلام کی کسی بات کا جواب نہیں دیا۔ اِسی بحث وتکرار میں چار پانچ گھنٹے گذر گئے اور تین بج گئے۔

آخر میں ایک بار پھر صدر اجلاس نے قادیانیوں سے توبہ کرنے کو کہا، مگر وہ لوگ تائب نہیں ہوئے اور نہ ہی موضوع سے متعلق کچھ جواب دینے پر آمادہ تھے۔ اِس لئے صدر صاحب نے بحث ومباحثہ کی مجلس برخاست کئے جانے کا اعلان کردیا اور تحریری فیصلہ دے دیا کہ ''آج کے جلسے میں قرآن وحدیث اور خود مرزا غلام احمد قادیانی اور جماعت احمدیہ کی مطبوعہ کتابوں کے حوالے سے مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر اور زندیق ثابت کیا گیا؛ لیکن احمدی جماعت قرآن وحدیث اور مذکورہ کتابوں کے حوالہ سے کوئی صحیح جواب نہیں دے سکی''۔

اُس کے بعد صدر جلسہ نے بطور فیصلہ احمدی جماعت کو توبہ کرنے کی دعوت دی؛ لیکن اُن لوگوں نے اپنے قادیانی رہنے کی رائے ظاہر کی، جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا۔ یہ تمام کارروائی بذریعہ مائک اسکول کے میدان میں مسلمانوں کا جم غفیر سن رہا تھا، جو دس بارہ ہزار کے قریب تھے اور قادیانیوں پر سخت برہم تھے، مگر حضرت امیر الہند مدظلہ نے مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ امن

واَمان قائم رکھیں۔ قادیانیوں کوافہام وتفہیم کے ذریعہ ہی راستہ پر لانا مقصود ہے، کسی قسم کے فساد سے قادیانیوں کو پروپیگنڈے کا موقع ملے گا، اور دوسرے متأثرہ مقامات پر کام کرنا مشکل ہوجائے گا؛ چناں چہ پولیس کے پہرے میں اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر قادیانیوں کی جماعت روانہ ہوگئی۔ مسلمانوں نے ظہر کی نماز اَدا کی، اور نماز کے فوراً بعد مجمع کے زبردست اصرار پر حضرت امیر الہندؒ نے باہر میدان میں کچھ دیر خطاب عام فرمایا۔

محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اِس تاریخی مناظرے میں اہل حق کو ''فتح مبین'' حاصل ہوئی اور قادیانی فریق ذلت آمیز شکست سے دوچار ہوا، والحمدللہ علیٰ ذلک۔

مناظرہ میں پیش کردہ مواد

(۱) مرزا غلام احمد قادیانی کا شرم ناک کیرکٹر:- نامحرم عورت سے خدمت کروانا خصوصاً ساری رات۔

مرزا بشیر احمد ایم اے قادیانی لکھتا ہے کہ ''مجھ سے ڈاکٹر عبدالستار صاحب نے بذریعہ تحریر بیان کیا کہ مجھ سے میری لڑکی زینب بیگم نے بیان کیا کہ میں تین ماہ کے قریب حضرت اقدس کی خدمت میں رہی ہوں، گرمیوں میں پنکھا وغیرہ اور اِسی طرح کی خدمت کرتی تھی، بسا اَوقات ایسا ہوتا کہ نصف رات یا اُس سے زیادہ مجھ کو پنکھا ہلاتے گذر جاتی تھی، دو دفعہ ایسا موقع پیش آیا کہ عشاء کی نماز سے لے کر صبح کی اَذان تک مجھے ساری رات خدمت کرنے کا موقع ملا''۔ (سیرۃ المہدی ۳؍۲۷۲-۲۷۳)

(۲) مرزا غلام احمد قادیانی کا سفید جھوٹ:- قادیان کا نام قرآن شریف میں درج ہے۔ مرزا قادیانی لکھتا ہے کہ ''تین شہروں کے نام اعزاز کے ساتھ قرآن شریف میں درج ہیں: (۱) مکہ (۲) مدینہ (۳) قادیان۔ (اِزالہ اَوہام خزائن ۳؍۱۴۰ حاشیہ)

(۳) مرزا غلام احمد قادیانی کا اپنے نہ ماننے والوں کو کافر وجہنمی کہنا:- مرزا

غلام احمد قادیانی لکھتا ہے کہ: ''مجھے اللہ تعالیٰ نے اِلہام کیا کہ جو شخص تیری پیروی نہ کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہ ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا، وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے۔ (تذکرہ مجموعہ اِلہامات ٣٣٦)

''خدا نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اُس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں''۔ (تذکرہ ٦٠٠ طبع دوم)

(۴) مسلمانوں کے پیچھے نماز پڑھنے کی ممانعت:- مرزا قادیانی لکھتا ہے: ''خدا تعالیٰ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ تمہارے اوپر حرام ہے اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر اور مکذب کے پیچھے نماز پڑھو''۔ (تذکرہ ۱۰۴ طبع دوم)

(ندائے شاہی اگست ۱۹۹۹ء ص: ۴۰-۴۵)

قادیانیت اِسلام کے متوازی ایک الگ مذہب ہے

(۱۹۹۳ء میں شہر بھاگلپور میں منعقدہ تاریخی ''ردقادیانیت کیمپ'' کی روداد)

خطاب: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

○ بھاگلپور بہار میں منعقد ہونے والے عظیم الشان سہ روزہ تربیتی کیمپ اور تحفظ ختم نبوت کانفرنس کے زبردست اختتامی اجلاس میں پچاس ہزار سے زائد شمع رسالت کے پروانوں سے اکابر علماء اُمت کے خطابات ○ کانفرنس کی بے مثال کامیابی سے مرزائیوں کے حوصلے پست ○ عام مسلمانوں میں ایمانی حرارت اور عقیدہ وعمل میں پختگی کی فضا قائم ○ مرزائیوں سے ہر طرح کے تعلقات ختم کرنے کا عزم بالجزم ○ علماءِ حق کی جانب سے مرزائی مرتد کا تعاقب جاری

○

بھاگلپور کا ضلع کافی عرصہ سے بہار میں قادیانیوں (جو اپنے کو احمدی کہتے ہیں) کا مرکز بنا ہوا ہے، خاص کر شہر بھاگلپور کا محلّہ برہ پورہ اِرتدادی فضا سے زیادہ متأثر ہے، جہاں قادیانیوں کی کچھ آبادی ہے، اور کئی عبادت گاہیں بھی تعمیر شدہ ہیں۔ اِس فتنہ کی سرکوبی کے لئے ۱۵؍ سے ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۹۳ء تک کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دار العلوم دیوبند نے مقامی مسلم تنظیم ''مسلم ایسوسی ایشن'' شہر بھاگلپور کے تعاون سے ایک عظیم الشان سہ روزہ ''ردقادیانیت تربیتی کیمپ'' کا انعقاد کیا۔ کیمپ میں تین سو سے زائد علماء، دانشوران اور مسلم نوجوانوں نے پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا۔ تربیتی کیمپ کی دن میں خصوصی نشستیں جامعہ مسجد برہ پورہ میں منعقد ہوتی تھیں اور روزانہ رات کو عیدگاہ برہ پورہ میں بنائے گئے وسیع وعریض پنڈال میں اجلاسہائے عام منعقد ہوتے تھے، جس میں ہزاروں کی تعداد میں فرزندانِ توحید جوش وخروش کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔ آخری دن کے اجلاس میں محتاط اندازے کے مطابق ۵۰؍ ہزار سے زائد افراد نے شرکت کی، جس میں ۱۰؍ ہزار کے قریب صرف عورتیں تھیں، جو پردہ کے معقول انتظام سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے علماءِ اُمت کے بیانات سے مستفید ہو رہی تھیں۔

یہ تاریخی اجتماع ۱۷/اکتوبر ۱۹۹۳ء کی رات ساڑھے سات بجے شروع ہوکر اگلے دن صبح ساڑھے چار بجے فجر کی اَذان تک جاری رہا، اور حیرت انگیز طور پر پورا مجمع مکمل بیداری اور انتہائی توجہ اور سکون کے ساتھ علماء اسلام سے ردقادیانیت کے موضوع پر علمی وتحقیقی مضامین سنتا رہا۔ علماء ربانیین کے پُرمغز اور تحقیقی بیانات سے جہاں قادیانی وساوس اور جھوٹے وساوس کی قلعی کھلی، وہیں پروانہ ہائے شمع رسالت میں بھی زبردست جوش وخروش پیدا ہوگیا۔ اِسلامی غیرت وحمیت نے عوام کو یہ عزم کرنے پر مجبور کردیا کہ آئندہ ہر سطح پر قادیانیوں کا بائیکاٹ کیا جائے گا، اُن کی ریشہ دوانیوں پر گہری نظر رکھی جائے گی، اور اُن کو اِس بات کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ اپنی عبادت گاہ اور ''مرزا واڑے'' کو مسجد جیسے مقدس نام سے یاد کریں اور اپنی مذہبی رسوم وعبادات اسلامی ناموں سے اَدا کریں۔

اِس تاریخ ساز کانفرنس میں مندرجہ ذیل حضرات نے طے شدہ عنوانات پر ٹھوس باحوالہ اور اور ناقابل تردید دلائل سے مزین بیانات سے سامعین کو مستفید فرمایا: (۱) حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب کٹکی امیر شریعت اُڑیسہ ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند (۲) حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری اُستاذ حدیث وناظم اعلیٰ کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند (۳) حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری اُستاذ وناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند (۴) حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب بلندشہری مفتی دارالعلوم دیوبند (۵) جناب مولانا محمد یامین صاحب مظفرنگری مبلغ دارالعلوم دیوبند (۶) جناب مولانا محمد عرفان صاحب بہرائچی مبلغ دارالعلوم دیوبند (۷) جناب مولانا محمد یوسف صاحب امروہوی اُستاذ جامعہ اسلامیہ جامع مسجد امروہہ (۸) جناب مولانا طاہر حسن صاحب اُستاذ جامعہ حسینیہ تاؤلی (۹) جناب مولانا شاہ عالم صاحب گورکھپوری اُستاذ دارالعلوم اسلامیہ بستی۔

ذیل میں ہم اِفادہ کی غرض سے حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب کی حقیقت افروز تقریر کی تلخیص شائع کررہے ہیں۔ اِس سے زیر بحث موضوع کو سمجھنے میں کافی مدد ملے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿یَمُنُّوْنَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا، قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ، بَلِ اللّٰہُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ ھَدَاکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ﴾ [الحجرات: ۱۷]

وقال أيضا: ﴿النَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهُ اُمَّهَاتُهُمْ﴾ [الأحزاب، جزء آيت: ٦]

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: مَنْ صَلّٰى صَلاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِيْ لَهٗ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ. (فتح الباري شرح صحيح البخاري، كتاب الصلاة، أبواب استقبال القبلة / باب فضل استقبال القبلة ٥٩٢/١)

وقال أيضا: أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَشْهَدُوْا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلِيُؤْمِنُوْا بِيْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ. (صحيح مسلم / كتاب الإيمان رقم: ٢١)

صدرِ محترم حضرات علماء کرام! نوجوانانِ ملت، محترم خواتین اور شیدایانِ ناموس رسالت!

اللہ تعالیٰ کی ان بے شمار نعمتوں میں جو ہم پر نازل ہوتی رہتی ہیں، سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ اُس نے ہمیں اور آپ کو آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں پیدا فرمایا۔ یہ صرف اُس کے فضل وکرم کا نتیجہ ہے، ہمارا اِس میں اپنا کوئی دخل نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو وہ ہم کو کسی اور اُمت میں پیدا فرما دیتا۔ اللہ تعالیٰ نے آقاء نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اِجابت میں داخل فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کی وہ اُمت جو آپ کی نام لیوا ہے آپ کو مانتی ہے، وہ اُمت اِجابت کہلاتی ہے۔ اور جو آپ کو نہیں مانتے؛ لیکن آپ کی بعثت کے بعد دنیا میں موجود ہیں، وہ اُمت دعوت کہلاتے ہیں۔ اہل اسلام کے علاوہ جتنے فرقے آج کل موجود ہیں، اور جتنے بھی قیامت تک آئیں گے اور آپ کو نہیں مانیں گے، وہ سب اُمت دعوت کہلائیں گے، جو اللہ کی رحمتوں کے مستحق نہیں ہیں، اللہ کی رحمت کے مستحق تو صرف وہی لوگ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت اجابت کے اندر ہیں، ہم نے اُمت اجابت میں شامل ہو کر اللہ اور اس کے رسول پر کوئی احسان نہیں کیا؛ بلکہ اللہ کا ہم پر احسان ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا، کچھ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر اپنے اسلام کو بطور احسان ذکر کرتے تھے، اس کو قرآنِ کریم نے بایں الفاظ ذکر کیا ہے: ﴿يَمُنُّوْنَ عَلَيْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا﴾ (یعنی یہ لوگ

آپ پر احسان کرتے ہیں کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میرے اوپر اپنے اسلام کا کوئی احسان مت دکھلاؤ، اللہ تمہارے اوپر احسان رکھتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کا راستہ دکھلایا۔

میرے بزرگو اور بھائیو! ایمان اور ایمان کی دولت جو ہمارے مطالبے اور درخواست کے بغیر اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمادی ہے، اِس بے بہا نعمت کی ہمیں قدر کرنی چاہئے، اور ایمان کی حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر ہم صرف مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے اپنے کو مسلمان اور صاحب ایمان سمجھتے رہیں، اور ایمان کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے علماء کے پاس نہ جائیں، تو کوئی بھی سارق اور دغاباز ہمارے ایمان پر ڈاکہ ڈالے گا۔ ہم سمجھیں گے کہ وہ ایمان ہے؛ لیکن وہ ایمان نہیں ہوگا؛ بلکہ کفر اور ارتداد ہوگا، اِس لئے سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ ہم اپنے ایمان کو سمجھیں۔

ایمان کی حقیقت

ہمارے دین کے دو حصے ہیں، ایک عقیدہ، دوسرے عمل۔ اسے دوسرے الفاظ میں ایمان اور اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ایمان کے معنی ہیں ''یقین کرنا اور ماننا'' محض جان لینے کا نام ایمان نہیں۔ جانتے سب ہیں، غیر مسلم بھی جانتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخصیت ہیں، جنہیں مسلمان اللہ کا رسول کہتے ہیں؛ بلکہ زمانۂ نبوت کے اہل کتاب اپنی کتابی بشارتوں کی وجہ سے آپ کو خوب اچھی طرح جانتے تھے، نبوت کی وہ ساری علامتیں آپ پر منطبق تھیں جو انجیل وتوریت میں آپ کے متعلق بیان فرمائی گئی تھیں۔ قرآن کہتا ہے: ﴿يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ﴾ [البقرة: ١٤٦] (یعنی یہ لوگ آپ کو ایسے پہچانتے تھے جیسے یہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)

ہزاروں کے مجمع کے اندر اگر کسی شخص کا بیٹا دور کھڑا ہے تو اُسے پہچان لیتا ہے، اور اُسے کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ تو علماء یہود ونصاریٰ بھی آپ کو جانتے تھے، مگر مانتے نہیں تھے۔ اِس جاننے

کے باوجود اُن کو اِیمان دار نہیں کہا گیا؛ اِس لئے کہ اِیمان ماننے کا نام ہے، محض جاننے کا نہیں۔

آج بہت سے ہمارے غیر مسلم شعراء مسلمان شعراء سے اچھے اشعار بناتے ہیں، نعتیہ مشاعروں میں اُن کے کلام کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اُن کے دل میں اُتری ہوئی ہے؛ لیکن وہ گلے سے نیچے نہیں جاتی۔ غیر مسلم شاعر گلے پھاڑ پھاڑ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتا ہے؛ لیکن چوں کہ مانتا نہیں ہے، اِس لئے اُمت اِجابت میں داخل نہیں۔

عقیدہ کی اَہمیت

دوسری چیز عمل ہے۔ مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ؛ لیکن اس کی اہمیت عقیدہ کے مقابلے میں نسبۃً کم ہے۔ اگر عقیدہ ٹھیک ہے اور ایک وقت کی بھی نہیں پڑھی، کبھی روزہ نہیں رکھا، کبھی زکوٰۃ اَدا نہیں کی، اِسی حالت میں دنیا سے چلا گیا، تو قرآنِ کریم کہتا ہے: ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ [النساء، جزء آیت: ٤٨] (یعنی گھبراؤ نہیں کفر وشرک تو ہم معاف نہیں کریں گے، اِس کے علاوہ جتنے گناہ ہیں؛ وہ معاف کئے جاسکتے ہیں) مگر یہ نہ سمجھیں کہ بہت اچھا پروانہ مل گیا کہ بس اِیمان لاؤ، عقیدہ ٹھیک رکھو، اور نہ مسجد جھانکو نہ رمضان کے روزے رکھو؛ بلکہ ہوٹلوں کو خوب آباد رکھو نعوذ باللہ۔ اِس کا یہ مطلب نہیں؛ اِس لئے کہ فرمایا گیا: ﴿وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (یعنی جس کے لئے چاہے گا اُسے بخش دے گا۔ یہ نہیں کہ آپ کو سند دے دی ہو کہ آپ کا عقیدہ چوں کہ ٹھیک ہے تو لازمی طور پر ہم آپ کو بخش ہی دیں گے۔

حاصل یہ کہ عقیدہ اگر ٹھیک ہے اور اعمال میں گڑبڑی ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مغفرت کا امکان ہے، اللہ چاہے گا تو معاف کردے گا؛ لیکن لازمی اور ضروری بات نہیں، اس سے عقیدہ کی اہمیت اور حقیقت معلوم ہوگئی۔

صحیح عقیدہ کے بغیر اَعمال قبول نہیں

اگر کسی شخص کے اعمال بہت اچھے ہیں، رات دن لوگوں کی خدمت کرتا ہے، کوئی بیمار ہو تو

اُس کو ہسپتال پہنچاتا ہے، غریب آدمی کی اِمداد کرتا ہے؛ حتیٰ کہ روزہ نماز کی پابندی اور حج کی اَدائیگی بھی کرتا ہے۔ صلہ رحمی کی صفت بھی اُس میں پائی جاتی ہے، کوئی اُس کو جھوٹا نہیں کہتا، دغابازی اور چوری کی عادت اُس میں نہیں ہے۔ اِن سب صفات کے باوجود اگر اُس کا عقیدہ خراب ہو وہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہو، وغیرہ وغیرہ۔ تو اِن اَعمال کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔ اعمال کتنے ہی اچھے ہوں، اگر عقیدہ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے، تو وہ اعمال اللہ کے یہاں کوئی مدد نہیں کر سکتے۔

یہ قادیانی لوگ (انہیں احمدی مت کہنا، مرزائی، قادیانی اور غلمدی ناموں سے ہی اُن کا تعارف کرانا چاہئے) کہتے ہیں کہ ہم خدمت خلق کرتے ہیں۔ ہم نے فساد کے زمانہ میں اتنا زیادہ ریلیف کا کام کیا ہے، مگر ان سے پوچھئے کہ اُن کا عقیدہ کیا ہے؟ صحیح عقیدہ کے بغیر ان اعمال کی اللہ کے یہاں کوئی حیثیت نہیں۔ صحیح عقیدہ وہی ہے جو حضرات صحابہ اور سلف صالحین سے ثابت ہو اور یہ قادیانی قیامت تک ثابت نہیں کر سکتے کہ ان کا عقیدہ اور طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے موافق ہے، اِس لئے اُن اَعمال کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اُن سے دھوکہ نہیں دیا جاسکتا۔ قرآن کہہ رہا ہے: ﴿هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا﴾ [الكهف: ١٠٣] (کیا ہم تم کو بتلائیں ان لوگوں کے بارے میں جو عمل کے اعتبار سے انتہائی گھاٹے میں ہیں) ﴿اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ [الكهف: ١٠٤] (وہ جو دنیا کی دوڑ دھوپ بہت کر رہے ہیں؛ لیکن سب اکارت گئی اور وہ اپنی جگہ پر یہ سمجھ رہے کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں)

یہ قرآنِ کریم کا ایک انداز ہے؛ تاکہ ذہن پوری طرح متوجہ ہو جائے؛ چناں چہ توجہ دلانے کے بعد آگے فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ [الكهف: ١٠٥] (یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کا انکار کیا)

ابھی آپ سنتے چلے آرہے ہیں کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے قرآنِ کریم کی آیات کا

انکار کیا ہے) اور اپنے رب کی لقا کا انکار کیا تو ان کے اعمال حبط اور اکارت ہوگئے۔ فرمایا: ﴿فَلاَ نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا﴾ [الکھف، جزء آیت: ۱۰۵] یعنی قیامت کے دن اُن کے لئے وزن قائم نہیں کریں گے۔

بھائیو اور بزرگو! یہ عقیدہ اور عمل کی آپ نے حیثیت سمجھی کہ عقیدہ اگر ٹھیک ہے اور اعمال میں بالکل کورا صفر رہا، اس کے نجات کی اُمید رکھی جاسکتی ہے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿لا تَيْئَسُوْا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لا يَيْئَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُوْنَ﴾ [یوسف: ۸۷]

خدانخواستہ اگر زندگی اس حالت میں گذر گئی تو دنیا سے جاتے وقت اللہ کی رحمت سے مایوسی نہ ہو، اگر توبہ کی توفیق ہوگئی تو سبحان اللہ! اور اگر توفیق نہ بھی ہوئی تو بھی اللہ کی تحت المشیت ہے، وہ چاہے گا تو معاف کردے گا؛ لیکن عقیدہ ہی اگر خراب ہو تو معافی کا کوئی خانہ نہیں۔

مجلس تحفظ ختم نبوت کیوں قائم ہوئی؟

یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اس وقت کئی سال سے مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند قادیانیت کا تعاقب کررہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ دارالعلوم نے یہ کیا کھیل تماشا شروع کیا، آپ بتائیے کیا دارالعلوم دیوبند کوئی مکتب ہے جس کے پاس اس کے علاوہ کوئی کام ہی نہ ہو، وہ تو عظیم اسلامی یونیورسٹی ہے جہاں ہر وقت تین ہزار طلبہ رہتے ہیں، اس کے دسیوں شعبے ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ وہ پھر اس مزید بوجھ کو کیوں اُٹھا رہا ہے؟ واقعہ یہ ہے کہ جس مشن اور مقصد کے لئے دارالعلوم دیوبند کا قیام ہوا تھا، اسی مشن کی تکمیل کے لئے اس شعبہ کا بوجھ بھی اُٹھایا گیا ہے، دارالعلوم دیوبند ایک ایسے وقت میں قائم ہوا تھا، جب انگریزوں کی طرف سے ہندوستان کے تمام بسنے والوں کو عیسائی بنانے کی تحریک چل رہی تھی، صرف مسلمان ہی نہیں؛ بلکہ ہندوستان کے ہر مذہب کے ماننے والے کو انگریز عیسائی بنانا چاہتے تھے۔ ہمارے علماءِ حق کو اسلام کی فکر تھی، اللہ تعالیٰ ہمارے اکابر اور علماء کی قبروں کو نورِ ایمانی سے منور فرمائیں اور جنت میں اُن کے درجے بلند فرمائیں کہ اُنھوں نے درد محسوس کیا اور مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت اور اسلامی

تشخص برقرار رکھنے کے لئے دارالعلوم دیوبند قائم کیا، اوراس کے طرز پر ملک میں دیگر مدارس کا جال بچھایا، اسی جذبہ کے ماتحت یہ مجلس قائم ہوئی تھی؛ تاکہ لوگوں کو بتلایا جائے کہ وہ لوگ جو نسبی طور پر مسلمان اور ایمان دار کہلاتے ہیں، مگر درحقیقت مؤمن نہیں، وہ کہیں عام مسلمانوں کی جہالت اور ناواقفیت کی وجہ سے کسی اور طرف لے جائیں گے، اس لئے آپ ایمان کی حقیقت کو سمجھیں۔ آج بھی قادیانی لوگ ایمان کی حقیقت نہ جاننے والوں کے سامنے اس طرح کی مغالطے کی باتیں کرتے ہیں۔

قادیانی مغالطہ

مجھے اِس وقت لمبی چوڑی باتیں نہیں کرنی، مختصراً یہ عرض کرنا ہے کہ قادیانی اور اُس کی ذریت عام مسلمانوں کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے: "**مَنْ صَلّٰی صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ**". (صحيح البخاري / كتاب الصلاة رقم: ٣٩١) (یعنی جس نے ہماری جیسی نماز پڑھ لی، جس نے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا، جس نے ہمارا ذبیحہ کھایا تو وہ مسلمان ہے) لہٰذا ہم (قادیانی) مسلمانوں جیسی نماز پڑھتے ہیں، اور ہمارا قبلہ بھی وہی جو سب کا ہے۔ تو یہ حدیث بالکل ہمارے مسلمان ہونے کی شہادت دے رہی ہے۔

حدیث میں مسلمانوں کی جو تعریف کی گئی ہے، اُس کے متعلق تو بعد میں عرض کروں گا؛ لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ قادیانی ہمارا ذبیحہ کھاتے ہیں یا نہیں؟ آپ روزانہ سنتے آرہے ہیں کہ وہ ہمیں مسلمان نہیں سمجھتے، وہ اپنے علاوہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو جو مرزا غلام احمد کو نہیں مانتے، خارج از اسلام سمجھتے ہیں، تو خارج از اسلام کا ذبیحہ اُن کے لئے کیا جائز ہے؟ وہ تو ہمارے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز نہیں سمجھتے، ہمارے مردہ کی نماز جنازہ بھی اُن کے یہاں جائز نہیں۔

سر ظفر اللہ نے مسٹر جناح کی نماز جنازہ نہیں پڑھی

اور تو اور؛ ظفر اللہ قادیانی نے مسٹر جناح کی نماز جنازہ تک میں شرکت نہیں کی۔ آپ جانتے ہوں گے کہ یہ ظفر اللہ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ تھا، اور عقیدۃً مرزائی تھا۔ مسٹر جناح کے

انتقال کے بعد اس کے جنازہ میں علماء شریک ہوئے، ارکانِ سلطنت اور بہت سے مسلمان شریک ہوئے؛ اِس لئے کہ وزیر اعظم پاکستان کا انتقال ہوا تھا، ظفر اللہ اُسی کی حکومت میں وزیر خارجہ تھا، مگر جنازہ میں شریک نہیں ہوا۔ جب لوگوں نے اس سے اِس بارے میں پوچھا تو یہ کہہ دیا کہ: ''یا تو مجھے یہ سمجھ لو کہ میں کسی اسلامی حکومت کا مسلم وزیر ہوں یا یہ سمجھ لو کہ کسی اسلامی حکومت کا غیر مسلم وزیر ہوں'' (اِس لئے شریک نہیں ہو رہا)

تو اِس حدیث میں بس اتنا تو یاد رہ گیا کہ جو نماز پڑھے اور قبلہ کی طرف رخ کرے، وہ مسلمان ہے؛ حالاں کہ تیسرا جزء ''وَأَكَلَ ذَبِيْحَتَنَا'' (یعنی ہمارا ذبیحہ کھائے) یہ بھی تو ہونا چاہئے۔ تو کیا ہمارا ذبیحہ کھاتے ہو؟

ہمارے جیسی نماز پڑھنے کا مطلب

حدیث میں جو یہ فرمایا گیا کہ جو ہمارے جیسی نماز پڑھے، تو غور کیجئے کہ ہمارے جیسی کا کیا مطلب ہے؟ ہمارے جیسی کا مطلب یہ ہے کہ جس جس طریقہ پر ہماری نماز جائز ہوتی ہے، اِسی طرح ان کی نماز بھی جائز ہو۔ اَب دیکھئے ہماری نماز ایک مسلمان کے پیچھے جائز ہو جاتی ہے، مگر اُن کی نماز ہمارے پیچھے نہیں ہوتی۔ تو بتائیے: کیا محض رکوع سجدہ میں مطابقت کر لینے سے ''وصلی صلواتنا'' پر عمل ہو گیا۔ یہ لوگ بہت زور و شور سے یہ حدیث پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے اوپر حدیث کے مطابق مسلمان کی تعریف صادق آتی ہے۔

تو علماء بھی یاد رکھیں اور عوام بھی کہ ہم پوچھتے ہیں کہ تمہارے گروہ پر یہ تعریف منطبق ہوتی ہے یا نہیں؟ پہلے وہ اس تعریف کا انطباق ثابت کریں۔ میں نے عرض کیا کہ وہ ہمارا ذبیحہ نہیں کھاتے، تو یہ جزء نکل گیا، تو تعریف کہاں صادق آئی؟

تعریف اور علامت میں فرق

دیکھئے! تعریف کے اندر سے ایک جزء بھی نکل گیا، تو وہ چیز چیز نہیں رہے گی، جیسے انسان کی تعریف ہے حیوانِ ناطق، یعنی سمجھنے والا جاندار۔ اگر اس میں سے ناطق نکال دو، صرف حیوان

ہی حیوان ہو، تو انسان نہیں رہے گا جانور ہوجائے گا۔ اِس کے برخلاف اگر کوئی انسان کی یہ تعریف کرنے لگے کہ انسان وہ ہوتا ہے جس کے دو پیر، دو ہاتھ اور دو کان وغیرہ ہوتے ہیں، اور اس کے ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہوتی ہیں، اب اگر کسی کی انگلیاں کٹ جائیں یا کوئی شخص بغیر ہاتھ کے سامنے آئے، تو کیا آپ اُسے انسان نہیں کہیں گے؟ ضرور کہیں گے۔

تو معلوم ہوا کہ یہ انسان کی تعریف نہیں ہے، اگر یہ تعریف ہوتی تو انگلی نہ رہنے کی وجہ سے انسان نہ رہتا، پیر نہ ہونے کی وجہ سے انسان نہ رہتا۔ یہ چیزیں تو انسان کی محض علامت اور پہچان ہیں، علامت نہ رہنے کی وجہ سے ذی علامت ختم نہیں ہوتا؛ بلکہ موجود رہتا ہے۔ اسی طرح محض علامت کا پایا جانا، اس شے کی موجودگی میں قطعی دلیل نہیں سمجھا جاتا۔

ایک مثال

مثال کے طور پر ہم کسی بستی سے گذر رہے ہیں، رات کا وقت ہے، اب ہمیں پتہ نہیں کہ یہ بستی اہل اسلام یا اہل کفر کی؟ وہاں جائیں یا نہ جائیں، تو کچھ لوگوں نے کہا کہ بھائی انتظار کرو، اگر عشاء کی اذان کی آواز آ گئی، تو سمجھ لیں گے کہ بستی مسلمانوں کی ہے، نہیں آئی تو آگے بڑھیں گے۔ اب وہاں سے اذان کی آواز نہیں آئی جو کہ ایک اسلامی علامت تھی، تو کیا (محض اس بنا پر) ساری بستی کے لوگ غیر مسلم ہوگئے؟ ایسا نہیں ہے؛ کیوں کہ ہوسکتا ہے وہاں سارے مسلمان ہوں، مگر اذان نماز وغیرہ نہ جانتے ہوں۔ (یہ کوئی مستبعد نہیں، اب بھی راجستھان میں بعض علاقے ایسے ہیں، جہاں صرف نام کے مسلمان رہتے ہیں، جن کو اذان نماز وغیرہ کا کچھ پتہ نہیں، ایسے دیہاتوں میں ہمارے رفقاء جاتے رہتے ہیں) اسی طرح اگر اذان کی آواز آ گئی تو یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ مسلمان ہی ہوں؛ کیوں کہ ممکن ہے کہ وہ غیر مسلم ہوں، اور اُنہوں نے محض دھوکہ دینے کے لئے اذان دے دی ہو۔

الغرض محض علامت پرشی کے ہونے نہ ہونے کا مدار نہیں رکھا جاتا۔ جب کہ تعریف میں مطابقت نہ ہونے سے چیز ہی ختم ہوجاتی ہے، ان دونوں کے فرق کو سمجھ لیجئے، اس کے بغیر قادیانی

مغالطہ دور نہ ہوگا۔

یہ لوگ "مَنْ صَلّٰی صَلوٰتَنَا" کی حدیث سے مغالطہ دے کر اپنے کو مسلمان ثابت کرنا چاہتے ہیں، جب کہ حدیث میں صرف مسلمانوں کی علامتیں بیان کی گئی ہیں، اور قادیانی ان علامتوں میں بھی میل نہیں کھاتے، مثلاً یہ ہماری جیسی نماز نہیں پڑھتی۔ ہمارا ذبیحہ نہیں کھاتے، تو یہ اپنے کو مسلمان کیسے کہہ سکتے ہیں؟ جھوٹ بولنے سے اسلام نہیں ملتا، ان کے پاس سچا اسلام تو کجا نام کا بھی اسلام نہیں ہے؛ کیوں کہ ان میں اسلام کی علامتیں تک نہیں پائی جاتیں۔

ایمان کی تعریف

خیر یہ تو علامتیں تھیں۔ ایمان کی تعریف آقاءِ نامدار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری حدیث شریف میں بیان فرمائی ہے: "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْهَدُوْا أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلِیُؤْمِنُوْا بِيْ وَبِمَا جِئْتُ بِهٖ". یہ مسلم شریف کی روایت ہے، یعنی ایمان اس وقت آئے گا جب اللہ کی وحدانیت کی گواہی دو، اور میرے اوپر ایمان لاؤ اور مجھے آخری نبی مانو۔ اور "مَا جِئْتُ بِهٖ" یعنی میں جو شریعت لے کر آیا ہوں، اُس شریعت کو مانو۔ یہ ہے ایمان کی تعریف۔ اللہ پر ایمان، اس کی کتابوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، جنت دوزخ وغیرہ وغیرہ پر ایمان۔ تو ایمان کے لئے ایک ایک چیز کو ماننا ضروری ہے۔ اگر کسی بھی ایسی چیز کا انکار کردیا جو "بِمَا جِئْتُ بِهٖ" میں شامل اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، تو ایمان مکمل نہیں؛ بلکہ ایمان ہے ہی نہیں۔

مثال کے طور پر میں عرض کروں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں سب کچھ مانتا ہوں؛ لیکن بس فجر کی نماز نہیں مانتا کہ وہ بہت مشکل کام ہے کہ چار بجے صبح اُٹھ کر نماز کی تیاری کرو، تو وہ شخص محض فجر کو نہ ماننے کی وجہ سے کافر ہو جائے گا؛ اِس لئے کہ ایمان ہر ہر چیز کو ماننے کا نام ہے، اور کافر بننے کے لئے ہر چیز کا اِنکار ضروری نہیں ہے کہ قرآن کا انکار کرے، حدیث کا انکار کرے؛ بلکہ صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اگر کوئی قرآن کی آیت ہونے سے انکار کردے تو کافر ہے،

اگرچہ دوسری چیزوں کو مانتا ہو، یہ ہے کفر واسلام کی حد۔

قرآن کو ماننے کا مفہوم

اسی معیار کی روشنی میں یہ سمجھنا چاہئے کہ قرآنِ کریم کے ماننے میں جیسے اُس کے الفاظ کو ماننا ہے، اِسی طرح ان معانی ومضامین کو ماننا بھی ضروری ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمجھے ہیں، اور اُنہوں نے اپنے شاگردوں کو نقل کئے ہیں، اور شروع سے اَب تک نقل ہوتے چلے آرہے ہیں؛ اِس لئے کہ اُصول فقہ میں قرآن کی تعریف لکھی ہے: ''هُــوَ اِسْمٌ لِلنَّظْمِ وَالْمَعْنٰى جَمِيْعًا'' یعنی قرآن دو چیزوں کا نام ہے: (۱) نص یعنی عبارت والفاظ (۲) اور معنی۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن کی آیات کو ماننا اور جو معنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقل کئے، ان کو ماننا؛ یہی ماننا کہلائے گا؛ لہٰذا جو شخص قرآن کو مانتا ہے؛ لیکن اس کے معنی کو نہیں مانتا، تو وہ قرآن کو ماننے والا نہیں ہے۔

مرزائی قرآن کو ماننے والے نہیں ہیں

مرزا غلام احمد قادیانی اور اُس کے متبعین زبانی تو یہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو ماننے والے ہیں؛ لیکن وہ آیاتِ قرآنی کی ایسی من گھڑت تفسیریں اور تعبیریں کرتے ہیں، جن سے اُن کا سارا دعویٰ کھوکھلا ثابت ہوجاتا ہے۔ مثلاً: قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَــا كَــانَ مُـحَـمَّدٌ اَبَـا اَحَدٍ مِنْ	محمد باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے؛
رِجَــالِـكُـمْ وَلَٰـكِـنْ رَسُوْلَ اللّٰـهِ	لیکن رسول ہے اللہ کا اور مہر سب نبیوں پر۔
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ. (الأحزاب: ٤٠)	

''خاتم النبیین'' کے متعلق مرزا یہ کہتا ہے کہ اس کے معنی نبیوں کی مہر کے ہیں۔ یعنی جو شخص آپ کی اُمت میں رہ کر اور آپ کی شریعت پر چلتے ہوئے کمالِ اطاعت کے ساتھ زندگی گذارے، تو وہ ایسے مرتبہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اس کو نبوت کا درجہ مل جائے اور اُس پر آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ہے؛ حالاں کہ یہ آیت کے ایسے معنی ہیں جو اُمت نے کبھی نہیں سمجھے۔ کسی مفسر، مجدد اور شارح قرآن نے مراد نہیں لئے؛ لہٰذا یہ کھلی ہوئی تحریف ہے۔ اور یہی ایک تحریف مرزا کے کفر کے لئے کافی ہے۔ ''خاتم النبیین'' کے معنی متفقہ طور پر تمام اُمت کے نزدیک یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلسلہ نبوت کے خاتم ہیں، اور آپ کے بعد کوئی نبی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔

(۲) مرزا غلام احمد قادیانی کی لچر تاویلات اور بے ہودہ تحریفات کا ایک نمونہ یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت: ﴿یٰٓا اٰدَمُ اسْکُنْ اَنْتَ وَزَوْجُکَ الْجَنَّۃَ﴾ [البقرۃ، جزء آیت: ۳۵] (اور آدم رہ تو اور تیری عورت جنت میں) کے متعلق مرزا غلام احمد کا کہنا ہے کہ اس میں آدم کا مصداق میں ہوں، اور جنت کا مصداق میری بہن ہے، جو میرے ساتھ جڑواں پیدا ہوئی تھی۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ اے آدم یعنی اے میاں مرزا اور تیری بہن جنت جاؤ اور تم جنت میں رہو۔

اب آپ ہی اندازہ لگائیے کہ کیا حضرت آدم علیہ السلام کا مصداق مرزا غلام احمد قادیانی کو قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور کیا واقعی جنت سے مرزا کی بہن مسماۃ جنت مراد ہو سکتی ہے؟ العیاذ باللہ۔ اس طرح کی تحریفات سے مرزا غلام احمد کی کافرانہ سوچ کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(۳) اسی طرح انتہائی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مرزا ایک جگہ یہ اعلان کرتا ہے کہ قرآن کی آیت: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ﴾ [الفتح، جزء آیت: ۲۹] سے میں ہی مراد ہوں؛ کیوں کہ میرا نام محمد بھی ہے۔ بتائیے کوئی مسلمان جس کے سینہ میں ذرہ برابر بھی ایمان کی شمع روشن ہو، کیا اس توہین آمیز اور احمقانہ تحریف کو برداشت کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں، ایسی بات کا کہنے والا بجا طور پر پاگل کہلانے اور جوتے مارنے کا مستحق ہے۔

اِس لئے بھائیو! مرزائیوں کو قرآن کا ماننے والا ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر یہ قرآن کے قائل ہوتے تو جیسا کہ میں نے پہلے کہا، یہ قرآن میں تحریف وتاویل کی جسارت نہ کرے۔

نبی اکرم علیہ السلام کا مؤمنین سے رشتہ

دوستو اور ساتھیو! یہ مرزا غلام احمد قادیانی نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے روحانی رشتہ کو منقطع کر دینا چاہتا ہے، اِس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں ارشادِ خداوندی ہے:

النَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ.	نبی سے لگاؤ ہے ایمان والوں کو زیادہ اپنی جان سے اور اُس کی عورتیں اُن کی مائیں ہیں۔

(الاحزاب، جزء آیت: ٦)

یعنی آقائے نامدار سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلمانوں کو جو تعلق ہے، وہ اس تعلق کی بہ نسبت زیادہ ہے، جو مسلمانوں کو خود اپنی ذاتوں سے ہے۔ اب دیکھئے کہ انسان کو اپنی ذات سے کتنا تعلق ہوتا ہے؟ ذرا سا کانٹا چبھ جائے، طبیعت بے چین ہو جاتی ہے، گرمی لگ جائے تو فوراً پنکھا چلایا جاتا ہے۔ ذرا بیمار ہو جائے تو فوراً ڈاکٹر کے پاس پہنچا جاتا ہے۔ الغرض ہر طرح کا خیال رکھا جاتا ہے۔ آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اس سے کہیں زیادہ تمہارا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہے۔

ذرا اندازہ لگایئے! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم سے کتنا تعلق ہوگا؟ پھر آگے فرمایا گیا: ﴿وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ کہ آپ کی جو بیویاں (حضرت خدیجۃ الکبریٰ، حضرت عائشہ اور دیگر ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن) ہیں، وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں۔ اور ایک قرأت میں اس آگے ہے: "وَهُوَ اَبٌ لَهُمْ" یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سب مسلمانوں کے باپ ہیں۔ اِس سے معلوم ہوا کہ حضراتِ ازواجِ مطہرات ہماری روحانی مائیں ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روحانی باپ ہیں، یعنی سارے مسلمان آپؐ کی روحانی اولاد ہیں۔

(یہاں مرزائی یہ نہ کہیں کہ ہم بھی آپ کو ماننے والے ہیں؛ لہٰذا آپ ہمارے بھی روحانی باپ ہوئے؛ اِس لئے کہ ایسا ماننا معتبر نہیں جو آپ کے بتائے ہوئے طریقے کے خلاف

اور آپ کی توہین پر مبنی ہو۔ ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو مقامِ نبوت پر فائز کرنے سے بڑھ کر آپ کی بے حرمتی کیا ہوسکتی ہے؟)

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی تعلیمات کو تسلیم کرنے کی بدولت ہمیں یہ سعادت حاصل ہوئی کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اُولاد قرار پائے اور آپ جیسا روحانی باپ ہمیں میسر آیا۔ دنیا کے جسمانی باپ کے بارے میں ہمارا یہ جذبہ رہتا ہے کہ کوئی شخص ہمارے اِس رشتے کو ختم نہ کرسکے۔ مثلاً کسی کا انتقال ہوجائے، اُس کے دس بیٹے ہوں اور اُس نے بہت سی جائیداد چھوڑی ہو، جب جائیداد تقسیم کرنے کا نمبر آئے تو ایک نامعلوم شخص دوسرے شہر سے آکر کہنے لگے کہ مرنے والے کے یہ دس لڑکے اس کی جائز اولاد نہیں ہیں؛ بلکہ جائز اُولاد اور جائیداد کا اصل مستحق تو میں ہوں، تو وہ سچی اُولاد اُس نامعلوم شخص کے دعویٰ کو ہرگز قبول نہ کرے گی۔ کچھ اسی طرح کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اُولاد یعنی اُمت محمدیہ کے ساتھ مرزا غلام احمد قادیانی نے کیا ہے۔ اُس لعین نے اُمت محمدیہ کے روحانی رشتہ کو کاٹنے کی کوشش کی ہے، اور کہا ہے کہ صرف میں اور میرے ماننے والے مسلمان اور روحانی اُولاد ہیں، بقیہ پوری اُمت گمراہ اور کافر ہے، کیا اس کا یہ قول برداشت کے قابل ہے؟ (ہرگز نہیں، ہرگز نہیں)

مرزا کے بیٹے بشیر احمد نے ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام ہے ''حقیقی اسلام'' اُس میں اُس نے یہ ثابت کیا ہے کہ صرف مرزا کے ماننے والے ہی مسلمان ہیں، بقیہ لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ یہ دعویٰ درحقیقت ''برعکس نام نہند زنگی را کافور'' کا مصداق ہے۔ اور پوری اُمت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جھوٹی روحانی اُولاد ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی ہے، مسلمان اس بدترین حرکت پر خاموش نہیں رہ سکتے۔

ہمارا مقصد

اِس بیان سے ہمارا مقصد لڑنا جھگڑنا نہیں ہے؛ بلکہ اُن بھائیوں کو سمجھانا ہے جو کسی دنیوی

لالچ کی وجہ سے قادیانیوں کے پھندے میں پھنس گئے ہیں، اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہوگئے ہیں۔ اُن کو یہی سمجھایا گیا ہے کہ حقیقی اسلام وہی ہے جو قادیانی نے پیش کیا، ہم اُنہیں دعوتِ فکر دینے کے لئے آتے ہیں کہ ذرا غور کرو، ایک طرف تم مٹھی بھر ہو اور دوسری طرف یہ ہزاروں کا مجمع ہے، اور کروڑوں مسلمان ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا ہے: "لَا تَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلىٰ ضَلَالَةٍ". (كشف الخفاء للعجلوني ٤٧٠/٢) (میری اُمت کبھی گمراہی پر اجتماع نہ کرے گی) اگر تم لاکھوں کی تعداد میں بھی ہو، تو کروڑوں کے مقابلے میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں ہے۔ تو غور کرو کہ حق کس طرف ہے؟ ہمیں ایسے لوگوں کے ساتھ دلی ہمدردی ہے کہ وہ سنور جائیں اور عاقبت درست کرلیں۔ ہم اِس سلسلے میں وہی طریقہ اور اخلاق اپناتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنائے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال دیتے ہوئے اِرشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کوئی آگ جل رہی ہو اور اُس پر پتنگے اور پروانے آتے ہیں، تو اُن کو ایک آدمی ہٹاتا ہے؛ تاکہ جل نہ جائیں۔ تو آپ علیہ السلام نے مثال دے کر بتایا کہ میری اور تمام اِنسانوں کی مثال (اِس لئے کہ آپ سب کے لئے رسول بناکر بھیجے گئے ہیں) یہ ہے کہ لوگ دوزخ کی طرف چلے جارہے ہیں اور میں اُنہیں پکڑ پکڑ کر کھینچ رہا ہوں کہ کہاں جارہے ہو؟ گڑھے میں گرجاؤ گے۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل/ باب شفقتہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیث: ۲۲۸۵)

تو میرے دوستوں ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی غور کریں، ضد اور ہٹ دھرمی پر نہ آئیں اور جو لوگ ہمارا رشتہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دینا چاہتے ہیں ہم اُن سے اپنا رشتہ منقطع کرلیں اور ہم قادیانیوں سے بھی صرف اتنا کہیں گے کہ وہ جو باتیں کہتے ہیں، خوشی سے کہیں، ہندوستان میں جیسے اور لوگ بستے ہیں وہ بھی رہیں، مگر ہمارے کلمہ، ہماری نماز، ہمارے روزوں، ہماری عبادات اور ہماری مسجدوں کے نام اِس طرح استعمال نہ کریں کہ ہمارے بھولے بھالے ناواقف مسلمان دھوکہ میں پڑکر اپنی عاقبت خراب کرڈالیں۔

ایک اور مغالطہ

گذشتہ وضاحت سے یہ معلوم ہوگیا کہ محض کلمہ پڑھ لینے یا عبادات کے نام میں شرکت کی وجہ سے قادیانیوں کو مسلمان نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بھی پتہ چل گیا کہ حدیث ''مَنْ صَلّٰی صَلاتَنَا'' کی آڑ میں اُن کا اپنے اسلام کو ثابت کرنا بالکل بے بنیاد ہے؛ اِس لئے کہ وہ اِسلام کے بنیادی عقائد پر اِیمان نہیں رکھتے۔

اَب اُن لوگوں کا ایک اور اہم مغالطہ بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ یہ لوگ کہا کرتے ہیں کہ جس شخص کے کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا ہو، تو اِسی کو راجح رکھا جائے گا، اور اُسے مسلمان ہی قرار دیا جائے گا۔ اِس دعویٰ کا مقصد یہ ہے کہ مرزائی چوں کہ مسلمانوں کی طرح عبادت وغیرہ کرتے ہیں، تو اُنہیں بہر حال مسلمان ہی سمجھنا چاہئے؛ لیکن یہ غلط فہمی ہے۔ اور اِس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قرآنِ کریم کی آیت ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوْا الصَّلٰوۃَ﴾ [النساء، جزء آیت: ٤٣] پر وقف کردے اور دعویٰ کرنے لگے کہ میں اِس لئے نماز نہیں پڑھتا؛ کیوں کہ قرآنِ کریم نے نماز کے قریب تک جانے سے مسلمانوں کو روکا ہے، نعوذ باللہ من ذٰلک۔ تو اُس کا یہ دعویٰ یقیناً غلط اور باطل ہوگا؛ اِس لئے کہ آگے قرآنِ کریم میں ﴿وَاَنْتُمْ سُکٰرٰی﴾ کے الفاظ بھی آئے ہیں، یعنی نماز پڑھنے کی ممانعت اُس وقت ہے جب کہ نشہ کی حالت ہو۔

اِسی طرح فقہاءِ اسلام کا یہ ضابطہ کہ ننانوے احتمالاتِ کفر ہونے کے باوجود اِسلام کے احتمال کو راجح رکھا جائے، تو عام حالات میں نہیں ہے؛ بلکہ ایک خاص حالت کے لئے ہے، جب کہ کہنے والے کے حال کا علم نہ ہو، اور اُس سے صرف ایک ہی جملہ سنا گیا ہو، اُس کے دیگر اَعمال واَقوال کفر پر شاہد نہ ہوں؛ لہٰذا اگر کوئی شخص اِیمان کا دعویٰ کرے؛ لیکن اُس سے ایسے عقائد واَعمال کا صدور ہو جو اسلام کے اُصول کے خلاف ہوں، تو ہرگز اُس کے اِیمان کو معتبر قرار نہیں دیا جاسکتا، یہاں احتیاط کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

مرزا کے کذب کی ایک دلیل

آپ کئی دن سے شیر اُڑیسہ حضرت مولانا سید محمد اسماعیل صاحب کی زبانی مرزائیوں کے عقائد فاسدہ برابر سنتے آرہے ہیں، حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے اِس بڑھاپے میں بھی جوانوں کی سی ہمت عطا کی ہے، ہمیں آپ کی ذات سے نصیحت حاصل کرنی چاہئے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے بڑھاپے کے سوا کوئی بیماری نہیں۔ اِسی طرح آپ کی مسجد کے اِمام مولانا معزالدین صاحب ۴۵ر سال سے برابر اِمامت کرتے آرہے ہیں، کبھی اُنہوں نے بلاعذر اپنی ڈیوٹی میں کوتاہی نہیں کی۔ مگر مرزائی جسے نبی مانتے ہیں اُس کی زندگی کا ریکارڈ ہے کہ اُس کو کبھی نماز کی پابندی کی توفیق نہ ہوسکی، کبھی نماز میں کھڑے ہوتے ہی سر چکرا جاتا، کبھی نماز کا نام سن کر غشی طاری ہوجاتی، اور کبھی پیشاب کی کثرت سے حالت خراب ہوجاتی۔ مرزا غلام احمد خود لکھتا ہے کہ مجھے شوگر اور ذیابیطس کا مرض ہے، کبھی کبھی دن میں سو سو مرتبہ پیشاب کرنا پڑتا ہے۔

یاد رکھئے! اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ایسے امراض سے محفوظ رکھتا ہے، جس سے لوگ نفرت کرتے ہوں، مرزا کا پیشاب کی گھناؤنی بیماری میں مبتلا ہونا اور نماز جیسی اہم عبادت کی انجام دہی سے محروم رہنا بجائے خود اس کے کذب کی بڑی دلیل ہے۔

جھوٹے نبی کا تعاقب رحمت کے خلاف نہیں

حاصل یہ ہے کہ جو شخص جھوٹا ہو، اور ہمارا روحانی رشتہ سرورِ کائنات، فخر دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹنے کی جسارت کرے اور جو تمام مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج مانے، اور اُنہیں حضور اکرم علیہ السلام کی ناجائز اَولاد کہے (نعوذ باللہ) تو ہماری غیرت ہرگز ہرگز ایسے شخص کو مسلمان گوارا نہیں کرسکتی۔ ہم صاف اعلان کردینا چاہتے ہیں کہ جو شخص ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے، اُس سے ہمارا کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں ہے، ہم اُس کا ہر ممکن طور پر تعاقب کریں گے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ مبارکہ ہمارے پیش نظر ہے کہ آپ نے رحمۃ للعالمین ہونے کے باوجود اَسود عنسی کذاب کے دعویٰ نبوت کے بعد خاص طور پر اپنے جاں نثار صحابی حضرت فیروز دیلمی کو اُس کے مقابلے کے لئے بھیجا، جنہوں نے آقا کے حکم پر جھوٹے نبی کا سرتن سے جدا کر کے دین و دنیا کی سعادتوں سے اپنے دامن کو بھرلیا۔ اگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم فرمانا آپ کی رحمت ورأفت کے خلاف نہیں، تو ہمارا مرزائی تعاقب میں محنت کرنا بھی رائیگاں اور لاحاصل اور بے معنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس کارنامے کی اَنجام دہی پر حضرت فیروز کے بارے میں یہ خوش خبری سنائی: "قَتَلَهُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فِيرُوزُ" (اس کو ایک نیک مرد فیروز نے ہلاک کردیا)

ذرا سوچئے! آپ اُس شخص کو اپنی زبانِ مبارک سے صلاح کا خطاب دے رہے ہیں، جس نے جھوٹے نبی کا سرقلم کر کے صفحۂ ہستی سے ایک ضلالت کو مٹانے کا کارنامہ اَنجام دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اِسلامی حکومت میں مدعی نبوت کا سرقلم کردینا ہی اُس کا علاج ہے۔ اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ مبارکہ اور اَخلاقِ کریمہ کا مظاہرہ ہے۔

گذشتہ سال قادیان کے مرکز سے ہزاروں خطوط بھیجے گئے، جن میں یہ رونا رویا گیا کہ ہمارے حضرت تو عاشق رسول تھے، اور علماء اُمت نے ہم عشاقِ رسول کے خلاف جو طریقہ اپنایا ہے، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے خلاف ہے، اِس لئے علماء کو قادیانیوں کی تکفیر سے باز آنا چاہئے، وغیرہ وغیرہ۔

تو اِس کے جواب میں ہم یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ ہمارا طریقہ عین سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے۔ جو طریقہ آپ نے اَسود عنسی کذاب کے خلاف اپنایا وہی ہم بھی اپناتے ہیں۔ اِسی طرح ہمارا طریقہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سنت کے مطابق ہے، جنہوں نے مسیلمہ کذاب سے مقابلہ کیا اور اُس کے چالیس ہزار کے لشکر سے ٹکر لیتے ہوئے اُس کے ۲۵؍ ہزار حمایتیوں کو ٹھکانے لگادیا، اور جھوٹی نبوت کے قلعہ کو مسمار کر کے دم لیا، اور جھوٹے

مدعیانِ نبوت کے خلاف یہی طریقہ تمام اہل حق نے اپنایا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اُس نے ہمیں بھی اِس طریقے کو اپنانے کی توفیق دے رکھی ہے۔

آخری بات

حضراتِ گرمی! وقت بہت ہو چکا ہے، میں نے اِس مجلس میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اُن مغالطّوں کے ازالے کی کوشش کی ہے جو عام طور پر یہ قادیانی عوام کو گمراہ کرنے کے لئے پیش کیا کرتے تھے۔ دیگر اور بہت سی باتیں ہے، جو آپ مستقل کئی دن سے حضرات علماء کرام خاص کر شیر اُڑیسہ حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب اور حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری اُستاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کی زبانی سنتے آرہے ہیں۔ میں سمع خراشی پر معذرت کرتے ہوئے اَب آپ سے رخصت ہوتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

(ندائے شاہی دسمبر/۱۹۹۳ء جنوری-فروری ۱۹۹۴ء)

مسلمان ہوشیار رہیں!

تحریر: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

قادیانی فرقہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین یعنی آخری نبی نہیں مانتا؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی (۱۸۴۰ء تا ۱۹۰۸ء) کو نبی مانتا ہے، جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ ہے، اِسی لئے مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے علماء ومفتیان کرام مرزا غلام احمد اور اُن کے متبعین کو کافر، مرتد، زندیق، دائرۂ اسلام سے خارج مانتے ہیں، اور اُن سے اظہار بیزاری کرتے ہیں، اور اُن کے ساتھ مسلمانوں جیسا برتاؤ نہیں رکھتے۔

لیکن قادیانی مبلغین ناواقف مسلمانوں کو اپنے سے قریب کرنے اور اپنی جماعت میں شامل کر کے مرتد بنانے کے لئے جہاں اور بہت سے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، وہیں اُن کا ایک حربہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے سامنے مرزا غلام احمد کی وہ عبارتیں پیش کرتے ہیں، جن میں اس نے بڑے احترام اور عقیدت کے ساتھ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین تسلیم کیا ہے، اور اِس بات کا صاف صاف اعلان کیا ہے کہ اُن کے عقائد وہی ہیں، جو تمام مسلمانوں کے ہیں؛ چناں چہ مرزا غلام احمد صاحب کا بیان ہے:

’’میں اُن تمام اُمور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں، اور جیسا کہ سنت جماعت کا عقیدہ ہے، اُن سب باتوں کو مانتا ہوں جو قرآن وحدیث کی رو سے مسلم الثبوت ہیں، اور سیدنا ومولانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم المرسلین کے بعد کسی دوسرے مدعی نبوت

ورسالت کو کاذب وکافر سمجھتا ہوں، میرا یقین ہے کہ وحی رسالت آدم صفی اللہ سے شروع ہوئی، اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی، اِس میری تحریر پر ہر شخص گواہ ہے''۔ (اعلان مؤرخہ ۲/اکتوبر ۱۸۹۱ء مندرجہ تبلیغ رسالت ۲/۲۰، مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی)

مسلمانوں کو چاہئے کہ اِس طرح کی عبارتوں سے دھوکہ نہ کھائیں؛ کیوں کہ مرزا صاحب کے مذہب کے دو دور ہیں، ایک ۱۹۰۰ء سے پہلے کا دور ہے، اور دوسرا دور ۱۹۰۰ء سے شروع ہوتا ہے۔ پہلے دور میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بڑی شد ومد کے ساتھ ختم نبوت پر اپنا ایمان ظاہر کیا ہے؛ لیکن دوسرے دور میں مرزا صاحب نے صاف طور پر اپنی نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور ناواقف مسلمانوں کو بہکانے کے لئے کہا کہ قرآن وحدیث پر میرا ایمان ہے، مگر خاتم النبیین کے یہ معنی ہیں کہ آپ کی مہر سے انبیاء بنتے ہیں۔ (خلاصہ حقیقۃ الوحی ۲۹)

مرزا صاحب کا دعویٰ ہے کہ اُس پر خدائے تعالیٰ کی طرف سے وحی ہوئی: ''**إنا أرسلنا أحمد إلى قومه فاعرضوا وقالوا كذاب أشر**'' (یعنی ہم نے احمد مرزا کو اس کی قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا، پس قوم نے اعراض کیا اور کہا بڑا جھوٹا شریر ہے) (اربعین ۴۰/۳، ۱۹۰۰ء)

مرزا صاحب کہتے ہیں کہ: ''ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسول اور نبی ہیں''۔ (اخبار بدر مارچ ۱۹۰۸ء مندرجہ حقیقۃ النبوۃ)

مزید ترقی کر کے مرزا صاحب اپنے کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل اور برتر بتانے لگے۔

چناں چہ دیکھئے مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ: ''اُس کے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) لئے صرف چاند گرہن کا نشان ظاہر ہوا، اور میرے لئے چاند سورج دونوں کا، کیا تو انکار کرے گا''۔ (اعجاز احمدی ۷۱ مرزا غلام احمد قادیانی، روحانی خزائن ۶/۱۸۲)

مرزا صاحب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کی تعداد تین ہزار بتائی ہے، اور اپنے نام نہاد نشانات کی تعداد ۱۰/لاکھ تحریر کی ہے۔

مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ: ''تین ہزار معجزات ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ظہور میں آئے''۔ (تحفہ گولڑویہ ۶۷ درخزائن ۱۷/۱۵۳)

نیز تحریر کرتے ہیں کہ: ''درحقیقت یہ خرقِ عادت نشان ہیں، اور اگر بہت ہی سخت گیری اور زیادہ سے زیادہ احتیاط سے بھی اُن کا شمار کیا جائے، تب بھی یہ نشان جو ظاہر ہوئے، ۱۰/لاکھ سے زیادہ ہوں گے''۔ (براہین احمدیہ ۵/۵۶)

مرزا صاحب نے دیگر انبیاء علیہم السلام سے بھی اپنی برتری کا مضمون ''کتاب حقیقۃ الوحی'' اور ''براہین احمدیہ پنجم'' میں تحریر کیا ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے مذہب کے یہ دونوں دور خود اُن کے صاحب زادے مرزا بشیر الدین محمود احمد نے اپنی کتاب ''حقیقۃ النبوۃ'' میں یوں واضح کئے ہیں:

''اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۹۰۱ء میں آپ نے اپنے عقیدہ میں تبدیلی کی ہے، ۱۹۰۰ء درمیانی عرصہ سے جو دونوں خیالات کے درمیان برزخ کے طور پر حد فاصل ہے، پس یہ ثابت ہے کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کے وہ حوالے جن میں آپ نے نبی ہونے سے انکار کیا ہے؛ منسوخ ہیں اور اُن سے حجت پکڑنی غلط ہے''۔ (حقیقۃ النبوۃ ۱۲۱)

لیجئے! معاملہ صاف ہوگیا، مگر قادیانی صاحبان اب بھی اپنی تبلیغ میں مرزا صاحب کے دور اول کے خیالات پیش کر کے مسلمانوں کے دلوں میں اِیمانی غیرت کی وجہ سے مرزا صاحب مدعی نبوت کاذبہ کے حق میں جو نفرت کے جذبات بھڑکے ہوئے ہیں، اُن کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور جب ناواقف مسلمان مرزا صاحب کی خوش عقیدگیوں سے خوش ہوکر ان کی عقیدت میں پھنس جاتے ہیں، اور اچھی طرح متأثر ہوکر قابو میں آجاتے ہیں، تو وہ اُن کو مرزا صاحب کے دوسرے دور کے خیالات واعتقادات پر لاتے ہیں، اور جو چاہتے ہیں؛ منوالیتے ہیں۔ اِس حقیقت سے بہت سے لوگ بے خبر ہیں، تحقیق کیجئے تو پتہ چلتا ہے کہ: ''ہاتھی کے دانت

کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور‘‘۔

یاد رکھئے! دوسرے دور کے اعتقادات ہی قادیانی مذہب کی جان ہیں، وہیں قادیانیوں کا دین وایمان ہیں، جو غیروں کے سامنے بھولے سے بھی قادیانی مبلغین بیان نہیں کرتے، وہ دراصل پکے قادیانیوں کا حصہ ہیں، کچوں کے واسطے راز سربستہ۔

اُمید ہے کہ ان حقائق کے واضح ہو جانے کے بعد کوئی مسلمان قادیانیوں کے دام تزویر میں نہیں پھنسے گا، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔ (ماہنامہ ندائے شاہی فروری ۱۹۹۲ء ص: ۳۴-۳۶)

ائمہ اَربعہ میں سے کسی ایک امام کی

تقلید برحق ہے

تحریر: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

تقلید کیا ہے؟

حضرت مولانا قاضی محمد اعلیٰ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اَلتَّـقْلِيْدُ اِتِّبَاعُ الْإِنْسَانِ غَيْرَهٗ فِيْمَا يَقُوْلُ اَوْ يَفْعَلُ مُعْتَقِداً لِلْحَقِّيَةِ مِنْ غَيْرِ نَظْرٍ إِلَى الدَّلِيْلِ كَأَنَّ هٰذَا الْمُتَّبِعَ جَعَلَ قَوْلَ الْغَيْرِ أَوْ فِعْلَهٗ قِلَادَةً فِيْ عُنُقِهٖ مِنْ غَيْرِ مُطَالَبَةِ دَلِيْلٍ. (کشاف اصطلاحات الفنون ١١٦)

تقلید انسان کا اپنے غیر کی اتباع کرنا ہے، اس کے قول یا فعل میں اسے حق سمجھتے ہوئے، دلیل پر نظر کئے بغیر، گویا اس متبع نے غیر کے قول یا فعل کو بلا کسی دلیل کے مطالبہ کے اپنی گردن کا ہار بنالیا۔

اس تعریف کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے علوم تک براہِ راست رسائی نہ رکھنے والا انسان کسی راسخ فی العلم مجتہد کے واسطے سے قرآن وحدیث کی اتباع کرے اور اس مجتہد کو شارع نہیں؛ بلکہ شریعت تک پہنچنے کا واسطہ اور ذریعہ قرار دے اور اس کا اتباع کرتے وقت مجتہد سے دلیل کا مطالبہ نہ کرے، خواہ بعد میں وہی دلیل معلوم ہوجائے جو مجتہد کے پیش نظر تھی یا اپنے مطالعہ وتحقیق سے اس مسئلہ کے بہت سے دلائل معلوم ہوجائیں، یہ معلوم ہونا تقلید کے خلاف

نہیں، یعنی دلیل معلوم ہو جانے کے بعد بھی مجتہد کی اتباع کرنے والا مقلد کہلائے گا، اور مقلد کا دلیل سے ناواقف ہونا لازم نہیں، اور جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ تقلید کے لئے جہالت لازم ہے، گویا کہ ہر مقلد جاہل ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے۔

تقلید کی ضرورت کیوں ہے؟

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ہر امر کا حکم شرعی نصوص (قرآن وحدیث) میں صاف طور پر مذکور نہیں ہوتا، اس لئے بعض احکام اجتہاد ہی کے ذریعہ معلوم کئے جاسکتے ہیں، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ. (النحل: ٤٤)

اور ہم نے آپ پر یہ قرآن اتارا ہے؛ تاکہ آپ لوگوں کے لئے وہ مضامین ظاہر کردیں جو لوگوں کے پاس بھیجے گئے ہیں اور تاکہ وہ بھی سوچیں۔

اس آیتِ مبارکہ سے یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ بیانِ نبوی (احادیثِ شریفہ) کے بعد بھی غور وفکر اور سوچنے کی حاجت باقی رہتی ہے، یہی وہ اجتہادی مسائل ہیں جو مجتہدین کے غور وفکر کے محتاج ہیں، چناں چہ روایت ہے کہ:

''جب آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا گورنر بنا کر روانہ فرمایا تو دریافت کیا کہ: ''اگر تمہارے سامنے کوئی قضیہ آئے تو کیسے فیصلہ کروگے''؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ: اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے دریافت کیا کہ: ''اگر قرآنِ کریم میں حکم نہ ملے تو کیا کروگے''؟ جواب دیا کہ سنت رسول اللہ سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے پھر دریافت کیا کہ: ''اگر حدیث میں بھی حکم نہ ملے تو کیا کروگے''؟ حضرت معاذؓ نے جواب دیا کہ اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا، اور ذرا کوتاہی نہ کروں گا۔ (یعنی حکم شرعی دریافت کرنے کے لئے آخری درجہ تک غور وفکر کروں گا، اور پوری کوشش کر کے اجتہاد سے حکم دریافت کر کے فیصلہ کروں گا)

یہ جواب سن کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت معاذؓ کا سینہ ٹھونکا اور شاباشی دی، اور فرمایا کہ: ''اُس اللہ کے لئے ستائش ہے جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرستادہ کو اس بات کی توفیق دی جو اللہ کے رسول کو پسند ہے''۔ (ترمذی شریف ۱/۲۴۷، ابوداؤد شریف ۵۰۵، مسند امام احمد ۲۴۲/۵)

اس روایت سے دو باتیں صاف معلوم ہوئیں: (۱) جب نص (قرآن وحدیث) میں صریح حکم موجود نہ ہو تو حکم شرعی اجتہاد سے دریافت کرنا چاہئے اور اُسی کا نام قیاس ہے۔ (۲) یہ بات عین منشائے شارع علیہ السلام کے مطابق ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند ہے کہ امت کے علماء راسخین اجتہاد کریں۔

یہ بھی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہر مسلمان ہر حکم شرعی سے واقف نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. (النحل: ٤٣)
سو اگر تم کو علم نہیں ہے تو اہل علم سے پوچھو۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض احکام اہل علم ہی جانتے ہیں، پس دوسرے (ناواقف) مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان سے دریافت کیا کریں؛ کیوں کہ ناواقف آدمی قرآن وحدیث سے حکم شرعی نہیں نکال سکتا۔ علامہ آلوسیؒ تحریر فرماتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ بِهَا أَيْضاً عَلىٰ وُجُوْبِ الْمَرَاجَعَةِ لِلْعُلَمَاءِ فِيْمَا لَا يَعْلَمُ. (روح المعانی ١٣٨/١٤)
اس آیت میں استدلال کیا گیا ہے کہ جس چیز کا علم نہ ہو اس میں علماء سے رجوع کرنا واجب ہے۔

خلاصہ یہ کہ غیر مجتہدین یعنی وہ مسلمان جو قرآن وحدیث سے براہِ راست احکام مستنبط نہیں کرسکتے، وہ ہمیشہ اس کے محتاج ہیں کہ وہ کسی ایک مجتہد کے دامن سے وابستہ رہیں، اسی کا نام تقلید ہے۔

غیر مقلدین کے دھوکہ کا جواب

مگر غیر مقلد لوگ سادہ لوح مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ مقلدین اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر اماموں کی تقلید کر کے غیر اللہ کو ''اَرْبَاباً مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' بناتے ہیں، اور یہ کہ غیر معصوم کی تقلید حرام ہے، اور قیاس ایک شیطانی فعل ہے، وہ کوئی شرعی حجت نہیں وغیرہ، حالاں کہ قیاس یعنی اجتہاد ایک ضروری عمل ہے، قرآن وحدیث سے اس کا مطلوب ہونا ثابت ہے اور شیطانی قیاس وہ ہے جو کسی نص کی طرف منسوب نہ ہو، محض ایجادِ بندہ ہو، اور تقلید کے لئے عصمت کی قید شیعوں کے علاوہ کوئی نہیں لگاتا، اور اوپر جو نصوص ذکر کی گئی ہیں وہ بھی مطلق ہیں۔ ''اہل الذکر'' عام لفظ ہے اور ہر زمانہ میں معصوم کا وجود ممکن بھی نہیں۔

جو بات غیر مقلدین فقہ کے اماموں کے تعلق سے کہتے ہیں، فرقۂ اہل قرآن احادیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہتا ہے کہ قرآن کو چھوڑ کر احادیث رسول کی پیروی کرنا نعوذ باللہ غیر للہ کو رب بنالینا ہے، پس یہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اگر فرقۂ اہل قرآن کی یہ بات غلط ہے اور یقیناً غلط ہے؛ کیوں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے ہیں وہ اللہ کی طرف سے ہی کہتے ہیں، اپنی طرف سے نہیں کہتے، اس لئے یہ رسول کو رب بنانا نہیں ہے۔ پس غیر مقلدین کی یہ بات بھی غلط ہے؛ کیوں کہ ائمہ مجتہدین بھی جو کچھ کہتے ہیں، قرآن وحدیث سے مستنبط کر کے کہتے ہیں، اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہتے، پھر اُن کی بات کو ماننا ان کو رب بنانا کیسے ہوا؟

قانونِ اسلام کا ماٗخذ کیا ہے؟

حجتِ شرعیہ کیا چیز ہے؟ یعنی دین کا مدار کن چیزوں پر ہے؟ اس بارے میں اسلامی فرقوں کا اختلاف ہے۔

(۱) فرقۂ اہلِ قرآن (منکرینِ حدیث) کہتا ہے کہ حجتِ شرعیہ بس قرآنِ کریم ہے؛ کیوں کہ قرآنِ کریم ''تِبْيَاناً لِكُلِّ شَيْءٍ'' یعنی دین کی تمام باتوں کی خوب وضاحت کرنے

والا ہے، اس لئے قرآن کے علاوہ کسی چیز کی حاجت نہیں۔ یہ فرقہ حدیث شریف کی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں کرتا، اس کی حجیت کا انکار کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ احادیث سے نصیحت پذیری کا کام تو لیا جاسکتا ہے، مگر اس کو قانونِ اسلامی کا مأخذ نہیں بنایا جاسکتا، یہ فرقہ اپنا نام اگرچہ اہل قرآن رکھتا ہے، مگر یہ نام وجہ امتیاز نہیں بن سکتا؛ کیوں کہ قرآنِ کریم کو تو سبھی مسلمان حجت مانتے ہیں، حقیقت میں یہ لوگ منکرین حدیث ہیں اور یہی نام ان کے لئے موزوں ہے۔

(۲) اور فرقہ اہل حدیث کہتا ہے کہ قرآنِ کریم کے علاوہ احادیث شریفہ بھی حجت شرعیہ ہیں، اور بس احادیث کے علاوہ کوئی چیز حجت نہیں، یعنی اجماع امت حجت نہیں، اگرچہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو۔ اسی طرح قیاس بھی حجت نہیں، اسی طرح صحابۂ کرام اور تابعین عظام کے آثار بھی حجت شرعیہ نہیں ہیں، یہ فرقہ اپنے کو اہل حدیث کہتا ہے، مگر حقیقت میں یہ نام وجہ امتیاز نہیں بن سکتا؛ کیوں کہ فرقۂ اہل قرآن کے علاوہ سبھی مسلمان احادیث شریفہ کو حجت مانتے ہیں، پھر یہی فرقہ اہل حدیث کیوں کہلائے؟

اہل سنت والجماعت کا مذہب اور ان کا تعارف

(۳) مذکورہ دونوں فرقوں کے علاوہ سوادِ اعظم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ حجتِ شرعیہ تین چیزیں ہیں: (۱) قرآنِ کریم (۲) احادیثِ نبویہ (۳) اجماعِ امت۔

اور اجماع کا اعلیٰ فرد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے، جو سب سے پہلے حجت ہے، پھر مابعد کے قرون کا اجماع ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

فَإِنَّ السُّنَّةَ تَتَضَمَّنُ النَّصَّ وَالْجَمَاعَةَ تَتَضَمَّنُ الْإِجْمَاعَ فَأَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ هُمُ الْمُتَّبِعُوْنَ لِلنَّصِّ وَالْإِجْمَاعِ. (منهاج السنة: ۲۷۲/۳)

اہل سنت کا لفظ نص کو متضمن ہے اور جماعت کا لفظ اجماع کو شامل ہے، پس اہل سنت والجماعت وہ لوگ ہیں جو نص اور اجماع کے متبع ہیں۔

اور امت کے سوادِ اعظم کا یہ نام ایک حدیث شریف سے ماخوذ ہے، ترمذی شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

''بنی اسرائیل ۷۲؍فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت ۷۳؍فرقوں میں بٹ جائے گی، اور سب جہنم رسید ہوں گے، بجز ایک فرقہ کے۔ صحابہؓ نے دریافت کیا کہ وہ ایک فرقہ جو ناجی ہوگا وہ کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ: ''میں جس طریقہ پر ہوں اور میرے صحابہ جس روش پر ہیں''۔ (جامع ترمذی ۸۹/۱)

سرورِ کونین، فخرِ دوعالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ''سنت'' کہلاتا ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مجموعہ کا نام ''جماعت'' ہے۔

مسند امام احمد اور ابوداؤد شریف میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو روایت آئی ہے اس میں ''وَاحِدَةٌ فِی الْجَنَّةِ وَهِیَ الْجَمَاعَةُ'' کا لفظ آیا ہے۔

غرض اس حدیث شریف کی وجہ سے جمہور امت کا نام اہل سنت والجماعت رکھا گیا ہے، غیر مقلدین کا جمہور امت سے نقطۂ اختلاف احادیث شریفہ کا منکر ہونا نہ ہونا نہیں، یہ نقطۂ اختلاف تو فرقۂ اہل قرآن سے ہے؛ بلکہ اصل نقطۂ اختلاف باجماعِ امت اور بالخصوص اجماعِ صحابہ کا حجت ہونا نہ ہونا ہے۔ غیر مقلدین اس کی حجیت کے قائل نہیں اور جمہور اس کو حجت مانتے ہیں، اس لئے اہل سنت والجماعت کا مصداق صرف جمہور (اہل سنت والجماعت) ہیں، اس کو زیادہ سے زیادہ صرف اہل سنت کہا جاسکتا ہے، مگر فرقہ ناجیہ میں شامل ہونے کے لئے صرف اہل سنت ہونا کافی نہیں؛ بلکہ حدیث کی رو سے مکمل اہل سنت والجماعت ہونا ضروری ہے، اس لئے صرف اہل سنت کے لفظ سے غیر مقلدین کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

قانونِ اسلامی کا چوتھا مأخذ قیاس اور اس کا درجہ

رہا قیاس تو وہ مذکورہ اصولِ ثلاثہ (قرآن وحدیث، اجماع) کے درجہ کی چیز نہیں ہے، اسی لئے منارالانوار میں اصولِ شرع کا بیان اس طرح آیا ہے:

اِعْلَمْ أَنَّ اُصُوْلَ الشَّرْعِ ثَلاَثَةٌ: اَلْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَاِجْمَاعُ الْأُمَّةِ وَالْاَصْلُ الرَّابِعُ: اَلْقِيَاسُ.

جان لیں کہ مآ خذ شرع تین ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماعِ امت اور چوتھی چیز قیاس ہے۔

پھر خود مصنفؒ نے اپنی شرح ''کشف الاسرار'' میں یہ سوال اُٹھایا ہے کہ قیاس بھی اگر بنیاد ہے تو ''اربعۃ'' کیوں نہ کہا اور اگر قیاس اصل نہیں ہے، تو ''الاصل الرابع القیاس'' کیوں کہا؟ پھر یہ جواب دیا کہ قیاس ہماری بہ نسبت اصل ہے؛ کیوں کہ ہم فرع کا حکم قیاس کی طرف منسوب کرتے ہیں اور درحقیقت قیاس اصل نہیں؛ کیوں کہ احکامِ شرعیہ میں رائے کا دخل نہیں۔ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے، حکم شرعی لگانے میں ان کا کوئی شریک نہیں؛ بلکہ قیاس تو اصولِ ثلاثہ کی فرع ہے؛ کیوں کہ وہ یا تو کتاب اللہ سے مستنبط ہوتا ہے، یا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اجماع سے۔

خلاصہ یہ کہ قیاس تو ایک عمل کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے ذریعہ اصولِ ثلاثہ سے احکام نکالے جاتے ہیں، مگر چوں کہ وہ بظاہر مثبت حکم نظر آتا ہے، اس لئے اس کو اصل رابع کہہ دیتے ہیں۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ اہل سنت والجماعت امت کا سوادِ اعظم ہے، اور دورِ اول سے اب تک امت کا سوادِ اعظم حضراتِ ائمۂ اربعہ: حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے متبعین کو ہی سمجھا گیا ہے، ان کی اتباع نہ کرنے والوں پر سوادِ اعظم کا اطلاق نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ وہ اہل اہواء اور طائفۂ زائغہ ہیں، اس لئے ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کی اتباع میں ہی نجات ہوسکتی ہے؛ کیوں کہ حدیث شریف میں سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ ؓ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ هٰذِهِ الْاُمَّةَ عَلَى الضَّلَالَةِ اَبَداً، وَيَدُ اللّٰهِ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس امت کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا، اور فرمایا اللہ کی مدد جماعت پر ہوتی ہے؛ لہٰذا تم

عَلَی الْجَمَاعَةِ، فَاتَّبِعُوْا السَّوَادَ الْأَعْظَمَ، فَإِنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ. (مستدرك حاكم ۱/۲۰۰)

امت کے سوادِ اعظم کی اتباع کرو اور جو اس سے الگ رہے گا اسے الگ کرکے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ہندوستان میں اسلام اور فقہ حنفی کا ورودِ مسعود ایک ساتھ ہوا

برصغیر (متحدہ ہندوستان) کی علمی وثقافتی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ ۹۲ھ میں عراق کے گورنر کے حکم پر اسلامی فوج محمد بن قاسم کی سرکردگی میں سندھ پہنچی، اور تین سالہ جدوجہد کے نتیجہ میں ۹۵ھ میں سندھ کا پورا علاقہ اسلام کے زیرنگیں آ گیا، چوں کہ ان حضرات کا تعلق عراق سے تھا، اور عراق میں امام ابوحنیفہؒ کا فقہ قانونِ اسلامی کے طور پر رائج تھا، اس لئے یہ حضرات فقہ حنفی کے پابند رہے، پھر چوتھی صدی ہجری ۳۸۲ھ میں سلطان محمود غزنوی نے لاہور اور اس کے مضافات کو اپنی قلم رو میں داخل کرکے اسلامی حکومت سندھ سے لاہور تک وسیع کردی۔ سلطان محمود غزنوی بھی فقہ حنفی سے وابستہ تھے، اس کے بعد ۵۸۹ھ میں سلطان غوری کے زمانہ میں اسلامی سلطنت دہلی تک وسیع ہوگئی، اور اس وقت سے ۱۲۷۳ھ تک پورے برصغیر میں مسلمانوں کی ہی حکومت رہی۔ اس طویل مدت کی تاریخ پڑھ جایئے، حنفی حکمرانوں کے علاوہ کوئی اور حکمراں آپ کو نہیں ملے گا، حنفی مذہب کے علماء ہی قاضی ومفتی ہوا کرتے تھے، ہندوستان کے علماء وفضلاء نے حنفی مذہب کو اس لئے اختیار نہیں کیا تھا کہ وہ مسلم حکمرانوں کا مذہب تھا، جیسا کہ غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں نے لکھا ہے:

’’خلاصۂ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چوں کہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں، اس وقت سے لے کر آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر رہے‘‘۔ (ترجمانِ وہابیہ ۱۱)

بلکہ ہندوستان کے علماء نے حنفی مذہب اس لئے اختیار کیا تھا کہ فقہ حنفی کے مسائل جہاں ایک طرف عقل کے بلند معیار پر پورے اُترتے ہیں، وہیں قرآن وحدیث سے بھی پوری طرح

ہم آہنگ ہیں، اور یہ بات اسی وقت ممکن ہے کہ جب امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کو احادیث کا جامع مانا جائے؛ بلکہ آپ کی حدیث فہمی کا اعتراف کیا جائے۔

امیر المؤمنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارکؒ اپنے تلامذہ سے فرمایا کرتے تھے کہ: ''احادیث وآثار کو لازم پکڑو، مگر ان کے معانی کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی ضرورت ہے؛ کیوں کہ وہ حدیث کے معانی جانتے ہیں''۔ (مناقب کردری)

اس بیان کی شہادت حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ملتی ہے:

''برآں فقیر ساختہ اند کہ در خلافیات کلامِ حق، بجانب حنفی است، درخلافیات فقہی دراکثر مسائل حق بجانب حنفی ودر عقل تردّد''۔ (مبدأ ومعاد ۳۹)

ترجمہ: اللہ نے اس فقیر پر یہ حقیقت منکشف کی ہے کہ علم کلام کے (تمام) فقہی اختلافی مسائل میں حق مسلک احناف (یعنی ماتریدیہ) کی طرف ہے، اور فقہ کے اکثر مختلف فیہ مسائل میں حق بجانب احناف ہے، اور بہت کم مسائل میں تردد ہے (کہ حق کس جانب ہے؟)

تقلید کیا ہے؟

امام المسلمین مسند الہند حضرت اقدس شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ''فیوض الحرمین'' میں تحریر فرماتے ہیں:

عَرَّفَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِی الْمَذْھَبِ الْحَنَفِیِّ طَرِیْقَةً اَنِیْقَةً ھِیَ اَوْفَقُ الطُّرُقِ بِالسُّنَّةِ الْمَعْرُوْفَةِ الَّتِیْ جُمِعَتْ وَنُقِّحَتْ فِیْ زَمَانِ الْبُخَارِیِّ رَحِمَهُ اللّٰہُ تَعَالیٰ.

(فیوض الحرمین ٤٨)

مجھے (کشف میں) آنحضرت ﷺ نے یہ حقیقت سمجھائی ہے کہ فقہ حنفی کی شکل میں ایک عمدہ طریقہ ہے جو دیگر طرق سے زیادہ ہم آہنگ ہے، ان احادیث مشہورہ سے جو امام بخاریؒ کے زمانہ میں جمع کی گئیں اور ان کی تنقیح کی گئی (یعنی تدوین حدیث کے تیسرے دور میں جو احادیث صحیحہ منقح ہوکر کتابوں میں مدوّن کی گئیں ان سے فقہ حنفی بہ نسبت دوسری فقہوں کے زیادہ ہم آہنگ ہے)

بہرحال مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر ہندوستان میں علماء، فقہاء اور محدثین اور ان کے متبعین نے فقہ حنفی کو ترجیح دے کر اختیار فرمایا ہے، اگرچہ یہ حضرات فقہ مالکی، فقہ شافعی اور فقہ حنبلی کو بھی برحق مانتے ہیں، اوران مسلکوں کی پابندی کرنے والوں کو اہل سنت والجماعت میں شامل مانتے ہیں، اوران کے کسی امام یا عالم کی شان میں کوئی گستاخی کا طور وطریقہ اپنانا جائز نہیں سمجھتے؛ کیوں کہ باجماعِ امت حق ائمہ اربعہ کے مسلکوں میں منحصر ہو گیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

اِنَّ هٰـذِهِ الْـمَـذَاهِـبَ الْاَرْبَـعَةَ الْمَصُوْنَةَ الْمُحَرَّرَةَ قَدِ اجْتَمَعَتِ الْاُمَّةُ اَوْ مَـنْ يَّـعْتَـدُّ بِهٖ مِنْهَا عَلٰى جَـوَازِ تَـقْـلِيْدِهَا اِلٰى يَوْمِنَا هٰذَا.	ان چاروں مدون وجمع شدہ مذاہب کی تقلید کے جواز پر امت کے قابل اعتبار افراد کا اجماع رہا ہے

(حجة الله البالغة ١٥٤)

بہرحال عام مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ قرآن وحدیث پر صحیح طریقہ سے عمل کرنے کے لئے ائمہ اربعہ سے کسی امام کی تقلید کریں، اسی طرح جو علماء امت علم وفضل میں درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچے ہیں ان کے لئے بھی یہ بات ضروری ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی امام کی تقلید کریں، یہی وجہ ہے کہ امت کے بڑے بڑے علماء ومحدثین نے جو درجہ اجتہاد کو نہیں پہنچے، ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی امام کی تقلید فرمائی ہے۔

حضرت امام ابویوسفؒ، حضرت امام محمدؒ، امام طحاویؒ، شمس الائمہ حلوائیؒ، فخر الاسلام بزدویؒ، ابوالحسن کرخیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ وغیرہم نے باوجود عظیم انسان محدث وفقیہ ہونے کے درجہ اجتہاد کو نہ پہنچنے کی وجہ سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید فرمائی اوراس کے پابند رہے۔

امام ترمذی علیہ الرحمہ نے لاکھوں حدیثیں یاد ہونے کے باوجود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید فرمائی۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام نووی شارح مسلمؒ نے امام شافعیؒ کی تقلید فرمائی۔

امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ جیسے بلند پایہ محدثین نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی تقلید کو پسند فرمایا۔

علامہ ابن عبدالبر مالکیؒ جیسے فقیہ ومحدث نے امام مالکؒ کی تقلید فرمائی۔

جب اتنے بڑے فقہاء ومحدثین نے تقلید کو اختیار کیا تو اب کون شخص ہے جس کو تقلید کی ضرورت نہ ہو، اور وہ براہِ راست قرآن وحدیث پر عمل کر سکنے کا دعویٰ کرنے کا حق رکھتا ہو، ایسے لوگوں سے سوال کیا جائے تو کیا تمہیں امام ترمذیؒ، امام ابوداؤدؒ، امام نسائیؒ، امام طحاویؒ، ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ سے بھی زیادہ حدیثیں یاد ہیں، انہوں نے لاکھوں حدیثیں یاد ہونے کے باوجود تقلید فرمائی ہے، تمہیں تو دس حدیثیں بھی یاد نہیں تو پھر تم کیسے تقلید کے دائرہ سے باہر جاسکتے ہو؟

خلاصہ یہ کہ ائمہ اربعہ کے علاوہ کسی فرقہ کا مذہب قابل اتباع نہیں؛ بلکہ وہ مذہب کہلانے کے لائق بھی نہیں، اور اس کا اختیار کرنے والا شخص صراطِ مستقیم سے ہٹا ہوا ہے؛ لہٰذا عام مسلمانوں کی آگاہی کے لئے تحریر کیا جاتا ہے کہ فرقہ غیر مقلدین چوں کہ ائمہ اربعہ میں سے کسی کا پیروکار نہیں؛ لہٰذا اس کے نظریات واعمال کو اپنا کر اپنے کو فرقہ ناجیہ سے خارج نہ کریں۔

اور جیسا کہ پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ امت کا سوادِ اعظم ائمہ اربعہ کی اتباع کرتا آرہا ہے، ہندوستان میں بھی ۱۲۴۶ھ تک مسلمان حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تقلید کرتے رہے ہیں، اس سے قبل اس فرقہ کا (غیر مقلدین) نام ونشان تک نہیں ملتا۔

اس کا بانی عبدالحق بنارسی (متوفی ۱۲۷۶ھ) نام کا ایک شخص ہوا ہے جس کا حال نواب قطب الدین صاحب (متوفی ۱۲۸۹ھ) نے اپنے رسالہ ''تحفۃ العرب والعجم'' میں تحریر فرمایا ہے، جو درج ذیل ہے:

''مسکین قطب الدین مسلمان بھائیوں کی خدمت عالیہ میں سلام پہنچانے کے بعد حدیث پاک ''اَلنُّصحُ لِکُلِّ مُسْلِمٍ'' کے مقتضی کے مطابق التماس کرتا ہے کہ تخمیناً چالیس

بیالیس برس کا عرصہ ہوا کہ حضرت سید احمد شہید بریلوی اور مولانا اسماعیل صاحب اور مولانا عبدالحیٔ صاحب ان حضرات کے پنجاب تشریف لے جانے کے بعد بعض مفسدین مزاجوں کے خیال میں ائمہ دین کی تقلید کا انکار آیا تھا اور فقہاء وفقہ کی طرف سے عناد کا تخم بالخصوص حضرت امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے ان کے دل میں جما تھا، منجملہ ان لوگوں کے جنہوں نے لامذہبی کی خوب خوب داد دے کر بہت سے مسلمانوں کو حضرت سید احمد شہید کی خلافت کا مدعی بن کر بہکایا اور فسادِ نو احداثِ مذہب کا پھیلایا تھا، مولوی عبدالحق بنارسی تھا، اس وقت یورپ کے دین دار لوگوں نے بالخصوص سید احمد شہید بریلویؒ کے خلفاء اور مریدوں نے حرمین شریفین کے علماء سے فتویٰ طلب کئے، چناں چہ وہاں کے چاروں مذہب کے مفتیوں نے اور وہاں کے تمام دیگر علماء نے جیسے شیخ محمد عبد سندھیؒ، مصنف ''طوالع الانوار حاشیہ درمختار'' نے لکھ دیا کہ ایسے لوگ گمراہ اور گمراہ کرنے والے ہیں، اور اس فتویٰ پر اپنی اپنی مہریں ثبت فرمائیں، اس کے بعد اس فتویٰ پر کلکتہ وغیرہ کے تمام علماء نے بالخصوص سید احمد بریلوی کے خلفاء حضرات نے اپنی اپنی مہریں ثبت کیں، اور ایسے لوگوں کی گمراہی پر اتفاق ہو گیا''۔ (بحوالہ النجاۃ الکاملۃ ۲/۲۱۳-۲۱۴)

سید شاہ اسحٰق صاحب دہلوی نوسہ وجانشین مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کے شاگرد جناب قاری عبدالرحمٰن پانی پتی نے مولوی عبدالحق بنارسی کے بارے میں لکھا:

''مولوی عبدالحق بنارسی نے ہزار ہا آدمی کو عمل بالحدیث کے پردہ میں قید مذہب سے نکالا اور مولوی صاحب نے ہمارے سامنے کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے لڑکر مرتد ہوئیں، اگر بے توبہ مریں تو کافر مریں، العیاذ باللہ۔ اور صحابہ کو پانچ پانچ حدیثیں یاد تھیں، ہم کو سب کی حدیثیں یاد ہیں۔ صحابہ سے ہمارا علم بڑا ہے، صحابہ کو علم کم تھا، تھوڑے عرصہ کے بعد مولوی عبدالحق صاحب مولوی گلشن علی صاحب (جو مذہباً شیعہ تھے) کے پاس جو دیوان راجہ بنارس کے تھے، گئے اور کہا کہ میں شیعہ ہوں، اب ظاہراً شیعہ ہوتا ہوں اور میں نے عمل بالحدیث کے پردہ میں وہ کام کیا کہ عبداللہ بن سبا سے نہ بنا تھا، ہزار ہا اہل سنت کو قید مذہب سے

نکال دیا، اب ان کا شیعہ ہونا بہت آسان ہے، چناں چہ مولوی گلشن علی صاحب نے تیس روپئے ماہواری ان کو نوکری کرادی‘‘۔ (کشف الحجاب ۲۱، از: قاری عبدالرحمٰن پانی پتیؒ)

تنبیہ الضالین فتویٰ حرمین شریفین کے اندر تحریر ہے:

’’سو بانی اس فرقہ نواحداث کا عبدالحق بنارسی ہے، جو چندروز سے بنارس میں رہتا ہے، اور حضرت امیر المؤمنین (سید احمد شہیدؒ) نے ایسی ہی حرکات ناشائستہ کے باعث اپنی جماعت سے ان کو نکال دیا اور علماء حرمین نے اس کے قتل کا فتویٰ لکھا، مگر کسی طرح بھاگ کر وہاں سے بچ نکلا، اپنے تئیں خلیفہ امیر المؤمنین کا مشہور کر کے لوگوں کو اپنے عقائد سے بتدریج مطلع کیا‘‘۔ (تنبیہ الضالین ۵، بحوالہ: انگریز اور اہل حدیث ۱۷)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

اِیَّاکُمْ وَمُحْدَثَاتِ الْاُمُوْرِ فَإِنَّهَا ضَلَالَةٌ. (سنن الترمذي ۹٦/۲، مستدرك حاكم ۱۷۷/۱)

اپنے آپ کو دین کی نئی نئی باتوں سے بچاؤ؛ کیوں کہ وہ گمراہی ہے۔

لہٰذا اس حدیث شریف پر عمل کرتے ہوئے مسلمانوں کو فرقہ غیر مقلدین کی پیدا کردہ نئی نئی باتوں سے دور رہنا چاہئے، اور ان کے نام اہل حدیث سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے؛ کیوں کہ اس فرقہ کے لوگ شروع شروع میں کسی خاص نام کے ساتھ منسوب نہ تھے، بعد میں یہ لوگ اپنے کو محمدی یا موحد کہنے لگے، دوسرے لوگ ان کو وہابی کہتے تھے۔

مولوی اسلم جیراج پوری جو غیر مقلدین کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے، کہتے ہیں:

’’پہلے اس جماعت نے اپنا کوئی خاص نام نہیں رکھا تھا، مولانا شہید کے بعد مخالفوں نے ان کو بدنام کرنے کے لئے وہابی کہنا شروع کیا، تو وہ اپنے آپ کو محمدی کہنے لگے، پھر اس کو چھوڑ کر اہل حدیث کا لقب اختیار کیا جو آج تک چلا آرہا ہے‘‘۔ (نوادرات ۳۴۲، بحوالہ: طائفہ منصورہ ۱۰۱)

اور یہ نام انگریزی سرکار سے درخواست کر کے غیر مقلد عالم مولوی محمد حسین بٹالوی نے

اپنی جماعت کے لئے الاٹ کرایا تھا۔ (تفصیل دیکھئے: اشاعت السنۃ ۲۴-۲۶، شمارہ ۲ ج ۱۱)

محدثِ کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''آج اہل حدیث اُس کو کہتے ہیں جو عامی (غیر مجتہد) ہونے کے باوجود کسی امام کی تقلید واتباع کا قائل نہ ہو، ہمارا دعویٰ ہے کہ اہل حدیث کی یہ اصطلاح بالکل حادث اور بدعت ہے، اس معنی میں کبھی کسی کو بھی اہل حدیث نہیں کہا گیا اور ایسے اہل حدیث کا وجود بجز اس دور متأخر کے اور کبھی نہ تھا''۔ (تحقیق اہل حدیث ۴۸)

اصل اہلِ حدیث کون ہیں؟

پہلے اہل حدیث اُن حضرات کو کہا جاتا تھا جو درسِ حدیث، روایتِ حدیث، حفظِ حدیث، تدبرِ حدیث یا کسی بھی انداز سے خدمتِ حدیث کا مشغلہ رکھتے تھے، عقائد صحیحہ حقہ کے علم بردار اور اہل سنت والجماعت میں داخل تھے، خواہ وہ خود مجتہد رہے ہوں یا مسالکِ مجتہدین میں سے کسی کے مقلد رہے ہوں۔

چناں چہ حافظ محمد ابراہیم الوزیر متوفی ۸۲۰ھ تحریر فرماتے ہیں:

مِنَ الْمَعْلُوْمِ أَنَّ اَهْلُ الْحَدِيْثِ اِسْمٌ لِمَنْ عَنِيَ بِهٖ وَانْقَطَعَ فِي طَلَبِهٖ كَمَا قَالَ بَعْضُهُمْ اَنَّ عِلْمَ الْحَدِيْثِ عِلْمُ رِجَالٍ تَرَكُوْا الْاِبْتِدَاعَ لِلْاِتِّبَاعِ فَاِذَا جَنَّ لَيْلُهُمْ كَتَبُوْهُ وَاِذَا اَصْبَحُوْا غَدَوْا لِلسَّمَاعِ فَهٰؤُلَاءِ هُمْ اَهْلُ الْحَدِيْثِ مِنْ أَيِّ مَذْهَبٍ كَانُوْا.
(الروض الباسم ۱۱۲)

کیوں کہ یہ بات معلوم ہے کہ اہل حدیث اس شخص کا نام ہے جو حدیث کا اہتمام رکھے اور اس کی تحصیل میں ہمہ تن مشغول رہے، جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے، علم حدیث ان لوگوں کا فن ہے جنہوں نے اتباع کے جذبہ سے نئی بات اختیار کرنا چھوڑ دیا، جب رات ہوجاتی ہے تو حدیث لکھتے ہیں اور صبح ہوتے ہی حدیث سننے کے لئے چل پڑتے ہیں؛ لہٰذا یہی حضرات اہل حدیث ہیں خواہ کسی بھی مذہب کے پیروکار ہوں۔

غیر مقلدین کا اپنے آپ کو سلفی کہنا غلط ہے

سلف کا لفظ حضراتِ صحابہ کرام اور تابعین اور تبع تابعین کے لئے بولا جاتا ہے، ان کا زمانہ بھی خیر القرون کا زمانہ ہے، اور ان کا اجماع حجتِ شرعیہ ہے، اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے قرآنِ کریم اور حدیثِ نبوی سے جو مسائل مستنبط کئے ہیں وہ بھی حجتِ شرعیہ ہیں، ان کے ماننے والے اہلِ سنت والجماعت ہی درحقیقت سلفی ہیں، لیکن زمانہ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ غیر مقلدین جو خیر القرون کے اساطین امت اور سلفِ صالحین کے اجماع اور قرآں وحدیث سے ان کے مستنبط کردہ مسائل کو نہیں مانتے اور خلفائے راشدین اور فقہائے صحابہ کی شان میں سخت الفاظ استعمال کرلیتے ہیں، وہ اپنے آپ کو بڑے زور وشور سے سلفی کہتے ہیں، جو ''برعکس نہند نام زنگی کافور'' کا مصداق ہے۔

(ندائے شاہی مارچ/اپریل ۲۰۱۲ء)

مقام اِمام اَبوحنیفہؒ

مقالہ: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

اپریل ۲۰۱۱ء میں شاہ جہاں پور یوپی میں مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہ جہاں پوری نور اللہ مرقدہٗ صدر مفتی دار العلوم دیوبند کی حیات وخدمات پر ایک عظیم الشان سیمینار منعقد کیا گیا تھا، اُس سیمینار کی صدارت اور سرپرستی امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ اُستاذ حدیث دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند نے فرمائی تھی۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ کی علمی وفقہی خدمات خصوصاً غیر مقلدیت کی تردید میں حضرت کی جدوجہد پر ایک وقیع مقالہ بھی پیش فرمایا تھا، جو حضرت مفتی اعظمؒ کے نبیرۂ محترم جناب پروفیسر سید محمد نعمان صاحب مدظلہم کے شکریہ کے ساتھ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے، اِس سیمینار کے مجموعۂ مقالات کی اِشاعت وطباعت کی تیاری بھی جاری ہے۔ (مرتب)

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم، أما بعد!

محترم حضرات اور شرکاءِ جلسہ!

یہ سیمینار مفتی اعظم ہند حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہاں پوریؒ کی حیات اور علمی وفقہی خدمات پر ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم اور آپ جس نابغہ روزگار شخصیت کی حیات وخدمات کے مذاکرہ کی مجلس میں شریک ہیں، وہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اس اعلیٰ ترین طبقہ میں شامل ہے، جس کی تعریف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی؛ کیوں کہ اس نے خود بھی علوم نبوت سے فائدہ حاصل کیا اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچایا اور اُن علوم کی ترویج واشاعت میں مسلسل کوشش کی، اس طبقے کے اِستفادہ وافادیت کی شان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک زرخیز زمین کے ساتھ تشبیہ دے کر خوب واضح فرمایا:

موسلا دھار بارش

بخاری ومسلم شریف میں وارد حدیث پاک کے مبارک جملے سماعت فرمائیں:

عَنْ أَبِي مُوسیٰ عِنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَثَلُ مَا بَعَثَنِيَ اللّٰهُ بِهٖ مِنَ الْهُدَی وَالْعِلْمِ، كَمَثَلِ الغَيثِ الْكَثِيْرِ أَصَابَ أَرْضًا، فَكَانَ مِنْهَا نَقِيَّةٌ قَبِلَتِ الْمَاءَ فَأَنْبَتَتِ الكَلأَ وَالعُشْبَ الْكَثِيْرَ، وَكَانَتْ مِنْهَا أَجَادِبُ أَمْسَكَتِ الْمَاءَ فَنَفَعَ اللّٰهُ بِهَا النَّاسَ فَشَرِبُوْا وَسَقَوْا وَزَرَعُوْا، وَأَصَابَتْ مِنْهَا طَائِفَةً أُخْرٰى إِنَّمَا هِيَ قِيْعَانٌ لَا تُمْسِكُ مَاءً وَلَا تُنْبِتُ كَلأً. فَذٰلِكَ مَثَلُ مَنْ فَقِهَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ وَنَفَعَهُ مَا بَعَثَنِي اللّٰهُ بِهٖ فَعَلِمَ وَعَلَّمَ، وَمَثَلُ مَنْ لَمْ يَرْفَعْ بِذٰلِكَ رَأْسًا وَلَمْ يَقْبَلْ هُدَی اللّٰهِ الَّذِيْ أُرْسِلْتُ بِهٖ. (مشكاة المصابيح ص: ۲۸ بحوالهٔ بخاری ومسلم)

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس ہدایت اور علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے، اس کی مثال موسلا دھار بارش کی طرح ہے، جو زمین پر برسی تو زمین کا ایک حصہ بڑا عمدہ اور زرخیز تھا، اس نے پانی کو اپنے اندر جذب کیا اور خوب ہرا چارہ اور گھاس اگائی اور ایک حصہ پیداوار کے قابل نہیں تھا؛ مگر اس نے پانی اپنے اندر روک لیا؛ تو اس زمین سے بھی اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فائدہ پہنچایا؛ چناں چہ انہوں نے خود پانی پیا اور جانوروں کو پلایا اور اس سے کھیتی کی اور ایک حصہ زمین بالکل چٹیل میدان کی شکل میں تھا؛ جو نہ پانی کو روک سکا اور نہ کوئی گھاس اُگائی چناں چہ (پہلی والی) مثال ہے، اس شخص کی جس نے اللہ کے دین کو سمجھا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس چیز سے فائدہ پہنچایا؛ جس کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا؛ چناں چہ اس نے علم حاصل کیا اور دوسروں کو علم سکھایا اور اس شخص کی بھی مثال ہے، جس نے اس علم وہدایت کی طرف دیکھنے کے لیے سر نہیں اٹھایا اور اللہ کی اس ہدایت کو قبول نہیں کیا؛ جسے مجھے دے کر بھیجا گیا۔

نفع رسانی کی فضیلت

ایک دوسرے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طبقے کی شانِ نافعیت کی بنیاد پر اس کی فضیلت و بزرگی کو سمجھانے کے لیے بنواسرائیل کے دو شخصوں کے حالات سن کر ارشاد فرمایا: سنن دارمی کی روایت کے مبارک کلمات ہیں:

عن الحسن مرسلًا قال: سُئل رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلّم عن رجُلَين كانا في بني إسرائيل: أحدُهما كان عالمًا يُصلِّي المكتوبة، ثمَّ يجلسُ فيُعَلِّمُ الناسَ الخيرَ، والآخر يصومُ النهارَ ويقومُ الليل؛ أيُّهما أفضلُ؟ قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلَّم: "فضلُ هذا العالِم الذي يُصلي المكتوبة ثم يجلسُ فيُعلّمُ الناسَ الخيرَ على العابد الذي يصومُ النهارَ ويقومُ الليل كفَضْلي على أدْناكم". (مشكاة المصابيح ص: ٣٦ بحواله سنن دارمی)

حضرت حسن سے مرسلاً روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بنی اسرائیل کے دو شخصوں کے بارے میں پوچھا گیا؛ جن میں سے ایک تو عالم تھا اور فرض نمازیں پڑھ کر بیٹھ جاتا اور لوگوں کو خیر کی باتیں سکھلاتا تھا اور دوسرا شخص جو روزانہ روزہ رکھتا تھا اور رات کو نفلیں پڑھا کرتا تھا؛ تو سوال یہ ہے، کہ ان میں کون سا آدمی افضل ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: یہ عالم جو فرائض ادا کر کے لوگوں کو خیر کی تعلیم کے لئے بیٹھ جاتا یعنی عباداتِ نفل وغیرہ زیادہ نہیں کرتا، اس کا مرتبہ اس عابد کے مقابل میں جو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات کو عبادت کرتا ہے ایسا ہے، جیسا کہ میرا مرتبہ تم میں ادنیٰ صحابی پر ہے۔

حضرت اقدس مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحب شاہجہان پوری قدس سرّہ کے سوانح حیات پر پیش کیے جانے والے مفصل مقالات سے آپ پر واضح ہو جائے گا، کہ حضرت اقدسؒ نے علومِ نبوت میں رسوخِ کامل حاصل کر کے اس کا نفع اپنے تک محدود نہیں رکھا، کہ ان کے مطابق عمل کر کے عابدانہ اور زاہدانہ زندگی گزارتے رہتے، ان علوم کی اشاعت سے کوئی سروکار

ان کو نہ ہوتا، اوران علوم کو مٹانے یا ان کو بگاڑنے کی جو مذموم کوششیں ہورہی تھیں، ان کی طرف کوئی توجہ نہ فرما کر عبادت وریاضت میں مشغولیت کو ہی اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتے ؛ بل کہ حضرت اقدس رحمہ اللہ نے بذریعہ تدریس وتقریر وافتاء علومِ شرعیہ کی اشاعت میں مجاہدانہ کردار ادا فرمایا، اور ساتھ ہی ان علوم کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کا بھرپور اور کامیاب تعاقب فرمایا: جس کی وجہ سے حضرت اقدس رحمہ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کا مصداق بن کر عدل وثقہ کے وصف سے متصف ہوگئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اِرشاد ہے:

يَحْمِلُ هٰذَا الْعِلْمَ مِنْ كُلِّ خَلَفٍ عُدُوْلُهُ يَنْفُوْنَ عَنْهُ تَحْرِيْفَ الْغَالِيْنَ وَانْتِحَالَ الْمُبْطِلِيْنَ وَتَأْوِيْلَ الْجَاهِلِيْنَ. (مشكاة المصابيح ص: ٢٦ رواية بحواله بيهقي في كتاب المدخل)

بعد میں آنے والے لائق لوگوں کے طبقہ میں عدل وثقہ لوگ اس علمِ دین کو حاصل کرتے رہیں گے؛ جو غلو پسندوں کی تحریفات اور باطل پرستوں کے دعاوی اور جاہلوں کی تفسیر کی غلطیاں واضح کر کے دینِ حنیف کا صاف ستھرا چہرہ عوام کے سامنے پیش کرتے رہیں گے۔

کج فکری کی تردید

جس زمانہ میں دین وعلم صحیح کے خلاف جس فتنے نے سر اٹھایا، خداوند کریم نے اِن لائق جانشینوں کو سرکوبی کے لیے کھڑا کردیا، جنھوں نے بتوفیقِ خداوندی ایمانی غیرت، شجاعت وبسالت، علمی سرمایہ اور انابت الی اللہ کے اوصاف کا حامل بن کر حفاظتِ دین کی عظیم الشان خدمت انجام دی، اسی کا نتیجہ ہے کہ آج بھی یہ علمِ دین محفوظ ہے، اور قیامت تک ان شاء اللہ اس کی حفاظت کا خدائی نظم قائم رہے گا۔

حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ کو بھی اللہ تعالیٰ نے عدول کی فہرست میں شامل فرما کر اُن سے جہاں ایک طرف اشاعتِ دین کی خدمت انجام دلائی، وہیں دوسری طرف حفاظتِ دین وعلم کے لیے اُن کو کھڑا کردیا اور مذکورہ بالا بنیادی صلاحتیں اُن میں پیدا کردیں۔

حضرت مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ کے زمانے میں ایک طبقہ نے (جو اپنے آپ کو نام

نہاد اہلِ حدیث کے نام سے یاد کرتا ہے) صرف کتاب وسنّت کو حجت شریعہ مان کر علم فقہ کو عام مسلمانوں میں غیر معتبر قرار دینے کی باقاعدہ تحریک چلائی؛ جو ایک زبردست گمراہی پھیلانا تھا؛ کیوں کہ علم دین کا دارومدار تفسیر وحدیث کے علاوہ فقہ پر بھی ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

والمراد بالعلم: العلم الشرعي الذي يفيد معرفة ما يجب على المكلف من أمر دينه في عباداته ومعاملاته، والعلم باللّٰه وصفاته، وما يجب له من القيام بأمره، وتنزيهه عن النقائص، ومدار ذلک على التفسير والحديث والفقه. (فتح الباري)

ترجمہ:- علم سے مراد علم شرعی ہے؛ جس سے پتہ چلتا ہے کہ عبادات ومعاملات کے بارے میں مکلّف پر کیا واجب ہے؛ نیز اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری، اللہ تعالیٰ کو ہر قسم کے نقائص سے منزہ قرار دینے کا وجوب معلوم ہوتا ہے اور اس علم کا دارومدار تفسیر وحدیث اور فقہ پر ہے۔

تقلید کے بارے میں شبہات کا اِزالہ

اس گروہ کا مشن یہ تھا، کہ فقہ کے حامل فقہاءِ کرام کے بارے میں مسلمانوں کو اس مغالطہ میں مبتلا کردے، کہ یہ لوگ کتاب وسنت کے خلاف محض قیاس ورائے سے مسائلِ شرعیہ بیان کرتے ہیں، ان میں کسی ایک کا اتباع کرنا جرمِ عظیم بل کہ شرک ہے؛ لہٰذا ان میں سے کسی کی تقلید واتباع جائز نہیں؛ چاہے وہ ائمہ اربعہ ہوں یا دوسرے، خصوصاً فقیہِ اعظم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں ان کی جارحانہ روش حدود کو پار کرگئی، چوں کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں صدیوں سے مسلمان فقہِ حنفی کی تقلید کرتے ہوئے عبادات ومعاملات وغیرہ انجام دیتے ہیں؛ اس لیے ان کو خاص طور پر حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بدظن کرنے کے لئے اِس گروہ نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، ان حالات میں حضرتِ اقدس مفتی صاحبؒ نے اشاعتِ دین کے ساتھ ساتھ یہ فرض بھی انجام دیا، کہ اس مفسد گروہ کی دسیسہ کاریاں تحقیقی والزامی جوابات کے

ذریعہ طشت از بام کردیں اور اپنی متعدد تالیفاتِ اُردو وعربی میں مختلف فیہ مسائل حنفیہ پر ایسے قطعی دلائل نقلی وعقلی جمع فرمائے کہ ان کے سمجھنے کے بعد اس سے بہتر مسئلہ کا حکم نہیں ہوسکتا جو مذہبِ حنفی میں بیان کیا گیا ہے۔

اِمام اَعظمؒ کا مقام

ائمہ فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہؒ کو جو شرف ومقام ملا وہ کسی اور کو نہیں ملا؛ چنان چہ وہ صرف فقہ کے امام اعظم نہیں تھے؛ بل کہ اربابِ تحقیق کی نظر میں احادیث نبویہ علی صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فقہی ابواب پر مرتب کرنے کا شرف سب سے پہلے امتیازی طرز پر حضرتِ امام ابوحنیفہؒ کو حاصل ہوا، اور ائمہ اربعہ میں تابعیت کی صفت بھی صرف امام صاحب کو نصیب ہوئی، ان کے اس مجموعہ احادیث کا نام ''کتاب الآثار'' ہے؛ جس کو بعض وجوہ سے امام محمدؒ کی کتاب سمجھا جاتا ہے؛ جب کہ واقعہ ایسا نہیں ہے، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں:

الموجود من حديث أبي حنيفة إنما هو كتاب الآثار التي رواها محمد بن حسن. (مقدمة تعجيل المنفعة بزوائد الأئمة الأربع)

ترجمہ:- اِمام ابوحنیفہؒ کی جمع کردہ احادیث کا مجموعہ کتاب الآثار ہے؛ جس کو امام محمد بن حسنؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کیا ہے، اس صراحت کے بعد یہ خیال درست نہیں ہے، کہ امام صاحب نے حدیث میں کوئی کتاب تصنیف نہیں فرمائی۔

''**تبييض الصحيفة في مناقب أبي حنيفة**'' میں جلال الدین سیوطی شافعیؒ فرماتے ہیں:

من مناقب أبي حنيفة التي انفرد بها أنه أول من دَوَّنَ عِلم الشَّرِيعَةِ ورتبه أبوابًا ثم تابعه مالک بن أنس في ترتيب الموطأ ولم يسبق أبا حنيفة أحدٌ. (ص: ٣٦)

محدث کوثری رحمۃ اللہ علیہ نے ''**تعليقات الانتقاء في فضائل ثلثة الفقهاء**'' میں شیخ عبدالعزیز کا اِرشاد نقل کیا ہے:

''**كانَ مالک بن أنس ينظر في كتب أبي حنيفة وينتفع بها**''. (ص: ١٤)

ترجمہ:- اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا گہری نظر سے

مطالعہ فرمایا کرتے تھے اور ان سے استفادہ کرتے تھے، صدر الائمہ نے مناقب امام اعظمؒ میں امام ابوبکر عتیق کا یہ قول بیان کیا ہے:

فإذا كان الله تعالى ضمن لنبيه حفظ الشريعة وكان أبو حنيفة أول من دون فيبعد أن يكون الله تعالى قد ضمن ثم يكون أول من دون على خطأ.

ترجمہ:- جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے شریعت کی حفاظت کی ضمانت لی اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ (نفس الامر) میں اس کے سب سے پہلے مدوّن ثابت ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے یہ بات بعید از عقل وقیاس ہے، کہ اللہ تعالیٰ ایک طرف تو شریعت کا ذمہ لے پھر اس کا پہلا مدوّن غلطی کرے۔

خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں امام اہل بلخ خلف بن ایوب کا قول نقل کیا ہے:

صار العلم من الله تعالىٰ إلى محمد صلى الله عليه وسلم ثم صار إلى أصحابه ثم صار إلى التابعين ثم صار إلى أبي حنيفة فمن شاء فليرض ومن شاء فليسخط. (تاريخ بغداد / للخطيب البغدادى ١٣/٣٣٦)

ترجمہ:-علم اللہ تعالیٰ کے پاس سے حضور اکرم علیہ السلام تک آیا، پھر علم آپ علیہ السلام سے صحابہ کی طرف منتقل ہوا، پھر صحابہ سے تابعین کی طرف منتقل ہوا، پھر تابعین سے امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کی طرف منتقل ہوا، اب جس کی مرضی ہو خوش رہے اور جس کی مرضی ہو ناراض رہے۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

روي عن أبي حنيفة من المحدثين والفقهاء عدة لا تحصى مناقب أبي حنيفة. (ص: ١١)

ترجمہ:- حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بے شمار محدثین اور فقہاء نے روایات حدیث نقل کی ہیں۔

حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

إن الإمام ذكر في تصانيفه نيفًا وسبعين ألف حديث وانتخب الآثار

(**کتاب الآثار) من أربعين ألف حديث.** (مناقب علي قاري بذيل الجواهر المنيفة ٤٧٤/٢)

ترجمہ:- اِمام ابوحنیفہؒ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد حدیثیں بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

یحییٰ ابن نصر فرماتے ہیں:

دخلتُ على أبي حنيفة في بيت مملوء كتبًا فقلت: ما هذه؟ قال أحاديث كلها وما حدثت به إلا اليسير الذي ينتفع به. (عقود الجواهر المنيفة ٢٢/١)

ترجمہ:- میں امام ابوحنیفہؒ کے یہاں ایسے مکان میں داخل ہوا؛ جو کتابوں سے اٹا ہوا تھا، میں نے دریافت کیا، کیا ہیں یہ؟ فرمایا: یہ سب احادیث ہیں اور ان میں سے تھوڑی حدیثیں بیان کی ہیں جن سے فائدہ اٹھایا جائے۔

اسماء الرجال کے بڑے عالم یحییٰ ابن معین فرماتے ہیں:

كان أبو حنيفة ثقة لا يحدث بالحديث إلا بما يحفظه ولا يحدث بما لا يحفظ. (جامع المسانيد الإمام أبي حنيفة۔ ٢٠٨/٢ از: محدث خوارزمی)

اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ثقہ تھے، صرف ایسی حدیث کو بیان فرماتے؛ جو ان کو یاد ہوتی تھیں اور جو حدیث محفوظ نہ ہوتی اس کی روایت نہیں فرماتے۔

عراق کے بڑے محدث الحافظ الامام وکیع ابن الجراح فرماتے ہیں:

لقد وجد الورع عن أبي حنيفة – رحمه الله – في الحديث عالم يوجد عن غيره. (الانتقاء لابن عبد البر ص: ١٤٢)

بلاشبہ اِمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث میں وہ احتیاط کی ہے؛ جو کسی اور میں نہیں پائی گئی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

(ماہنامہ ندائے شاہی مارچ ۲۰۲۲ء)

فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنیؒ

فتنوں کے تعاقب میں

تحریر: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

زیر نظر معلوماتی مضمون ''ماہنامہ ندائے شاہی مراد آباد'' کے ''فدائے ملت نمبر'' (۲۰۰۶ء) کے لئے تحریر کیا گیا تھا، جو اِفادے کی غرض سے دوبارہ شائع کیا جارہا ہے۔ (مرتب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سنن ابن ماجہ میں حضرت ابوعنبہ خولانی رضی اللہ عنہ کی روایت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشادِ گرامی نقل کیا گیا ہے:

لَايَزَالُ اللّٰهُ يَغْرِسُ فِيْ هٰذَا الدِّيْنِ غَرْساً يَسْتَعْمِلُهُمْ فِيْ طَاعَتِهٖ. (سنن ابن ماجه ۸)

اللہ تعالیٰ اس دین کے باغ میں ہمیشہ نئے نئے پودے لگاتا رہے گا، جن کو اپنی طاعت میں استعمال فرمائے گا۔

اس حدیث پاک میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبردست پیشین گوئی فرمائی ہے کہ دین اسلام کا گلشن ہمیشہ سدا بہار رہے گا، یہ باغ کبھی ویرانہ نہیں بنے گا۔ جب کوئی پودا سوکھ جائے گا تو دوسرا پودا اس کی جگہ لگادیا جائے گا۔

گلشنِ دین کے یہ پودے کون ہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد رشید صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس کے سب سے پہلے اور اعلیٰ درجہ کے مصداق ہیں، اور پھر ہر زمانہ میں ان کے متبعین اور ''مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِيْ'' کی صراط مستقیم پر خود چلنے والے اور دوسروں کو چلانے

والے علماء ربانیین اور مشائخ عظام ہیں، ایسے نفوسِ قدسیہ سے قیامت تک دنیا کبھی خالی نہیں رہے گی، انہیں جیسی شخصیات کو باری تعالیٰ دین قیم اور امت مسلمہ کی بقاء وحفاظت کے ذریعہ کے طور پر ہر زمانہ میں پیدا کر کے مذکورہ پیشین گوئی کو پورا کرتا رہے گا۔ ویسے درحقیقت امت مسلمہ کی بقاء کی بنیاد تین عظیم شخصیات اور ذواتِ قدسیہ پر ہے، جس کو ایک حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے، ان میں اول نمبر پر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالیہ ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كَيْفَ تَهْلِكُ أُمَّةٌ أَنَا فِيْ أَوَّلِهَا وَالْمَسِيْحُ فِيْ آخِرِهَا وَالْمَهْدِيُّ فِيْ وَسَطِهَا. (کنز العمال ۳۸۶۷۹ بحواله ابن عساكر)

وہ امت کیسے ختم ہوسکتی ہے (یعنی قیامت تک ضرور باقی رہے گی) جس کے شروع میں میں ہوں، اور آخر میں مسیح (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) ہیں، اور درمیان میں حضرت مہدی (محمد بن عبداللہ) ہیں۔

انہیں مبارک شخصیات کے سلسلہ کی ایک زریں کڑی فدائے ملت، امیر الہند صدر جمعیۃ علماء ہند حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی صاحب قدس سرہٗ کی ذاتِ بابرکات تھی، جنہیں چند روز پیشتر باری تعالیٰ نے اپنے جوارِ رحمت میں بلالیا ہے، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت اقدسؒ کی زندگی مجاہدانہ کارناموں سے پر ہے، ان سب میں جو چیز قدر مشترک کے طور پر نمایاں رہی، وہ حضرت اقدس کی دین اسلام کی حفاظت کے لئے فکرمندی اور امت مسلمہ کی بقاء وتحفظ کی دُھن ہے، جب بھی اسلام اور اسلام کے خلاف کوئی داخلی یا خارجی فتنہ نمودار ہوا اور یہ خطرہ ہوا کہ مسلمان امت محمدیہ سے خارج ہوجائیں یا صراط مستقیم سے ہٹ جائیں، تو حضرت اقدسؒ احقاق حق وابطال باطل کے لئے سینہ سپر ہوگئے، اور اس کے مقابلہ کے لئے علماء کرام کو توجہ دلا کر ایک فوج کی فوج تیار فرمادی۔

چناں چہ ۱۹۸۴ء کے بعد جب مرزائی گروہ مرتدین نے ہندوستان کے مسلمانوں کے

اسلام کو بگاڑنے اور اُن کو اُمت محمد یہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے نکال کر امت مرزائیہ میں شامل کرنے کے لئے ازسرِنو ہندوستان کا رخ کیا، اور یہاں کی قادیانی جماعت کو حیاتِ نو بخشنے کا پروگرام بنا کر جگہ جگہ سیرت اور دیگر دینی عنوانات پر جلسے و کانفرنسیں کرنی شروع کیں، اور اپنے نام نہاد حقیقی اسلام کا ڈھنڈورہ پیٹ کر مسلمانوں کو ورغلانے کی دجالی روش اپنائی، تو حضرت اقدس امیر الہند بے چین ہوگئے، اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے معزز اراکین کو قادیانی فتنہ کی تشویش ناک صورتِ حال سے آگاہ فرما کر سہ روزہ عالمی تحفظ ختم نبوت کی تجویز منظر کروائی؛ چناں چہ اکتوبر ۱۹۸۶ء کی آخری تاریخوں میں یہ عظیم الشان اجلاس دارالعلوم دیوبند میں منعقد ہوا، جس میں ملک بھر کے علماء وذمہ داران کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ اجلاس کا افتتاح حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی نوراللہ مرقدہٗ نے فرمایا اور اختتامی تقریر رابطہ عالم اسلامی کے اس وقت کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے فرمائی۔

اس اجلاس سے ملک میں قادیانی فتنہ کے تعاقب کے لئے علماء وعوام میں زبردست بیداری آئی، اور اس کام کو دارالعلوم کی نگرانی میں مسلسل انجام دئے جانے کے لئے ''کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت دارالعلوم دیوبند'' کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے صدر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ناظم عمومی حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری زیدمجدہم استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند منتخب ہوئے۔

یہ مجلس بحمداللہ روزِ اول سے مجلس شوریٰ کی ہدایات کے مطابق اور حضرت اقدس امیر الہند رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی توجہات سے ٹھوس انداز میں قادیانی تعاقب کا فرض ادا کر رہی ہے، اور مختلف علاقوں اور صوبوں میں اس کی خدمات جاری ہیں، جن میں افراد سازی کے لئے تربیتی کیمپوں کا انعقاد، عام لوگوں کے لئے اجلاس عام کرنا، چھوٹی بڑی کتابوں و پمفلٹوں کی مختلف زبانوں میں اشاعت، وقت ضرورت قادیانیوں سے مناظرہ کرنا، متأثرہ علاقوں میں مبلغین کے دوروں کا انتظام کرنا اور قادیانیوں کی طرف سے کسی جگہ مقدمہ دائر کئے جانے کے موقع پر قانونی مواد

فراہم کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ بہت سے تربیتی کیمپ اور اجلاس عام میں حضرت امیر الہندؒ نے بڑی دلچسپی کے ساتھ شرکت فرمائی، ۱۹۹۷ء-۱۹۹۸ء میں دہلی کی دو عظیم تحفظ ختم نبوت کانفرنسوں میں تحریری خطبہ صدارت پیش فرمائے۔ نیز کانپور میں تربیتی کیمپ و اجلاس عام کے موقع پر تحریری خطبہ صدارت پیش فرمایا، بائیکوری (آسام) میں قادیانیوں سے تاریخی مناظرہ کی مجلس میں تقریر فرمائی اور مسلسل پانچ گھنٹوں تک مجلس مناظرہ میں تشریف فرما رہے۔

ملک کے مختلف علاقوں میں عیسائی مشنریوں کی ریشہ دوانیوں سے بھی حضرت فدائے ملتؒ بہت فکر مند تھے۔ حضرتؒ کی توجہات کے نتیجہ میں دارالعلوم میں ردعیسائیت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا، اور حضرتؒ کی ہدایت کے مطابق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ کی کتاب ''اظہار الحق'' سے ماخوذ متعدد رسائل کمیٹی کی طرف سے شائع کئے گئے، نیز احمد دیدات مرحوم کے رسائل کا ترجمہ کروا کر اردو میں طبع ہوئے، بعینہ ان کے رسائل انگلش میں بھی طبع کرائے گئے۔ اس کمیٹی کے تحت ملک میں حسب ضرورت تربیتی کیمپ و اجلاس عام منعقد ہوتے رہے ہیں۔

علاوہ ازیں داخلی فتنہ غیر مقلدیت نام نہاد سلفیت کو لگام دینے اور اس کی مغالطہ انگیزیوں والزام تراشیوں کا منہ توڑ جواب دینے کے لئے حضرت امیر الہندؒ نے ۲۰۰۱ء میں تحفظ سنت کانفرنس دہلی میں منعقد فرمائی، اس میں تحریری خطبہ صدارت دیا، اور اس موقع پر اساتذۂ دارالعلوم دیوبند سے رد غیر مقلدیت پر تحقیقی رسائل مرتب کروا کر پچیس رسالوں کا سیٹ جمعیۃ علماء ہند کی جانب سے شائع کروایا، جس کا بڑا فائدہ ملک و بیرون ملک میں محسوس کیا گیا۔

نیز حضرت اقدسؒ نے باطل نظریات کی علمی انداز میں تردید کے لئے دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کی تربیت کے پیش نظر ہر ہفتہ محاضرات پیش کرنے کے لئے اساتذۂ دارالعلوم کو مقرر کروایا۔ چناں چہ ردشیعیت، ردمودودیت، رد رضاخانیت، ردغیر مقلدیت، ردقادیانیت، رد عیسائیت اور رد ہندوازم پر محاضرات پیش کئے جاتے ہیں، جن میں فضلاء دارالعلوم شرکت کرتے ہیں جو دورۂ حدیث شریف کے بعد تکمیلات کے درجات میں داخلہ لیتے ہیں جن کی

تعداد دوسو سے زائد ہوتی ہے، ان طلبہ کو ہر موضوع کے محاضرات مطبوعہ شکل میں پہلے ہی تقسیم کردئے جاتے ہیں۔ ان محاضرات کو سن کر فضلاء دارالعلوم تقابلی انداز میں اسلام کی حقانیت اور صراط مستقیم کے واضح نشانات کو کفر وضلالت سے ممتاز کرکے اچھی طرح ذہن نشین کرلیتے ہیں اور دین محمدی کی حفاظت کے لئے تیار ہوجاتے ہیں، اور اپنے اپنے علاقوں کو جاکر امت مسلمہ کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پچھلے سالوں سے انکار حدیث کے فتنہ کی سرگرمیاں بھی بڑھتی جارہی ہیں، مدراس، کان پور میں بہت سے مسلمان اس سے متأثر ہورہے ہیں۔ حضرت امیر الہندؒ کو اس کے تعاقب کی بہت فکر تھی، اسی سلسلہ میں حضرت اقدس نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک استفتاء مرتب کرواکر جس کا مفصل جواب مفتیان دارالافتاء دارالعلوم نے دیا، اور منکرین حدیث کو اسلام سے خارج قرار دیا، پھر اس پر تمام اساتذۂ دارالعلوم نے بھی دستخط فرمائے، خود حضرت اقدس نے بھی دستخط فرمائے۔

اس طرح موجودہ علمی ونظریاتی فتنوں کے تعاقب کے سلسلہ میں جو کام ہوایا آئندہ ہوتا رہے گا اس میں حضرت اقدسؒ کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

مَنْ سَنَّ فِيْ الإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ. (صحيح مسلم / كتاب الزكاة حديث: ۱۰۱۷)	جس نے اِسلام میں کوئی اچھا کام جاری کردیا اس کو اس کام کو شروع کرنے کا ثواب ملے گا اور جس نے اس روش کو اپنایا اس کا بھی ثواب ملے گا۔

خداوند کریم حضرت اقدسؒ کو دین اور امت مسلمہ کے تئیں ان کی فکرمندیوں اور مخلصانہ خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے، اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات سے نوازے، آمین۔

(ندائے شاہی کا فدائے ملت نمبر ص: ۱۹۰-۱۹۲)

حضرت مولانا رشید الدین حمیدیؒ

تحریر: امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

یہ مختصر تعزیتی مضمون حضرت مولانا سید رشید الدین صاحب حمیدی نور اللہ مرقدہٗ سابق مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد کی وفات پر حضرتؒ نے تحریر فرمایا تھا، جو ''ماہنامہ ندائے شاہی'' کی خصوصی اشاعت (جولائی ۲۰۰۱ء) میں شائع ہوا۔ (مرتب)

حضرت مولانا رشید الدین حمیدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے، اُنہوں نے پوری زندگی تدریس اور انتظامی خدمات میں گذاری۔ موصوف کا حسن انتظام، نظم وضبط اور اُصول پسندی کا مزاج زبان زد تھا۔ موصوف کے دور اہتمام میں مدرسہ دار الرشاد بارہ بنکی اور جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد نے بے مثال ترقی کی، دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند سے مولانا مرحوم کا قریبی ربط تھا، جمعیۃ علماء یوپی کے صدر کی حیثیت سے بھی آپ نے نمایاں ملی خدمات انجام دیں۔

مولانا مرحوم ورع وتقویٰ اور صلاح وفلاح کے اعلیٰ معیار پر بھی فائز تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی علیہ الرحمہ سے خلافت واجازت حاصل تھی؛ چناں چہ اِس اِجازت کا حق اَدا کرتے ہوئے آپ نے بندگانِ خدا کو رشد وہدایت کے راستے پر چلانے میں بھی دلچسپی سے حصہ لیا۔

مولانا مرحوم کی مدینہ منورہ میں وفات اور جنت البقیع جیسے مقدس قبرستان میں تدفین آپ کی مقبولیت عند اللہ کی دلیل ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند سے بلند تر فرمائیں اور اُمت کو اُن کا نعم البدل عطا فرمائیں، آمین۔ (ندائے شاہی جولائی ۲۰۰۱ء)

❍❖❍

مدینہ منورہ حرسہا اللہ

ایک مختصر تعارف

ریڈیائی خطاب: اَمیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری نور اللہ مرقدہٗ

یہ تقریر آل انڈیا ریڈیو اُردو سروس کے حج پروگرام ۱۹۹۸ء کے دوران نشر کی گئی تھی، بعد اَزاں ماہنامہ ندائے شاہی کے ''حج وزیارت نمبر'' میں اِس کی اشاعت ہوئی، اَب اِفادہ کی غرض سے اسے شائع کیا جارہا ہے۔

مسلمانوں کے نزدیک مدینہ منورہ کی حیثیت محض ایک تاریخی شہر کی نہیں ہے؛ بلکہ اس کو ایک مقدس مقام کے طور پر عظمت ومحبت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے؛ کیونکہ یہ پاکیزہ شہر ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ہجرت ہے اور یہیں پر آپ کی آخری آرام گاہ ''روضۂ اقدس'' واقع ہے۔ یہاں کے دس سالہ قیام کے دوران آقائے نامدار سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت وتبلیغ کا حیرت انگیز کارنامہ انجام دے کر انقلاب عظیم برپا فرمادیا۔ ''خلق عظیم'' کا وہ شاندار نمونہ پیش فرمایا کہ آپ پر ایمان لانے والے سعادت مند انسان آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ اور آپ کے اشاروں پر جانی ومالی ہر قسم کی قربانی پیش کرتے رہے۔ آج بھی حبِ نبویؐ کے جذبہ کے ساتھ مدینہ منورہ کا مبارک تذکرہ سننے کے لیے ایک ایک مسلمان بے تاب رہتا ہے۔ اور ہر مسلمان کے دل میں مدینہ منورہ کی زیارت کی تمنا رہتی ہے۔ بہرحال مدینہ منورہ کے متعلق جستہ جستہ تاریخی واسلامی معلومات اس وقت پیش کی جارہی ہیں۔

جائے وقوع

مدینہ منورہ جزیرہ نمائے عرب کے صوبہ حجاز کا مقدس شہر ہے جو ۳۹ درجے ۵۰ دقیقے طول بلد مشرقی، اور ۲۴ درجے، ۳۲ دقیقہ عرض بلد شمال میں، خط استواء کے شمال میں واقع ہے۔ مدینہ منورہ مکہ مکرمہ سے تین سو میل (تقریباً ساڑھے چار سو کلومیٹر) اور ینبع سے ۱۳۰ میل کے فاصلے پر واقع ہے اور سطح سمندر سے چھ سو میٹر بلند ہے۔ اس کے شمال میں جبل احد اور جنوب میں جبل عیر ہیں۔ شہر کے مشرق و مغرب میں ''حرۃ الوبرہ'' اور ''حرۃ الواقم'' واقع ہیں جو سیاہ پتھروں کے علاقے ہیں۔

نام اور آبادی

علامہ سمہودی رحمۃ اللہ علیہ نے مدینہ منورہ کے ۹۴ نام شمار کرائے ہیں۔ (وفاء الوفاء، ۱/ ۲۷-۲۸) تاہم مشہور یہ ہے کہ مدینہ منورہ کا پہلا نام یثرب تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد اس کا نام طیبہ اور طابہ رکھ دیا۔ قرآن کریم میں یثرب اور مدینہ دونوں نام ذکر ہوئے ہیں۔ معجم البلدان میں یثرب کی وجہ تسمیہ یہ لکھی ہے کہ اس شہر کو یثرب ابن قافیہ نے آباد کیا تھا۔ جو حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں ان کی ساتویں پشت میں تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عرب باشندوں کے دو بڑے قبیلے اوس وخزرج مدینہ منورہ میں آباد تھے جو یمن کے سد مآرب کے گر جانے کے بعد سیلاب کی آفتوں سے بچنے کے خاطر (۳۰۰ قبل مسیح میں) مدینہ منورہ میں آ گئے تھے۔ اور اسی کو اپنا مستقر بنالیا تھا۔ ان کے علاوہ یہودیوں کے چند بڑے بااثر قبیلے بھی آباد چلے آ رہے تھے۔ جن کے نام ہیں: بنوقینقاع، بنونضیر، بنوقریظہ۔ ان قبائل کی ذیلی شاخیں بہت سی تھیں۔ چنانچہ مورخ سمہودیؒ نے یہودی قبائل کی تعداد بیس بتائی ہے۔ یہود کے یہ قبائل مدینہ منورہ میں اس وقت آ کر آباد ہوئے جب کہ پہلی صدی عیسوی ۷۰ء میں رومیوں (عیسائیوں) اور یہودیوں میں زبردست جنگ ہوئی، جس کے نتیجہ میں پورا فلسطین

تباہ ہو گیا اور یہود دنیا کے مختلف ملکوں میں منتشر ہو گئے۔ اس زمانہ میں کچھ جماعتیں مدینہ منورہ آ کر آباد ہو گئیں۔ یہ لوگ آہستہ آہستہ تجارت، زراعت اور مال و معاملات میں سارے عرب پر چھا گئے۔ ان کے بیشتر مالی معاملات رہن اور سود پر قائم تھے؛ حتیٰ کہ لوگوں کی مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی گروی رکھ لیا کرتے تھے۔ حرص و طمع کا یہ عالم تھا کہ کنوئیں کا پانی بھی ڈولوں کے حساب سے بیچا کرتے تھے۔ ان خسیس حرکتوں کی وجہ سے مدینہ کی اکثریت ان سے نفرت کرنے لگی تھی۔

یہودی سازشی ذہن کے مطابق مدینہ منورہ کے قدیم عرب باشندوں کے قبائل اوس وخزرج میں لڑائی کی آگ بھڑکاتے رہتے تھے تاکہ مدینہ منورہ پر ان کا تسلط رہے اور وہ ان کا استحصال کرتے رہیں۔ اوس وخزرج کے درمیان آخری جنگ ''بعاث'' کے نام سے مشہور ہے، جو ہجرت سے پانچ سال پہلے ہوئی تھی۔ ویسے خود قبائل یہود میں بھی زبردست عداوت وکشیدگی رہتی تھی۔ جنگ بعاث میں بنوقینقاع نے بنوخزرج کے ساتھ شرکت کی تھی اور بنونضیر اور بنوقریظہ نے بڑی بے دردی سے بنوقینقاع کا خون بہایا تھا اور ان کا شیرازہ منتشر کر دیا تھا۔

اسلام کی آمد

مدینہ منورہ میں اسلام کے پہنچنے کا سبب یہ بنا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم معمول کے مطابق حج کے زمانہ میں تبلیغ اسلام کا فرض انجام دے رہے تھے۔ اسی دوران ایک مرتبہ اوس وخزرج کے چند آدمی عقبہ کے پاس آپ کو ملے۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن مجید کی تلاوت فرمائی۔ یہ لوگ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے پڑوس میں رہنے کی وجہ سے یہود کو نبوت، انبیاء کا تذکرہ ہوتے ہوئے سنتے تھے، نیز یہ سنتے تھے کہ قریبی زمانہ میں کوئی نبی آنے والا ہے؛ چنانچہ حج کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اسلام ان چھ اصحاب نے قبول فرمالی (اسے بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے) اور مدینہ جا کر خوب اسلام کی اشاعت کی۔ دوسرے سال حج کے موقع پر اوس وخزرج کے بارہ صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عقبہ پر ملے اور

آپ کے ہاتھ پر چوری، زنا، قتل اولاد سے بچنے، اچھی باتوں میں اطاعت کرنے اور توحید پر بیعت لی (اسے بیعت عقبہ ثانیہ کہتے ہیں) واپسی کے وقت ان کی درخواست پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی تعلیمات سکھانے اور قرآن پڑھانے کے لیے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ روانہ کردیا۔ انھوں نے گھر گھر جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ دوسرے سال حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ انصار (اوس وخزرج) کے ۷۳/افراد کی جماعت مکہ مکرمہ آئی اور آپ سے بیعت کی کہ ہم آپ کی حفاظت اپنے اہل و عیال کی طرح کریں گے۔ نیز آپ سے عہد لیا کہ آپ انھیں بے یارومددگار نہیں چھوڑیں گے۔ اور نہ اپنی قوم کی طرف واپس ہوں گے۔ اس طرح ہجرت مدینہ کا راستہ ہموار ہوا، اور مکی زندگی میں اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں جو رکاوٹیں پیش آرہی تھیں وہ دور ہوئیں۔

مدینہ منورہ کو جنگی و جغرافیائی نقطۂ نظر سے ایک مستحکم قلعہ کی حیثیت حاصل تھی۔ اس کے مشرق ومغرب میں حرات تھے اور دوسرے اطراف میں دشوار گذار کھجور کے گھنے باغات تھے۔

ہجرت مدینہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد صحابہ نے مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنی شروع کردی۔ قریش کو خبر ہوئی تو انھوں نے روک ٹوک کی۔ لیکن رفتہ رفتہ اکثر صحابہؓ نکل گئے۔ قریش نے اپنی کوششوں کی ناکامی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روکنے کا بلکہ شہید کرنے کا پلان ومنصوبہ بنایا؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے قریش کی تمام تدبیروں کو فیل کردیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخیر وعافیت ۱۲/ربیع الاوّل بروز دوشنبہ مطابق ۲۴/ستمبر ۶۲۲ء قبا پہنچ گئے، جو مدینہ منورہ کے مضافات میں سے ہے۔ اسی واقعہ سے اسلامی کیلنڈر اور اسلامی تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر سات ماہ قیام فرمایا۔ مسجد نبوی اور رہائشی مکانات کی تعمیر کے بعد آپ وہاں منتقل ہوگئے۔

مکہ مکرمہ کے غریب الوطن مہاجر نہایت بے سروسامانی کے عالم میں مدینہ منورہ آئے

تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین وانصار (اوس وخزرج) میں باہمی مواخات اور بھائی چارہ کا معاہدہ کرادیا۔

اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و دیگر اقوام مدینہ منورہ سے امن وامان کا معاہدہ کیا جو میثاق مدینہ کہلاتا ہے۔ تاہم قرآن مجید نے یہود کی عادات قبیحہ، باطل عقائد، توریت میں تحریف، حرام خوری، حرص وطمع وغیرہ کا تذکرہ کیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب ان کا جابرانہ خودغرضانہ نظام واقتدار قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لیے تحویل قبلہ کے بعد وہ علانیہ مسلمانوں کے خلاف ہوگئے۔

مرکز اسلام

اسلام کا مدنی دور نہ صرف تاریخِ اسلام بلکہ تاریخ عالم کا ایک اہم باب ہے۔ مدینہ منورہ آ کر اسلام کو شان وشوکت نصیب ہوئی۔ جہاد کا حکم ملا، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح وطلاق، غلاموں، اسیروں اور دُشمنان دین اور حدود وتعزیرات کے متعلق احکام نازل ہوئے اور دین نقطۂ عروج اور منتہائے کمال پر پہنچ گیا اور مسلمان مدینہ منورہ سے نکل کر دنیا کی تسخیر کے لیے روانہ ہوئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلافت راشدہ اور اسلامی حکومتوں کا نظام پوری دنیا میں پھیل گیا۔ اور مدینہ منورہ کو برابر مرکزی حیثیت حاصل رہی، علوم نبوت کی اشاعت کے اعتبار سے بھی مدینہ منورہ ہمیشہ ممتاز رہا۔ بڑے بڑے اکابر علماء، محدثین اور فقہائے عظام نے مدینۃ الرسولؐ میں قیام فرما کر اسلامی علوم کی نشر واشاعت کا فریضہ انجام دیا، اور یہ امتیاز بحمدہ تعالیٰ آج بھی قائم ہے۔

مسلمانان ہند کے جذبات

مسلمانان ہند نے بھی ہمیشہ مدینہ منورہ (زادہا اللہ شرافۃً) کے ساتھ قلبی تعلق کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ شاہان مغلیہ ہر سال ہندوستان کی طرف ایک امیر حج مقرر کر کے اس کے ساتھ چار

لاکھ روپے مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی، خدمت گزاری کے لیے احمد آباد (گجرات) کے خزانہ سے بھیجتے تھے۔ اس کے علاوہ ہر سال ایک کثیر رقم سادات وعلماء مدینہ کے لیے بھیجی جاتی تھی۔ سرکاری امداد کے علاوہ ہندوستان کے مسلمان رؤسا اور ان کی بیگمات بھی ہر سال مختلف تحائف، نقد رقمیں اور کپڑے کے تھان مدینہ منورہ کے فقراء ومساکین میں تقسیم کرنے کے لیے بھیجا کرتی تھیں، ان کے بنوائے ہوئے مسافر خانے وغیرہ اب تک موجود ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے نہ صرف اہل مدینہ کی مالی خدمت کی۔ بلکہ ان کے علماء نے حرم نبوی میں بیٹھ کر اپنے علم وفضل سے سارے عالم اسلام کو سیراب کیا ہے۔ جن میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کا اسم گرامی ممتاز ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ جنھوں نے مدینہ منورہ میں مستقل سکونت اختیار فرما کر تمام زندگی تعلیم وتدریس میں گزار دی۔

اسی طرح شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ نے ۱۲؍سال مسجد نبوی میں درس حدیث دیا۔ اور ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد فیض آبادیؒ نے مدینہ منورہ میں بیسویں صدی میں مدرسہ علوم شرعیہ قائم کیا۔ جو اب بھی موجود ہے۔ (ملخص از انسائیکلو پیڈیا اردو مادہ ''المدینۃ المنورۃ'' بحوالہ وفاء الوفا معجم البلدان وغیرہ)

مدینہ منورہ کے بعض فضائل

مدینہ منورہ کے متعلق بہت سے فضائل احادیث شریفہ میں وارد ہوئے ہیں۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مدینہ منورہ میں رہ کر یہاں کی سختیوں پر صبر کرے گا میں اس کا قیامت میں سفارشی ہوں گا۔ (مسلم شریف حدیث: ۱۳۷۷)

ایک اور حدیث میں ہے کہ مدینہ منورہ اپنے رہنے والوں کے دلوں کا کھوٹ اس طرح نکال دیتا ہے جیسے بھٹی لوہے کا کھوٹ زائل کر دیتی ہے۔ (وفاء الوفاء ۱؍۴۱)

اور بخاری شریف کی روایت میں اہل مدینہ کو ایذا دینے کی مذمت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ جو شخص اہل مدینہ کو تکلیف پہنچانے کی سازش کرے گا وہ ایسے پگھل جائے گا جیسے

پانی میں نمک پگھل جاتا ہے''۔

نیز احادیث میں مدینہ منورہ میں موت کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ ترمذی شریف میں حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مدینہ منورہ میں مرنے کی طاقت رکھے وہ یہیں مرنے کی کوشش کرے۔ اس لیے کہ جو شخص مدینہ منورہ میں وفات پائے گا، میں اس کے لئے سفارش کروں گا۔ (ترمذی شریف)

علاوہ ازیں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے محبت کا اعلان فرمایا ہے۔ اور اس کے لیے مکہ سے دوگنی برکت کی دُعا فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ مقدس بستی وباؤں سے اور دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گی۔ اور اس کے دروازوں پر فرشتے حفاظت کے لیے مقرر رہیں گے۔ اور یہاں کی پیدا شدہ کھجوروں کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص صبح کو مدینہ کی وادی کی سات کھجوریں کھالے تو شام تک اس پر کوئی نقصان دہ چیز اثر نہ کرے گی۔ (متفق علیہ)

مسجدِ نبوی

مدینہ منورہ میں ایک مؤمن کے لیے سب سے جاذبِ نظر جگہ ''مسجد نبوی'' ہے جس میں ایک روایت کے مطابق عبادت کا ثواب پچاس ہزار گنا ہوجاتا ہے۔ (وفاء الوفاء) اور اس میں روضۂ اقدس اور منبر مقدس کا درمیانی حصہ روضۃ الجنۃ (جنت کی کیاری) کہلاتا ہے، جو بہت ہی متبرک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منوّرہ تشریف آوری کے بعد بعض یتیم انصار سے زمین خرید کر اس مسجد کی تعمیر کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس اس کی تعمیر میں شرکت فرمائی۔ آپ کے زمانہ میں مسجد نبوی کھجور کے تنوں پر قائم تھی اور چھت میں کھجور کے پتے استعمال کئے گئے تھے جس کی بنا پر بارش میں مسجد کا فرش تر ہوجاتا تھا۔ ۷ھ میں غزوۂ خیبر سے لوٹنے کے بعد آپ نے مسجد نبوی میں تین ستونوں کا اضافہ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت مسجد کی پیمائش ۲۴۷۵ مربع میٹر تھی۔ پھر ۱۷ھ میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے مغربی اور شمالی جانب ۱۱۰۰ میٹر کا اضافہ فرمایا۔ اور ۲۹ھ میں سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مغربی جانب اور قبلہ کی طرف ۴۹۶ مربع میٹر کا اضافہ فرمایا اور آگے محراب بنوائی، جواب بھی محراب عثمانی کے نام سے مشہور ہے اور اس وقت امام حرم یہیں کھڑے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد ۸۸ھ میں مدینہ منوّرہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفۂ وقت ولید بن عبدالملک کے حکم سے ۲۳۶۹ مربع میٹر کا اضافہ فرمایا۔ اور ازواج مطہرات کے تمام حجرے مسجد کے اندر شامل فرمادیئے۔ پھر ۱۶۱ھ میں عباسی خلیفہ مہدی نے مزید ۲۴۵۰ مربع میٹر کا اضافہ کیا۔ پھر سلطان اشرف قایتبائی نے ۸۸۸ھ میں ۱۲۰/میٹر حجرہ مقدسہ کی طرف اضافہ کیا اور اس پر ۱۲۲۳ھ میں سلطان محمود خاں عثمانی نے ہرے رنگ کا قبہ تعمیر کرایا جواب ''قبہ خضراء کے نام سے معروف ہے (اس قبہ کی تعمیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ۱۲۲۳/سال کے بعد ہوئی ہے) بعد ازاں ترکی خلیفہ سلطان عبدالمجید خاں عثمانی نے ۱۲۹۳ مربع میٹر کا اضافہ کیا اور سارے حرم کی جدید کاری کی۔ ۱۲۶۵ھ سے ۱۲۸۰ھ تک یعنی پندرہ سال توسیع وتزئین کا کام جاری رہا۔ اس کے بعد ۱۳۷۳ھ میں سعودی بادشاہ ملک سعود نے ۶۰۲۴ مربع میٹر کا اضافہ کرکے نہایت مضبوط اور خوبصورت تعمیر کرائی۔ سعودی توسیع کے بعد پوری مسجد کا رقبہ سولہ ہزار تین سوستائیس مربع میٹر کا ہوگیا تھا۔ بعد میں شاہ فیصل مرحوم نے ۱۳۹۲ھ میں مسجد کے اطراف کے تمام رہائشی مکانات خرید کر مسجد کے دائیں اور بائیں جانب عمدہ فرش بنوایا اور ان پر عارضی چھتیں نصب کرکے نماز کا انتظام کروادیا۔ اسی کو آگے بڑھاتے ہوئے موجودہ سعودی فرماں روا خادم الحرمین الشریفین شاہ فہد بن عبدالعزیز نے ۱۴۰۶ھ میں مسجد نبوی کو توسیع کی عظیم منصوبہ کا آغاز کیا جو کئی سالوں کی مسلسل تعمیر کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا ہے۔ اب مسجد نبوی کا اصل رقبہ ۸۲/ ہزار مربع میٹر ہے۔ اور مسجد نبوی اور اس کے اِردگرد کے میدان وغیرہ کو ملاکر ۴/لاکھ ۵۵/ ہزار افراد کے بیک وقت نماز پڑھنے کی گنجائش نکل آئی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک۔ سعودی حکومت نے حرمین شریفین کی جو بے مثال خدمت کی ہے اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی۔ آج دنیا کے جدید ترین

آلات کے ذریعہ یہ حکومت حرمین شریفین کی خدمت کررہی ہے۔ مسجد نبوی کو پوری طرح ایرکنڈیشن بنایا گیا ہے جس کے لیے مسجد سے سات کلومیٹر کے فاصلہ پر ۲۵/ہزار ٹن کی مقدار کا ایک طاقتور اے،سی پلانٹ نصب کیا گیا ہے۔ جو ہر وقت متحرک رہتا ہے۔

اسی طرح جا بجا متحرک چھتیں لگائی گئی ہیں کہ اگر ان کو ہٹا دیا جائے تو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر کھلے صحن بن جاتے ہیں۔ اور قدیم مسجد کے دونوں بڑے صحنوں میں کھلنے اور بند ہونے والی چھتریاں لگائی گئی ہیں جو نہایت خوشنما معلوم ہوتی ہیں۔ (تاریخ معالم المدینہ المنورہ قدیماً وحدیثاً للشیخ احمد یاسین احمد، چارٹ شائع کردہ حکومت سعودیہ)

دیگر زیارتیں

مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کے علاوہ دیگر اہم مساجد کی تعمیر جدید کا بھی عظیم کارنامہ سعودی حکومت نے انجام دیا، مسجد قبا، مسجد قبلتین، مسجد المیقات، مسجد ذوالحلیفہ وغیرہ نہایت عالیشان بنادی گئی ہیں۔ اور خود مدینہ منورہ کا شہر اب دنیا کے نہایت ترقی یافتہ شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ جگہ جگہ نہایت عالیشان بلڈنگیں، عمدہ سڑکیں اور خوبصورت مناظر دکھائی دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس پاک شہر کی رونق کو مزید دوبالا فرمائے۔ اور ہر مسلمان کو وہاں بار بار با ادب حاضری کی سعادت سے نوازے آمین۔

جو لوگ وہاں حاضر ہوں انھیں اس سعادت کی قدر کرنی چاہیے اور کوئی لمحہ صنائع کئے بغیر اپنے اوقات عبادت و اطاعت میں گذارنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق سے مالا مال فرمائیں، آمین۔

(ندائے شاہی کا حج و زیارت نمبر ص: ۳۰۴-۳۱۱)

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

خطبۂ صدارت

بموقع:

۳۳ روَاں اجلاسِ عام جمعیۃ علماء ہند

از:

امیرالہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری دامت برکاتہم

صدر جمعیۃ علماء ہند و اُستاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند

منعقدہ:

۱۰-۱۱-۱۲ر صفر المظفر ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱-۱۲-۱۳ر نومبر ۲۰۱۶ء بروز جمعہ، ہفتہ، اتوار

بمقام: خواجہ غریب نواز نگر (کائیڈ وِشرام اَستھلی) اجمیر شریف، اِنڈیا

شعبۂ نشر واشاعت:

جمعیة علماء هند بهادر شاه ظفر مارگ نئی دهلی — ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه، ونعوذ باللّٰه من شرور أنفسنا ومن سيئات أعمالنا، من يهده اللّٰه فلا مضل له، ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريك له، ونشهد أن سيدنا ومولانا محمدًا عبده ورسوله، صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وعلىٰ اٰله وأصحابه وذرياته أجمعين، أما بعد:

تمہید وتشکر

گرامی قدر علماء کرام، معزز اَراکینِ جمعیۃ علماء ہند، دانشورانِ ملت اور مہمانانِ محترم!

سب سے پہلے ہم اللہ ربُ العزت کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُس نے ہمیں سرمایۂ ملت کی نگہبان جماعت ''جمعیۃ علماء ہند'' کے بینر تلے جمع ہوکر ملتِ اسلامیہ کے مسائل پر غور وفکر کرنے کے لئے جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

اِس کے بعد آپ تمام حضرات کا شکریہ کہ آپ سفر کی تمام صعوبتوں کو برداشت کرکے تشریف لائے اور اپنی ملی بیداری کا ثبوت فراہم کیا۔ احقر آپ حضرات کا اِس بات کے لئے بھی شکر گزار ہے کہ تمام تر کمزوریوں کے باوجود اِس عظیم اِجلاس کی صدارت کے لئے میرا انتخاب کرکے مجھ پر بھرپور اعتماد کا اظہار فرمایا۔ اللہ رب العزت مجھے اِس ذمہ داری کا حق اَدا کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

حضرات! جمعیۃ علماء ہند کے اجلاسِ عام کی ہمیشہ بڑی اَہمیت رہی ہے؛ اِس لئے کہ یہ اِجلاس کسی معمول کی تکمیل یا رسم کے طور پر منعقد نہیں کئے جاتے ہیں؛ بلکہ ملکی وملی مسائل اور تقاضوں کے اعتبار سے بوقت ضرورت ان کا انعقاد ہوتا ہے۔ اِسی لئے ایک اجلاس سے

دوسرے اجلاس کا وقفہ یکساں نہیں رہتا، چناں چہ آج جب کہ جمعیۃ علماء ہند کے قیام کو ۹۷ رسال ہوچکے ہیں، مگر یہ اس کا ۳۳واں اجلاس عام ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کے اِجلاسِ عام وقت کے اَہم تقاضوں کے تحت منعقد ہوتے ہیں، جن میں طویل غور وفکر کے بعد مسائل کا حل پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چناں چہ آج کا یہ اجلاس بھی انتہائی نازک اور غور طلب حالات میں منعقد ہورہا ہے، جن کا حل تلاش کرنے میں بڑی باریک بینی، حکمت وتدبر اور ہوش مندی والے اندازِ فکر کی شدید ضرورت ہے، جن کی طرف آئندہ صفحات میں کچھ روشنی ڈالی جائے گی، اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

حضرت خواجہ صاحبؒ کے بارے میں

حضرات گرامی! آج کے اِس عظیم الشان اجلاسِ عام کی ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ یہ اجمیر میں منعقد ہورہا ہے، جو سلطان المشائخ، تاج دارِ اَولیاء، سید السادات حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز نور اللہ مرقدہٗ کا شہر ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ کی عظمت کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مرادف ہے، وہ ملتِ اسلامیہ ہندیہ کے سب سے عالی مقام محسن ہیں، اُن کے بارے میں بجا طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ ہندستان میں سلسلۂ چشتیہ ہی نہیں؛ بلکہ اسلام کے ایک روشن نقیب ہیں؛ اُن سے پہلے بے شک اسلام ہندستان میں آچکا تھا؛ لیکن اُس کا نور، ظلمت کدۂ ہند کے خال خال علاقوں تک ہی محدود تھا؛ لیکن حضرت خواجہ صاحبؒ کے فیض سے یہ پورا خطہ ہی بقعہ نور بن گیا۔ خود حضرت خواجہؒ کے دستِ مبارک پر بلا واسطہ ایمان لانے والوں کی تعداد لاکھوں میں ہے، پھر اُن کے خلفاء اور فیض یافتگان نے باقاعدہ پورے ملک میں پھیل کر نورِ اسلام کو عام کیا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ ہی کے ذریعہ تصوف کے مشہور ومعروف خانوادہ، سلسلۂ چشتیہ کا فیضان پھیلا اور اُس کی جڑیں پورے خطے میں مضبوط ہوکر آج تک برگ وبار دے رہی ہیں، اور خدام دین کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جو حضرت خواجہ صاحبؒ کے فیض سے مستفیض نہ ہو۔

نائبِ رسول اللہ فی الہند خواجۂ خواجگان، سلطان الہند حضرت خواجہ سید معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ چھٹی صدی ہجری کے اواخر یعنی ۵۸۶ھ میں اور سن عیسوی کے حساب سے بارہویں صدی کے اواخر یعنی ۱۱۹۰ء میں اجمیر تشریف لائے ہیں، اس وقت پورے ہندوستان میں انسانیت سسک رہی تھی، ذات پات کے نظام کے سخت غلبہ کی وجہ سے ہندوانی سماجی نظام میں صرف تین طبقے فائدے اُٹھاتے تھے، اور سلطنت کے پورے وسائل وذرائع صرف تین طبقات کے لئے مخصوص ہوتے تھے، اُن کے ماسوا ہر انسان کی حالت اِس نظام میں قابلِ رحم تھی۔

اُس زمانے میں عورت کے ساتھ وہ سلوک کیا جاتا تھا جسے آج کی اصطلاح میں دوسرے درجہ کے شہری کا سلوک کہہ سکتے ہیں، عورت کی جب تک شادی نہیں ہوتی تھی اور وہ بیٹی رہتی تھی تو گھر میں اُس کی عزت بیٹے سے کم ہوتی تھی، اسے بیٹے کے مقابلے میں دوسرے درجہ کا گھر کا ممبر سمجھا جاتا تھا، اور جب اُس کی شادی ہوتی تھی تو اُس وقت اُسے کنیادان کی ایک رقم دے کر والدین کے مال میں حق وراثت سے محروم کردیا جاتا تھا؛ تاکہ دولت اور جائیداد کسی دوسرے خاندان میں تقسیم ہوکر نہ پہنچ سکے۔ جب وہ کسی کی بیوی بن جاتی تھی تو شوہر کسی بھی برے کردار کا انسان ہو، اور خواہ بیوی کے ساتھ وہ کیسا ہی برا سلوک کرے؛ لیکن وہ اُس کی قید سے نجات حاصل نہیں کرسکتی تھی؛ بلکہ شوہر کے مرنے کے بعد اُس کا بھی شوہر کی چتا میں جل جانا ضروری تھا، حالاں کہ بیوی کے مرنے کے بعد اُس کی چتا میں شوہر کے جلنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، اور اگر موت سے ڈرنے والی کوئی عورت ایسا نہ کرسکی تو اُسے دوسری شادی کی اجازت نہ تھی۔ (تاریخ ہند ار ۶۹، مصنفہ ای مارسڈل، مترجمہ لالہ جیارام، مطبوعہ میکملن اینڈ کمپنی کلکتہ ۱۹۲۴ء)

الغرض سیاسی عدم استحکام، سماجی نابرابری اور اقتصادی عدم مساوات کا یہ وہ دم گھونٹنے والا ماحول تھا اور اخلاق، انسانیت اور روحانی اصولوں کی پامالی کی یہ وہ انسانیت دشمن فضا تھی جب حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سرزمین پر قدم رکھا اور انسانیت،

اخوت، مساوات اور بھائی چارہ کے اعلیٰ اور برتر اصولوں کے ذریعہ معاشرہ کی کایا پلٹ دی۔
(روزنامہ ''الجمعیۃ'' کا خواجہ غریب نواز نمبر ۱۹۷۰ء)

اجمیر سے جمعیۃ علماء ہند کا رشتہ

حضرت خواجہ صاحبؒ سے اس روحانی رشتہ کے علاوہ جمعیۃ علماء ہند کا اِس بارگاہِ عالی اور بابرکت نگری سے ملی و جماعتی رشتہ بھی قائم رہا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کے نویں اجلاسِ عام (منعقدہ مئی ۱۹۳۰ء امروہہ) کی صدارت اجمیر ہی کے معروف عالم دین حضرت مولانا شاہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے کی تھی۔ اِسی طرح گرامی مرتبت جناب دیوان سید صولت حسین صاحبؒ سابق سجادہ نشیں درگاہ اجمیر شریف سالہا سال تک جمعیۃ علماء ہند کی مجلس عاملہ کے مؤقر ممبر رہے اور آج بھی محترم جناب سید سراج الدین معینی ندوی صاحب زید مجدہم - جو اِسی خانوادہ کے چشم و چراغ ہیں - مجلس عاملہ کے رکن ہیں۔

علاوہ ازیں تقسیم ہند کے ہولناک موقع پر درگاہ حضرت خواجہ صاحبؒ کے تحفظ میں جمعیۃ علماء ہند کے مرکزی قائدین نے بنیادی کردار ادا کیا۔

اور اجمیر کے علاقہ میں شدھی ارتدادی تحریک کے زمانہ میں مسلمانوں کے دین وایمان کی حفاظت کے لئے جمعیۃ کے خدام نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں، آج بھی ارتداد زدہ آبادیوں میں جمعیۃ کے زیرِانتظام دینی مکاتب قائم ہیں۔

عالی مقام حاضرین! اِن تاریخی، ملی اور روحانی رشتوں کے علاوہ یہ اجلاسِ عام اجمیر شریف میں منعقد کرنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ آج ملتِ اسلامیہ کا اتحاد وقت کا اہم تقاضا ہے اور ملت کے تمام مکاتبِ فکر کے ساتھ ساتھ ملک کے تمام طبقات کو بلاتفریق مذہب وملت پیار کا پیغام دینا وقت کی اہم ضرورت ہے، اور اِس پیغام کے لئے جمعیۃ علماء ہند کے ارباب وحل عقد کو پیار ومحبت اور امن وآشتی کا یہ شہر سب سے زیادہ موزوں نظر آیا۔

حقیقی تصوف؛ دینِ اسلام کی روح ہے

حضراتِ گرامی! یہ بات ہر شک اور شبہ سے بالاتر ہے کہ سرور عالم نبی اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اُسوۂ مبارکہ نہ صرف اہلِ اسلام؛ بلکہ تمام انسانیت کی کامیابی کی واحد ضمانت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوْ اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً. (الاحزاب: ۲۱)

تم لوگوں کیلئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور آخرت کے دن سے ڈرتا ہو اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو، اللہ کے رسول میں ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

سیدنا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: ''میرے سب اُمتی جنت میں جائیں گے سوائے اُن لوگوں کے جو منکر ہوں''۔ عرض کیا گیا کہ ''منکر کون ہیں''؟ تو پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا:

مَنْ اَطَاعَنِيْ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِيْ فَقَدْ اَبىٰ. (مشكوة شريف ۲/۲۷)

جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ منکر ہے۔

پس ہر انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی لازم ہے، قرآنِ پاک میں جابجا جہاں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا تاکیدی حکم دیا گیا، وہیں اللہ کے رسول کی اطاعت بھی ضروری قرار دی گئی۔

اور واضح طور پر اُمت کو متنبہ کردیا گیا ہے کہ حکم خدا اور حکم رسول کے سامنے آنے کے بعد کسی شخص کے لئے چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ چناں چہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلاَ مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضٰى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْراً اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ، وَمَنْ

اور کسی ایمان دار مرد اور کسی ایمان دار عورت کو اس بات کی گنجائش نہیں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں، پھر ان

يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا. (الاحزاب: ٣٦) مؤمنین کو ان کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے، اور جو شخص اللہ کا اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا وہ صریح گمراہی میں پڑا ہوا ہے۔

مذکورہ نصوص سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت کی نظر میں اتباع سنت کی کس قدر اہمیت ہے، اور اس سلسلہ میں کوتاہی کتنی بڑی خسارہ کی بات ہے؟

پیغمبر علیہ السلام کا ایک اثر انگیز خطاب

حضراتِ گرامی! صحابی رسول سیدنا حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن نماز کے بعد پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے سامنے ایسا مؤثر وعظ فرمایا جس سے دل کانپ گئے اور آنکھیں نم ہوگئیں، تو ایک صاحب نے پیغمبر ﷺ سے عرض کیا: ''یارسول اللہ! یہ تو گویا کہ الوداعی وعظ معلوم ہوتا ہے؛ اس لئے ہمیں کوئی وصیت فرمادیجئے''! تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں تم کو اللہ سے ڈرنے اور حکام کی فرمانبرداری کی وصیت کرتا ہوں، اگر چہ وہ (حاکم) حبشی غلام کیوں نہ ہو؟ اور تم میں سے جو آئندہ زندہ رہے گا وہ بہت اختلافات دیکھے گا؛ لہٰذا تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقہ پر قائم رہنا، اُن پر ثابت قدم رہنا اور دانت گاڑ لینا، اور نت نئی باتوں سے بچتے رہنا؛ کیوں کہ دین میں ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے''۔ (رواہ احمد وابوداؤد، مشکوٰۃ المصابیح ۲۹-۳۰)

اِس پراثر خطابِ نبوی سے یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہوگئی کہ من مانی کا نام دین نہیں؛ بلکہ سو فیصد اتباعِ شریعت وسنت کا نام دین ہے؛ لہٰذا جب ماحول میں بگاڑ پیدا ہو، خواہشات نفس کا دور دورہ ہو، ہر شخص خودرائی میں مبتلا ہو، اور ہر آدمی اپنی بات کو صحیح قرار دینے پر تُلا ہوا ہو، تو ایسے وقت میں راہِ حق تک رسائی کا صرف اور صرف ایک ہی راستہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ اُمت پیغمبر علیہ السلام کی اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کی طرف لوٹ جائے، اور جو باتیں سنت وشریعت کے خلاف ہوں اُن سے دور ہوجائے، اِس کے بغیر رجوع الی الحق کا منشا

ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ علماء حق اہل سنت والجماعت کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ اُنہوں نے ہر معاملہ میں سنتِ نبوی کو ''مشعلِ راہ'' بنایا، اور ہر قسم کی بدعات سے بے زاری کا اظہار کیا، اور اپنی حد تک بدعات ورسومات اور جہالتوں کو مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی، اور اس معاملہ میں خاص طور پر برصغیر میں دارالعلوم دیوبند اور اُس کے مشرب ومنہج سے وابستہ اکابر علماء کرام کا کردار سنہرے حروف سے لکھے جانے کے قابل ہے، جنہوں نے سنتوں کی روشنی برصغیر کے چپہ چپہ تک پہنچا کر ماحول کو روشن اور منور کردیا، فالحمد للہ علیٰ ذلک۔

حقیقی تصوف

حضراتِ گرامی! یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں رہنی چاہئے کہ حقیقی تصوف اور صوفیاء عظام اسلام سے الگ ہرگز نہیں ہیں؛ بلکہ واقعی تصوف اصل میں اتباعِ سنت ہی کا نام ہے، جس سے اِنسان میں ''صفتِ احسانی'' پیدا ہوتی ہے اور رذائل کا خاتمہ ہوتا ہے، جس میں دور دور تک ناجائز رسومات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اَولیاء اللہ کے تمام معتبر سلسلوں میں شرک وخرافات پر شدت سے نکیر کی گئی ہے، اور توحید خالص پر زور دیا گیا ہے۔ پیرانِ پیر سیدنا شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ وخطبات میں جابجا گمراہیوں پر تردید کے مضامین موجود ہیں۔ اِسی طرح خواجہ غریب نواز حضرت شاہ معین الدین چشتی اجمیریؒ اور اُن کے اجل خلفاء: حضرت خواجہ قطب الدین کاکیؒ، سلطان الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدین چشتیؒ، حضرت بابا فرید الدین گنج شکریؒ اور حضرت خواجہ صابر کلیریؒ وغیرہم کے ملفوظات میں شریعت وسنت پر ثبات قدمی کی تلقین کی گئی ہے اور کفر وشرک کے مظاہر سے دور رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اور ان مقدس نفوس نے پوری زندگی اسلام کی اِشاعت، مسلمانوں کی اصلاح اور ملت کی شیرازہ بندی میں صرف کی۔ اِس بارے میں اُن کی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔

قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''تصوف دین کے کام چھڑانے کے لئے نہیں ؛ بلکہ اس سے تو دین کے کاموں میں قوت آتی ہے اور جان پڑتی ہے، لیکن کیا عرض کیا جائے اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کے کاموں کے قابل بنایا ہے، وہ اب ادھر توجہ ہی نہیں کرتے، حالاں کہ اگر تھوڑی سی توجہ وہ ادھر دے دیں تو دیکھیں کہ اُن کے کاموں میں کتنی قوت آتی ہے۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے، باوا صاحبؒ نے اور بعد میں حضرت مجدد صاحبؒ حضرت شاہ صاحبؒ اور حضرت سید صاحبؒ نے ہمارے اس ملک میں دین کی جو خدمتیں انجام دیں اور جو کچھ کر دکھایا اس کا سوواں اور ہزارواں حصہ بھی ہماری بڑی بڑی انجمنیں اور جماعتیں نہیں کر سکی ہیں، اس میں ان کے اخلاص اور قلب کی اس طاقت کو خاص دخل تھا جو تصوف کے راستہ سے پیدا کی گئی تھی''۔ (بیس بڑے مسلمان ۹۹۶ بروایت مولانا محمد منظور نعمانیؒ)

اِس حقیقت کے شاہد عدل وہ ہمارے اکابر علماء ہیں جنہوں نے اپنی بے مثال علمی قابلیت اور اعلیٰ درجہ کی ذہانت کے باوجود کسی شیخ کامل کے دست حق پرست پر بیعت کو ضروری خیال کیا اور واضح طور پر اس تعلق کے اثرات محسوس کئے۔ چناں چہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور امام ربانی فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نور اللہ مرقدہما جو اپنے زمانہ کے نابغۂ روزگار علماء میں تھے، اور جن کی فہم وفراست کا چرچا زبان زد خواص وعوام تھا، انہوں نے اپنی اصلاح کے لئے سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف رجوع کیا، جو سلسلۂ چشتیہ کے مشہور بزرگ تھے۔ حالاں کہ حضرت حاجی صاحبؒ اصطلاحی عالم بھی نہ تھے، اور کسی موقع پر جب حضرت نانوتویؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے اتنے بڑے عالم ہونے کے باوجود ایک غیر عالم سے بیعت کیوں کی؟ تو آپ کا جواب تھا کہ: ''اللہ کی ذات پاک نے آپ (حاجی صاحبؒ) کو عالم گر بنایا ہے''۔ (امداد المشتاق ۱۰، بیس بڑے مسلمان ۹۷)

سلسلۂ چشتیہ سے اکابر جمعیۃ علماء ہند کا تعلق

خلاصہ یہ کہ جمعیۃ علماء ہند کے بانیان، اکابرین اور قائدین کی اکثریت سلسلۂ عالیہ

چشتیہ سے وابستہ رہی ہے؛ بالخصوص شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہٗ اور اُن کے مشائخ عظام، سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سلسلۂ چشتیہ کے اُن بلند مرتبہ بزرگوں میں سے ہیں، جن سے ایک عالم کو ہدایت ملی اور بے شمار لوگ وصول الی اللہ کے دولت سے مالا مال ہوئے۔ جہاں تک حضرت شیخ الاسلام قدس سرہٗ کی بات ہے، تو اُن کے نام اور کام سے ایک زمانہ واقف ہے اور ابھی تک دنیا کے مختلف ملکوں میں اُن کے فیض یافتہ مشائخ اور خلفاء کرام موجود ہیں۔ بعد میں اُن کے خلف الصدق اور جانشین، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی نور اللہ مرقدہٗ بھی سلسلۂ چشتیہ کے ایک بلند پایہ شیخ کی حیثیت سے مشہور عالم ہوئے اور اُن کا فیض بھی بحمدہ تعالیٰ ملکوں ملکوں پھیلا ہوا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد اور اُس کی فکر کا خلاصہ

محترم سامعین! جہاں تک خود جمعیۃ علماء ہند کی بات ہے، تو یہ مسلمانانِ ہند کی وہ سب سے قدیم، معتمد اور نمائندہ جماعت ہے، جس کی تاریخ کا خلاصہ، وطن دوستی، قومی یکجہتی اور امن وآشتی کا پیغام ہے۔ جمعیۃ علماء ہند جس دور میں قائم ہوئی ہے، وہ انگریزوں کی غلامی کا دور تھا۔ اس وقت جمعیۃ علماء ہند نے ہندستان کی آزادی کو اپنا نصب العین بنایا اور اس کے لئے قائدانہ جدوجہد کے ساتھ ساتھ ہندستان میں بسنے والے تمام لوگوں کے درمیان ہم آہنگی اور پر امن بقائے باہم کے فروغ کے لئے ہر سطح پر ہر کوششیں کیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اِن دونوں میدانوں میں جمعیۃ علماء ہند کے تاریخی کردار کی ہمسری کوئی دوسری جماعت نہیں کرسکتی۔ ایک طرف تو سرفروشوں کی اس جماعت نے ملکی آزادی کے لئے قربانیوں کی وہ تاریخ رقم کی، جس کی مثال ہندستان ہی نہیں؛ دوسرے ملکوں کی تاریخ میں بھی خال خال ہی ملے گی۔ دوسری طرف اِس ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی اتحاد قائم رکھنے کے لئے، اس کے قائدین نے اپنی عزت کو بھی خطرے میں ڈالنے سے گریز نہیں کیا اور اس کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی۔ جمعیۃ علماء ہند

کا یہ کردار اس قدر تابناک ہے کہ تاریخ کا معمولی طالب علم بھی اس سے واقف ہے اور ہر منصف مزاج شخص اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کا یہ تعمیری کردار آزادی کے بعد بھی پوری قوت کے ساتھ برقرار ہے۔ آزاد ہندستان میں جمعیۃ علماء ہند اس ملک کی فرقہ وارانہ یکجہتی اور سالمیت واتحاد کے لئے اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ سرگرم عمل ہے اور جب بھی اس نے یہ محسوس کیا ہے کہ ملکی قیادت یا سیاسی قوتیں یا اُن کا کوئی طرز عمل ہندستان کی سیکولر اور روادار طبیعت ومزاج کو نقصان پہنچا رہا ہے، تو جمعیۃ علماء ہند اپنی ذمہ داری سمجھ کر میدان میں اتر آئی ہے اور ملک کے حالات کو صحیح رخ دینے میں اپنا کردار ادا کرتی رہی ہے۔

دینی تشخص کی حفاظت

حضراتِ گرامی! مسلمان جہاں اور جس حال میں بھی رہیں ان کے لئے سب سے زیادہ قیمتی چیز ان کا مذہب اور دینی تشخص ہوتا ہے۔ دین سے ہٹ کر ان کی کوئی بھی ترقی واقعۃً ترقی نہیں بلکہ تنزل قرار پاتی ہے۔ مسلمانوں کا وقار مال ودولت سطوت وثروت اور سلطنت و بادشاہت پر موقوف نہیں بلکہ ان کی عظمت کا راز اپنے دین سے وابستہ رہنے میں ہے اگر دین ہے تو ان میں زندگی ہے۔ اور جب دین ہی نہ رہے، اور دینی تشخص اور شریعت سے تعلق ہی باقی نہ ہو تو ان میں ظاہری زندگی کے باوجود معنوی حیات کے آثار معدوم ہوجاتے ہیں۔ بلاشبہ شریعتِ اسلامیہ ہی مسلمانوں کا وقار ہے اور اسلامی تشخص ہی مسلم قوم کا سرمایۂ حیات ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام دشمن طاقتیں ابتدا ہی سے اس کوشش میں لگی رہی ہیں کہ مسلمانوں کا رابطہ ان کے دین سے کاٹ دیا جائے، ان کا رشتہ اسلامی شریعت سے منقطع کردیا جائے یا ان کے دین میں اتنی ملاوٹ کردی جائے جس کی وجہ سے اصل دین کی روح نکل جائے۔ اس مقصد کے لئے کبھی فرض اور جعلی نبیوں کا سہارا لیا گیا تو کبھی عقائد فاسدہ رائج کرکے مسلمانوں کی صفوں میں دراڑ ڈالی گئی۔ پھر منصوبہ بند طریقہ پر اسلاف کرام خاص کر صحابہ کرامؓ پر طعن وتشنیع کا

دہانہ کھولا گیا تا کہ دین کی عمارت ہی منہدم کردی جائے اور امت کا سارا سرمایہ شریعت میں ناقابل اعتبار ہوجائے۔ اس کے علاوہ کہیں موقع ہوا تو مسلمانوں کو لالچ دلاکر انھیں دین سے برگشتہ کرنے کی سازشیں رچی گئیں۔ یا انھیں دنیوی عیش وعشرت کا عادی بنا کر ان کا جذبۂ حمیت مردہ کردیا گیا۔

ہندوستان میں انگریزی دور اقتدار کے بنیادی مقاصد میں یہ شق بھی شامل تھی کہ مسلمانوں کو ان کے علماء سے اور ان کے دین سے الگ تھلگ کر کے ایسے ماڈرن مسلمانوں کو وجود میں لایا جائے جو نام کے مسلمان اور کام کے انگریز ہوں تا کہ حکومت کو آئندہ کسی خطرہ کا اندیشہ نہ رہے۔ اس لئے کہ انگریز سمجھتا تھا کہ جو چیز مسلمانوں کو انگریز کے خلاف کھڑے ہونے پر مجبور کرسکتی ہے وہ صرف اور صرف ان کی دینی حمیت ہے جسے ختم کرنا ضروری ہے۔ اسی مقصد سے عیسائیوں کے تبلیغی مشن ہندوستان کے طول وعرض میں بھیجے گئے اور اسلامی احکامات پر اعتراضات کر کے عوام کو بہکانے اور مذہب کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے کی منظّم اور مربوط کوششیں کی گئیں۔ دوسری طرف عدالتوں میں رائج اسلامی قوانین رفتہ رفتہ منسوخ کئے جانے لگے۔ مسلم قضاۃ کا تقرر بند کردیا گیا۔ مسلمانوں کے نجی عائلی قوانین میں بے جا ترمیم و تنسیخ کر کے ان میں عدم تحفظ کا احساس پیدا کیا گیا۔ ان کارروائیوں میں انگریز نے جنھیں آلۂ کار بنایا وہ وہی ملحد اور دہریہ قسم کے ''برائے نام مسلمان'' تھے، جن کی ذہنی تربیت خالص انگریزی ماحول میں ہوئی تھی اور جن کا ذہن الحاد و دہریت کی غلاظتوں سے پُر تھا۔ مگر اللہ کا فضل رہا کہ ہزار کوششوں، سازشوں اور نام نہاد ترقی پسندوں کی تنقیدوں کے باوجود اس ملک میں مسلمان اپنے تشخص کے ساتھ باقی رہے۔ اور اس راہ میں مخلص علماء امت کی بے لوث کوششیں بارآور ہوئیں۔ مدارس ومکاتب کا جال پھیلا۔ اسلامی تنظیموں اور اداروں کا قیام ہوا۔ تبلیغی تحریکات شروع ہوئیں اور اسلام کا وہ تناور درخت جسے آگ لگانے کے لئے ہر ممکن حربہ استعمال کیا گیا تھا وہ مزید سرسبزی وشادابی کے ساتھ پھولتا پھلتا رہا۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔**

پھر جب ہندوستان آزاد ہوا تو جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ اکابر کی کوششوں سے دستور ہند میں مذہبی آزادی کے سلسلے میں یہ قانون منظور کیا گیا۔

''تمام اشخاص کو آزادئ ضمیر اور آزادی سے مذہب قبول کرنے، اس کی پیروی اور اس کی تبلیغ کرنے کا حق حاصل ہے''۔ (بھارت کا آئین دفعہ ۲۵-۲۶)

اس دستور کی رو سے آج بھی قانوناً مسلمانوں کو ہندوستان میں اپنے مذہبی اُمور بجالانے کا مساوی حق حاصل ہے۔ مگر یہ بات ملک دشمن فرقہ پرست طاقتوں اور دین بیزار نام نہاد مسلم دانشوروں کے لئے شروع ہی سے سوہان روح بنی ہوئی ہے۔ چنانچہ آزادی کے بعد سے مسلسل یہ نعرہ لگایا جاتا رہا ہے کہ ملک میں یکساں شہری قانون نافذ کردیا جائے اور بار بار حکومت کی طرف سے اس قسم کی آوازیں اٹھتی رہی ہیں، اور اَب مرکزی حکومت کی جانب سے بڑی شدت کے ساتھ طلاقِ ثلاثہ کے بہانے اِس جانب پیش قدمی کی گئی ہے۔ چناں چہ لاء کمیشن کے ذریعہ ایک طویل پر پیچ سوال نامہ شائع کر کے یکساں سول کوڈ وغیرہ کے بارے میں عوام سے رائے طلب کی گئی ہے۔ اور سوال نامہ میں خصوصاً طلاقِ ثلاثہ سے متعلق سوالات کئے گئے ہیں (جب کہ یہ معاملہ عدالت میں زیر سماعت ہے) لاء کمیشن کو یکساں سول کوڈ کا مکمل خاکہ تیار کر کے پیش کرنا چاہئے تھا؛ تاکہ ملک کے مختلف مذاہب کے پیروکار اِس پر غور کر کے رائے دیتے کہ اِس سے مذہبی آزادی متأثر ہوتی ہے یا نہیں؟ جس سے واضح انداز میں جواب مل جاتا کہ یکساں سول کوڈ ملک کے اتحاد کے لئے مضر ہے یا نہیں؟ مگر اس کے بجائے ۱۶؍سوالات پر مشتمل سوال نامہ پر جواب مانگ کر لاء کمیشن نے عوام کو ورغلانے کی کوشش کی ہے؛ تاکہ اُن کے اُلٹے سیدھے جوابات کی روشنی میں اپنی منشاء کے موافق رپورٹ تیار کر کے حکومت کے سامنے پیش کردی جائے کہ عوام یکساں سول کوڈ کا نفاذ چاہتے ہیں، انہی مغالطّوں سے تمام مسلمانوں کو بچانے کے لئے آل اِنڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی سربراہی میں تمام مسلم تنظیموں نے اس سوال نامہ کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا اور یکساں سول کوڈ کی مخالفت اور اسلامی قانون پر مکمل

اعتماد ویقین کے اظہار کے لئے پورے ملک میں دستخطی مہم چلائی جارہی ہے، اس میں بحمدہ تعالیٰ تمام مکاتب فکر بھرپور حصہ لے رہے ہیں۔

ظاہر ہے کہ مسلم قوم کی دینی حمیت اپنے مخصوص اور خالص مذہبی عائلی قوانین میں کسی بھی قسم کی مداخلت کو برداشت نہیں کرسکتی۔ اسی بنا پر ماضی میں جب بھی یہ بحث اٹھائی گئی اسے مسلمانوں کے پرزور احتجاج کا سامنا کرنا پڑا۔

تحفظِ شریعت کے بارے میں جمعیۃ کا کردار

حضراتِ گرامی! جمعیۃ علماء ہند شروع ہی سے مسلمانوں کے مذہبی قوانین کے تحفظ کے لئے اپنا کردار اَدا کرتی رہی ہے، اُس نے آزادی سے قبل بھی اور آزادی کے بعد بھی کبھی اِس معاملہ میں مداہنت کا راستہ نہیں اپنایا۔

چناں چہ جمعیۃ کی تاریخ میں ایسے بہت سے روشن اَبواب ہیں جن میں اُس کی سنہری جدوجہد کا نقش دیکھا جاسکتا ہے۔ مثلاً:

- ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ کی مخالفت۔
- ۱۹۳۰ء میں لندن کی گول میز کانفرنس میں مذہبی قوانین کے تحفظ کی تجاویز۔
- قانون فسخ نکاح ایکٹ ۸/ ۱۹۲۰ء کی منظوری۔
- ۱۹۳۱ء میں شاردا ایکٹ کی مخالفت جو پرسنل لاء کے خلاف تھا۔
- شریعت ایکٹ ترمیمی بل ۱۹۴۲ء کی پیشکش۔
- متبنی بل ۱۹۷۲ء۔
- تعددِ ازدواج بل ۱۹۷۹ء کی پُرزور مخالفت۔
- علماء کانفرنس ۱۹۸۶ء کا انعقاد۔
- نکاح رجسٹریشن بل ۱۹۹۰ء پر احتجاج۔
- امارتِ شرعیہ ہند کا ۱۹۸۶ء میں قیام۔

○ اور حضرت فدائے ملت مولانا سید اسعد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہٗ سابق صدر جمعیۃ علماء ہند کے ذریعہ پارلیمنٹ میں پرائیویٹ مسلم قاضی بل ترمیمی بل ۱۹۷۹ء پیش کرنا۔

○ تحفظِ شریعت کانفرنس ۱۹۹۳ء

آج بھی موجودہ حکومت کی ناروا حرکت کے خلاف خدامِ جمعیۃ میدان میں ہیں، اور جمعیۃ علماء ہند ایک فریق کے طور پر عدالتِ عالیہ میں بھی اِس معاملہ میں مضبوط دفاع کے لئے مستعد ہے، جس کی تیاریاں جاری ہیں۔

دہشت گردی قطعاً حرام ہے

حضراتِ گرامی قدر! آج کل مختلف ملکوں میں بم دھماکوں اور خودکش حملوں کا جو سلسلہ چل پڑا ہے، جن میں بے قصور لوگ بڑی تعداد میں مارے جاتے ہیں، اسلام میں اِس کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اگر کوئی فرد یا تنظیم اسلام کا نام لے کر ایسی ناپاک حرکت کرتی ہے، تو اسلام کی مقدس پیشانی پر بدنما داغ لگانے کا کام انجام دیتی ہے۔ اسلام تو وہ اِنسانیت نواز مذہب ہے جس نے عین حالتِ جنگ میں بھی اِنسانی اَقدار کی رعایت رکھنے اور بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور نہتوں کے قتل ناحق سے تاکیداً منع کیا ہے، وہ کسی بھی طرح کی دہشت گردی اور اِنسانی خون کی پامالی کو کیسے برداشت کرسکتا ہے؟

سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ: ’’ایک غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی، تو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا‘‘۔ (مسلم شریف ۲؍۸۴)

مشہور شارح حدیث حضرت علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ پوری اُمت کا اس پر اِجماع ہے کہ اگر دشمن کی عورتیں اور بچے مقابلہ پر نہ آئیں، تو اُنہیں خواہ مخواہ قتل کرنا حرام ہے۔ (البتہ اگر وہ مقابلہ پر آئیں تو حکم الگ ہے) (نووی علی مسلم ۲؍۸۴)

اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

لشکر روانہ کرتے وقت یہ ہدایت فرماتے تھے کہ: ''جو راہب اپنی کٹیوں (اور آشرموں) میں عبادت میں مشغول ہوں، اُن کو قتل مت کرنا''۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۴۸۸)

اور ایک روایت میں ہے کہ خلیفۂ اول امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک جہادی لشکر کو روانہ کرتے وقت اس کے کمانڈر کو دس ہدایتیں ارشاد فرمائیں:

(۱) لَا تَقْتُلَنَّ صَبِيًّا. (کسی بچہ کو قتل مت کرنا)

(۲) وَلَا امْرَأَةً. (کسی عورت پر ہاتھ مت اٹھانا)

(۳) وَلَا كَبِيْرًا هَرِمًا. (کسی ضعیف بوڑھے کو مت مارنا)

(٤) وَلَا تَقْطَعَنَّ شَجَرًا مُثْمِرًا. (کوئی پھل دار درخت مت کاٹنا)

(٥) وَلَا تُخَرِّبَنَّ عَامِرًا. (آباد عمارتوں کو مت ڈھانا)

(٦) وَلَا تَعْقِرَنَّ شَاةً وَلَا بَعِيْرًا إِلَّا الْمَأْكِلَةِ. (کسی بکری اور اونٹنی وغیرہ کو خواہ مخواہ ذبح مت کرنا، ہاں اگر کھانے کی ضرورت ہو تو حرج نہیں)

(٧) وَلَا تَغْرِقَنَّ نَخْلاً. (کسی باغیچہ میں پانی چھوڑ کر اسے تباہ مت کرنا)

(٨) وَلَا تُحَرِّقَنَّهُ. (کسی باغ کو نہ جلانا)

(٩) وَلَا تَغْلُلْ. (غنیمت کے مال میں خیانت مت کرنا)

(١٠) وَلَا تَجْبُنْ. (بزدلی مت کرنا) (مصنف ابن ابی شیبہ ۶/۴۸۷)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا کہ اسلام کسی بھی مرحلہ میں بے قصوروں کے ساتھ زیادتی کو پسند نہیں کرتا۔ اور اس بارے میں اسلامی تعلیمات فطری طور پر انسانیت کی بقا اور تحفظ کی ضمانت ہیں۔

آج کل ذرائع ابلاغ میں مسلم یا غیر مسلم ممالک میں دہشت گردی کے جو ہولناک واقعات شائع ہوتے ہیں، تو یہ یقین کرنا ہی مشکل ہوتا ہے کہ کوئی ادنیٰ مسلمان بھی ایسی ناشائستہ حرکت آخر کیسے کر سکتا ہے؟ اور بجا طور پر یہ امکان اُبھر کر سامنے آتا ہے کہ اس کے پیچھے دشمنانِ اسلام کی سازشیں ہیں؛ تاکہ اِن واقعات کے حوالہ سے اسلام جیسے مقدس مذہب پر کیچڑ

اچھالنے کا موقع ہاتھ آئے۔

تاہم ہمیں یہ کہنے میں کوئی تأمل نہیں کہ اگر واقعۃً اور بالفرض کوئی مسلمان ایسی حرکت کرتا ہے تو وہ اسلام کا خیر خواہ ہرگز نہیں قرار دیا جاسکتا؛ بلکہ یا تو وہ نادان دوست ہے جو جذبات کی رَو میں بہہ کر عقل وخرد کا دامن چھوڑ دیتا ہے یا پھر وہ کسی نادیدہ انسانیت دشمن طاقت کا آلۂ کار بن کر کام کر رہا ہے، جو اِن نادانوں کو استعمال کر کے اِسلام کو بدنام کرنا پوری دنیا کو فتنہ وفساد کی آماج گاہ بنادینا چاہتی ہے۔

قومی یکجہتی کا فروغ اور فرقہ پرستی کی روک تھام

محترم حضرات! یہ بات سمجھانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ہندستان جیسے کثیر مذہبی اور متنوع طبقات والے ملک کے لئے قومی یکجہتی، ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے اور یہ فرقہ پرستی اس کی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس سلسلہ میں جمعیۃ علماء ہند تین سطح پر اپنی بات رکھنا چاہتی ہے:

(۱) پہلی گذارش تو حکومت سے ہے اور اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی، قومی یکجہتی اور امن واستحکام کو برقرار رکھنا اور آئین کی پاس داری کرتے ہوئے تمام شہریوں کے حقوق کی حفاظت کرنا، حکومت کی ذمہ داری ہے اور اس کے استحکام کی بنیادی شرط بھی۔ اِس لئے حکومت کو چاہئے کہ وہ ملک میں فرقہ پرستی پھیلانے اور مختلف نفرت انگیز عنوانات کے آڑ میں اقلیتوں، دلتوں یا کمزور طبقات کی زندگی اجیرن بنانے والے تمام افراد اور تنظیموں پر پہلی فرصت میں مکمل پابندی لگائے اور اُن کی سرگرمیوں پر گہری نظر رکھے اور اس فکر کو تعلیمی نصاب میں شامل ہونے سے روکنے کے لئے ضروری اقدامات کرے۔

(۲) دوسری گذارش تمام سیاسی وفکری قائدین، سوسل سوسائٹیز اور پرنٹ والیکٹرانک میڈیا سے ہے کہ وہ اپنے سیاسی، ذاتی یا کاروباری مفادات سے اوپر اٹھ کر ہر خوف وخطر سے بے پرواہو کر نفرت کے سوداگروں کا بائیکاٹ کریں اور تفریق پیدا کرنے والی فکر کے خلاف بغیر کسی

تحفظ کے عملی جدوجہد کریں اور فرقہ وارانہ سوچ کو ناکام بنانے میں اپنا کردار ادا کریں۔

(۳) تیسری گزارش ملتِ اسلامیہ کے تمام افراد، اِداروں اور تنظیموں سے ہے کہ موجودہ حالات میں ہر قسم کی مایوسی اور جذباتیت سے اپنے آپ کو بچا کر اسلامی تعلیمات پر پوری طرح کاربند ہوں، اور اسلامی روایات کے مطابق تمام مذاہب کو ماننے والوں کے ساتھ حسنِ اخلاق اور رواداری کو کام میں لاکر ان سے اچھے روابط قائم رکھیں۔ دلتوں اور کمزور طبقات میں اپنائیت کا احساس پیدا کریں۔ بیماریوں کے علاج اور سماجی برائیوں کے اصلاح کے لئے مشترکہ کوششیں عمل میں لائیں اور برادرانِ وطن کو اسلام کی تعلیمات اور اپنے اعلیٰ اسلامی کردار سے واقف کرانے کے لئے ضروری اقدامات کریں۔

ریزرویشن کا مسئلہ

حضراتِ گرامی! ریزرویشن کا مسئلہ جمعیۃ علماء ہند عرصہ سے اٹھاتی چلی آرہی ہے۔ اِس بارے میں جمعیۃ علماء ہند کی فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح آئین نے ہندو مذہب سے تعلق رکھنے والے پسماندہ طبقات کے لئے ریزرویشن کا التزام کیا ہے اور بعد میں سکھوں کے مطالبہ پر اُن کو اس میں شامل کرلیا گیا ہے۔ اِسی طرح مسلمانوں کے معاشی طور پر پسماندہ طبقات کو بھی اس کے دائرے میں لایا جائے۔ عام طور پر ریزرویشن کے دائرے میں مسلمانوں کو لانے کے خلاف یہ دلیل دی جاتی ہے کہ مذہب کی بنیاد پر ریزرویشن دینا؛ یہ آئین کی خلاف ورزی ہے؛ لیکن درحقیقت یہ مسئلہ کی غلط تعبیر کرکے اس کو غلط قرار دینے کی ایک کوشش ہے۔

ہمارا مطالبہ تو یہ ہے کہ ریزرویشن کسی کو بھی اس کے مذہب کی بنیاد پر نہ دیا جائے؛ بلکہ پسماندگی کی مار جھیل رہے تمام ہندستانی شہریوں کو بلا تفریق مذہب ریزرویشن کی سہولت دی جائے، خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا کسی اور مذہب کے پیروکار۔ موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمانوں کو اُن کے مذہب کی بنیاد پر اس سے محروم رکھا گیا ہے، یہ حقیقت آئین کی روح کے منافی عمل ہے۔ جمعیۃ علماء ہند اس تفریق وامتیاز کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتی ہے۔

انسدادِ فسادات

حضرات! فرقہ وارانہ فسادات ملک کی پیشانی پر ایک بدنما داغ ہیں، جن سے ملکی ترقی کی رفتار متأثر ہوتی ہے اور عالمی سطح پر ملک کی شبیہ خراب ہوتی ہے۔ جمعیۃ علماء ہند مدتوں سے مطالبہ کرتی آئی ہے کہ فرقہ وارانہ فسادات کی روک تھام کے لئے قانون بنایا جائے اور کسی بھی علاقے میں فساد ہونے پر وہاں کی ضلعی انتظامیہ اور پولیس حکام کو اس کا ذمہ دار قرار دیا جائے اور فساد کے مجرموں کو سزا اور متأثرین کو انصاف دلانے کا مؤثر نظام بنایا جائے، نیز انسدادِ فسادات بل کو قانون کی شکل دی جائے۔ اِسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ملک میں فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے والوں پر لگام لگائی جائے اور کسی کو بھی ماحول خراب کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔

دہشت گردی کا انسداد اور بے قصور افراد کی رہائی

دہشت گردی بلاشبہ ایک غیر انسانی فعل ہے، جس کی مہذب معاشرے میں کوئی گنجائش نہیں۔ اور حقیقت ہے کہ جس طرح کسی دہشت گرد کو معاف کرنا قطعاً غلط؛ بلکہ انسانیت پر ظلم ہے، اِسی طرح دہشت گردی کے جھوٹے الزام میں بے قصور افراد کی زندگی تباہ کردینا بھی بدترین ظلم ہے، اور بدقسمتی سے ہمارے ملک میں یہ بھی ہورہا ہے۔ جمعیۃ علماء ہند کا نظریہ واضح طور پر یہ ہے کہ ہر سطح پر دہشت گردی کی مخالفت کی جائے اور ساتھ ہی بے قصور افراد کو فوری انصاف دلایا جائے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کے لئے ایک مؤثر منصفانہ نظام عمل تیار کرے۔

اسلامی محاسن کو پیش کرنے کی ضرورت اور پیامِ انسانیت

یہی سے ہمیں ایک اور ذمہ داری کی طرف متوجہ ہونا چاہئے اور وہ یہ کہ اللہ کے آخری پسندیدہ مذہب اسلام کو روزِ اول سے جس مخالفت کا سامنا رہا ہے، عصر حاضر میں اس کا سلسلہ زیادہ قوت اور زیادہ وسائل کے ساتھ جاری ہے۔ اسلام کی فطری خوبیوں سے عام انسان متأثر ہوئے ہیں، جس سے شیطانی طاقتیں گھبرا کر مزید تیزی سے اپنے حملے شروع کردیتی ہیں، اُن کی

پوری کوشش یہ ہوتی ہے کہ کوئی نیا آدمی اسلام کے محاسن سے واقف نہ ہوسکے۔ ایسے میں ہم مسلمانوں کا فرض منصبی بنتا ہے کہ ہم اسلام کی ایسی دلنشیں تشریح پیش کریں کہ جس سے مخالفانہ پروپیگنڈے کا بھرپور توڑ ہوجائے اور دنیا کے سامنے اسلام کی صحیح شکل وصورت واضح ہوجائے؛ تاکہ انسانوں کے گھڑے ہوئے نظاموں کے جبر سے سسکتی انسانیت اپنی صحیح منزل پر پہنچ سکے، اس کے لئے مؤثر دعوتی حکمتِ عملی تیار کی جانی چاہئے۔

ملی وقومی معاملات میں باہمی اتحاد کا مسئلہ

اوپر جن باتوں کا تذکرہ ہوا ہے؛ بالخصوص مسلم پرسنل لاء کا تحفظ، بےقصور افراد کی رہائی، انسدادِ فسادات اور ریزرویشن کا مسئلہ؛ اِن سب کے لئے نہایت ضروری ہے کہ مسلمان متحد ہوکر لائحہ عمل تیار کریں اور ان مشترکہ مسائل میں اپنے اندرونی مسلکی اختلافات کو آڑ نہ بننے دیں؛ بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ تمام ہی مسلمان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرامؓ کے طریقہ پر جمع ہوکر اپنے اختلافات کو بھی ختم کریں؛ لیکن اگر تشریح میں اختلاف باقی رہتا ہے جیسا کہ قوی اندیشہ ہے تو کم از کم اتنا تو از حد ضروری ہے کہ مشترکہ مسائل ومعاملات میں متحدہ موقف اپنایا جائے، جیسا کہ ابھی مسلم پرسنل لاء کے مسئلہ میں یہ اتحاد سامنے آیا ہے، اس ماحول کو باقی رکھنے کی کوشش کی جائے کہ ہندستان جیسے کثیر مذہبی ملکوں میں باعزت زندگی کا اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں ہے۔

مسلمانوں کی تعلیمی واقتصادی حالت

ان مسائل میں ایک اہم چیز تو مسلمانوں کی تعلیمی واقتصادی حالت ہے۔ ہندستان میں مسلمانوں کے اکثر معاملات ہی کا حال خراب ہے ،لیکن تعلیمی و اقتصادی میدان میں تو مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے، جس کا اندازہ لگانے کے لئے سچر کمیٹی کی رپورٹ کافی ہے ۔اس خراب صورت حال میں جہاں ایک طرف حکومتی پالیسیوں کا دخل ہے، وہیں ہم مسلمانوں کا

غیر ذمہ دارانہ رویہ بھی اس کا سبب ہے، اس لئے ایک طرف تو حکومت سے یہ اپیل کی جائے کہ وہ مسلمانوں کی تعلیمی واقتصادی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے ضروری اقدامات کرے اور اس راہ کی روکاوٹوں کو دور کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ حکومت کی ذمہ داری کا ایک حصہ ہے، کیوں کہ ملک کی ترقی تمام باشندوں اور ان کے تمام طبقات کی ترقی کے بغیر ناممکن ہے۔

دوسری طرف ہم مسلمانوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم نہایت سنجیدگی کے ساتھ ان دونوں میدانوں میں محنت کے لئے کمر کس لیں۔ اپنے بچوں کو تعلیم دلانا اور ان کی صحیح تربیت کرنا، کھانے پینے سے بھی زیادہ ضروری سمجھیں اور اس کے لئے ہر قربانی دینے کے لئے تیار رہیں۔ اصحاب ثروت، مسلمان بچوں کے لئے ایسے تعلیمی ادارے قائم کریں، جن میں دینی ماحول اور دینی تربیت کے ساتھ عصری تعلیم کا انتظام ہو۔ اسی طرح اپنے اقتصادی حالات بہتر بنانے کے لئے ہر شخص محنت سے کام کرے۔ حلال کمانے کی فکر کرے اور سرکاری اسکیموں سے جہاں تک ممکن ہو، فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔

اسکولوں میں مخصوص مذہبی رسومات کا مسئلہ

حضراتِ گرامی! حالیہ برسوں میں مختلف مقامات پر بعض تعلیمی اداروں نے مسلمان بچوں کو بھی مشرکانہ ترانے یا رسوم ادا کرنے پر مجبور کیا، یہ بلاشبہ ان کے بنیادی حقوق کی خلاف ورزی ہے، ہمیں حکومت سے اس صورت حال پر سختی سے روک لگانے کا مطالبہ کرنا ہے۔ اور اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو اسکے لئے عدلیہ کا سہارا لیا جانا چاہیے، کیوں کہ یہ ہمارے دین وایمان کا مسئلہ ہے، جو ہمارے لئے جان ومال سے بڑھ کر ہے۔

مکاتب کا قیام کا مسئلہ

یہ مسئلہ بھی ہمیشہ تذکرے میں آتا رہا ہے اور آج بھی اس پر مزید توجہ کی ضرورت ہے کہ جو علاقے پسماندہ وناخواندہ یا ارتداد وغیرہ سے متاثر ہیں، ان میں پوری ذمہ داری کے ساتھ

مکاتب کا جال بچھایا جائے ، اس کے لئے مسلمان اصحاب ثروت کے علاوہ مدارس اسلامیہ اور جماعتی اکائیاں خاص طور پر توجہ دیں۔

اَوقاف کا مسئلہ

مسلم اوقاف کے مسئلہ پر جمعیۃ علماء ہند ہمیشہ توجہ دلاتی رہی ہے اور آج بھی اس کی ضرورت باقی ہے۔ اس سلسلہ میں تفصیل تو تجویز میں آئے گی ، مختصراً یہ ہے کہ مسلم اوقاف کا نظام اگر درست ہو جائے تو ان سے امت مسلمہ کے بہت سے مسائل میں مدد مل سکتی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت اوقاف کے نظام کو درست کرنے کے تمام ضروری اقدامات عمل میں لائے ، قانونی روکاوٹیں دور کرے ، کرپشن دور کرنے کے لئے موثر تدابیر اختیار کرے ، مجموعی طور سے ایسا نظام عمل بنادے ، جس کے نتیجے میں تمام اوقاف ، وقف کرنے والوں کی منشا کے مطابق استعمال ہو سکیں۔

دلت مسلم اتحاد کا مسئلہ

ہندستان میں سیاسی وسماجی صورت حال کو دیکھتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند سمجھتی ہے کہ مسلمانوں کو ملک کے تمام طبقات کے ساتھ اتحاد کرنا چاہیے ، جو محرومی ومظلومی کا شکار ہیں ۔ اس اتحاد کا مقصد یہ ہو کہ مسلمان اور تمام اقلیتیں ، نیز دلت ، آدی واسی اور تمام پسماندہ طبقات ، اپنے حقوق کے حصول کی جنگ مشترکہ طور پر لڑیں ۔ اس ضرورت کا احساس جمعیۃ علماء ہند کے اکابر عرصہ سے کر رہے ہیں اور کسی نہ کسی حد تک اس راہ میں عملی اقدامات بھی کیے گئے ہیں ، نیز ابھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت باقی ہے ۔ بہتر ہوگا کہ اس مقصد کے لئے ایک مربوط نظام عمل طے کر کے اس پر کام شروع کر دیا جائے ۔

امارت شرعیہ کا استحکام

امارت شرعیہ کا نظام ہندستانی مسلمانوں کی دینی ضروریات کا جلی عنوان ہے ، جس کی اہمیت کا احساس کر کے جمعیۃ علماء ہند شروع ہی سے اس کے لئے کوشاں رہی ہے اور ۱۹۸۶ء میں

با قاعدہ اس کا قیام عمل میں آچکا ہے اور متعدد صوبوں میں امارتیں بھی قائم ہیں، لیکن اس نظام کو با قاعدگی کے ساتھ فعال بنانے کی شدید ضرورت ہے۔ خصوصاً محکمہ شرعیہ کے نظام کو مقامی سطح تک لے جانا چاہیے تاکہ مسلمان اپنے عائلی مسائل شریعت کی روشنی میں حل کراسکیں۔ اس کے لئے مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اس ذمہ داری کے لئے باصلاحیت علما کی تلاش کی جائے اور تمام مسلمانوں کو اس کی افادیت و اہمیت سے واقف کرانے کے لئے بھی عملی اقدامات کئے جائیں۔ نیز کانفرنسیں اور جلسے منعقد کرنے کے علاوہ آسان زبان میں لٹریچر تیار کیا جائے۔

جماعتی نظام کا استحکام

جمعیۃ علماء ہند کا اپنا ایک نظام کار اور طریقۂ عمل ہے جس سے واقف ہونا ہر جماعتی کارکن کے لئے ضروری ہے؛ تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر کام کرسکے، اِس کے لئے مقامی، ضلعی اور صوبائی سطح پر تربیتی کیمپ منعقد کئے جانے چاہئیں؛ تاکہ کارکنوں کی تربیت ہوسکے، ان میں نئی روح پیدا ہو اور کارکردگی کا جائزہ بھی سامنے آتا رہے، نیز اُن کی کارگزاری کا معیار بلند ہوجائے۔

عالمِ اِسلام کی صورتِ حال

جمعیۃ علماء ہند کی روز اول سے یہ خصوصیت رہی ہے کہ اس نے ہمیشہ عالم اسلام اور مسلمانوں کے معاملات پر گہری نظر رکھی ہے اور حسب ضرورت اپنا دردمندانہ موقف ظاہر کیا ہے۔ عالم اسلام کے مسائل میں فلسطین کا مسئلہ تو ایک قدیم ناسور کی حیثیت رکھتا ہے، جس سے ملت اسلامیہ کا دل مسلسل زخمی رہا ہے، اس بارے میں جمعیۃ علماء ہند ہمیشہ نہایت سرگرمی اور قوت کے ساتھ آواز بلند کرتی رہی ہے؛ لیکن اِس وقت تو صورتِ حال ایسی ہے کہ ع:

تن ہمہ داغ داغ شد، پنبہ کجا کجا نہم

ملک شام کئی سالوں سے بے قصور مسلمانوں کی قربان گاہ بنا ہوا ہے اور عالمی طاقتوں کی مداخلت سے وہ مسئلہ مزید الجھتا جارہا ہے، وہاں کے مظلوم مسلمانوں کی آہیں سننے کے لئے کوئی

تیار نہیں ہے۔ دوسری طرف یمن میں مسلم ممالک ہی مصروف جنگ ہیں اور عالمی طاقتوں کا کردار نورا کشتی کی یاد دلا رہا ہے۔ لیبیا بدترین انتشار اور عدم استحکام کا شکار ہے۔ ترکی، وہاں آنے والے ناکام انقلاب کے نتائج سے جوجھ رہا ہے۔ عراق خانہ جنگی میں مبتلا ہے۔ مصر میں اسلامی قوتیں بدترین جبر کا نشانہ بنی ہوئی ہیں۔ غرض یہ کہ جس طرف دیکھئے عالم اسلام غیروں کی سازشوں اور اپنوں کی بے حسی اور بے عملی بدترین نتائج بھگت رہا ہے۔

ایسے حالات میں شدید ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کا حکمراں طبقہ، نہایت بیدار مغزی، دردمندی اور سوز دروں کے ساتھ حالات کے تقاضوں کو محسوس کرے۔ اور اپنی ذمہ داریاں صحیح طور پر ادا کرنے کے لئے اسلاف کا قلب وجگر ڈھونڈھ لائے، اور عام مسلمان بھی اللہ کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر اپنی زندگی میں مکمل شریعت نافذ کرنے کا مزاج بنائیں۔

تشکر ومعذرت

آخر میں صمیم قلب سے آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے اِن گذارشات کو توجہ سے سماعت فرمایا۔ تشریف آوری کی زحمت پر بھی آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اپنی ذمہ داری کا احساس کیا اور اپنی نمائندہ جماعت کی آواز میں آواز ملانے کے لئے مشقت سفر برداشت کی۔

اللہ رب العزت اِس اجلاس کو پوری ملتِ مسلمہ کے حق میں خیر وفلاح کا ذریعہ بنائیں اور ہم تمام خدام کو نئی قوت کے ساتھ سرگرم عمل ہونے کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا أَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ

وَعَلٰى آلِهٖ وَأَصْحَابِهٖ أَجْمَعِيْنَ. آمين

بِرَحْمَتِکَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

❑❖❑

ذکرِ رفتگاں
گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ
جلد اوّل
ترتیب
محمد سلمان منصورپوری
ذکرِ رفتگاں
گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ
جلد دوم
ترتیب
محمد سلمان منصورپوری
ذکرِ رفتگاں
گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ
جلد سوم
ترتیب
محمد سلمان منصورپوری
ذکرِ رفتگاں
گذشتہ سالوں میں وفات پانے والے اکابر اور اہم شخصیات سے
متعلق ''ندائے شاہی'' میں شائع شدہ تعزیتی مضامین کا مجموعہ
جلد چہارم
ترتیب
محمد سلمان منصورپوری
ذکرِ عثمان
(ذکرِ رفتگاں)
خصوصی اِشاعت بیاد:
اَمیر الہند رابع
حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نور اللہ مرقدہٗ
اُستاذِ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
(المتوفی: ۸؍ شوال المکرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍ مئی ۲۰۲۱ء)
جلد پنجم
ترتیب:
محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
ذکرِ عثمان
(ذکرِ رفتگاں)
خصوصی اِشاعت بیاد:
اَمیر الہند رابع
حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نور اللہ مرقدہٗ
اُستاذِ حدیث ومعاون مہتمم دار العلوم دیوبند وصدر جمعیۃ علماء ہند
(المتوفی: ۸؍ شوال المکرم ۱۴۴۲ھ مطابق ۲۱؍ مئی ۲۰۲۱ء)
جلد ششم
ترتیب:
محمد سلمان منصورپوری
جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد
Designd By Hozaifa Iftikhar 7081043788